جلد دوم

وفاقی نصاب برائے بنات کے مطابق مکمل شرح

خَیْرُ الصَّالِحِیْن

اُردو شرح

رِیَاضُ الصَّالِحِیْن

اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ

و دیگر اکابر کے افادات سے مزین مستند شرح

مرتبین

مفتی سعود احمد (فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد)

مولانا حبیب الرحمٰن (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ

چوک فوارہ مُلتان پاکستان

(061-4540513-4519240)

خَیرُ الصَّالِحِیْنْ

تاریخ اشاعت .... شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان — مکتبہ الفاروق. مصریال روڈ چوہڑ پال.. راولپنڈی

ادارہ اسلامیات........ انار کلی........ لاہور — دارالاشاعت....... اُردو بازار........ کراچی

مکتبہ سید احمد شہید....... اردو بازار..... لاہور — مکتبۃ القرآن...... نیوٹاؤن............ کراچی

مکتبہ رحمانیہ....... اُردو بازار .... لاہور — مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار...... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTERE — 119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

فہرست

باب في الدلالة عَلَى خير والدعاء إلَى هدى أَوْ ضلالة

نیکی کی طرف رہنمائی کرنا اور ہدایت یا گمراہی کی طرف بلانا

قَالَ اللّٰہ تَعَالَی : ﴿ وَادْعُ إلَى رَبِّكَ ﴾ [القصص : ۸۷] .

ترجمہ: "ارشاد خداوندی ہے: "اور اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہو۔"

تفسیر: اس آیت کریمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی توحید اور معرفت وعبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۴۱۴)

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کے اندر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی آپ کی بات سنے یا نہ سنے آپ کے ذمہ دعوت ہے' آپ دعوت دیتے رہے۔

وَقَالَ اللّٰہ تَعَالَی : ﴿ ادْعُ إلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾ [النحل : ۱۲۵] .

ترجمہ: اور فرمایا "اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف بلاؤ۔"

تفسیر: "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ " اُدْعُ کے معنی بلانے کے ہیں جو انبیاء علیہ السلام کا پہلا فرض منصبی ہوتا تھا پھر ختم نبوت کی وجہ سے پوری اُمت محمدیہ پر دعوت الی اللہ کو فرض کر دیا گیا۔ (معارف القرآن ۵/۴۰۷)

بالحکمۃ: حکمت کے لغت میں متعدد معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر علامہ آلوسی نے حکمت کی تفسیر یہ کی ہے:

اِنَّهَا الْكَلَامُ الصَّوَابُ الْوَاقِعُ مِنَ النَّفْسِ اَجْمَلَ مَوْقِعٍ ۝ (روح المعانی)

ترجمہ: "یعنی حکمت اس درست کلام کا نام ہے جو انسان کے دل میں اُتر جائے۔"

بعض مفسرین نے حکمۃ سے قرآن' بعض نے فقہ اور بعض نے نبوت مراد لی ہے۔ (زاد المسیر ۴/۳۰۷)

اَلْمَوْعِظَۃُ: وعظ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی خیر خواہی کی بات کو اس طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کیلئے نرم ہو جائے۔ اس کیساتھ قبول کرنیکے ثواب وفوائد اور نہ کرنے کے عذاب ومفاسد ذکر کیے جائیں۔ (روح المعانی)

وَقَالَ اللّٰہ تَعَالَی : ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ [المائدة :۲] .

ترجمہ: اور فرمایا "(اور دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

تفسیر: اَلْبِرِّ اور تقویٰ کے اہل لغات نے متعدد معنی بیان کیے ہیں۔ یہاں پر فعل الخیرات یعنی نیک عمل مراد ہے۔

تقویٰ ترک المنکرات کہ ایک دوسرے کے نیک اعمال اور برائیوں کے ترک کروانے میں تعاون کیا جائے۔ اسی کو حدیث شریف میں الدال علی الخیر کفاعلہ فرمایا ہے۔

بعض حضرات نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ تقوی کے ذریعہ سے آدمی اللہ کو راضی کرتا ہے اور بر کے ذریعہ لوگوں کو خوش کرتا ہے۔(زاد المسیر ۲/۲۳۵)

وَقَالَ تَعَالَى:﴿ وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ ﴾[آل عمران :١٠٤].

ترجمہ:اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے۔"

تفسیر:اس آیت شریفہ میں پوری اُمت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا ہے اور دوسری اُمتوں پر اس کی فضیلت کا سبب ہی اس خاص کام کو بتایا گیا ہے۔

یدعون الی الخیر...الایۃ

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:امر بالمعروف نہی عن المنکر یہ تو ہر فرد پر ضروری ہے مگر ایک جماعت پر جس کا یہی وظیفہ ہو جیسے کہ دوسری روایت سے ثابت ہے کہ جو برائی دیکھے اسے ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے ورنہ دل میں تو برا جانے' **وفی روایة هذا اضعف الایمان**۔ اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو ذرہ برابر بھی ایمان نہیں۔ پھر اس دعوت الی الخیر میں بھی دو درجے ہیں۔

ا- غیر مسلمانوں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا۔ مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی تمام قوموں کو اسلام کی طرف دعوت دے' زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔

۲- دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر کی تبلیغ کرے اور فریضہ دعوت الی الخیر کو انجام دے۔(معارف القرآن ۲/۱۴۱۔۱۴۰)

صحابہ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کے عظیم مقصد کو لے کر اُٹھے اور قلیل عرصہ میں دنیا پر چھاگئے۔روم وایران کی عظیم سلطنتیں روندڈالیں اور دنیا کو اخلاق وپاکیزگی کا درس دیا۔(معارف القرآن ۲/۱۴۲)

نیکی کا بتانے والا بھی عمل کرنے والے کے ثواب میں شریک ہے

وعن أبي مسعود عُقبَةَ بن عمرو الأنصاري البدري رضي الله عنه، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :(مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أجْرِ فَاعِلِهِ) رواه مسلم

ترجمہ۔"حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس پر عمل کرنے والے کے برابر اسے ثواب ملتا ہے"۔

شان ورود

جس طرح قرآن کی آیات کا شان نزول ہوتا ہے تو اس طرح بعض احادیث کا بھی شان ورود ہوگا کہ خاص موقعہ پر ارشاد فرمایا تو اسی طرح اس حدیث کا بھی شان ورود ہے۔ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سفر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس تو سواری نہیں ہے۔ایک شخص نے کہا میں ایسا آدمی بتاتا ہوں جو اسے سواری مہیا کردے گا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بالا ارشاد فرمائی:(رواہ مسلم شریف)

اس حدیث میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے زبردست انعام اور عطاء کا بیان ہے کہ آدمی خود اتنا کام نہیں کرسکتا' دوسرے کو ترغیب دے کر اس عمل کے لیے آمادہ کردے۔ مثلاً نادار ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مال کثرت سے خرچ نہیں کرسکتا۔ دوسروں کو ترغیب دے کر خرچ کرائے تو یہ ترغیب دینے والا خرچ کرنے والوں کے ساتھ خود بھی ثواب میں شریک ہو جائے گا۔ ایک شخص خود روزہ نہیں رکھ سکتا' حج نہیں کرسکتا' جہاد نہیں کرسکتا۔ غرض یہ کہ کسی بھی نیک کام کے لیے دوسرے کو آمادہ اور ترغیب دے دے تو کرنے والے کی طرح ترغیب دینے والے کو بھی اجر و ثواب ملے گا۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه: أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أجور مَنْ تبعه، لاَ يَنْقُصُ ذلِكَ مِنْ أجورهم شَيئاً، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلاَلَةٍ، كَانَ عَلَيهِ مِنَ الإثْمِ مِثْلُ آثَام مَنْ تبعهُ، لاَ يَنْقُصُ ذلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيئاً)) رواه مسلم.

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو اس کو ان لوگوں کے ثواب کے برابر حصہ ملتا ہے جو اس کی اتباع کرتا ہے ان کے ثواب سے بھی کچھ کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے اس پر ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملتا ہے جو اس پر عمل کرتے ہیں لیکن انکے گناہوں سے کچھ کمی نہیں ہوگی"۔ (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: "ھدیٰ" سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس خیر کی طرف دعوت دے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو تو اس شخص کو اس کا ثواب بھی ملے گا۔ اسی طرح قرآن میں آتا ہے: "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلاَّ الْاِحْسَانُ" اسی طرح کوئی کسی کے گناہ کے آنے کے لیے ذریعہ اور سبب بن جائے تو اس کو اس کے کرنے والے کا بھی گناہ ملے گا جیسے کہ ایک اثر میں آتا ہے۔ "اَلدَّالُ عَلَى الشَّرِّ كَفَاعِلِهٖ" (ابن ماجہ:۱۹) شر کی طرف دعوت دینے والا کرنے والے کی طرح ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: "جَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (الشوریٰ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

وعن أبي العباس سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه: أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ يوم خيبر: ((لأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غداً رجلاً يَفْتَحُ الله عَلَى يَدَيهِ، يُحبُّ الله وَرَسولَهُ، ويُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ))، فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أيُّهُمْ يُعْطَاهَا. فَلَمَّا أصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُو أنْ يُعْطَاهَا. فَقَالَ: ((أينَ عَلِيُّ ابنُ أبي طالب؟)) فقيلَ: يَا رسولَ الله، هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيهِ. قَالَ: ((فَأرْسِلُوا إلَيْه)) فَأُتِيَ بِهِ فَبَصَقَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَيْنَيْهِ، وَدَعَا لَهُ فَبَرِئَ حَتَّى كَأنْ لَمْ يكُن بِهِ وَجَعٌ، فأعْطَاهُ الرَّايَةَ. فَقَالَ عَليٌّ رضي الله عنه: يَا رَسُول الله، أُقَاتِلُهُمْ حَتَّى

يَكُونُوا مِثْلَنَا ؟ فَقَالَ : ((انْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ تَعَالَى فِيهِ ، فَوَاللهِ لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِداً خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

قَوله : يَدُوكُونَ : أي يَخُوضُونَ وَيَتَحَدَّثُونَ . وقوله : ((رِسْلِكَ)) بكسر الراءِ وبفتحها لغتان ، والكسر أفصح .

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقع پر فرمایا کہ کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائیں گے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اسے محبوب رکھتے ہیں' وہ رات لوگوں نے اس اضطراب میں گذاری کہ دیکھئے جھنڈا کسے دیا جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے' ہر ایک آرزو رکھتا تھا کہ جھنڈا اسے مل جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی بن ابی طالبؓ کہاں ہے؟ بتایا گیا یا رسول اللہ ان کی انکھ میں تکلیف ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں بلانے بھیجو' انہیں لایا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا' اور ان کے لئے دعا فرمائی' وہ صحیح ہو گئے جیسے انہیں کوئی تکلیف نہ تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھنڈا عطا فرما دیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں' ان سے برسرپیکار رہوں گا' یہاں تک کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سیدھے چلے جاؤ یہاں تک کہ میدان جنگ میں پہنچ جاؤ پھر انہیں دعوت اسلام دو اور انہیں بتاؤ کہ ان پر اسلام میں اللہ کے کیا حقوق لازم ہوتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر اللہ تیرے سبب سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دیدے تو تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: غزوہ خیبر کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آشوب چشم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوایا' انہیں اپنی گود میں لٹایا اور اپنی ہتھیلی مبارک پر لعاب دہن لے کر ان کی آنکھوں پر مل دیا جس سے معجزانہ طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کی تکلیف فوراً جاتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا یعنی لشکر کا جھنڈا جو سیاہ رنگ کا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لواء سفید تھا جس پر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ اولاً انہیں دعوت اسلام دینا اگر کوئی ان میں سے تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کرلے تو یہ سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور یہ اس بناء پر فرمایا کہ اہل عرب کے نزدیک سرخ اونٹوں کو بہت قیمتی مال سمجھا جاتا تھا۔

حدیث مبارک متعدد معجزات پر مشتمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست شفاء سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آشوب چشم جاتا رہا اور روایت میں ہے کہ پھر زندگی بھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوئی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ خیبر کے جس قلعے کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح فرمایا تھا اس کا نام قموص تھا جو ان کا سب سے بڑا قلعہ تھا اور یہیں حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ تعالیٰ عنہا باندی بن کر آئی تھیں۔ (روضۃ المتقین ج ا ص ۲۲۵۔ دلیل الفالحین ج ا ص ۳۳۴)

(١) وعن أنس رضي الله عنه : أن فتىً مِنْ أسلم ، قَالَ : يَا رَسُول الله ، إنّي أُريدُ الغزْوَ وَلَيْسَ معي مَا أتَجهَّز بهِ ، قَالَ : ((ائتِ فُلاَناً فإنَّهُ قَدْ كَانَ تجهَّزَ فَمَرِضَ)) فَأتَاهُ ، فَقَالَ: إنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْرِئُكَ السَّلاَمَ ، وَيَقُولُ : أعْطِني الَّذِي تَجَهَّزْتَ بِهِ ، فَقَالَ : يَا فُلاَنَةُ ، أعْطِيهِ الَّذِي تَجَهَّزْتُ بِهِ ، وَلا تَحْبِسي مِنْهُ شَيئاً ، فَوَاللهِ لاَ تَحْبِسِين مِنْهُ شَيئاً فَيُبَارَكَ لَكِ فِيهِ . رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اسلم قبیلہ کے ایک نوجوان نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں اور میرے پاس جہاد کا سامان نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فلاں شخص کے ہاں جاؤ اس نے جہاد کا سامان تیار کر لیا تھا مگر وہ بیمار ہو گیا، وہ اس کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھے سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو نے جو سامان جہاد کیلئے تیار کر رکھا ہے مجھے عنایت کر دے۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ جو کچھ سامان تو نے تیار کر رکھا ہے اس کو دے دیجئے اور اس سے کچھ بھی نہ روکئے، اللہ کی قسم! اس سے کچھ بھی نہ روکئے اس میں تیرے لئے برکت ہو گی“۔ (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح۔ اَنَّ فَتیً مِنْ اَسْلَمَ: قبیلہ اسلم کے ایک نوجوان نے کہا بعض روایات میں اس نوجوان کا نام اسلم بن قصی بن حارثہ آتا ہے۔

”قَدْ کَانَ تَجَهَّزَ فَمَرِضَ “ اس نے جہاد کا سامان تیار کیا تھا مگر بیمار ہو گیا۔ اس سے علماء استدلال کرتے ہیں کہ کسی شخص نے کسی نیکی کی تیاری پوری کر لی مگر اس نیکی کرنے سے پہلے وہ بیمار یا کسی ایسے عذر میں مبتلا ہو گیا جس بناء پر وہ نیکی نہ کر سکا تو اس نے جو تیاری اپنے لئے کر رکھی ہے تو وہ کسی دوسرے کو دے دے تو ان شاء اللہ اس کو اس عمل پر پورا ثواب ملے گا۔

”لاَ تَحْبِسِیْ مِنْهُ شَیْئًا“ اس میں سے کچھ بھی روک کر نہ رکھنا۔ علماء فرماتے ہیں کہ جس چیز کو آدمی نے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی نیت سے رکھا تھا تو اسی میں خرچ کرے کسی اور کام میں اس کو لگاتا ہے تو اب اس میں برکت نہیں ہوتی۔

باب في التعاون عَلَى البر والتقوى
نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرنا

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ [المائدة : ٢] .

ترجمہ: ارشاد خداوندی ہے: "اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَالْعَصْرِ إِنَّ الإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلاَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾

ترجمہ: اور فرمایا: "عصر کی قسم کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

[العصر : ١٢] قَالَ الإمام الشافعي رَحِمَهُ الله كلاماً معناه : إِنَّ النَّاسَ أَوْ أكثرَهم في غفلة عن تدبر هٰذِهِ السورة((٢)) .

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ اس سورت کے معانی میں غور و فکر کرنے سے غافل ہیں۔

تفسیر: "عصر" سے مراد حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زوال سے غروب تک کا وقت ہے۔ علامہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دن کی آخری گھڑی' مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز عصر' عام مفسرین کے نزدیک زمانہ مراد ہے کہ انسان کے تمام حالات اس کے نشوونما اس کی حرکات وسکنات سب زمانے میں ہی ہیں۔

إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِیْ خُسْرٍo (خسر) کا معنی ہے اصل پونجی ضائع ہو جانا کہ اگر آدمی اپنی زندگی کو آخرت کے اعمال میں نہیں لگاتا تو اس کی اصل پونجی جو عمر ہے وہ ضائع ہو جاتی ہے۔

"تَوَاصِیْ بِالْحَقِ" تواصی وصیت سے ہے۔ "وصیت" کہتے ہیں کہ کسی کو تاکید اور مؤثر انداز میں نصیحت کرنا۔ اسی وجہ سے مرنے والا مرتے وقت جو کچھ کہتا ہے اس کو بھی وصیت کہتے ہیں۔ پہلے دو جز کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور آخر کے دو جز کا تعلق عام مسلمانوں کی ہدایت و اصلاح سے ہے۔

"تَوَاصِیْ بِالصَّبْرِ" (صبر) کے معنی ہوتے ہیں اپنے نفس کو روکنا تو تمام اعمال صالحہ کی خود بھی پابندی کرنا اور گناہوں سے بچنا بھی ہے یعنی جس کو آپ نے امر بالمعروف کہا اس نے اس پر جو تکلیف دی اس کو برداشت کرنا۔ (تفسیر ابن کثیر ۵۸۵/۴' زاد المسیر ۳۰۳/۸)

اس سورت کی اہمیت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ظاہر ہے جو متن میں مذکور ہے۔ اسی طرح سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔ صحابہؓ میں سے دو صحابی ایسے تھے جب وہ آپس میں ملتے تو اس وقت تک جدا نہیں ہوتے جب تک ایک دوسرے کو سورت عصر نہ سنادیتے۔ (تفسیر معارف القرآن)

غازی کی مدد کرنیوالے کو بھی اجر ملتا ہے

(۳) وعن أبي عبد الرحمان زيد بن خالد الجهني رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ جَهَّزَ غَازِياً في سَبيلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا ، وَمَنْ خَلَفَ غَازِياً في أَهْلِهِ بِخَيرٍ فَقَدْ غَزَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ

ترجمہ۔ ”حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان دیتا ہے وہ بھی غازی ہے اور جو شخص کسی غازی کا اس کے اہل و عیال میں بہتر خلیفہ بنتا ہے وہ بھی غازی ہے“۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح۔ اس حدیث میں جہاد کے عمل کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے کی ترتیب بتائی جارہی ہے اور اجر و ثواب میں سب کو شامل کیا جارہا ہے کہ معاشرے میں بہت سے ایسے جوان ہیں جن کے پاس وسائل نہیں اور بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے پاس وسائل ہیں مگر وہ عذر کی بناء پر جا نہیں سکتے تو اس حدیث شریف میں یہ ترتیب بتائی گئی کہ جن کے پاس وسائل ہیں وہ خود جا نہیں سکتے تو وہ ان لوگوں کی مدد کریں جو جا سکتے ہیں اگر وسائل سے محرومی ہے تو اس صورت میں سب کو ثواب مل جائے گا۔

اسی طرح جوان غازیوں کے اہل و عیال کی مدد کرتا رہے اور ان کی ضروریات کو پوری کرتا رہے تو یہ بھی ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔

راوی حدیث حضرت زین بن خالدؓ کے حالات

نام زید ٗابو عبدالرحمٰن کنیت ٗوالد کا نام خالد ٗقبیلہ جہینہ کی وجہ سے جہنی کہلاتے ہیں۔

حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یہ مدینے میں ہی آکر آباد ہوگئے۔ (اسد الغابہ ۲/۱۹۴)

فتح مکہ کے دن ان کے قبیلہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ (اصابہ ۳/۲۶)

وفات: سن وفات میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ہی ۷۸ھ میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت عمر شریف ۸۵ھ سال تھی۔ (طبقات ابن سعد ۴/۶۶ ٗتہذیب التہذیب)

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه :أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بعث بعثاً إِلَى بني لِحْيَان مِنْ هُذَيْلٍ ، فَقَالَ: لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا وَالأَجْرُ بَيْنَهُمَا رواه مسلم.

ترجمہ۔ ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہذیل کے بنو لحیان قبیلہ کی طرف ایک لشکر بھیجا اور فرمایا کہ ہر دو آدمیوں سے ایک جہاد میں جائے ثواب میں دونوں شریک ہوں گے“۔

حدیث کی تشریح: ”بَعَثَ بَعْثًا اِلٰی بَنِیْ لَحْیَانَ مِنْ هُذَیْل“ بنو لحیان یہ قبیلہ ہذیل کا خاندان تھا اور ہذیل عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے پاس لشکر بھیجا اس وقت باتفاق یہ لوگ کافر تھے۔(روضۃ المتقین ۱/۲۲۸، نزہۃ المتقین ۱/۱۶۵)

فَقَالَ: ”لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ“ ہر دو آدمیوں میں سے ایک ضرور جائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ”بَعَثَ اِلٰی بَنِیْ لَحْیَانَ لِیَخْرج مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ رَجُل“ (مسلم شریف)

کہ جو لوگ جہاد میں جائیں تو ان کو تو جہاد کا ثواب ملے گا ہی لیکن جو لوگ اپنے گھروں پر رہ کر ان مجاہدین کے گھربار کی نگرانی اور ان کے اہل و عیال کی پرورش و دیکھ بھال کریں گے تو ان کو بھی مجاہدین جیسا ثواب ملے گا۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَكْباً بالرَّوْحَاء ، فَقَالَ : " مَنِ القَوْمُ ؟ " قالوا : المسلمون ، فقالوا : من أنتَ ؟ قَالَ : "رَسُول الله" ، فرفعت إلَيْه امرأةٌ صبياً ، فَقالَتْ : ألِهَذَا حَجٌّ ؟ قَالَ : " نَعَمْ ، وَلَكِ أجْرٌ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحاء مقام پر ایک قافلہ ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کون ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ مسلمان ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بچہ اٹھایا اور بولی: کیا اس کا بھی حج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور تمہارے لئے اجر ہے۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: کسی سفر میں روحاء کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ سوار ملے۔(رکب) ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اونٹوں پر سوار ہوں اور دس افراد سے کم ہوں اور روحاء ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ ملاقات رات کے وقت ہوئی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ملاقات دن کے وقت ہوئی مگر یہ لوگ اسلام لا کر اپنے علاقے میں رہ رہے ہوں اور اس سے قبل ہجرت نہ کی ہو۔

ایک عورت نے اپنے بچہ کو بلند کر کے پوچھا کہ کیا اس کا حج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے مسلک کی دلیل ہے کہ بچہ کا حج منعقد ہو جاتا ہے اور صحیح ہے اور اس پر ثواب بھی ہو گا لیکن یہ حج اسلام کا حج نہ ہو گا بلکہ نفلی حج ہو گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچہ کا حج نہیں ہے اور اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

کہ بچہ کا حج بطور تمرین ہے تاکہ اسے عادت ہو جائے اور وہ بڑا ہو کر حج کر سکے۔ بہر حال اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ اسلامی حج (فرض حج) نہیں ہو گا بلکہ بعد بلوغ وہ حج ادا کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ تجھے اس بچے کو حج کرانے کا اجر ملے گا یعنی حج کرانے کا اس کی تیاری کرانے اور اس کی زحمت کے اُٹھانے کا جو وہ بچہ کو حج کرانے میں برداشت کرے گی۔

بچہ کی طرف سے نیت حج بچہ کا ولی یعنی باپ دادا وغیرہ کرے گا۔ یہ جب ہے جب بچہ غیر ممیز ہو۔ اگر بچہ خود ممیز ہو تو ولی کی اجازت سے خود حج اور احرام کی نیت کر سکتا ہے۔

صدقے کے معتبر ہونیکی شرائط

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أنَّه قَالَ : ((الخَازِنُ المُسْلِمُ الأمِينُ الَّذِي يُنفِذُ مَا أُمِرَ بِهِ فيُعْطيهِ كَامِلاً مُوَفَّراً طَيِّبَةً بِهِ نَفْسُهُ فَيَدْفَعُهُ إلَى الَّذِي أُمِرَ لَهُ بِهِ ، أحَدُ المُتَصَدِّقَين)) مُتَّفقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ۔ ”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان امانت دار خزانچی جو اس چیز کو نافذ کرتا ہے جس کا وہ حکم دیا جاتا ہے اور دل کی خوشی سے اس شخص کو پوری مقدار عطا کرتا ہے جس کو دینے کیلئے اسے کہا گیا ہے کہ اس کو صدقہ کرنے والوں کی (فہرست) میں لکھا جاتا ہے“۔

حدیث کی شرح: ”اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِیْنُ“ مسلمان امانت دار خزانچی اگر کسی کو کچھ دے تو اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ چار شرطیں لگائی گئی ہیں:

۱-اِذْنٌ: مالک کی اجازت کے ساتھ ہو۔

۲-فَيُعْطِيهِ كَامِلاً: جتنی چیز کے دینے کو مالک نے کہا ہے اس میں کمی نہ کرے۔

۳-طیبة به نفسه: خوش دلی کے ساتھ دے۔

۴-فَيَدْفَعُهُ اِلَى الَّذِیْ اُمِرَ لَهٗ: جس کو مالک نے دینے کو کہا ہو اسی کو دے کسی دوسرے فقیر و مسکین کو نہ دے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

متصدقین تثنیہ کا صیغہ ہے یا جمع کا

”اَحَدُ الْمُتَصَدِّقَیْنِ“: تثنیہ کا صیغہ ہے۔ وہ خزانچی بھی دو صدقہ کرنے والوں میں ایک شمار ہو گا۔ یعنی ایک صدقہ کرنے والا مالک ہے دوسرا وہ ملازم جس کے ذریعے صدقہ اپنی منزل مقصود تک پہنچا۔

دوسری روایت میں متصدقون جمع کا صیغہ ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ ملازم بھی صدقہ دینے والوں میں سے ایک ہے۔ (مرقاۃ و مظاہر حق جدید ۲/۲۸۸)

باب في النصيحة
خیر خواہی کے بیان میں

قَالَ تَعَالٰی: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ٥ (حجرات:۱۰)

ترجمہ: ارشاد خداوندی ہے: "مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

تفسیر: مؤمن آپس میں بھائی ہیں کہ اصل چیز جو مسلمانوں میں مشترک ہے وہ ایمان ہے اس لیے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۲۲۶)

وَقَالَ تَعَالٰی: اِخْبَارًا عَنْ نُوْحٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنْصَحُ لَکُمْ٥ (اعراف:۶۲)

ترجمہ: اور فرمایا: "نوح علیہ السلام کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے اور میں تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔"

تفسیر: "اَنْصَحُ لَکُمْ" نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو دعوت دی اور اللہ جل شانہ کی عبادت کی طرف بلایا اس پر ان کی قوم کے سرداروں نے کہا "اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ" اے نوح! (معاذ اللہ) آپ تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کے دین سے آپ ہم کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ ان سب باتوں کے جواب میں نوح علیہ السلام نے ان پر غصہ یا ناراض ہونے کے بجائے نہایت ہی شفقت کے لہجہ میں فرمایا میں تم کو نصیحت کرتا ہوں (اور میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مبلغین کو ایک اہم تعلیم اور ہدایت ہے کہ دعوت دینے میں جب کوئی اعتراض کرے تو غضب ناک ہونے کے بجائے مشفقانہ اور ہمدردانہ لہجہ اختیار کرے جیسے کہ نوح علیہ السلام نے کیا۔ (تفسیر معارف القرآن)

"اَنْصَحُ نَصَحَ" کا معنی یہ ہے کہ کسی کی خیر خواہی خواہ فعلی ہو یا قولی ہو کرنا۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انصح کے معنی ہوتے ہیں وہ بہتری اور خیر خواہی جو آدمی اپنے لیے پسند کرتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی پسند کرتا ہے۔ (معالم التنزیل)

وَعَنْ ھُوْدٍ علیہ السلام: وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ٥ (الاعراف:۶۸)

ترجمہ: اور ھود علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: "اور میں تمہارا امانت دار اور خیر خواہ ہوں۔"

تفسیر: آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے جب بھی اللہ نے نبی کو بھیجا ان کی قوم نے ان کو قولی اور فعلی تکلیف پہنچائی اور طرح طرح کے اعتراضات کیے مگر نبی ان سب حالات میں بھی اپنی قوم سے محبت کرتے اور یہ جملہ ارشاد فرماتے کہ "وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ" کہ میں تمہارا امانت دار اور خیر خواہ ہوں۔

دین ساری کی ساری خیر خواہی کا نام ہے

وأما الأحاديث : فالأول : عن أبي رُقَيَّةَ تَمِيم بن أوس الداريِّ رضي الله عنه : أنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((الدِّينُ النَّصِيحةُ)) قلنا : لِمَنْ ؟ قَالَ : ((لِلهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ المُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ((٢)))) رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بیان فرمایا دین خیر خواہی کا نام ہے‘ ہم نے عرض کیا کس کی؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اللہ اور اسکے رسول‘ اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کی جائے“۔

لغات حدیث: ”اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ“ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

حدیث کی تشریح: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث تمام دین کا خلاصہ ہے کیونکہ ”نصیحۃ“ کے عموماً معنی ہوتے ہیں اخلاص اور جس عمل میں اخلاص نہ ہو تو اس عمل کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔(شرح مسلم للنووی)

اردو میں اس کا ترجمہ خیر خواہی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو تمام خیر خواہی اس میں داخل ہے مثلاً کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دے‘ بیماروں کی عیادت کرے‘ کمزوروں کی مدد کرے‘ چھوٹوں پر شفقت کرے‘ غریبوں کی مدد کرے‘ غیبت اور چغلی کسی کی نہ کرے‘ نہ سنے‘ کسی کی عیب جوئی نہ کرے وغیرہ۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ‘۹/۲۲۴)

قولہ ”لِلّٰہِ“ اللہ کے لیے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات و صفات پر ایمان رکھا جائے۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔اس کی عبادت اخلاص کے ساتھ کی جائے‘ تمام اوامر کو مانا جائے اور تمام نواہی سے اجتناب کیا جائے۔

قولہ ”لِکِتَابِہٖ“ کتاب کے لیے۔کتاب سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس پر یقین رکھے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔اس کی تلاوت‘ تجوید اور معنی کے غور کرنے کے ساتھ کی جائے۔

قولہ ”وَلِرَسُوْلِہٖ“ رسول کیلئے۔رسول کے لیے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی نبوت کو دل سے مانے۔انکے حکم کی اطاعت کرے اور انکی سنتوں کی محبت بھی اپنی جان‘ اولاد‘ والدین سے زیادہ کرے اور اس پر عمل بھی کرے۔

”وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ“ مسلمانوں کے حکمران کے لیے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خلیفہ شریعت کے مطابق ہو تو اس کی اطاعت کرے اس کے خلاف بغاوت نہ کرے اور اگر وہ سیدھے راستے سے اعراض کریں تو ان کو حکمت کیساتھ سمجھائے۔

”وَعَامَّتِھِمْ“ عام مسلمانوں کے لیے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی بھی دینی و دنیاوی اصلاح کا خیال رکھے۔ان کو اچھی باتوں کی تبلیغ کرے‘ حسد اور برے کاموں سے روکے۔غرض یہ کہ ہر مسلمان کے دنیا و آخرت کے نفع کے لیے فکر مند رہے اس کو کسی قسم کے نقصان ہونے سے بچائے۔(مرقاۃ و التعلیق الصبیح)

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے

علامہ قطب الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔اس میں تمام بھلائیاں وسعادتیں خواہ دنیا کی ہوں یا آخرت کی سب کو ہی جمع کر دیا گیا ہے۔ (مظاہر حق جدید ۴/ ۵۴۲)

الثاني : عن جرير بن عبد الله رضي الله عنه ، قَالَ : بَايَعْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلاةِ ، وَإِيتَاء الزَّكَاةِ ، والنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ . مُتَّفقٌ عَلَيهِ .

ترجمه: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ میں نماز ادا کروں گا زکوۃ دوں گا اور ہر مسلم کی خیر خواہی کروں گا۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت فرمائی۔اقامت صلوۃ' ایتاء زکوۃ اور ہر مسلمان کے لیے نصیحت پر۔ صحیح بخاری میں کتاب البیوع میں روایت ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔اقامت صلوۃ اور ایتاء زکوۃ پر اور سمع وطاعت پر اور ہر مسلمان کے لیے نصیحت پر اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمع وطاعت پر بیعت کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تلقین فرمائی کہ میں جس قدر استطاعت ہو تعمیل حکم کروں اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و مرتبہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے جو حافظ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خادم کو گھوڑا خرید نے بھیجا' اس نے ایک گھوڑے کا تین سو درہم میں معاملہ کر لیا اور گھوڑے کے مالک کو لے کر آیا تا کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی قیمت کی ادائیگی کر دیں۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ تمہارا یہ گھوڑا تو چار سو کا ہے تو کیا چار سو میں دے رہے ہو اس نے کہا کہ ابو عبداللہ تمہاری مرضی' حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو سو درہم کر کے قیمت بڑھاتے رہے' یہاں تک کہ آٹھ سو میں خرید لیا' کسی نے کہا کہ گھوڑے کا مالک تو تین سو میں بھی راضی تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے آٹھ سو دے دیئے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ میں ہر مسلمان سے خیر خواہی کروں گا۔

جو چیز اپنے لیے پسند کرتے اپنے بھائی کیلئے بھی اسی کو پسند کرو

الثالث : عن أنس رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لا يُؤمِنُ أحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحبُّ لِنَفْسِهِ " مُتَّفقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے اس بات کو محبوب نہ سمجھے جس کو وہ اپنے لئے محبوب سمجھتا ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد ہوا کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہوگا جب تک وہ ایمان کے اس اعلیٰ مرتبہ کو نہ حاصل کرلے کہ دوسرے مؤمن بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ ایک روایت میں خیر کا لفظ ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لیے ہر اس بھلائی اور خیر کو محبوب رکھے جسے اپنے لیے محبوب رکھتا ہے۔ یعنی یہ چاہیے کہ اس کا مسلمان بھائی تمام بھلائیوں میں سبق کر جائے اور جملہ مراتب کمال حاصل کرلے کیونکہ خیر ایک جامع لفظ ہے جس میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں داخل ہیں اور یہ لفظ تمام طاعات اور اعمال صالحہ پر مشتمل ہے۔

دنیا کی بھلائی سے مراد: دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ عزت و آبرو اور نیک نامی اور خوش حالی کی زندگی نصیب ہو، مال و دولت اور اسباب و راحت حاصل ہو، نیک صالح بیوی اور فرمانبردار اولاد کی نعمت ملے۔

آخرت کی بھلائی سے مراد: آخرت کی بھلائی یہ ہے کہ نیک اعمال کی توفیق ملے، خاتمہ بالخیر ہو، قبر کی سختیوں اور قیامت کے دن کی باز پرسی اور دوزخ کے عذاب سے نجات اور جنت الفردوس اور اللہ جل شانہ کا دیدار نصیب ہو جائے۔ تو یہ سب دنیا اور آخرت کی بھلائی جو آدمی اپنے لیے چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ یہی بھلائی اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے لیے بھی چاہے۔ اسی سے اس کا ایمان کامل ہوتا ہے۔ (مرقاۃ و مظاہر حق جدید ۴/۵۴۰)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں جس طرح جو چیز اپنے لیے پسند ہو تو وہی چیز اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرو تو اسی طرح ایمان میں سے یہ بات بھی ہوگی کہ جن چیزوں سے آدمی خود بغض اور نفرت کرتا ہے ان چیزوں کو اپنے بھائی کے لیے بھی مبغوض سمجھے۔ (کرمانی بحوالہ روضۃ المتقین ۱/۲۳۳)

....

باب فی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

وَقَالَ تَعَالٰی: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۝ (آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: نیز فرمایا: "(مؤمنو) جتنی اُمتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔"

شان نزول

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" مالک بن الضیف اور وہب بن یہود یہ دونوں یہودی تھے ان کو

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین اسلام کی دعوت دی تو ان یہودیوں نے کہا کہ ہمارا مذہب آپ کے دین سے بہتر ہے' اس پر یہ آیت بالا نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری ۲/۳۴۵)

وَقَالَ تَعَالٰی: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ○ (الاعراف:۱۹۹)

ترجمہ: "اور فرمایا: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔"

تفسیر: خُذِ الْعَفْوَ: عفو کے متعدد معنی اہل لغت نے لکھے ہیں۔

پہلا معنی:۔ یہ ہے کہ ہر ایسا کام جو آسانی کے ساتھ بغیر کسی کلفت اور مشقت کے ہو سکے تو مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ بھی لوگوں سے اس کو قبول کر لیں جو وہ آسانی سے کر سکیں۔ اعلیٰ معیار کا مطالبہ نہ کریں' یہی تفسیر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد خود فرمایا کہ اللہ پاک نے لوگوں کے اعمال واخلاق میں سرسری اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا ہے جب تک میں ان میں رہوں گا ایسا ہی کرتا رہوں گا۔ (بخاری)

دوسرا معنی:۔ عفو کے معافی اور درگزر کے بھی آئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔ انہوں نے اللہ جل شانہ سے پوچھ کر بتایا کہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کر دیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہ دے آپ اس کو عطا فرمائیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع تعلق کرے آپ اس کو اپنے سے ملائیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۲۸۹' معارف القرآن ۴/۱۵۵' تفسیر مظہری ۴/۴۴۶)

بالعرف: عرف بمعنی معروف' اچھا اور مستحسن کام۔ یعنی جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی اور ظلم کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے انتقام نہ لیں' ان کو معاف فرمائیں۔ ساتھ ان کو نیک کام کی ہدایت بھی کرتے رہیں کہ ظلم کا بدلہ انصاف سے نہیں بلکہ احسان سے دیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۲۸۹' تفسیر مظہری ۴/۴۴۷' معارف القرآن ۴/۱۵۲)

وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ: علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کنارہ کشی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں اور ان کو ہدایت کرنا نہ چھوڑیں کیونکہ یہ وظیفہ رسالت و نبوت کے شایان شان نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۲۸۹)

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں مکارم اخلاق کے بارے میں اس سے جامع اور کوئی آیت نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری ۴/۴۴۸' روضۃ المتقین ۱/۲۴۴)

وقال اللہ تعالیٰ: والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر

ترجمہ۔اور فرمایااور مومن مرداور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

تشریح۔اس سے پہلے منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

والمنافقون والمنفقت بعضهم من بعض يامرون بالمنكر وينهون عن المعروف

ترجمہ۔اور منافق مرداور عورتیں سب کی ایک چال ہے وہ سکھاتے ہیں بری بات اور روکتے ہیں اچھے کاموں سے۔

آیت بالاجو مومنوں کیلئے اور جو منافقوں کیلئے ہے اس میں اللہ جل شانہ نے تقابل فرمایا ہے' مومنوں کیلئے فرمایا"بعضهم اولياء بعض" اور منافقوں کیلئے فرمایا"بعضهم من بعض" اس میں اشارہ ہے کہ منافق لوگوں کے باہمی تعلقات اور روابط محض خاندانی یا کسی نہ کسی اغراض پر مبنی ہوتے ہیں ان میں نہ دلی دوستی ہوتی ہے نہ قلبی ہمدردی ہوتی ہے' بخلاف مسلمانوں کے کہ ان میں اولیاء کے لفظ کا اضافہ ہے کہ ان کی دوستی اور ہمدردی اللہ کیلئے ہوتی ہے' خواہ دوست موجود ہو یا غائب ہو۔ ہر حال میں وہ ہمدردی کرتے ہیں اور ان کی دوستی اغراض دنیاوی پر مبنی نہیں ہوتی۔ جیسے کہ روایت میں آتا ہے۔

مثل المومنين فى توادهم وتراحمهم كمثل الجسد الواحد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سآئر الجسد بالحمى والسهر

يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر

ترجمہ۔ مومنوں کی صفت یہ ہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کر رہا تو اس میں منافقوں والی صفت ہے جو برائیوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھائیوں سے روکتے ہیں۔

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرائيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴾ [المائدة:۷۸]

ترجمہ:"اور فرمایا: جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داوٗد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔"

تفسیر: یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا اس لیے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔(تفسیر مظہری)

عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ: داوٗد علیہ السلام کے زبانی زبور میں ان کے اتباع کرنے والے اہل ایلہ تھے جن کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے منع کیا گیا تھا مگر انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی تھی اس پر داوٗد علیہ السلام نے ان کے لیے بددعا فرمائی تھی

کہ اے اللہ! ان پر لعنت فرما اور ان کو عبرت بنادے جس پر وہ بندروں کی طرح ہوگئے۔(تفسیر مظہری ۳/۵۴۸ زادالمسیر ۲/۳۰۸)

وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ: عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں بددعا فرمائی جب کہ ان کے اتباع کرنے والوں نے درخواست کی کہ آسمان سے دستر خوان نازل ہو تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ دستر خوان نازل ہوا مگر وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا فرمائی' وہ سب سور کی شکل کے ہوگئے ان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔(تفسیر مظہری ۳/۵۴۸)

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ : کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' فرمایا کہ ظالم کو ظلم کرتے دیکھو تو اس کا ہاتھ پکڑو ورنہ اغلب یہ ہے کہ اللہ کا عذاب سب پر آجائے۔(سنن اربعہ)

اسی طرح ایک اور روایت میں فرمایا کہ جس قوم میں لوگ گناہ کررہے ہوں وہ قوم اور جماعت اس کو اس گناہ سے روک سکتی ہے تب بھی نہیں روکتے تو ان کے مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ کا عذاب نازل ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لمبی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جب ایک دوسرے کو برائی سے روکنا چھوڑ دیا تو اللہ نے نیک اور بد سب کے دلوں کو ایک جیسا کردیا پھر ان کو بندر اور سور بناڈالا اور داؤد و عیسیٰ علیہم السلام کی زبانی ان پر لعنت کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کی نافرمانی کرتے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ایک دوسرے کو ہدایت کرتے رہو' ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو ان کو حق کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بھی خلط ملط کردیں گے اور تم پر بھی ایسی لعنت ہوگی جیسے کہ ان پر لعنت ہوئی تھی۔(اخرجہ ابوداؤد و ترمذی)

جِرَابٌ چمڑے کا مشہور تھیلا' برتن۔ جیم پر زیر اور زبر کے ساتھ دونوں طریقے سے پڑھنا جائز ہے تاہم زیر زیادہ فصیح ہے۔ "مُمَصَّهَا میم پر زبر کے ساتھ۔ الخَبَطُ مشہور درخت کے پتے جسے اونٹ کھاتے ہیں۔ "الكَثِيب" ریت کا ٹیلہ۔ الوَقْبُ واؤ پر زبر اور قاف ساکن اور اس کے بعد باآنکھ کا گڑھا "قلال" مٹکے۔ "الفِدَرُ" فا پر زیر دال پر زبر' ٹکڑے۔ "رَحَلَ الْبَعِيرِ" حا پر زبر بغیر شد کے ساتھ۔ اونٹ پر کجاوہ رکھا۔ "الوَشَائِق" شین اور قاف کے ساتھ وہ گوشت جسے خشک کرنے کیلئے کاٹا جائے۔ یعنی ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں۔ واللہ اعلم۔

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ [الحجر :٩٤] ،

ترجمہ۔ فرمایا: "پس جو حکم تم کو (خدا کی طرف) سے ملا ہے وہ (لوگوں) کو سنادو۔"

تفسیر: اس آیت میں آپ کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو صاف صاف اللہ کا حکم سنائیں' لوگوں سے نہ ڈریں۔ بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "فاصدع" دعوت کو جاری رکھو۔ ضحاک: اعلان کردو۔ اخفش:: قرآن کے ذریعہ حق و باطل کو جدا کردو۔

عبداللہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چھپ چھپ کر اللہ کی عبادت اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور لوگوں کو تبلیغ بھی چھپ چھپ کر کرتے تھے مگر اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے استہزاء کرنے والے کفار اور ایذاء دینے والے مشرکین سے محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لے لی کہ آپ بے فکری کے ساتھ تبلیغ و دعوت عبادت اور تلاوت قرآن کرتے رہیں، ہم آپ کی طرف سے ان کے لیے کافی ہو جائیں گے۔ (معارف القرآن ۵/ ۳۰۲، تفسیر مظہری ۶/ ۳۶۷)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ فَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴾ [الأعراف : ١٦٥] وَالآيات في الباب كثيرة معلومة .

ترجمہ: "ارشاد خداوندی ہے: جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے ان کو برے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کرتے جاتے تھے۔"

تفسیر: پہلے سے اصحاب السبت کا واقعہ چل رہا ہے کہ جس قوم کو اللہ نے ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کرنے سے منع فرمایا تو ان میں تین گروہ بن گئے۔

۱- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مچھلی پکڑنے لگا۔ ۲- ان کو منع کرنے لگا۔ ۳- خاموش رہا۔

آیت بالا میں ہے کہ جو برائی سے منع کرتے تھے (یعنی ہفتہ کو مچھلی پکڑنے سے) تو ہم نے ان کو نجات دی۔ (اور جو ظلم کرتے تھے یعنی مچھلی پکڑتے تھے) تو ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا کہ ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ (تفسیر مظہری ۴/ ۲۰۵) منع کرنے والے اور نافرمانی کرنے والے کا تو تذکرہ آ گیا اور جو خاموش تھا ان کا کیا ہوا؟

اس کے بارے میں ابن زید نے فرمایا: "خاموش رہنے والا گروہ بھی ہلاک ہو گیا۔"

ایمان کے مختلف درجات

فالأول : عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((مَنْ رَأى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَإنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ، فَإنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ((٢)) الإيمَانِ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ "حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ جو شخص برائی کو دیکھے وہ اس کو ہاتھ (کی قوت) سے روکنے کی کوشش کرے، اگر اس کی استطاعت نہیں تو زبان سے منع کرے اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل میں برا جانے، یہ ایمان کا معمولی درجہ ہے۔"

امر بالمعروف نہی عن المنکر ہر شخص پر لازم ہے

حدیث کی تشریح: اس حدیث پاک میں امر بالمعروف نہی عن المنکر کے تین درجے بیان ہوئے ہیں کہ

طاقت ہو تو ہاتھ سے روکے۔ اگر یہ نہ ہو تو زبان سے منع کرے' اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں برا جانے اس کے بعد بعض حضرات کے نزدیک وہ شخص مسلمان نہیں رہتا۔ (مظاہر حق جدید ۶۴۶/۴)

امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق

امام نوویؒ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ عدم قبولیت کا گمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کو ساقط نہیں کرتا۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ فلاں شخص اچھی بات کو قبول نہیں کرے گا تب بھی اس پر واجب ہے کہ اس کو تلقین کرے پھر اس پر جو ذمہ داری ہے وہ پوری ہے۔ لوگوں نے تو رسولوں کو بھی جھٹلایا ہے اور ان کی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ تو کیا ان رسولوں اور پیغمبروں نے حق بات پہنچانے کا فریضہ ترک کر دیا تھا۔ (شرح مسلم للنووی)

ایمان کے مزید درجات کا بیان

الثاني : عن ابن مسعود رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : "مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إلاَّ كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ، ثُمَّ إنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لاَ يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لا يُؤْمَرونَ ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤمِنٌ ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَيسَ وَرَاءَ ذلِكَ مِنَ الإيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس امت میں کوئی نبی مبعوث فرمایا اسے اپنی امت میں سے سچے اصحاب مل گئے جو اس کی سنت کی پیروی کرتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے پھر ان کے بعد لوگ آئے جو جو کہتے تھے وہ کرتے نہ تھے اور جو انہیں حکم دیا جاتا اس پر عمل نہ کرتے' جو شخص ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو اپنے دل سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے' اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا درجہ باقی نہیں رہا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد مبارک میں بڑے دلکش انداز میں اُمتوں کے سبب زوال کی نشاندہی فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اول اول ہر نبی کے ساتھ اس کی اُمت کے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اس کی سنت پر عمل کرتے اور اس کے لائے ہوئے احکام بجالاتے ہیں پھر کچھ وقت گزر جاتا ہے تو بعد میں آنے والوں میں وہ قوت ایمانی نہیں رہتی اور ضعف ایمان کے ساتھ ان کے اعمال میں بھی فساد سرایت کر جاتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ زبان سے بڑی اچھی اور خوبصورت بات کرتے ہیں لیکن عملی صورت مختلف ہوتی ہے اور وہ کام کرتے ہیں جن کا اللہ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا۔ ایسے لوگوں سے جہاد کیا جائے' ہاتھ سے جہاد' قلب سے جہاد اور زبان سے جہاد غرض جو ان سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے۔

ان کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے یعنی جو منکر کی مزاحمت ہاتھ سے' زبان سے اور دل سے نہیں کرتا دل میں اسے ناگواری بھی محسوس نہیں ہوتی تو گویا وہ اس پر راضی ہے اور اللہ کے حکم کے خلاف کسی بات پر راضی ہونا اس کا دائرہ ایمان سے خارج ہونا ہے۔

ہر حال میں امیر کی اطاعت کرنا

الثالث : عن أبي الوليدِ عبادة بن الصامِت رضي الله عنه ، قَالَ : بَايَعْنَارَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ والطَّاعَةِ فِي العُسْرِ واليُسْر ، والمَنْشَطِ وَالمَكْرَهِ، وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا ، وَعَلَى أَنْ لاَ نُنازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ إلاَّ أَنْ تَرَوْا كُفراً بَوَاحاً عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ تَعالَى فِيهِ بُرْهَانٌ، وَعَلَى أَنْ نَقُولَ بالحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا لاَ نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لاَئِمٍ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (ہاتھ پر) تنگی' آسانی' خوشی' ناخوشی اور ہم پر ترجیح دینے اور ہم امارت کی اہلیت رکھنے والوں سے امارت پر جھگڑا نہ کرنے ہاں اگر ظاہراً کفریہ اعمال سرزد ہوں جن پر اللہ کی طرف سے دلیل موجود نہ ہو اور ہر جگہ حق بات کہنے اور اللہ کے احکام میں کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے خوف زدہ نہ ہونے پر سمع و طاعت کی بیعت کی"۔

لغات حدیث : بایعنا: بایعہ' مبایعة: بمعنی باہم معاہدہ کرنا۔ کہتے ہیں "بایعوہ بالخلافة وبویع له بالخلافة" لوگوں نے اس کی خلافت پر بیعت کی۔ لوگوں نے اس کی خلافت کو مان لیا اور تسلیم کر لیا۔

☆ المنشط: نشط' نشاطاً سمع سے بمعنی چست ہونا' ہشاش بشاش ہونا۔

☆ المکرہ: کرہ' کرھاو کرھا و کراھۃً سمع سے بمعنی: ناپسند کرنا۔

امیر کو کفر کی وجہ سے معزول کرنا

حدیث کی تشریح: حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی امیر میں شرائط امارت موجود ہوں اور اس کی امارت محقق ہو جائے تو اب اس کی امارت سے بغاوت یا منازعت جائز نہیں۔ ہاں اگر اس امیر کی طرف سے کفر بواح سامنے آجائے تو اب منازعت جائز ہے۔ "بواح" سے مراد یہ ہے کہ کھلم کھلا اس کی حکومت سے اسلام کا نقصان ہو رہا ہو اور کفر کو فائدہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے "کفر بواح" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم کو یقین ہو یہ کفر ہی ہے اس کے کفر میں شک نہ ہو تو اب اس صورت میں اس کی امارت کے خلاف منازعت کی جائے گی اور اس کو امارت سے ہٹایا جائے گا۔ (روضۃ المتقین ۱/۲۳۹' دلیل الصالحین ۱/۴۶۹)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کفر بواح کا ترجمہ کیا ہے: "ایسا گناہ جس پر کھلی دلیل ہو اور اس کی معصیت ہونے پر کوئی شک نہ ہو۔" (شرح مسلم للنووی)

حدود اللہ کی رعایت نہ رکھنے کے نقصان پر ایک مثال

الرابع : عن النعمان بن بشير رضي الله عنهما ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَثَلُ القَائِمِ فِي حُدُودِ اللهِ وَالوَاقِعِ فِيهَا ، كَمَثَلِ قَومٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فَصَارَ بَعْضُهُمْ أعْلاها وبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا ، وكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوا مِنَ المَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ ، فَقَالُوا : لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقاً وَلَمْ نُؤذِ مَنْ فَوقَنَا ، فَإنْ تَرَكُوهُمْ وَمَا أرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعاً ، وَإنْ أخَذُوا عَلَى أيدِيهِمْ نَجَوا وَنَجَوْا جَمِيعاً)) رواه البخاري .

((القَائِمُ فِي حُدُودِ اللهِ تَعَالَى)) معناه : المنكر لَهَا ، القائم في دفعِها وإزالَتِها ، وَالمُرادُ بالحُدُودِ : مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ . ((اسْتَهَمُوا)) : اقْتَرَعُوا .

ترجمہ۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود کا انکار کرنے والا ہے اور جو اطاعت کرنے والا ہے ان لوگوں کی طرح ہے جو ایک کشتی پر قرعہ ڈال کر سوار ہوئے' بعض لوگ اس کے اوپر اور بعض نچلے حصے میں گئے' تو اب نچلے درجہ میں رہنے والے جب پانی لینے جاتے ہیں تو اپنے سے اوپر والے درجہ کے لوگوں پر ان کا گزر ہوتا ہے پھر نچلے درجہ والے لوگوں نے محسوس کیا کہ اگر ہم اپنے درجہ میں ہی رہ کر کشتی میں سوراخ کرلیں (اور پانی حاصل کرلیا کریں) اس سے ہم اوپر کے درجے والوں کو تکلیف میں نہ ڈالیں تو بہتر ہے' اگر اوپر کے درجہ والے ان کو اسی حالت پر چھوڑ دیں تو وہ تمام کے تمام ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو پکڑ لینگے یعنی انہیں سوراخ کرنے سے باز رکھیں گے تو تمام نجات پا جائیں گے"۔

حدیث کی تشریح: وَالْوَاقِعُ فِيهَا: اللہ کے حدود میں واقع ہونے والا ہو۔ یعنی اللہ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کو پامال کرنا یعنی جن گناہوں کی سزائیں اللہ نے مقرر کی ہیں اس کو پوری نہ کرنا۔ مثلاً: زنا' شراب وغیرہ کے مرتکبین کو (سزا نہ دے کر) ان گناہوں سے روکنے میں غفلت کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دینے سے باز رہنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال دی کہ ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ کشتی کو توڑنے والا' اگر اس کو نہیں روکو گے سب کو ہی نقصان ہوگا۔

"اِسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً": کشتی کے فرشی اور عرشی حصے میں جانے کے لیے قرعہ کیا' یہ قید اتفاقی ہے ورنہ عام طور سے نسبت اور درجات کی تقسیم منتظم کے صوابدید پر منحصر ہوتی ہے۔ ٹکٹ کے اعتبار سے بعض کے لیے نیچے اور بعض کے لیے اوپر جگہ دی جاتی ہے۔ (مظاہر حق جدید ۲۵۰/۴)

"فَكَانَ الَّذِىْ فِىْ اَسْفَلِهَا" الذی: مفرد کا صیغہ ہے کہ نیچے والوں میں سے یہ حرکت صرف ایک آدمی کرے، تب بھی سب کو نقصان ہوگا۔ (مظاہر حق جدید ۴/۲۵۰) بخاری کی روایت میں: "فَكَانَ الَّذِىْ فِىْ اَسْفَلِهَا يَمُرُّوْنَ بِالْمَآءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِىْ اَعْلاَ هَا فَتَاذَّوْا بِهٖ" (بخاری شریف) کے الفاظ ہیں۔

پانی لینے سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین کے مختلف قول ہیں۔ اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَآءِ: جب وہ پانی لینے کے لیے اوپر کے حصہ میں آئیں۔

اکثر شارحین کے نزدیک پانی سے مراد عام پینے وغیرہ کا پانی ہے جو استعمال میں آتا ہے۔

بعض شارحین کہتے ہیں کہ پانی سے مراد پیشاب پاخانہ ہے جو نیچے کے حصے میں کوئی شخص کسی برتن وغیرہ میں کرے اور پھر اس کو دریا میں ڈالنے کے لیے اوپر کے حصے میں آتے ہیں تو اوپر والوں کو تکلیف اور ناگواری ہوتی ہے۔

ان صورتوں میں کوئی کشتی کے نیچے کی سطح کو توڑنے لگے اور اوپر والے منع نہ کرے تو سب کو نقصان ہوگا۔

(مظاہر حق جدید ۴/۲۵۰)

"لَوْ اَنَّا خَرَقْنَا فِىْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا": ہم اپنے نیچے کے حصے میں سوراخ کر لیں جس سے اوپر والوں کو تکلیف میں نہ ڈالیں۔ بخاری میں "فَاَخَذَ فَاسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ فَاَتَوْهُ فَقَالُوْا مَالَكَ؟ قَالَ تَاَذَّيْتُمْ بِىْ وَلَا بُدَّلِىْ مِنَ الْمَآءِ" کے الفاظ ہیں۔

اَخَذُوْا عَلٰى اَيْدِيْهِمْ: جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا گناہ کرنے والے کو مفرد ذکر کیا کہ گناہ ایک آدمی ہی کیوں نہ کرے مگر اس کے بدلے کی ذمہ داری تمام ہی مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔

امراء کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی

الخامس : عن أُمِّ المؤمنين أم سلمة هند بنت أبي أمية حذيفة رضي الله عنها ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أنه قَالَ : ((إنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعرِفُونَ وتُنْكِرُونَ ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ ، وَمَنْ أنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ)) قالوا : يَا رَسُول اللهِ ، ألا نُقَاتِلهم ؟ قَالَ : ((لا ، مَا أَقَامُوا فيكُمُ الصَّلاَةَ)) رواه مسلم .

معناه : مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهِ وَلَمْ يَسْتَطِعْ إنْكَاراً بيَدٍ وَلا لِسَان فَقَدْ بَرِىءَ مِنَ الإثْم ، وَأدَّى وَظيفَتَهُ ، وَمَنْ أنْكَرَ بحَسَبِ طَاقَتِهِ فَقَدْ سَلِمَ مِنْ هذِهِ المَعْصِيَةِ وَمَنْ رَضِيَ بِفِعْلِهِمْ وَتَابَعَهُمْ فَهُوَ العَاصِي .

ترجمہ۔ "حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیان فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر کچھ حاکم ایسے مقرر کیے جائیں گے کہ تم ان کے بعض کاموں کو پسند کرو گے اور بعض ناپسند کرو گے۔ پس جو شخص ان کے برے کاموں پر کراہت کا اظہار

کرے گا وہ بری ہو گیا اور جو انکار کرے گا وہ محفوظ رہے گا لیکن جو شخص ان کے کاموں سے خوش ہوا اور ان کی پیروی کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ وہ تم میں نماز ادا کرتے ہیں"۔

اس کے معنی یہ ہیں جس نے دل سے بھی برا سمجھا اور اس کے پاس ہاتھ یا زبان سے انکار کی طاقت نہیں تھی پس وہ گناہ سے بری ہو گیا اور اپنا فرض ادا کر دیا اور جس نے اپنی طاقت کے مطابق انکار کیا وہ اس معصیت سے بچ گیا اور جو ان کے فعل پر راضی ہوا اور ان کی متابعت کی پس وہ گناہ گار ہے۔

حدیث کی تشریح: علامہ نووی رحمۃ اللہ حدیث شریف کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب امیر کی امارت شرعی طریقے سے نافذ ہو جائے تو جائز امور میں اس کی اطاعت ضروری ہے۔ البتہ ناجائز امور میں اس کی اطاعت جائز نہیں، جائز امور میں امیر کی اطاعت لازم ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۲/۱۲۴)

"اِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ":

(تم پر کچھ حاکم ایسے ہو جائیں گے کہ تم ان کے بعض کاموں کو پسند کرو گے اور بعض باتوں کو ناپسند کرو گے)

مطلب یہ ہے کہ امیر کی طرف سے اگر خلاف شرع قبیح حرکات سرزد ہوں تو قلبی طور پر اس کو برا سمجھنا اور مناسب انداز میں اس کی اصلاح کی تدابیر سوچتے رہنا ضروری ہے جو شخص قلباً یا عملاً اس کی ان حرکات میں شریک ہو گا اس سے بھی عند اللہ مواخذہ ہو گا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

السادس : عن أم المؤمنين أم الحكم زينب بنتِ جحش رَضِيَ الله عنها : أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دخل عَلَيْهَا فزعاً ، يقول : ((لا إلهَ إلاّ الله ، وَيلٌ للْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ ، فُتِحَ اليَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأجُوجَ وَمَأجُوجَ مِثلَ هذِهِ)) ، وحلّق بأُصبُعيهِ الإبهامِ والتي تليها ، فقلتُ : يَا رَسُول الله ، أنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ، إذَا كَثُرَ الخَبَثُ(٣))) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ۔ "ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے پاس گھبراہٹ کے عالم میں تشریف لائے، آپ فرما رہے تھے "لا الہ الا اللہ" عرب کیلئے ہلاکت ہے اس شر سے جو قریب آ چکا ہے، آج یاجوج و ماجوج کی دیوار کو اس قدر کھول دیا گیا ہے آپ نے انگوٹھے کے ساتھ متصل انگلی کے ساتھ حلقہ بناتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)! کیا ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے جب کہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جبکہ خباثتیں زیادہ ہو جائیں گی"۔

وَيْلٌ لِلْعَرَبِ: عرب کو مخصوص کیا حالانکہ اس زمانے میں عرب مسلمان ہونے کی وجہ سے معظم تھے۔

مِنْ شَرٍّ قَدِاقْتَرَبَ: اس شر سے مراد اس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے ان کی شہادت کے بعد سے مسلسل فتنے آئے۔

شر سے کیا مراد ہے؟

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شر سے مراد وہ ہے جس کو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَاذَا اَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ وَمَاذَا اَنْزَلَ مِنَ الْخَزَائِنِ":

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتوحات بہت زیادہ ہوئیں اور پھر لوگوں میں مقابلہ ہوگا' مال کے اعتبار سے اور امیر بننے میں بھی مقابلہ کریں گے۔(روضۃ المتقین ۱/ ۲۴۲)

"فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ":

یہ وہ دیوار ہے جو یاجوج ماجوج کے فتنہ سے بچنے کے لیے بنائی گئی ہے اور یہ دیوار کئی ہیں۔

ایک کا تذکرہ تو قرآن میں سورت کہف میں بھی آتا ہے۔(سورہ کہف: ۹۳'۹۷)

"نَعَمْ اِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ": ہاں جب خباثت غالب آجائے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جب خباثت زیادہ ہو جائے پھر عمومی ہلاکت کا عذاب آئے گا۔ تو نیک لوگ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ ہاں اگر وہ حق کی بات لوگوں کو سمجھاتے رہے ہیں تو قیامت کے دن یہ لوگ فاسق و فاجر سے الگ ہو جائیں گے۔ "ثُمَّ يُبْعَثُ كُلُّ اَحَدٍ عَلٰى نِيَّتِهِ" کہ قیامت کے دن ہر ایک اپنی اپنی نیتوں کے اعتبار سے اُٹھایا جائے گا۔(شرح مسلم للنووی)

راستہ کے حقوق

السابع : عن أبي سعيد الخُدري رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إيَّاكُمْ وَالجُلُوسَ في الطُّرُقَاتِ !)) فقالوا : يَا رَسُول الله ، مَا لنا مِنْ مجالِسنا بُدٌّ ، نتحدث فِيهَا . فَقَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((فَإذَا أَبَيْتُمْ إلاَّ المَجْلِسَ ، فَأعْطُوا الطَّريقَ حَقَّهُ)) . قالوا : وما حَقُّ الطَّريق يَا رسولَ الله ؟ قَالَ : ((غَضُّ البَصَرِ ، وَكَفُّ الأَذَى ، وَرَدُّ السَّلامِ ، وَالأمْرُ بالمَعْرُوفِ ، والنَّهيُ عن المُنْكَرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ۔ "حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے لئے مجلسوں کا لگانا ضروری ہوتا ہے جس میں ہم باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں مجالس

قائم کرنا ضروری ہے تو راستہ کا حق ادا کرنا ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نگاہ نیچی کرنا اور تکلیف دینے والی چیز کو روکنا اور سلام کا جواب دینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا"

حدیث کی تشریح: "اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الطُّرُقَاتِ": (راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو کہ اس طرح بیٹھنے سے گزرنے والے کو تکلیف ہوگی۔)

راستے کے چودہ حقوق

"يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا" کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے مجلسوں کا راستوں میں لگانا ضروری ہے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر راستہ کا حق ادا کیا کرو۔

(۱) راستہ کا حق یہ ہے کہ نگاہوں کو پست کرو۔ (۲) تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹا دینا (۳) سلام کا جواب دینا (۴) نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔ اسی وجہ سے دوسری روایت میں مزید یہ حق بتائے گئے۔

(۵) اچھی گفتگو کرنا (۶) کوئی زیادہ بوجھ لادے جا رہا ہو تو اس کی مدد کرنا

(۷) مظلوم و مصیبت زدہ کے ساتھ تعاون کرنا (۸) بھٹکے ہوئے کی رہنمائی کرنا

(۹) چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا وغیرہ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایک صحابی کا اتباع سنت کے متعلق واقعہ

الثامن: عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رأى خاتماً مِنْ ذهبٍ في يدِ رجلٍ فنزعه فطرحه، وَقَالَ: ((يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَار فَيَجْعَلُهَافِي يَدِهِ!)) فقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَمَا ذهب رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهِ. قَالَ: لا والله لا آخُذُهُ أَبداً وَقَدْ طَرَحَهُ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رواه مسلم.

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی آپ نے اس کے ہاتھ سے نکال کر اسے پھینک دیا اور فرمایا کہ تم آگ کی چنگاری ہاتھ میں اٹھانے کا ارادہ کرتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس آدمی سے کہا گیا کہ تو اپنی انگوٹھی اٹھالے اور اس کے ساتھ فائدہ حاصل کر، اس شخص نے جواب دیا: نہیں اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی نہیں اٹھاؤں گا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پھینک دیا ہے"۔

مرد کو سونے کی انگوٹھی پہننے کا حکم

حدیث کی تشریح: (رَاٰى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِرَجُلٍ": اس حدیث سے معلوم ہوا مردوں کے

لیے جس طرح سونے کے دیگر حرام ہیں اسی طرح سونے کی انگوٹھی پہننا بھی باتفاق حرام ہے اور عورتوں کے لیے بالاتفاق حلال ہے جیسے کہ روایت میں سونے اور ریشم کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِي حَلٌّ لِاِنَاثِهَا'' کہ یہ دونوں (سونا اور ریشم) میری اُمت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آج کل منگنی کے موقع پر مرد کو سونے کی انگوٹھی پہنانے کا جو رواج ہے تو یہ بالکل حرام ہے۔

فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے نکال کر پھینک دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ برائی کو اپنے ہاتھ سے روکے تو روک دے جیسا کہ یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کو ختم فرمایا۔ یہی مطلب ہے کہ ''اِذَارَای اَحَدٌ مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ'' کہ جب تم میں سے کوئی برائی کو دیکھے اور اس کو ہاتھ سے بدل سکتا ہے تو اس کو بدل دے۔ (مظاہر حق جدید)

التاسع : عن أبي سعيد الحسن البصري : أن عائِذَ بن عمرو رضي الله عنه دخل عَلَى عُبَيْدِ اللهِ بنِ زياد ، فَقَالَ : أي بُنَيَّ ، إني سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((إنَّ شَرَّ الرِّعَاء الحُطَمَةُ((٢)))) فَإيَّاكَ أنْ تَكُونَ مِنْهُمْ ، فَقَالَ لَهُ : اجلِسْ فَإنَّمَا أنْتَ مِنْ نُخَالَةِ أصْحَابِ مُحَمَّد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : وهل كَانَتْ لَهُم نُخَالَةٌ إنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَةُ بَعْدَهُمْ وَفي غَيْرِهِمْ . رواه مسلم .

ترجمہ۔ ''حضرت ابو سعید حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عائذ بن عمرو عبید اللہ بن زیاد کے پاس آیا اور اس کو کہا اے لڑکے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ بدترین چرواہے (حکام) وہ ہیں جو ظلم وستم کرتے ہیں۔ پس تو اپنے آپ کو اس سے بچالے۔ ابن زیاد نے اس سے کہا بیٹھ جاؤ کیوں کہ تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے بمنزلہ بھوسہ کے ہو۔ عائذ نے کہا کیا صحابہؓ کیلئے بھوسہ تھا؟ یعنی صحابہ میں کوئی بدترین انسان نہ تھا بدترین انسان تو ان کے بعد یا ان کے علاوہ میں ہے''۔

راوی حدیث حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام: حسن، کنیت ابو سعید، والد کا نام یسار، ان کے والدین غلام تھے۔

ولادت: ۲۱ھ میں جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی تھے، پیدا ہوئے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضاعت کا بھی شرف حاصل ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ان کی والدہ اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں تو جب حضرت حسن بصری رونے لگتے تو حضرت اُم سلمہ ان کو بہلانے کے لیے چھاتی منہ میں دے دیتیں۔

حضرت حسن بصری حضرت اُم سلمہ کے سایہ شفقت میں پلے' اس کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی ان کی آمدورفت رہتی تھی۔ (طبقات ابن سعد ۷/۹)

حدیث کی تشریح: اَنْتَ مِنْ نُخَالَةِ: آپ تو بمنزلہ بھوسہ کے ہو۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ بصرہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد جو ظالم قسم کا بادشاہ تھا اس کے سامنے حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرأت و حق گوئی کا اظہار فرمایا' اس پر جب عبیداللہ بن زیاد نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوسہ کہا تو انہوں نے فوراً جواب دیا کہ بھوسہ اصحاب رسول نہیں ہو سکتے' بھوسہ تو اصحاب رسول کے بعد پیدا ہوں گے۔

اصحاب رسول کو ان کے نبی نے عدول فرمایا اور کبھی ستاروں کے مانند فرمایا جب کہ وہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے سردار ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک پر وعید

العاشر: عن حذيفة رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَتَأْمُرُنَّ بِالمَعْرُوفِ ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ المُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَاباً مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهُ فَلا يُسْتَجَابُ لَكُمْ)) رواه الترمذي ، وَقالَ : ((حديث حسن)).

ترجمہ۔ "حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو یا ضرور عن قریب اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب نازل کرے گا پھر تم اس سے دعا کرو گے لیکن تمہاری دعا قبول نہ ہو گی"۔

حدیث کی تشریح: اگر تم نے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" میں سستی و غفلت کی تو اس صورت میں تم پر اللہ کی طرف سے عذاب و مصیبتیں آئیں گی اور پھر وہ تمہاری دعاؤں سے ٹلیں گی بھی نہیں۔ (مظاہر حق)

اس کی تائید ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے کہ اگر تم "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کرو گے (تو تمہاری دعائیں قبول ہوں گی) اگر تم یہ کام نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر برے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم پر رحم نہیں کریں گے اس وقت تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول نہیں کرے گا۔

ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بھی افضل جہاد ہے

الحادي عشر: عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((أفْضَلُ الجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)) رواه أبو داود والترمذي، وَقالَ: ((حديث حسن)).

ترجمہ۔ ”حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بہترین جہاد ہے“۔

جہاد کے مراتب

حدیث کی تشریح: جہاد کے مراتب متعدد ہیں، نیکی کا حکم کرنا بھی جہاد ہے۔ نفس کے خلاف چلنا بھی جہاد ہے افضل جہاد ہونے کی وجہ سے دشمن کے سامنے لڑنا بھی جہاد ہے مگر اس حدیث میں سب سے افضل جہاد ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کو کہا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ دشمن کے مقابلے کے وقت میں دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہے۔ پہلی یہ کہ جان بچنے کی امید ہے۔ دوسری یہ کہ شہادت ہو جائے گی مگر ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والے کو اپنے سامنے صرف اور صرف موت ہی نظر آتی ہے اس کو بچنے کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ وہ بزبان حال کہتا ہے:

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے کو افضل جہاد اس لیے کہا گیا کہ بادشاہ کے ماتحت پوری رعایا ہوتی ہے اگر اس نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر بادشاہ کو اس ظلم سے روک دیا تو گویا اس نے پوری رعایا کے ساتھ بھلائی اور احسان کا معاملہ کیا۔ (مرقات)

الثاني عشر : عن أبي عبدِ الله طارق بن شِهاب البَجَليِّ الأَحْمَسِيِّ رضي الله عنه : أنَّ رجلاً سأل النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقد وضع رجله في الغرْز : أيُّ الجهادِ أفضلُ ؟ قَالَ : ((كَلِمَةُ حَقٍّ عِندَ سُلْطَانٍ جَائِر)) رواه النسائي بإسناد صحيح .

ترجمہ۔ حضرت ابو عبداللہ طارقؓ بن شہابؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا (جب کہ آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا ہوا تھا) کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ظالم بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہنا“

لغات حدیث: غَرْزٌ: پالان کو کہتے ہیں۔ یعنی اونٹ کے نیچے کی رکاب جب وہ لکڑی یا چمڑے کی ہو مگر بعض اہل لغت کے نزدیک ہر رکاب کو غرز کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ لکڑی یا چمڑے کے علاوہ ہو۔

جائر: ظالم کو کہتے ہیں۔ ”ظلم“ کہتے ہیں اعتدال سے ہٹ جانا' ظالم بادشاہ اس کو کہتے ہیں جو اپنی رعایا کے ساتھ انصاف نہ کرے۔ (روضۃ المتقین)

حدیث کی تشریح۔ ظالم بادشاہ کے سامنے بات وہی شخص کرے گا جس کا اللہ پر ایمان کامل ہو گا اور اس کے ایمان میں قوت ہو گی۔ اس وجہ سے وہ اپنے نفس کی پروا کیے بغیر بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ رہا ہے۔ نزهۃ الخواطر۔ دشمن کے مقابلے والے کو اپنے اوپر اتنی سخت سزا کی امید نہیں ہوتی جتنی بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والے کو سخت سزا کی امید ہوتی ہے۔ (دلیل الفالحین)

الثالث عشر : عن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :((إنَّ أوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إسْرَائِيلَ أنَّهُ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ ، فَيَقُولُ : يَا هَذَا، اتَّقِ الله ودَعْ مَا تَصْنَعُ فَإنَّهُ لاَ يَحِلُّ لَكَ ، ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الغدِ وَهُوَ عَلَى حَالِهِ ، فَلا يَمْنَعُهُ ذلِكَ أنْ يَكُونَ أكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ، فَلَمَّا فَعَلُوا ذلِكَ ضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ)) ثُمَّ قَالَ: ﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إسْرَائيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ تَرَى كَثِيراً مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أنْفُسُهُمْ ﴾ إلَى قوله ﴿ فاسِقُونَ ﴾ [المائدة : ۷۸- ۸۱] ثُمَّ قَالَ : ((كَلاَّ، وَاللهِ لَتَأمُرُنَّ بالمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ المُنْكَرِ ، وَلَتَأخُذُنَّ عَلَى يَدِ الظَّالِمِ ، وَلَتَأطِرُنَّهُ عَلَى الحَقِّ أطْراً ، وَلَتَقْصُرُنَّه عَلَى الحَقِّ قَصْراً ، أوْ لَيَضْرِبَنَّ اللهُ بقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ، ثُمَّ لَيَلْعَنَنكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ)) رواه أبُو داود والترمذي ، وَقَالَ : ((حديث حسن)) .هَذَا لفظ أبي داود ، ولفظ الترمذي ،

قَالَ رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَمَّا وَقَعَتْ بَنُو إسْرَائِيلَ في المَعَاصي نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوا، فَجَالَسُوهُمْ في مَجَالِسِهِمْ، وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ، فَضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ، وَلَعَنَهُمْ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وعِيسَى ابنِ مَرْيَمَ ذلِكَ بمَا عَصَوا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ)) فَجَلَسَ رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وكَانَ مُتَّكِئاً، فَقَالَ: ((لا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى تَأطِرُوهُمْ عَلَى الحَقِّ أطْراً)).

قوله : ((تَأطِرُوهم)) : أي تعطفوهم . ((ولتقْصُرُنَّهُ)) : أي لتحبسُنَّه .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے بنی اسرائیل میں جو کمزوری نمایاں ہوئی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک دوسرے سے ملتا تو کہتا اے بندہ خدا اللہ سے ڈر اور جو برا کام تو کر رہا ہے وہ نہ کر یہ تیرے لئے حلال نہیں ہے' پھر جب اگلے دن اس سے ملتا تو پھر اسی طرح کی حالت میں ملاقات ہوتی تو اس کے ساتھ کھانے پینے اور بیٹھنے سے باز نہ رہتا' جب یہ کرنے لگے تو اللہ نے ان کے دل ایک دوسرے کی طرح کر دیئے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی' جو لوگ بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے اور برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ان سے باز نہ آتے تھے' بلا شبہ وہ برے کام کرتے تھے تم ان میں بہت سوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ برا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

آیت فاسقون تک پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں اللہ کی قسم تم ضرور امر بالمعروف کرتے رہو گے اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑو گے اور اسے حق پر چلنے پر آمادہ کرو گے اور حق پر چلنے پر مجبور کرو گے' ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایک دوسرے کے دلوں کو یکساں کردے گا اور پھر تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر لعنت کی۔ (ابوداؤد' ترمذی اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے' یہ الفاظ حدیث ابوداؤد کے ہیں)

اور ترمذی میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں ملوث ہوگئے تو اولاً ان کے علماء نے ان کو منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے' تو وہ منع کرنے والے بھی ان کے ساتھ ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل باہم ایک دوسرے کی طرح کردیئے اور اللہ نے ان پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی کیوں کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرگئے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اول اول دینی کمزوری اور اخلاقی انحطاط کا آغاز اس طرح ہوا کہ ان لوگوں نے معاصی کا ارتکاب شروع کیا تو ان کے اہل دین اور علماء انہیں منع تو کرتے تھے لیکن خود ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے اور ان کے ہم نوالہ وپیالہ بنے ہوئے تھے' چاہئے تو یہ تھا کہ اہل ایمان ان کو برائیوں سے روکتے اور خود ان کی برائیوں سے بچنے کے لئے ان سے فاصلہ رکھتے اور ان کی مجلسوں سے احتراز رکھتے مگر وہ ان کے ساتھ تعلق اور ان کی مجالس میں شرکت کرتے جس سے اُن کی معصیتوں کی سیاہی سے ان کے اپنے دل بھی سیاہ ہوگئے اور ان کے دل بھی اہل معصیت کے ساتھ ہوگئے۔

اس امت کا یہ فریضہ ہے کہ لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں ورنہ اصلاح کرنے والوں کے قلوب بھی اہل معاصی کی طرح ہوجائیں گے اور اسی طرح مستحق لعنت ہوجائیں گے' جس طرح بنی اسرائیل ہوگئے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے' آپ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ضرور یہ فریضہ انجام دینا پڑے گا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور صرف زبانی کافی نہیں ہے بلکہ عملاً ظالم کا ہاتھ پکڑلو اور اسے آمادہ کرو کہ ظلم سے باز آجائے حق اور عدل وانصاف کی طرف پلٹ آئے اور ظلم وجور سے اپنا رخ پوری طرح موڑ کر تمام تر عمل وانصاف کا خوگر ہوجاؤ' اگر تم اس فرض کی انجام دہی سے قاصر رہے تو تمہارا ابھی وہی انجام ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوچکا ہے۔ (طریق السالکین جلد اول ص ۳۵۴)

ظالم کے ظلم کو روکنے پر وعید

(۱) الرابع عشر : عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه ، قَالَ : يَا أيّها النّاس ، إنّكم لتقرؤُون هذِهِ الآية : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ [المائدة : ١٠٥] وإني سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((إنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يأخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أوشَكَ أنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ)) رواه أَبُو داود والترمذي والنسائي بأسانيد صحيحة .

ترجمہ۔ ”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو کہ اے ایمان والو تم اپنے آپ کا خیال رکھو تمہیں وہ لوگ ضرر نہیں پہنچا سکتے جو گمراہ ہوگئے جب تم ہدایت پر رہو گے اور میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ عذاب خداوندی ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے“۔

حدیث کی تشریح تعارض اور اس کا جواب

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ تَقْرَؤُنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ“

ترجمہ: ”اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو کہ اے ایمان والو! تم اپنے آپ کا خیال رکھو تمہیں وہ لوگ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔“

تفسیر۔ آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو صرف اپنے عمل اور اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ دوسرے کچھ بھی کرتے رہیں اس پر دھیان دینے کی ضرورت نہیں مگر یہ مطلب قرآن کریم کی بے شمار تصریحات کے خلاف ہے جس میں ”امر بالمعروف نہی عن المنکر“ کو اسلام کا اہم فریضہ اور اُمت محمدیہ ﷺ کی امتیازی خصوصیت قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے جب یہ آیت بالا نازل ہوئی تو چند لوگوں کو شبہ ہوا تو اسکا جواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ بالا میں رفع فرمایا۔ (معارف القرآن)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ تم واجبات شرعیہ کو ادا کرتے رہو جن میں جہاد اور امر بالمعروف بھی داخل ہے۔ یہ سب کرنے کے بعد بھی جو لوگ گمراہ رہیں تو تم پر کوئی نقصان نہیں اور قرآن کے الفاظ ”اِذَا اهْتَدَيْتُمْ“ سے ہی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تم راہ پر چل رہے ہو اور راہ پر چلنے کے لیے ”امر بالمعروف“ کے طریقہ کو ادا کرنا ضروری ہے اگر اس کو چھوڑ دیا تو راہ پر ہی نہیں چل سکتے۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۲۵۱)

باب تغليظ عقوبة من أمر بمعروف أَوْ نهى عن منكر وخالف قوله فعله

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والے کا عمل قول کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں عذاب خداوندی کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلا تَعْقِلُونَ ﴾ [البقرة : ٤٤] ،

ترجمہ۔ ”ارشاد خداوندی ہے یہ کیا (عقل کی بات ہے) کہ تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کئے دیتے ہو حالانکہ تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں“

تفسیر: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اگر ہر ایک شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے کہ میں خود گنہگار ہوں جب گناہوں سے خود پاک ہو جاؤں گا تو پھر لوگوں کو تبلیغ کروں گا تو پھر نتیجہ یہ نکلے گا کہ تبلیغ کرنے والا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا کیونکہ ایسا کون ہے جو گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو؟

اس کے بعد علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ لوگ اسی غلط خیال میں پڑ کر تبلیغ کا فریضہ چھوڑ بیٹھیں۔

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ جب مجھے اپنی کسی عادت کا علم ہوتا ہے تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے۔ (معارف القرآن)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لا تَفْعَلُونَ ﴾ [الصف : ٢٣] ،

ترجمہ۔ نیز فرمایا ”اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں“۔

شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم کو علم ہو جاتا کہ کون سا عمل اللہ

تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے تو ہم اسی کو کرتے۔ تو اس پر یہ آیت "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ" نازل ہوئی۔ مگر جب کچھ مسلمانوں پر جہاد شاق گزرا تو اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری ۱۱/۲۵۸)

مطلب یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کا عزم اور ارادہ آدمی کو نہ ہو تو اس کے کرنے کا دعویٰ ہی نہ کرے کیونکہ یہ دعویٰ کر کے اپنا نام و نمود پیدا کرنا چاہتا ہے مگر ظاہر ہے کہ شان نزول کے اعتبار سے تو صحابہؓ کی ذات تو ایسی نہیں تھی کہ ان کے دل میں کچھ کرنے کا ارادہ نہ ہو اور وہ دعویٰ کریں۔ تو اس مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم و ارادہ بھی کام کرنے کا ہے تب بھی اپنے نفس پر بھروسہ کر کے دعویٰ نہ کرے۔ یہ شان عبدیت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد صاحب معارف القرآن فرماتے ہیں' رہا معاملہ تبلیغ و دعوت اور وعظ و نصیحت کا کہ جو آدمی خود نہیں کرتا اس کی نصیحت دوسرے کو نہ کرے وہ اس آیت کے مفہوم میں داخل نہیں۔

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے تو دوسرے کو کہنا بھی چھوڑ دو بلکہ دوسرے کو تو آدمی کہتا رہے اس کہنے سننے کی برکت سے آدمی کو عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔ جیسا کہ بکثرت تجربہ و مشاہدہ میں آیا ہے۔ (معارف القرآن ۸/۴۲۵)

وَقَالَ تَعَالَى إخباراً عن شعيب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ﴾ [هود :۸۸] .

ترجمہ۔ اور نیز ارشاد فرمایا "حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں"۔

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو فرما رہے ہیں کہ میں جس چیز سے تمہیں روکتا ہوں خود بھی تو اس کے پاس نہیں جاتا۔ اگر میں تمہیں منع کرتا اور خود اس کا ارتکاب کرتا تو تمہارے لیے کہنے کی گنجائش تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور واعظ و مبلغ کے عمل کو اس کے وعظ و نصیحت میں بڑا دخل ہوتا ہے جس چیز پر واعظ خود عامل نہ ہو اس کی بات کا دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن ۴/۶۶۳)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بے عمل آدمی کو تبلیغ و وعظ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ واعظ اور مبلغ کو بے عمل نہیں ہونا چاہیے۔

دوسروں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم کرنا اور خود عمل نہ کرنے پر عذاب

وعن أبي زيد أسامة بن حارثة رضي الله عنهما ، قَالَ : سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((يُؤْتَى بالرَّجُلِ يَوْمَ القيامَةِ فَيُلْقَى في النَّار ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُ بَطْنِهِ فَيدُورُ بِهَا كَمَا يَدُورُ الحِمَارُ في الرَّحَى ، فَيَجْتَمِعُ إلَيْه أَهْلُ النَّارِ ، فَيَقُولُونَ : يَا فُلانُ ، مَا لَكَ ؟ أَلَمْ تَكُ تَأْمُرُ بالمَعْرُوفِ وَتنهى عَنِ المُنْكَرِ ؟ فيقولُ : بَلَى ، كُنْتُ آمُرُ بِالمَعْرُوفِ وَلا آتِيهِ ،

وأنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . قوله : ((تَنْدلِقُ)) هُوَ بالدالِ المهملةِ ، ومعناه تَخرُجُ . وَ((الأَقْتَابُ)) : الأمعاءُ ، واحدها قِتْبٌ .

ترجمہ۔"حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے قیامت کے دن ایک آدمی کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کے پیٹ کی آنتیں باہر نکل پڑیں گی وہ آنتوں کو لے کر یوں گھومے گا جیسے کہ گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے' چنانچہ دوزخی اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے اے فلاں! تیرا حال ایسا کیوں ہے کیا تو نیک کاموں کا حکم نہیں دیا کرتا تھا اور برے کاموں سے روکتا نہیں تھا؟ وہ کہے گا ہاں! میں نیک کاموں کی تلقین کرتا تھا لیکن خود نیک کام نہیں کرتا تھا اور برے کاموں سے روکتا تھا لیکن خود ان کا مرتکب ہوتا تھا"۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں اس شخص کی مذمت ہے جو دوسروں کو تو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے مگر خود عمل نہ کرے۔ دوسروں کو تو خدا سے ڈرائے مگر خود نہ ڈرے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم جہنم میں کیونکر پہنچ گئے حالانکہ ہم تو بخدا انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے جو ہم نے تم سے سیکھے تھے۔ اہل دوزخ کہیں گے ہم زبان سے تو ضرور کہتے تھے مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔

....

باب الأمر بأداء الأمانة

(امانت دار کو) امانت ادا کرنے کا حکم

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا ﴾ [النساء : ٥٨] ،

ترجمہ۔ارشاد خداوندی ہے "خدا تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دیا کرو"۔

شان نزول

بیت اللہ کی چابی عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیت اللہ میں) داخل ہونا چاہا تو انہوں نے روکا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! شاید ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھو گے جس کو چاہوں سپرد کروں۔

بہر حال جب فتح مکہ ہوا' چابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں آئی اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ چابی حوالہ کر دی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کم ایسا کیا ہوگا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو "لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ" جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں۔ (بیہقی)

وَقالَ تَعالَى : ﴿ إِنَّا عَرَضْنَا الأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَالْجِبَال فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً ﴾ [الأحزاب : ٧٢] .

ترجمہ۔ اور نیز فرمایا "ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا"۔

تفسیر: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ: امانت سے کیا مراد ہے؟ مفسرین رحمہم اللہ کے امانت کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ مثلاً (۱) حفاظت عفت (۲) فرائض شرعیہ (۳) غسل جنابت (۴) نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امانت سے مراد شریعت کی تمام تکلیفات امر و نہی کا مجموعہ ہے۔ بعض کے نزدیک شریعت پوری کی پوری امانت ہے۔

سوال: آسمان وزمین میں تو شعور نہیں ان کو مخاطب کیسے کیا گیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو گویائی کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ یہی قول جمہور اُمت کا ہے کہ یہ عرض حقیقتاً ہوگا۔ (معارف القرآن ۷/۲۴۶)

"فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا" اُٹھانے سے انکار کیا ان سب نے سوال کیا کہ ہم نے امانت کو پورا کیا تو پھر کیا ہوگا اور نافرمانی کی تو کیا ملے گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: امانت کو پورا کیا تو بڑا اجر اور اگر کوتاہی کی تو سزا، اس پر ان سب نے کہا اگر ہم کو اختیار ہے تو ہم اپنے آپ کو اس بار کے اُٹھانے سے عاجز پاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جب یہ بات کی تو انہوں نے اس امانت کو اُٹھالیا۔ (تفسیر ابن کثیر و قرطبی)

"اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلاً" بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا یہ اکثر افراد کے اعتبار سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

منافق کی تین نشانیاں

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((آيةُ((٢)) المُنافق ثلاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعدَ أخْلَفَ((٣)) ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .
وفي رِوَايةٍ((٤)) : ((وَإنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أنَّهُ مُسْلِمٌ)) .

ترجمہ۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرتا ہے کذب بیانی سے کام لیتا ہے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے"۔

حدیث کی تشریح: منافق وہ لوگ تھے جو زبان سے تو اسلام کا اظہار کریں لیکن دل میں کفر رکھتے ہوں۔ یہ نفاق کفر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے ان کو سخت سزا بیان فرمائی ہے۔

نفاق کی اقسام

اس لیے علماء کا اتفاق ہے کہ اعتقادی نفاق تو آپ پر ختم ہو گیا جو کفر تھا۔ ہاں نفاق عملی مسلمانوں میں بھی پایا جا سکتا ہے کہ یہ عادات جو منافقوں میں تھیں مسلمانوں میں بھی پائی جائیں مگر یہ کفر نہیں ہو گا لیکن بچنا تو اس سے بھی ہے۔

سوال: حدیث بالا میں منافقوں کی تین علامات بتائی گئی ہیں اور بعض روایات میں ''اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ'' یعنی چار علامات بتائی گئی ہیں؟

جواب: تین یا چار کا ہونا یہ قید اتفاقی ہے کہ کسی حدیث میں تین اور کسی میں چار بیان کر دی گئیں۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین بیان فرمائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے چار بتائی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار والی روایت بیان فرمائی۔

وعن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه ، قَالَ : حدثنا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حدِيثَيْنِ قَدْ رأيْتُ أحَدَهُمَا وأنا أنتظرُ الآخر : حدثنا أن الأمانة نَزلت في جَذرِ قلوبِ الرجال، ثُمَّ نزلَ القرآن فعلموا مِنَ القرآن ، وعلِموا من السنةِ ، ثُمَّ حدّثنا عن رفع الأمانة ، فَقَالَ : ((يَنَامُ الرَّجُلُ النَّومَةَ فَتُقْبَضُ الأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ ، فَيَظَلُّ أثَرُهَا مِثلَ الوَكْتِ ، ثُمَّ يَنَامُ النَّومَةَ فَتُقْبَضُ الأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ ، فَيَظَلُّ أثَرُهَا مِثلَ أثَرِ المَجْلِ ، كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِراً وَلَيسَ فِيهِ شَيءٌ)) ثُمَّ أخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهُ عَلَى رِجْلِهِ ((فَيُصْبحُ النَّاسُ يَتَبَايعُونَ ، فَلا يَكَادُ أحدٌ يُؤدِّي الأَمَانَةَ حَتَّى يُقَالَ : إنَّ في بَنِي فُلان رَجُلاً أميناً ، حَتَّى يُقَالَ لِلرَّجُلِ : مَا أجْلدَهُ ! مَا أظْرَفَهُ ! مَا أعْقَلَهُ ! وَمَا في قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّة مِن خَرْدَل مِنْ إيمَان)) . وَلَقدْ أتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أيُّكُم بَايَعْتُ : لَئن كَانَ مُسْلِماً لَيَرُدَّنَّهُ عليَّ دِينهُ ، وَإنْ كَانَ نَصْرانِيّاً أَوْ يَهُودِيّاً لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ ، وَأَمَّا اليَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايعُ مِنْكُمْ إلاَّ فُلاناً وَفُلاناً((۲)

ترجمہ۔ "حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک کا میں مشاہدہ کر چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بیان فرمایا کہ امانت کا لوگوں کے دلوں کے درمیان نزول ہوا تھا پھر قرآن نازل ہوا تو انہوں نے قرآن سے علم حاصل کیا اور سنت سے علم سیکھا پھر آپ نے ہمیں امانت کے اٹھائے جانے کے متعلق بتایا کہ آدمی نیند سے بیدار ہو گا تو اس کے دل سے امانت چھن جائے گی اور اس کا دھندلا سا اثر باقی رہ جائے گا پھر سو کر نیند سے بیدار ہو گا تو اس کے دل سے باقی ماندہ حصہ بھی نکال لیا جائے گا اور آبلہ کے مانند اثر باقی رہ جائے گا جیسا کہ

آگ کی چنگاری کو تو اپنے پاؤں پر لڑھکائے اس سے چھالا نمودار ہو جائے اور وہ ابھرا ہوا نظر آئے لیکن اس میں کوئی چیز نہیں (تمثیل بیان فرماتے ہوئے) آپ نے ایک کنکر اٹھایا اور اس کو اپنے پاؤں پر گرایا اس کے بعد لوگوں کی یہ حالت ہو جائے گی کہ خرید و فروخت کریں گے لیکن کوئی انسان ایسا نہیں ہو گا جو امانت ادا کرنے والا ہو۔ یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار آدمی موجود ہے۔ اسی طرح ایک آدمی کے بارے میں عام یہ تاثر ہو گا کہ وہ بہت زیادہ مضبوط، ہوشیار، عقلمند ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے برابر ایمان نہیں ہو گا (حذیفہ بیان کرتے ہیں) مجھ پر ایسا وقت بھی آیا ہے کہ مجھے اس بات کا کچھ خیال نہیں ہوتا تھا کہ میں خرید و فروخت کس قسم کے انسان سے کر رہا ہوں اس لئے اگر وہ مسلمان ہے تو اس کی دینداری کا جذبہ میرے حق کو مجھ تک پہنچا دے گا اور اگر عیسائی یا یہودی ہے تو اس کا حاکم اس سے میرے حق کو واپس دلوائے گا لیکن آج (اس دور میں) چند مخصوص انسانوں کے علاوہ اور کسی سے خرید و فروخت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں"۔

حدیث کی تشریح: "اَلْاَمَانَۃُ نُزِلَتْ فِی جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ"

امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتار دی گئی ہے۔ امانت کی بحث "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آیت کے تحت گزر چکی ہے۔ بعض محدثین نے کہا کہ اس حدیث میں امانت سے مراد ایمان ہے کیونکہ آخر حدیث میں "وَمَا فِی قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ من خَرْدَلٍ مِنْ اِیْمَانٍ" سے بھی یہی مفہوم آتا ہے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں امانت کا نور پیدا کیا تا کہ اس کی روشنی میں فلاح و صلاح اور ہدایت کے راستہ پر چلیں اور دین و شریعت کے پیروکار بن سکیں۔ مگر جب لوگوں نے اس نعمت عظمیٰ کی ناقدری کی اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ یہ نعمت واپس لے لے گا اور ان کے دل سے امانت کا نور نکل جائے گا اور جب وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں گے تو محسوس کریں گے کہ ان کے قلب کی وہ حالت اب نہیں رہی جو امانت کی موجودگی میں تھی۔ البتہ امانت کا نشان موجود رہے گا اور پھر کبھی "وکت" کی طرح ہو گا اور کبھی "مجل" کی طرح۔ مجل اگرچہ مصدر ہے لیکن یہاں اس سے مراد نفس آبلہ ہے۔ یہ "وکت" سے کمتر ہے۔ وکت: کسی چیز کے دھبہ کو کہتے ہیں۔

نیند سے کون سی نیند مراد ہے

یَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَۃَ: سونے سے بعض کے نزدیک حقیقتاً سونا مراد ہے اور بعض کے نزدیک یہ کنایہ ہے غفلت سے کیونکہ سونے سے بھی آدمی غفلت میں چلا جاتا ہے۔

"وَمَا اَعْقَلَہٗ وَمَا اَظْرَفَہٗ" وہ کس قدر عقل مند ہے اور ہوشیار ہے کہ اس کے سمجھدار ہونے کی تعریف تو کریں گے مگر ایمان کی تعریف نہیں کریں گے اور ایمان کے بغیر تو کوئی چیز بھی معتبر نہیں۔ تعریف و تحسین تو اس شخص کی معتبر ہو گی جو ایمان و تقویٰ کا حامل ہو۔ (مظاہر حق)

وَمَافِی قَلْبِہٖ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِیْمَانٍ○ حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔اس کے محدثین دو مطلب بیان فرماتے ہیں: ا۔کمال ایمان کی نفی مراد ہے۔ ۲۔یا سرے سے ایمان کی ہی نفی مراد ہے۔

قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا

وعن حُذَيفَة وأبي هريرة رضي الله عنهما، قالا: قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"يجمَعُ اللهُ تبارَكَ وَتعالَى النَّاسَ فَيقُومُ المُؤمِنُونَ حَتَّى تُزْلَفَ لَهُمُ الجَنَّةُ، فَيأتُونَ آدمَ صَلَواتُ اللهِ عَلَيهِ، فَيقُولُونَ: يا أَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الجَنَّةَ، فَيقُولُ: وَهَلْ أخرجَكُمْ مِنَ الجَنَّةِ إلاَّ خطيئَةُ أبيكُمْ! لَسْتُ بصاحِبِ ذلِكَ، اذْهَبُوا إلَى ابْنِي إبْراهيمَ خَليلِ اللهِ. قَالَ: فَيأتُونَ إبراهِيمَ فَيقُولُ إبراهيم: لَسْتُ بصَاحِبِ ذلِكَ إنَّما كُنْتُ خَليلاً مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ، اعْمَدُوا إلَى مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ تكليماً. فَيأتُونَ مُوسَى، فَيقُولُ: لستُ بصَاحِبِ ذلِكَ، اذْهَبُوا إلَى عِيسى كلمةِ اللهِ ورُوحه، فيقول عيسى: لستُ بصَاحبِ ذلِكَ، فَيأتُونَ مُحَمَّداً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيقُومُ فَيُؤذَنُ لَهُ، وتُرْسَلُ الأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيقُومانِ جَنْبَتَي الصِّراطِ يَميناً وَشِمَالاً فَيمُرُّ أوَّلُكُمْ كَالبَرْقِ" قُلْتُ: بأبي وَأمّي، أيُّ شَيءٍ كَمرِّ البرق؟ قَالَ: "ألَمْ تَرَوا كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِي طَرْفَةِ عَيْن، ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيحِ، ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ، وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِي بِهِمْ أعْمَالُهُمْ، وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّراطِ، يَقُولُ: رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ، حَتَّى تَعْجِزَ أعْمَالُ العِبَادِ، حَتَّى يَجِيءَ الرَّجُلُ لا يَسْتَطِيعُ السَّيْرَ إلاَّ زَحْفاً، وَفِي حَافَتَي الصِّراطِ كَلاَلِيبُ مُعَلَّقَةٌ مَأمُورَةٌ بِأخْذِ مَنْ أُمِرَتْ بِهِ، فَمَخْدُوشٌ نَاجٍ، وَمُكَرْدَسٌ فِي النَّارِ" وَالَّذِي نَفْسُ أبي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ، إنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعُونَ خَرِيفاً. رواه مسلم.

قوله: "وراء وراء" هُوَ بالفتح فيهما. وقيل: بالضم بلا تنوين ومعناه: لست بتلك الدرجة الرفيعة، وهي كلمة تذكر عَلَى سبيل التواضع. وقد بسطت معناها في شرح صحيح مسلم، والله أعلم.

ترجمہ: حضرت حذیفہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو اکٹھا فرمائیں گے' اہل ایمان کھڑے ہوں گے تو جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے اے ہمارے باپ! ہمارے لئے جنت کے دروازے کھلوایئے وہ جواب دیں گے کہ تمہارے باپ کی خطاہی نے تو تمہیں جنت سے نکالا تھا' سو میں اس کا اہل نہیں ہوں' میرے فرزند ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے' حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ' ان سے اللہ نے کلام فرمایا ہے' وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے' وہ بھی کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے پاس جاؤ وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں' وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں' اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہوں گے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت عطا فرمائی جائے گی' امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا وہ پل صراط کے دائیں اور بائیں کھڑے ہو جائیں گے' اس وقت تم سے پہلا گروہ پل صراط سے بجلی کی مانند گزرے گا' راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان! بجلی کی مانند گزرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بجلی کو نہیں دیکھا کتنی سرعت سے لمحہ بھر میں جا کر پلٹ آتی ہے' پھر کچھ لوگ ہوا کی طرح گزریں گے پھر کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ لوگ لوگوں کے تیز دوڑنے کی طرح گزریں گے' ہر ایک کا گزرا اپنے اعمال کے حساب سے ہو گا اور تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پل صراط پر کھڑے ہوں گے اور دعا کرتے ہوں گے' اے رب سلامتی عطا فرما! اے رب سلامتی عطا فرما' یہاں تک کہ بندوں کے اعمال عاجز آ جائیں گے' ایسے لوگ بھی آئیں گے جو پاؤں سے چلنے کی بھی سکت نہ رکھتے ہوں گے اور گھسٹ گھسٹ کر چلے رہے ہوں گے' اور پل صراط کے دونوں کناروں پر آنکڑے لٹک رہے ہوں گے وہ ان کو پکڑیں گے جن کو پکڑنے کا حکم ہو گا کچھ مخدوش ہو جائیں گے لیکن نجات پا جائیں گے اور کچھ اوپر سے تلے جہنم میں لڑھک جائیں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی جان ہے کہ جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح

اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام انسانوں کو میدان حشر میں جمع فرمائیں گے۔ ان میں سے اہل ایمان کھڑے ہو جائیں گے۔ جنت ان کے قریب کر دی جائے گی اور وہ حضرت آدم علیہ السلام سے درخواست کریں گے کہ جنت کا دروازہ کھلوائیے۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میری ہی خطا کی وجہ سے تم جنت سے نکالے گئے تو میں اس مقام کا اہل نہیں ہوں یعنی جنت میں مسلمانوں کے دخول کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا اس قدر عظیم امر ہے کہ اس کے اہل نہیں۔ یہ بات آپ نے بطور تواضع فرمائی اسی طرح تمام انبیاء نے حق سبحانہ کی جناب میں شفاعت سے معذرت کی اور بالآخر شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب لوگ پہنچے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کی۔ ہو سکتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام شفاعت کا علم ہو لیکن سب نے بتدریج لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھیجا ہو تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ مقام رفیع صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے اور انبیاء میں سے کوئی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک نہیں ہے۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرش الٰہی کے پاس کھڑے ہو جائیں گے' سجدے میں چلے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی محامد بیان فرمائیں گے جو اب تک لسان مبارک پر جاری نہیں ہوئی تھیں۔ پھر ارشاد ہو گا اے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اُٹھایئے مانگئے دیا جائے گا' شفاعت فرمایئے' قبول کی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے اے میرے رب! میری اُمت' میری اُمت! ارشاد ہو گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمت کے ان تمام لوگوں کو جنت میں داخل فرما دیجئے جن پر حساب نہیں ہے۔

اس کے بعد امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا وہ پل صراط کے دونوں طرف کھڑے ہو جائیں گے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ امانت اور رحم کی دین میں عظیم ترین اہمیت کی بناء پر انہیں بھیجا جائے گا اور وہ مشخص ہو کر پل صراط کے دونوں جانب کھڑے ہو جائیں گے۔

پل صراط پر اہل ایمان اپنے اعمال صالحہ کے اعتبار سے گزریں گے' کچھ بجلی کی سی تیزی سے گزر جائیں گے' کچھ ہوا کے جھونکے کی طرح چلے جائیں گے اور کچھ پرندوں کی طرح پرواز کرتے ہوئے چلے جائیں گے اور کچھ اپنے پیروں پر دوڑتے ہوئے چلے جائیں گے اور پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کے اعمال ایسے نہ ہوں گے جو انہیں پل صراط عبور کرا سکیں تو وہ گھسٹتے ہوئے جائیں گے اور پل صراط کے دونوں اطراف آنکڑے نصب ہوں گے' لوگ ان میں اُلجھیں گے اور زخمی ہوں گے اور کچھ زخمی ہو کر بھی پل صراط عبور کر لیں گے اور کچھ نیچے جہنم میں جاگریں گے جس کی گہرائی اس قدر ہو گی کہ اس کی تہہ میں پہنچنے میں ستر برس لگ جائیں گے۔

میت کے مال کی تقسیم سے پہلے قرض ادا کیا جائے

وعن أبي خُبيب بضم الخاء المعجمة عبد الله بن الزبير رضي الله عنهما ، قَالَ : لَمَّا وَقَفَ الزُّبَيْرُ يَوْمَ الجَمَلِ دَعَانِي فَقُمْتُ إِلَى جَنْبه ، فَقَالَ : يَا بُنَيَّ ، إنَّهُ لاَ يُقْتَلُ اليوم إلاَّ ظَالِمٌ أَوْ مَظْلُومٌ، وَإنِّي لا أراني إلاَّ سَأُقْتَلُ اليوم مظلوماً، وإنَّ مِنْ أكبرَ هَمِّي لَدَيْنِي ، أفَتَرَى دَيْننا يُبقي من مالِنا شَيئاً ؟ ثُمَّ قَالَ : يَا بُنَيَّ ، بعْ مَا لَنَا وَاقْضِ دَيْنِي ، وَأَوْصَى بالثُّلُثِ وَثُلُثِهِ لِبَنِيهِ ، يعني لبني عبد الله بن الزبير ثُلُثُ الثُّلث . قَالَ : فَإنْ فَضَلَ مِنْ مَالِنَا بَعْدَ قَضَاء الدَّين شَيء فَثُلُثُه لِبَنِيكَ . قَالَ هِشَام : وَكَانَ بَعْضُ وَلَدِ عَبْدِ اللهِ قَدْ وَازى بَعْضَ بَنِي الزُّبَيْر خُبيبٍ وَعَبَّادٍ ، وَلَهُ يَوْمَئذٍ تِسعَةُ بَنِينَ وَتِسْعُ بَنَات . قَالَ عَبدُ الله : فَجَعلَ يُوصِينِي بدَيْنِهِ وَيَقُولُ : يَا بُنَيَّ ، إنْ عَجَزْتَ عَن شَيْءٍ مِنْهُ فَاسْتَعِنْ عَلَيهِ بمَوْلاَيَ . قَالَ : فَوَاللهِ مَا دَرَيْتُ مَا أرادَ حَتَّى قُلْتُ : يَا أَبَتِ مَنْ مَوْلاَكَ ؟ قَالَ : الله . قَالَ : فَوَاللهِ مَا وَقَعْتُ فِي كُرْبَةٍ مِنْ دَيْنِهِ إلاَّ قُلْتُ : يَا مَوْلَى الزُّبَيْر اقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ فَيَقْضِيَهُ . قَالَ : فَقُتِلَ الزُّبَيْرُ وَلَم يَدَعْ دِيناراً وَلا دِرهماً إلاَّ أَرَضِينَ ، مِنْهَا الغَابَةُ وإحْدَى عَشْرَةَ دَاراً بالمَدِينَةِ، وَدَارَيْنِ بالبَصْرَةِ ، وَدَاراً بالكُوفَةِ ، ودَاراً بِمِصْرَ . قَالَ : وَإنَّمَا كَانَ دَيْنُهُ الَّذِي كَانَ عَلَيهِ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَأْتِيهِ بالمَال ، فَيَسْتَودِعُهُ إيَّاهُ ، فَيَقُولُ الزُّبَيْرُ : لا ، وَلَكِنْ هُوَ سَلَفٌ إنِّي أخْشَى عَلَيهِ

الضَّيْعَةَ . وَمَا وَلِيَ إِمَارَةً قَطُّ وَلا جِبَايَةً وَلا خراجاً وَلاَ شَيئاً إلاَّ أَنْ يَكُونَ فِي غَزْوٍ مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مَعَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رضي الله عنهم ، قَالَ عَبدُ الله : فَحسَبْتُ مَا كَانَ عَلَيهِ مِن الدَّيْنِ فَوَجَدْتُهُ أَلْفَيْ أَلْفٍ وَمِئَتَي أَلف ! فَلَقِيَ حَكِيمُ بنُ حِزَام عَبْدَ الله بْنَ الزُّبَيْرِ ، فَقَالَ : يَا ابْنَ أَخِي ، كَمْ عَلَى أَخِي مِنَ الدَّيْنِ ؟ فَكَتَمْتُهُ وَقُلْتُ : مِئَةُ أَلْف . فَقَالَ حَكِيمٌ : واللهِ مَا أَرَى أَمْوَالَكُمْ تَسعُ هذِهِ . فَقَالَ عَبْدُ اللهِ : أَرَأَيْتَكَ إِنْ كَانَتْ أَلْفَي أَلف وَمِئَتَيْ أَلْف ؟ قَالَ : مَا أَرَاكُمْ تُطِيقُونَ هَذَا ، فَإِنْ عَجَزْتُم عَنْ شَيءٍ مِنْهُ فَاسْتَعِينُوا بِي ، قَالَ : وَكَانَ الزُّبَيرُ قَد اشْتَرَى الغَابَةَ بِسَبْعِينَ ومئة أَلف ، فَبَاعَهَا عَبدُ اللهِ بِأَلْفِ أَلْف وَسِتِّمِئَةِ أَلْف ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ : مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيرِ شَيْءٌ فَلْيُوافِنَا بِالغَابَةِ ، فَأَتَاهُ عَبدُ اللهِ بنُ جَعفَر ، وَكَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيرِ أَرْبعمئَةِ أَلْف ، فَقَالَ لِعَبدِ الله : إِنْ شِئْتُمْ تَرَكْتُهَا لَكمْ ؟ قَالَ عَبدُ الله : لا ، قَالَ : فَإِنْ شِئتُمْ جَعَلْتُمُوهَا فِيمَا تُؤَخِّرُونَ إِنْ إِخَّرْتُمْ ، فَقَالَ عَبدُ الله : لا ، قَالَ : فَاقْطَعُوا لِي قِطْعَةً ، قَالَ عَبدُ الله : لَكَ مِنْ هاهُنَا إِلَى هَاهُنَا . فَبَاعَ عَبدُ اللهِ مِنهَا فَقَضَى عَنْهُ دَينَه وَأَوْفَاهُ ، وَبَقِيَ مِنْهَا أَرْبَعَةُ أَسْهُم وَنِصْفٌ ، فَقَدِمَ عَلَى مُعَاوِيَةَ وَعِنْدَهُ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ ، وَالمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ ، وَابْنُ زَمْعَةَ ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ : كَمْ قُوِّمَتِ الغَابَةُ ؟ قَالَ : كُلُّ سَهْم بمئَة أَلف ، قَالَ : كَمْ بَقِيَ مِنْهَا ؟ قَالَ : أَرْبَعَةُ أَسْهُم وَنصفٌ ، فَقَالَ المُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيرِ : قَدْ أَخَذْتُ مِنْهَا سَهماً بمِئَةِ أَلف ، قَالَ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ : قَدْ أَخَذْتُ مِنهَا سَهْماً بمِئَةِ أَلْف . وَقَالَ ابْنُ زَمْعَةَ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْماً بمِئَةِ أَلْف ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : كَم بَقِيَ مِنْهَا ؟ قَالَ : سَهْمٌ ونِصْفُ سَهْم ، قَالَ : قَدْ أَخَذْتُهُ بِخَمْسِينَ وَمِئَةِ أَلْف . قَالَ : وَبَاعَ عَبدُ الله بْنُ جَعفَر نَصِيبهُ مِنْ مُعَاوِيَةَ بِستِّمِئَةِ أَلْف ، فَلَمَّا فَرَغَ ابْنُ الزُّبَيرِ مِنْ قَضَاء دَيْنِهِ ، قَالَ بَنو الزُّبَيرِ : اقسمْ بَينَنَا مِيرَاثَنَا ، قَالَ : وَاللهِ لا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ حَتَّى أُنَادِي بِالمَوْسِم أَرْبعَ سِنِينَ : أَلا مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيرِ دَيْنٌ فَلْيَأتِنَا فَلْنَقْضِهِ . فَجَعَلَ كُلَّ سَنَةٍ يُنَادِي فِي المَوْسِمِ ، فَلَمَّا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ قَسَمَ بَيْنَهُمْ وَدَفَعَ الثُّلُثَ . وَكَانَ لِلزُّبَيْرِ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ ، فَأَصَابَ كُلَّ امرَأةٍ أَلْفُ أَلف وَمِئَتَا أَلْف ، فَجَمِيعُ مَالِه خَمْسُونَ أَلف أَلْف وَمِئَتَا أَلْف . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیر جنگ جمل میں کھڑے تھے آپ نے مجھے بلایا تو میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہو گیا فرمایا کہ اے میرے بیٹے! آج جو قتل ہو گا وہ یا ظالم ہو گا یا مظلوم اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج میں مظلوم قتل ہو جاؤں گا' مجھے اپنے قرض کی فکر ہے' تمہاری رائے میں قرض کی ادائیگی کے بعد ہمارے مال میں کچھ بچ جائے گا' پھر کہا کہ اے میرے بیٹے ہمارا سارا سامان فروخت کر دو اور میرا قرض ادا کر دو' اور انہوں نے ایک تہائی کی وصیت کی اور تہائی کے تہائی اپنے پوتوں یعنی عبداللہ بن الزبیر کے بیٹوں کو دینے کے لئے کہا' اور کہا کہ اگر قرض کے بعد ہمارے مال میں سے کچھ بچ جائے تو وہ تیرے بیٹوں کا ہے۔

ہشام کا بیان ہے کہ عبداللہ کے بعض بیٹے زبیر کے بعض بیٹوں یعنی خبیب اور عباد کے برابر تھے اور اس وقت زبیر کے نو لڑکے اور نو لڑکیاں تھی۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے باپ مجھے بار بار اپنے قرض کے بارے میں تاکید کرتے رہے اور کہنے لگے اے میرے بیٹے' اگر تم اس قرض کی ادائیگی سے قاصر رہو تو میرے مولیٰ سے مدد طلب کرنا' میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا مراد ہے یہاں تک کہ میں نے کہا کہ ابا آپ رضی اللہ عنہ کا مولیٰ کون ہے؟ کہنے لگا' اللہ! اس کے بعد ان کے قرض کی ادائیگی میں مجھے کچھ مشکل پیش آئی تو میں نے کہا کہ اے زبیر کے مولیٰ! زبیر کا قرض ادا کر دیجئے' اور اللہ کے حکم سے ادا ہو جاتا تھا۔

غرض حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور کوئی دینار و درہم نہ چھوڑے البتہ دو طرح کی زمینیں تھیں ایک غابہ میں تھی' اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں گیارہ گھر' بصرہ میں دو گھر' ایک گھر کوفہ میں اور ایک گھر مصر میں۔ اس قرض کی صورت یہ ہوئی تھی کہ اگر کوئی شخص ان کے پاس مال لے کر آتا کہ ان کے پاس امانت رکھوائے تو زبیر کہتے کہ یہ مال امانت نہیں بلکہ میرے ذمہ تیرا قرض ہے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے' زبیر نہ کہیں حاکم رہے اور نہ کبھی ٹیکس یا خراج کی وصولی پر مامور رہے اور نہ اس طرح کی اور کوئی ذمہ داری قبول کی' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزوات میں شرکت کیا کرتے تھے۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے قرض کا حساب کیا تو وہ بائیس لاکھ نکلا' حکیم بن حزام عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے اور پوچھا: بھتیجے میرے بھائی پر کتنا قرض ہے؟ میں نے ان سے چھپایا اور ایک لاکھ کہہ دیا' اس پر حکیم نے کہا کہ میرا نہیں خیال کہ تمہارے مال سے یہ قرض پورا ہو جائے گا' میں نے کہا کہ اگر بائیس لاکھ ہو تو آپ کیا کہیں گے؟ کہنے لگے یہ تو تمہاری طاقت سے باہر ہے اگر تم عاجز ہو تو مجھ سے مدد لے لینا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی جسے عبداللہ نے سولہ لاکھ میں فروخت کیا پھر اعلان کیا کہ جس کا زبیر پر قرض ہو وہ غابہ میں آکر ہم سے لے لے' عبداللہ بن جعفر آئے ان کے حضرت زبیر پر چار لاکھ تھے' انہوں نے کہا کہ اگر تم کہو تو میں یہ قرض تمہیں معاف کر دوں' عبداللہ نے انکار کیا' تو انہوں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو اس کو مؤخر کر دوں اور بعد میں دے دو' عبداللہ نے کہا کہ نہیں' اس پر حضرت عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ پھر مجھے زمین کا قطعہ الگ کر دو' عبداللہ نے کہا کہ یہاں سے یہاں تک آپ کا قطعہ ہے' اس طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے زمین بیچ کر لوگوں کا قرض ادا کیا اور اس میں سے ساڑھے چار حصے بچے رہے۔

اسی عرصے میں وہ ایک مرتبہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہاں ان کے پاس عمرو بن عثمان' منذر بن زبیر اور ابن زمعہ رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہوئے تھے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ غابہ کی زمین کی تم نے کیا قیمت مقرر کی؟ انہوں نے بتایا کہ ہر حصہ ایک لاکھ کا ہے' انہوں نے پوچھا اب کتنے حصے رہ گئے؟ بتایا ساڑھے چار' اس پر منذر بن زبیر نے کہا کہ ایک لاکھ کا ایک حصہ میں نے لیا' عمرو بن عثمان نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ کا میں نے لیا اور ابن زمعہ نے کہا کہ ایک لاکھ کا ایک حصہ میں نے لیا' اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بولے کہ اب کتنی باقی رہی' بتایا کہ ڈیڑھ' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ قطعہ ڈیڑھ لاکھ میں میں نے لیا۔

راوی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے اپنا حصہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھ لاکھ میں فروخت کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر قرض کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو حضرت زبیر کی اولاد نے کہا کہ اپ ہماری میراث ہمارے درمیان تقسیم کر دیجئے' عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ اللہ کی قسم ابھی میں تمہارے درمیان تقسیم نہ کروں گا جب تک میں چار سال تک موسم حج میں یہ اعلان نہ کرادوں کہ جس کا زبیر کے ذمہ قرض ہو وہ ہم سے آکر لے لے' ہم ادا کر دیں گے۔ غرض وہ ہر سال حج کے موسم میں منادی کراتے رہے۔ جب چار سال گزر گئے تو ان کے درمیان ترکہ کی تقسیم کی اور تہائی حصہ دیدیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں' ہر ایک کے حصے میں بارہ بارہ لاکھ ائے' آپ کی کل میراث پانچ کروڑ دو لاکھ تھی۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے' بہت بہادر تھے' ساری رات نمازیں پڑھتے' صلہ رحمی کرتے اور عطاء و بخشش کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ فرمایا کہ میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں زخمی نہ ہوا ہو۔

واقعہ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵ھ میں مظلوم شہید ہوگئے تھے اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں حج کے لیے تشریف لائی ہوئی تھیں۔

واقعہ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک بڑے اونٹ پر سوار تھیں جو یعلی بن اُمیہ نے دو سو دینار میں خریدا تھا۔ اس موقع پر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آج ظالم مارا جائے گا یا مظلوم شہید ہوگا۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں طرف مسلمان تھے اور ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔

غرض حضرت زبیر نے خیال کیا کہ وہ شہید ہو جائیں گے اس لیے انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو بلایا اور وصیت فرمائی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے ذمہ جو قرض ہے ادا کر دیں اور اگر ادائیگی قرض سے کچھ بچ رہے تو اس میں سے ایک تہائی کی وصیت فرمائی اور تہائی کے تہائی کی وصیت اپنے پوتوں یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر کے بیٹوں کے حق میں فرمائی۔

حضرت زبیر جہاد میں کثرت سے حصہ لیتے تھے جو مال غنیمت ملتا اسے بھی جہاد میں صرف کرتے اور اگر کوئی ان کے پاس امانت رکھتا تو اس کو اپنے ذمے قرض بنا لیتے تھے پھر اس کو بھی امور خیر میں صرف کر دیتے۔ اس طرح ان کے ذمہ بہت بڑا قرض ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے والد کے قرض کی ادائیگی کی سعی بلیغ فرمائی اور تمام قرض ادا کر دیا اور جن حضرات نے مدد کی پیش کش کی ان سے بھی معذرت کر لی کیونکہ حضرت زبیر نے فرمایا تھا کہ بیٹے اگر میرے قرض کی ادائیگی میں دشواری ہو تو میرے مولیٰ سے مدد طلب کرنا۔ حضرت عبداللہ نے حیران ہو کر پوچھا کون مولیٰ؟ فرمایا کہ میرا اللہ! اس پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر کی اس وصیت پر بھی عمل کیا اور کسی انسان کی مدد چاہنے کے بجائے اللہ سے مدد طلب کی اور تمام قرض ادا کر دیا اور چار سال تک حج کے وقت منادی بھی کرائی کہ اگر کسی کا کوئی قرض ہمارے باپ کے ذمہ ہے تو وہ آ کر ہم سے لے لے۔

مسائل کا استنباط

اس حدیث سے کئی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ وغیرہ جیسا کوئی بڑا معاملہ درپیش ہو تو وصیت کرنا مستحب ہے۔ دوسرے یہ کہ وصی تقسیم میراث کو اس وقت تک مؤخر کر سکتا ہے جب تک یہ اطمینان ہو جائے کہ کوئی قرض خواہ باقی نہیں رہا اور سب کا قرض ادا کیا جا چکا ہے، ترکہ کی تقسیم سے پہلے میت کے قرض کی ادائیگی ضروری ہے، تکفین اور تدفین اور ادائے قرض کے بعد میراث تقسیم ہوتی ہے اور اسی طرح مرنے والے کی وصیت پر بھی تقسیم میراث سے قبل عمل کیا جاتا ہے۔ بہرحال قرض کی ادائیگی تقسیم میراث سے قبل لازمی ہے۔

تیسرے یہ کہ پوتوں کے حق میں وصیت کی جا سکتی ہے اگر انکے آباء انکے حاجب بن رہے ہوں۔

باب تحريم الظلم والأمر بردِّ المظالم

ظلم کی حرمت اور ظالم سے حقوق واپس کرنے کے بیان میں

قَالَ اللہ تَعَالَی : ﴿ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴾ [غافر :١٨].

ترجمہ۔ ارشاد خداوندی ہے "اور ظالموں کا کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات قبول کی جائے"۔

وَقَالَ تَعَالَی : ﴿ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴾ [الحج :٧١].

ترجمہ: "نیز فرمایا: اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔"

تفسیر:۔ مطلب آیت کا یہ ہے۔ ان ظالموں کے لیے یعنی مشرکین کے لیے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہے ان کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ظالموں یعنی مشرکین کے پاس نہ کوئی مددگار ہوگا نہ قولاً کہ ان کے فعل کے استحسان پر کوئی حجت پیش کر سکے اور نہ ہی عملاً کہ ان کو عذاب سے بچا سکے۔ (معارف القرآن)

ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی صورت میں ہوگا

(٢) وعن جابر رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((اتَّقُوا الظُّلْمَ ؛ فَإنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ القِيَامَةِ . وَاتَّقُوا الشُّحَّ ؛ فَإنَّ الشُّحَّ أهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ . حَمَلَهُمْ عَلَى أنْ سَفَكُوا دِمَاءهُمْ ، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث ہوگا اور بخل سے بچو اس لئے کہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا۔ بخل نے ان لوگوں کو خونریزی اور محرمات کو حلال کرنے پر برانگیختہ کیا"۔

حدیث کی تشریح

"فَإنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" قیامت کے دن ظلم تاریکیوں کا باعث ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ظالم کو میدان محشر میں اندھیرے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ ان کے پاس وہ نور نہیں ہوگا جو مؤمنین کو ملے گا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں "نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ" قیامت

کے دن مؤمنوں کے لیے نوران کے آگے اور دائیں طرف دوڑتا ہوا ہوگا۔اس سے ظالم لوگ محروم ہوں گے مگر بعض محدثین کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث میں ظلمات سے مراد تکالیف و مشکلات ہیں کہ قیامت کے دن ظالم لوگ تکالیف اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

بخل ہلاکت کا سبب ہے

فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

شح: مال کی شدید محبت کو کہتے ہیں کہ جب انسان کے دل میں دنیا کی انتہائی محبت آجاتی ہے تو پھر وہ نہ حلال و حرام کی تمیز کرتا ہے اور نہ ہی کسی کا خون کرنے سے باز آتا ہے۔

اھلک: ہلاک ہوئے۔ یہ خبر بھی ہوسکتی ہے کہ دنیا میں ہلاک ہوئے۔ دوسرا یہ کہ آخرت میں ہلاک ہوں گے اور بعض نے کہا کہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کی ہلاکت مراد ہے۔(روضۃ المتقین)

حدیث کی تشریح

قولہ' حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ

مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ قیامت کے دن عدل بے مثال درجہ کا ہوگا۔ حتی کہ جانوروں نے بھی اگر ایک دوسرے پر ظلم کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ مظلوم جانور کی دادرسی فرمائے گا۔(نزھۃ المتقین)

اس میں انسانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب بے شعور جانوروں میں عدل ہوگا تو عقل و شعور والے ظالم انسانوں کو کیسے معاف کیا جائے گا۔ان سے بھی ضرور بدلہ لیا جائے گا۔(نزھۃ المتقین)

اس لیے دنیا میں ہی ظلم سے توبہ کرکے اس کی تلافی کرلی جائے۔(نزھۃ المتقین)

دجال کی نشانیاں

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قال : كُنَّا نَتَحَدَّثُ عَنْ حَجَّةِ الوَدَاعِ ، والنَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أظْهُرِنَا ، وَلا نَدْرِي مَا حَجَّةُ الوَدَاعِ حَتَّى حَمِدَ اللهَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأثنَى عَلَيهِ ثُمَّ ذَكَرَ المَسِيحَ الدَّجَّال فَأطْنَبَ فِي ذِكْرِهِ ، وَقَالَ : " مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبيٍّ إلاَّ أنْذَرَهُ أُمَّتَهُ أنْذَرَهُ نُوحٌ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ بَعْدِهِ ، وَإنَّهُ إنْ يَخرُجْ فِيكُمْ فما خَفِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ شَأنِه فَلَيسَ يَخْفَى عَلَيْكُم ، إنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بأعْوَرَ وإنَّهُ أعْوَرُ عَيْنِ اليُمْنَى ، كَأنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ . ألا إنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءكُمْ وَأمْوَالَكُمْ كحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا ، في بلدكم هذا ، في شَهْرِكُمْ هَذَا ، ألا هَلْ بَلَّغْتُ ؟ " قالُوا : نَعَمْ ، قَالَ : " اللَّهُمَّ اشْهَدْ " ثلاثاً " وَيْلَكُمْ أَوْ وَيْحَكُمْ ، انْظُروا : لا تَرْجعُوا بَعْدِي كُفَّاراً يَضْرِبُ بَعْضُكُم رِقَابَ بَعْضٍ " رواه البخاري ، وروى مسلم بعضه .

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے بارے میں بات کر رہے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے اور ہمیں معلوم نہیں تھا کہ حجۃ الوداع کیا ہے' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح دجال کا ذکر کیا اور خوب تفصیل سے ذکر کیا' اور فرمایا کہ اللہ نے جو نبی مبعوث فرمایا ہے اس نے اپنی امت کو فتنۂ دجال سے ڈرایا ہے' چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ڈرایا اور ان کے بعد آنے والے انبیاء نے بھی ڈرایا' اگر وہ تمہارے درمیان نکل آیا تو تمہارے اوپر اس کا حال مخفی نہیں رہے گا اور نہ وہ تمہارے اوپر مخفی رہے گا کیونکہ تمہارا رب کانا نہیں ہے اور وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا' اس کی آنکھ ایسی ہوگی جیسے ابھرا ہوا انگور' اللہ نے تمہارے اوپر تمہارے جان و مال حرام کر دیئے ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں' تمہارے اس مہینے میں' کیا میں نے تمہیں یہ بات پہنچادی؟ صحابہ نے عرض کی جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا' تین دفعہ فرمایا' تم ہلاک ہو یا تمہارے اوپر افسوس' دیکھو میرے بعد کافر ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا۔ (بخاری' کچھ حصہ اس کا مسلم نے روایت کیا ہے)

حدیث کی تشریح

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ حجۃ کا لفظ ح کے زبر اور زیر سے ہے اور دونوں طرح صحیح ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے تشریف لے جانے کا سال ہے اس لیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں اسے حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں کہ اس حج میں اللہ کے گھر میں کوئی کافر و مشرک نہ تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے' ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اسے حجۃ الوداع کیوں کہتے ہیں؟ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو علم نہیں تھا کہ وداع سے مراد خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے تشریف لے جانا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تب علم ہوا کہ یہ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہونے کا سال تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور تفصیل سے دجال کے بارے میں بتایا اور اس کے فتنے سے ڈرایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جان و مال کو تمہارے اوپر حرام قرار دیا ہے اور ان دونوں کی حرمت اس قدر عظیم ہے جیسے آج کے اس دن کی اس شہر کی اور اس مہینہ کی' کسی کی بلاوجہ جان لینا اس قدر بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا ہمیشہ کی جہنم کی سزا ہے۔ فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد کافر بن جاؤ اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو' جیسے زمانہ جاہلیت میں کافر ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ (فتح الباری: ۱/۲۱۰' دلیل الفالحین: ۱/۳۸۹)

دوسرے کی ناحق زمین پر قبضہ کرنیوالے کی وعید

وعن عائشة رضي الله عنها : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " مَنْ ظَلَمَ قيدَ شِبْرٍ مِنَ الأَرْضِ ، طُوِّقَهُ مِنْ سبعِ أَرَضِينَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین ظلماً لے لے اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اگر کسی انسان نے ظلماً کسی کی بالشت بھر زمین دنیا میں لے لی ہو گی تو وہ روز قیامت اسے سات زمینوں کا طوق پہنا دیا جائے گا۔ خطابی فرماتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں کہ یا تو اسے مکلف کیا جائے گا کہ وہ سات زمینیں اُٹھا کر لائے یا یہ کہ اسے سات زمینوں کے اندر دھنسا دیا جائے گا اور سات زمینیں اس کی گردن میں طوق بن جائیں گے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے مفہوم کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحیح البخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ "خسف به الى سبع ارضين" (اسے سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا)۔

اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دے کر پھر سخت پکڑتا ہے

وعن أبي موسى رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"إنَّ الله لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ ، فَإذَا أخَذَهُ لَمْ يُفلِتْهُ " ، ثُمَّ قَرَأَ : ﴿ وكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴾[هود : ١٠٢] مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اللہ گرفت فرمائے گا تو پھر اس کی گرفت سے نہ چھوٹ سکے گا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور اسی طرح ہے تمہارے رب کی پکڑ جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اس کی پکڑ دکھ دینے والی سخت ہے۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے ساتھ گنہگاروں کی فوری گرفت نہیں فرماتا بلکہ انہیں مہلت دیتا رہتا ہے کہ وہ خود ہی باز آجائیں اور توبہ کرلیں لیکن جب گرفت فرماتے ہیں تو اس کی گرفت بہت سخت ہوتی ہے اور کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا۔ اس حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتے ہیں لیکن جب گرفت فرماتے ہیں تو یہ گرفت بہت سخت ہوتی ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَیُمْلِیْ لِلظَّالِمِ"

اللہ تعالیٰ اپنی حسب مشیت و خصلت سے ظالم اور گناہ گار کو مہلت دیتا رہتا ہے تاکہ وہ توبہ کرلیں۔ مگر جب مواخذہ فرماتا ہے تو پھر اس کی گرفت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔"

اس حدیث میں اس بات کی طرف تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ آدمی ظلم و معصیت سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔ اللہ کی اس مہلت سے آدمی کو دھوکہ کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ معلوم نہیں کس وقت اللہ کی طرف سے وہ مہلت ختم ہو جائے اور گرفت شروع ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا

وعن معاذ رضي الله عنه ، قَالَ : بَعَثَنِي رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : ((إنَّكَ تَأتِي قَوْماً مِنْ أهلِ الكِتَابِ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أنْ لا إلَهَ إلاَّ الله ، وَأنِّي رسولُ الله ، فَإنْ هُمْ أطَاعُوا لِذلِكَ ، فَأعْلِمْهُمْ أنَّ اللهَ قَدِ افْتَرضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوات فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيلَةٍ ، فَإنْ هُمْ أطَاعُوا لِذلِكَ ، فَأعْلِمهُمْ أنَّ اللهَ قَدِ افْتَرضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤخَذُ مِنْ أغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ ، فَإنْ هُمْ أطَاعُوا لِذلِكَ ، فَإيَّاكَ وَكَرَائِمَ((٣)) أمْوَالِهِمْ ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ المَظْلُومِ ؛ فَإنَّهُ لَيسَ بَيْنَها وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ((٤)))) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ۔ ''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے (حاکم بنا کر) بھیجا آپ نے وصیت فرمائی کہ تو اہل کتاب کے پاس جائے گا تو ان کو اس بات کی دعوت دینا ہو گی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' اگر وہ اس بات کو تسلیم کر لیں تو انہیں بتایئے کہ اللہ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں' اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو انہیں بتایئے کہ اللہ نے ان پر (ان کے مال) میں زکوٰۃ فرض کی ہے۔ مالداروں سے لیکر فقیروں میں تقسیم کی جائے گی اگر وہ اس کو بھی مان لیں' تو تجھے ان کے عمدہ مالوں سے احتراز کرنا ہو گا اور مظلوم کی بد دعاء سے بچنا' اس لئے کہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا''۔

حدیث کی تشریح

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کب بھیجا؟ اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

۸ھ فتح مکہ کے سال۔ ابن سعد کے نزدیک ۱۰ھ ربیع الثانی میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ۱۰ھ حج النبیؐ سے پہلے بھیجا تھا۔

مسئلہ۔ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

''فَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَائِهِمْ'': ان کے فقراء کو لوٹا دیا جائے۔ اسی جملہ سے امام شافعی و مالک رحمہما اللہ علیہ استدلال فرماتے ہیں کہ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر میں منتقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ بخلاف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے وہ فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر زکوٰۃ کو منتقل کرنا بغیر کسی وجہ سے مکروہ ہو گا۔ اگر دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہوں تو پھر کراہت بھی نہیں آئے گی۔

احناف کہتے ہیں: "فترد الیٰ فقرائھم" "ھم" سے مراد فقراء المسلمین ہیں۔ وہ عام ہیں کہ فقراء اسی شہر کے ہوں یا دوسرے شہر کے۔ علامہ طیبی شافعی فرماتے ہیں کہ اس بات پر تو تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر دوسرے شہر والوں کو زکوٰۃ دے دی گئی تو فرضیت زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اس حدیث میں روزہ اور حج کا ذکر نہیں

سوال: اس حدیث میں روزہ اور حج کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: حدیث میں ایک اعتقادی جزء کلمہ شہادت اور دوسری بدنی عبادت یعنی نماز' تیسری مالی عبادت زکوٰۃ کو بیان کر دیا تمام عبادات اسی میں داخل ہو جاتی ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام ارکان اسلام کا شمار کرنا مقصود نہیں تھا وہ تو حضرت معاذ کو معلوم تھا۔ صرف ایک حد کو ذکر کر کے دعوت الی الاسلام کی طرف تنبیہ کرنا تھا کہ دفعۃً تمام اسلام کی طرف دعوت نہ دیں بلکہ تدریجاً آہستہ آہستہ شریعت پر چلائیں۔

وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ: مظلوم کی بددعا سے بچو کہ مظلوم کی بددعا سے اللہ کا غضب وعتاب فوراً نازل ہو جاتا ہے کیونکہ مظلوم اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

کسی عامل کا ہدیہ وصول کرنے کی وعید

وعن أبي حُمَيدٍ عبد الرحمان بن سعد السَّاعِدِي رضي الله عنه ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مِنَ الأزْدِ يُقَالُ لَهُ : ابْنُ اللُّتْبِيَّةِ عَلَى الصَّدَقَةِ ، فَلَمَّا قَدِمَ ، قَالَ : هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِيَ إِلَيَّ ، فَقَامَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى المِنْبَرِ فَحَمِدَ الله وَأثْنَى عَلَيهِ ، ثُمَّ قَالَ : " أمَّا بَعدُ ، فَإنِّي أسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ منكُمْ عَلَى العَمَلِ مِمَّا وَلاَّنِي اللهُ ، فَيَأتِي فَيقُولُ : هَذَا لَكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيتْ إلَيَّ ، أفَلا جَلَسَ فِي بَيت أبيهِ أَوْ أُمِّهِ حَتَّى تَأتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إنْ كَانَ صَادِقاً ، واللهِ لا يَأخُذُ أحَدٌ مِنْكُمْ شَيئاً بغَيرِ حَقِّهِ إلاَّ لَقِيَ اللهَ تَعَالَى ، يَحْمِلُهُ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَلا أعْرِفَنَّ أحَداً مِنْكُمْ لَقِيَ اللهَ يَحمِلُ بَعيراً لَهُ رُغَاءٌ ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوارٌ ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ " ثُمَّ رفع يديهِ حَتَّى رُؤِيَ بَيَاضُ إبْطَيْهِ ، فَقَالَ : "اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ" ثلاثاً مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوازد کے قبیلے کے ایک شخص کو صدقات کی وصولی پر عامل مقرر کیا اس کو ابن اللتبیہ کہا جاتا تھا جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے 'اللہ کی حمد و ثنا بیان کی' پھر فرمایا: اما بعد' میں تم میں سے ایک آدمی کو ایسے کام کی ذمہ داری سونپتا ہوں جس کی ذمہ داری اللہ نے مجھ پر ڈالی ہے تو وہ آکر کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ میرا ہدیہ ہے' اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ کس طرح اس کے پاس ہدیہ آتا

اگر وہ سچا ہوتا' اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی کسی چیز کو بغیر اس کے حق کے لے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اسے روز قیامت اُٹھائے ہوئے ہوگا' میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ اللہ کے حضور حاضر ہو اور وہ اپنے اوپر اونٹ اٹھائے ہوئے ہو جو بلبلا رہا ہو' یا گائے ہو جو ڈکرا رہی ہو یا بکری ہو اور وہ لمیا رہی ہو' پھر آپ نے دست اقدس اتنے بلند اٹھائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا اے اللہ! کیا میں نے بات پہنچا دی؟" (متفق علیہ)

راوی حدیث: حضرت ابو حمید عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار صحابہ میں سے ہیں۔ آپ سے "۱۲۱" احادیث مروی ہیں جن میں سے تین متفق علیہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخر زمانہ خلافت میں انتقال فرمایا۔ (دلیل الفالحین: ۳۹۴/۱۱)

حدیث کی تشریح: قبیلہ ازد کا ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ تھا مگر "ابن اللُّتبِيَّة" کے لقب سے متعارف تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے مال جمع کرنے کے لیے بھیجا' وہ واپس آیا تو اس نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ چیزیں مجھے ہدیہ میں دی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ہدایہ اسے اس کے منصب کی وجہ سے دیئے گئے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ کسی عہدیدار کے لیے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ بلیغ ارشاد فرمایا اور اپنے اصحابؓ کو قیامت کے حساب کتاب سے ڈرایا اور خاص طور پر اموال صدقات میں اگر کسی نے کوئی اونٹ لیا تو وہ حشر کے دن اسے اپنے اوپر لادے ہوئے آئے گا اور اسی طرح گائے اور بکری' اور یہ جانور اس کے اوپر چیختے چلاتے ہوئے آئیں گے تاکہ مال زکوٰۃ میں خیانت کرنے والے کی روز قیامت خوب رسوائی ہو اور اسے اس وقت ندامت ہو جب وہ اس کی تلافی کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔

قیامت کے دن ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کی ایک صورت

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخيه ، مِنْ عِرضِهِ أَوْ مِنْ شَيْءٍ ، فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ اليَوْمَ قبلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَار وَلاَ دِرْهَمٌ ؛ إنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ ، وَإنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيهِ)) رواه البخاري .

ترجمہ۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا کسی مسلمان (اس کے بھائی کا حق ہو مثلاً) عزت یا اسی طرح کی کوئی اور چیز تو ضروری ہے کہ آج ہی اس سے معافی طلب کر لے اس سے پہلے کہ نہ اس کے پاس دینار رہیں گے نہ درہم'

اگر اس کے نیک اعمال ہوں گے تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے نیکیاں لی جائیں گی اور اگر ظالم کی نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کی برائیوں کو ظالم کے حساب میں لکھ دیا جائے گا"۔

حدیث کی تشریح

لَایَکُوْنُ دِیْنَارٌ وَلَا دِرْھَمٌ: نہ وہاں اس کے پاس دینار ہوگا اور نہ درہم۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی پر کوئی ظلم یا زیادتی وغیرہ کی ہو تو واجب ہے کہ وہ اس ظلم کو حق دار سے ضرور معاف کروائے خواہ اس معافی کے عوض روپیہ' پیسہ دے کر ہی کیوں نہ ہو ورنہ عدم معافی کی صورت میں اس کی نیکیاں لے لے گا یا اس کے اپنے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈال دیا جائے گا۔

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ۔ "حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ شخص ہے کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ شخص ہے جو منہیات کو چھوڑ دے"۔

حدیث کی تشریح: "اَلْمُسْلِمُ" الف لام عہد کا ہے مراد "المسلم الکامل" یعنی کامل مسلمان ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱ص ۱۳۲)

سوال (۱): حدیث بالا "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کا یہ مطلب ہے کہ آدمی صرف دوسروں کو تکلیف نہ دے خواہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے' روزہ رکھے یا نہ رکھے وہ مسلمان کامل ہے؟

جواب: ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسی روایات میں "مع مراعاۃ باقی الارکان" کی قید مقدر ہوتی ہے۔

(فتح الباری ج۱ص ۵۳)

تو باقی دوسرے ارکان کی رعایت بھی وہ کرتا ہے۔

سوال (۲): کیا غیر مسلم وغیرہ کو ایذاء دی جاسکتی ہے حالانکہ اس کی بھی احادیث میں ممانعت آئی ہے؟

جواب: اکثریت کے اعتبار سے کہہ دیا کیونکہ مسلمانوں کا زیادہ تر واسطہ مسلمانوں ہی سے پڑتا ہے۔ (فتح الباری ج۱ص ۵۳) یا مسلمانوں کی قید ان کی عظمت شان کے اعتبار سے ہے۔ کفار محاربین کے علاوہ کسی کو بھی نقصان پہنچانا صحیح نہیں ہے۔

مِنْ لِسَانِهٖ: اس میں گالم گلوچ' لعن طعن' بہتان و غیبت وغیرہ سب شامل ہیں۔

"یَدِہٖ" اس میں مارنا' قتل کرنا' دفع' غلط لکھنا وغیرہ سب شامل ہیں۔
سوال(۳): ید کی تخصیص کیوں کی گئی حالانکہ ایذاء تو دوسرے اعضاء سے بھی دی جاتی ہے؟
جواب: اکثر افعال ہاتھ سے ہوتے ہیں اس لیے اس کا تذکرہ کر دیا۔
سوال(۴): لسان کو ید پر مقدم کیوں کیا گیا؟
جواب: زبان سے تکلیف زیادہ عام ہے' زبان سے حاضر اور غیر حاضر سب کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے بخلاف ہاتھ کے وہ ایسا نہیں اس پر علامہ بدر الدین عینی نے یہ شعر لکھا ہے:

جراحات السنان لها التيام　　ولا يلتام ما جرح اللسان

ترجمہ: "نیزوں کے زخم تو بھر جاتے ہیں لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔"

قولہ "وَالْمُهاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ"

یہاں بھی مہاجر پر الف لام عہد کا ہے یعنی ہجرت کامل یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دے۔
بعض محدثین نے فرمایا: یہ اللہ پاک نے اس وقت ارشاد فرمایا جب کہ مکہ کے مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انصار مدینہ نے خوب ایثار کیا ہر چیز ان کو پیش کرنے لگے۔ اس پر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ ان چیزوں کو لینے کے لیے ہجرت کی تو اب ہجرت کا عمل ضائع ہو جائے گا۔ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرو اس سے حقیقی ہجرت حاصل ہو گی۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۴)
بعض محدثین فرماتے ہیں ہجرت ظاہری تو یہ ہے کہ آدمی دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف آجائے۔ دوسری قسم ہجرت باطنہ یعنی ہجرت حقیقیہ ہے۔ یہ ہجرت وہ ہے جو حدیث بالا میں فرمایا گیا یعنی "هجرت من الذنوب والمعاصی' هجرت من دارالكفر الی دارالاسلام" بذات خود مقصود نہیں' مقصود تو یہ ہجرت باطنہ یعنی ہجرت من الذنوب والمعاصی ہے۔ (تنظیم الاشتات)

مال غنیمت میں خیانت کرنیوالے کا انجام

وعنه رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ كِرْكِرَةُ ، فَمَاتَ ، فَقَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((هُوَ فِي النَّارِ)) فَذَهَبُوا يَنْظُرُونَ إلَيْهِ ، فَوَجَدُوا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا . رواه البخاري .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک آدمی متعین تھا جس کو کرکرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا وہ فوت ہو گیا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے صحابہ کرامؓ اس کے بارے میں تفتیش کرتے اس کے گھر پہنچے تو انہوں نے ایک چادر کو پایا جس کو اس نے چوری کیا تھا"۔

حدیث کی تشریح :يُقَالُ لَهُ كِرْكِرَةُ: ان کا نام کرکرہ مشہور ہوگیا اس لیے ان کے اصل نام میں اختلاف ہوگیا۔ جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے ساتھ چلتے تھے۔

فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کے بارے میں تحقیق کی تو اس کے گھر پہنچے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ "فذھبوا" میں فاء عاطفہ ہے۔ گویا اس لفظ سے پہلے یہ مفہوم محذوف ہے کہ صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب یہ ارشاد سنا تو انہیں معلوم ہوا کہ کرکرۃ کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعید ارشاد فرمائی ہے اس کے بعد جب صحابہؓ نے تحقیق کی تو پھر یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے مال غنیمت سے کچھ لے لیا ہے۔ (مظاہر حق)

اس سے معلوم ہوا کہ خیانت اور چوری کتنی سخت چیز ہے کہ جس کی وجہ سے وہ جہنم کے مستحق ہوگئے (نزھۃ المتقین)۔ اگرچہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔

نیز حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال غنیمت سے تھوڑی چوری کرنا یا زیادہ کرنا سب حرام ہے اور یہ عام چوری سے زیادہ سخت ہے کیونکہ عام چوری کسی ایک آدمی کی ہوتی ہے اور مال غنیمت میں تمام ہی کا حق ہوتا ہے۔ (روضۃ المتقین)

وعن أبي بكْرة نُفَيْع بن الحارث رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : "إنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَته يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ : السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً ، مِنْهَا أرْبَعَةٌ حُرُمٌ : ثَلاثٌ مُتَوالِياتٌ : ذُو القَعْدَة ، وذُو الحِجَّةِ ، وَالمُحَرَّمُ ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشعْبَانَ ، أيُّ شَهْر هَذَا ؟ " قُلْنَا : اللهُ وَرَسُولُهُ أعْلَمُ ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بغَيْرِ اسْمِهِ ، قَالَ : " ألَيسَ ذَا الحِجَّةِ ؟ " قُلْنَا : بَلَى . قَالَ : "فَأيُّ بَلَد هَذَا ؟ " قُلْنَا : اللهُ ورَسُولُهُ أعْلَمُ ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بغَيرِ اسْمِهِ . قَالَ : " ألَيسَ البَلْدَةَ ؟ " قُلْنَا : بَلَى . قَالَ : "فَأيُّ يَوْم هَذَا ؟ " قُلْنَا : اللهُ ورَسُولُهُ أعْلَمُ ، فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بغَير اسْمِهِ . قَالَ : "ألَيسَ يَوْمَ النَّحْر ؟ " قُلْنَا : بَلَى . قَالَ : " فَإنَّ دِماءكُمْ وَأمْوالَكُمْ وَأعْرَاضَكُمْ عليكم حَرَامٌ ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا في بَلَدِكُمْ هَذَا في شَهْرِكُمْ هَذَا ، وَسَتَلْقُونَ رَبَّكُمْ فَيَسْألُكُمْ عَنْ أعْمَالِكُمْ ، ألا فَلا تَرْجعوا بعدي كُفّاراً يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْض ، ألا لِيُبَلِّغ الشَّاهِدُ الغَائِبَ ، فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يَبْلُغُهُ أنْ يَكُونَ أوْعَى لَهُ مِنْ بَعْض مَنْ سَمِعَهُ " ، ثُمَّ قَالَ :" إلاَّ هَلْ بَلَّغْتُ ، ألاَ هَلْ بَلَّغْتُ ؟ " قُلْنَا : نَعَمْ . قَالَ : "اللَّهُمَّ اشْهَدْ" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ گھوم کر اس ہیئت پر واپس آگیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

پیدا فرمایا تھا کہ سال بارہ مہینوں کا ہے چار اس میں سے حرام ہیں تین پے در پے ہیں ذوالقعدہ ذوالحجہ' محرم اور رجب مضر جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے ہیں' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا' یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا' یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ شہر نہیں ہے' ہم نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی: جی ہاں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمہاری جانیں تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن' تمہارا یہ شہر' تمہارا یہ مہینہ' تم عنقریب اپنے رب سے ملنے والے ہو' وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا' میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو' دیکھو جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں' ممکن ہے جسے بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں نے پہنچادیا؟ ہم نے کہا: جی ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ تو گواہ ہو جا۔ (متفق علیہ)

سمیٰ' تسمیۃ۔ (باب تفعیل) نام رکھنا۔ اسم نام' جمع اسماء۔

حدیث کی تشریح: اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ اشہر حرام (حرمت والے مہینے) قرار دیئے گئے تھے اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو "نَسِیْءُ" (مہینوں کو آگے پیچھے کر دینے) کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حرام سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور محرم الحرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار ماہ کی گنتی پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعین میں حسب خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق نسئی کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی اور اس کی وہی صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی' اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰات وَالأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ○

''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کیے تھے آسمان اور زمین' ان میں چار مہینے ہیں رب کے' یہی ہے سید ھا دین۔'' (التوبۃ:۳۶)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع میں خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرب نے مہینوں میں نسیہ کر کے جس طرح گڑبڑ پیدا کر دی تھی اب زمانہ گھوم کر وہاں آ گیا ہے جس وقت اللہ نے آسمان کو اور زمین کو پیدا فرمایا تھا' اب چار مہینے قابل احترام ہیں جن میں تین متصل ہیں اور ایک رجب مضر ہے۔ مضر ایک قبیلہ کا نام تھا اس قبیلہ میں رجب کے مہینے کی بطور خاص تکریم کی جاتی تھی اس لیے رجب مضر فرمایا۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ اب ان مہینوں کی حرمت منسوخ ہو گئی کیونکہ شوال اور ذیقعدہ میں اہل طائف کا محاصرہ کیا گیا اور ہوازن کے ساتھ جنگ کی گئی۔

فرمایا کہ جو یہاں موجود ہے وہ یہ باتیں ان کو پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے اس سے تبلیغ دین اور اشاعت علم کا وجوب مستنبط ہوتا ہے۔(فتح الباری)

جھوٹی قسم سے کسی کے حق کو لینے والے پر وعید

وعن أبي أمامة إياس بن ثعلبة الحارثي رضي الله عنه : أَنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ بيمينه ، فَقدْ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ النَّارَ ، وَحَرَّمَ عَلَيهِ الجَنَّةَ)) فَقَالَ رَجُلٌ : وإنْ كَانَ شَيْئاً يَسيراً يَا رَسُول الله ؟ فَقَالَ : ((وإنْ قَضيباً مِنْ أرَاكٍ)) رواه مسلم .

ترجمہ:''حضرت ابو امامہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص (جھوٹی) قسم کے ساتھ کسی مسلمان کے حق کو پکڑ لیتا ہے اللہ نے اس کیلئے جہنم کو واجب کر دیا اور جنت کو حرام کر دیا ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگرچہ معمولی چیز ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو''۔

حدیث کی تشریح:اس حدیث میں جھوٹی قسم کے ساتھ کسی دوسرے کے مال کو لینے پر سخت وعید ارشاد فرمائی جا رہی ہے کہ ایسے شخص پر جہنم واجب ہو جاتی ہے۔

اَوْجَبَ لَهُ النَّارَ: جہنم کو اس کے لیے واجب کر دیا۔اس کی دو تاویلیں ہوئی ہیں۔ پہلی یہ کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق غصب کرنے کو یہ حلال سمجھتا ہے۔جب اس نے حلال سمجھا تو یہ کافر ہو گا تو اب یہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔

دوسری تاویل یہ بھی ہے ایسا شخص اگرچہ دوزخ کی آگ کا یقیناً سزاوار ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم

سے معاف کر دے یہ بعید نہیں۔ اسی طرح "جنت کو اس پر حرام کر دیا" اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ شخص اول وہلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے سے محروم ہو گا۔ (مرقات)

وعن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "اذا اراد الله بالامیر خیرا جعل له وزیر صدق ان نسی ذکره وان ذکر اعانه، واذا اراد به غیر ذلك جعل له وزیر سوء ان نسی لم یذکره وان ذکر لم یعنه" وراه ابو داؤد باسناد جید علی شرط مسلم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی امیر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے ایک سچا وزیر عطا فرما دیتے ہیں کہ اگر وہ بھول جائے تو اسے یاد دلا دیتا ہے اور اگر یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کچھ اور ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ ایک برا وزیر مقرر کر دیتے ہیں کہ اگر وہ بھول جائے اسے یاد نہیں دلاتا اور اگر سے یاد ہو تو اس کی مدد نہیں کرتا۔ (اس حدیث کو ابو داؤد نے بسند جید روایت کیا اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے)

حدیث کی تشریح: حاکم اور سربراہِ مملکت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو شریک کار کرے جو اپنے کاموں کے ماہر ہونے کے ساتھ اللہ سے ڈرنے والے ہوں اور اس حاکم کے ساتھ بھی مخلص ہوں اور مسلمانوں کے بھی ہمدرد اور خیر خواہ ہوں تاکہ وہ اس کی بروقت راہنمائی کر سکیں اگر ایسا ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رضامندی کی دلیل ہے۔ نیز حدیث مبارک میں تنبیہ ہے کہ حکمران برے کردار کے حامل افراد کو رازدار نہ بنائیں جو ان کے بگاڑ اور سرکشی کا ذریعہ بنیں۔ (نزھۃ المتقین: ۱/۵۴۳ - روضۃ المتقین: ۲/۲۱۷)

شہید ہونے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے

وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قَالَ : لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيبَر أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقالُوا : فُلَانٌ شَهِيدٌ ، وفُلانٌ شَهيدٌ ، حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ ، فقالوا : فُلَانٌ شَهيدٌ . فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((كَلاَّ ، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا((۲)) أَوْ عَبَاءَة)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر کا دن ہوا تو آپ کے صحابہؓ میں سے ایک جماعت آئی انہوں نے عرض کیا فلاں شہید اور فلاں شہید ہے یہاں تک کہ وہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے اور کہا فلاں بھی شہید ہے' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بالکل نہیں میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے ایک چادر یا ایک عباء کی وجہ سے جس کی اس نے خیانت کی تھی"۔

حدیث کی تشریح: اِنِّیْ رَاَیْتُهُ فِی النَّارِ: میں نے اس کو جہنم میں دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ

حقوق العباد شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے اس لیے اس کو ادا کرنے کی پوری کوشش کرتے رہنا چاہیے۔
راوی کو شک ہے کہ آپ نے بردۃ فرمایا تھا یا عباءۃ فرمایا۔
بعض روایات میں اس کے بعد یہ جملہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر بن الخطاب! لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر مؤمن۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں لوگوں میں گیا اور اعلان کیا کہ جنت میں مؤمن داخل ہوں گے۔

شہید کا قرض معاف نہیں ہوتا

وعن أبي قتادة الحارث بن ربعي رضي الله عنه ، عن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنَّهُ قَامَ فيهم، فَذَكَرَ لَهُمْ أنَّ الجهَادَ في سبيلِ الله، وَالإيمَانَ بالله أفْضَلُ الأعْمَال ، فَقَامَ رَجُلٌ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ الله ، أرَأيْتَ إنْ قُتِلْتُ في سبيلِ الله ، تُكَفَّرُ عَنّي خَطَايَايَ ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((نَعَمْ، إنْ قُتِلْتَ في سبيلِ الله، وَأنْتَ صَابرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبلٌ غَيرُ مُدْبر)) ثُمَّ قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((كَيْفَ قُلْتَ ؟)) قَالَ : أرَأيْتَ إنْ قُتِلْتُ في سبيلِ الله ، أتُكَفَّرُ عَنّي خَطَايَايَ ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((نَعمْ ، وَأنْتَ صَابرٌ مُحْتَسِبٌ ، مُقْبلٌ غَيرُ مُدْبِرٍ ، إلاَّ الدَّيْنَ ؛ فإنَّ جبريلَ عليه السلام قَالَ لي ذلِكَ((٤)))) رواه مسلم .

ترجمہ: ''حضرت ابو قتادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ میں (خطبہ دینے) کیلئے کھڑے ہوئے' آپ نے فرمایا'' جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ تمام اعمال سے افضل ہے'' ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے عرض کیا یارسول اللہ! بتایئے اگر میں اللہ کے راستہ میں قتل ہو جاؤں کیا میرے گناہ مجھ سے دور ہو جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تو اللہ کے راستہ میں شہید ہو جائے جب کہ تو صبر کرنے والا' طلب ثواب کرنیوالا' آگے بڑھنے والا ہو' پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کیا بتایئے اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے گناہ مجھ سے دور ہو جائیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تو قتل ہو جائے تو صبر کرنیوالا' ثواب کا ارادہ رکھنے والا' جنگ کی طرف متوجہ ہونے والا اور پشت پھیرنے والا نہ ہو۔ ہاں قرض معاف نہیں ہوگا۔ جبرائیل نے مجھ سے یہ بات کہی ہے''۔

حدیث کی تشریح

اس حدیث میں حقوق العباد کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ بہت سخت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

حقوق یعنی عبادات و طاعات کی کوتاہی کو معاف فرمادیتے ہیں مگر بندوں کے حقوق کو معاف نہیں کرتے (مرقاۃ)۔ اگرچہ بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ شہید ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

فَاِنَّ جِبْرَائِیْلَ قَالَ لِیْ: اس سے معلوم ہوا کہ جبریل امین صرف قرآن کو لے کر نازل نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کے علاوہ بھی دیگر ہدایات اور احکام لے کر اترتے رہتے تھے۔ (مرقاۃ)

بعض علماء فرماتے ہیں شہید سے بھی حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ یہ وہ شہید ہے جو بری جنگ میں شہید ہوا ہو۔ بحری جنگ میں شہید ہونے والا اس سے مستثنیٰ ہے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بحری جنگ میں شہید ہونے والے کے تمام گناہ حتیٰ کہ دین قرض بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

مفلس کی تعریف

(۱) وعن أبي هُريرةَ رضي الله عنه: أنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((أتدرونَ مَنِ المُفْلِسُ؟)) قالوا: المفْلِسُ فِينا مَنْ لا دِرهَمَ لَهُ ولا مَتَاع، فَقَالَ: ((إنَّ المُفْلسَ مِنْ أُمَّتي مَنْ يأتي يومَ القيامَةِ بصلاةٍ وصيامٍ وزكاةٍ، ويأتي وقَدْ شَتَمَ هَذَا، وقَذَفَ((۲)) هَذَا، وَأكَلَ مالَ هَذَا، وسفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وهَذَا مِنْ حَسناتهِ، فإنْ فَنِيَتْ حَسَناتُه قَبْلَ أنْ يُقضى مَا عَلَيهِ، أُخِذَ مِنْ خطَايَاهُم فطُرِحَتْ عَلَيهِ، ثُمَّ طُرِحَ في النَّارِ)) رواه مُسلم.

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا مفلس ہم اس شخص کو سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ' مال ومتاع نہ ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ انسان ہے جو قیامت کے دن نماز' روزہ' زکوٰۃ اعمال کے ساتھ آئے گا لیکن کسی کو گالی دی ہے' کسی پر تہمت طرازی کی ہو گی اور کسی کا مال کھایا' کسی کا خون گرایا اور کسی کو مارا ہو گا' تو اس مظلوم کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور دوسرے کو بھی اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی' اگر اس کے مظالم کی ادائیگی سے قبل اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان مظلوموں کی غلطیاں اس پر پھینک دی جائیں گی اور اسے جہنم میں گرادیا جائے گا“۔

حدیث کی تشریح: اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ:

میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز' روزہ' زکوٰۃ لے کر آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز' روزوں اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کے ساتھ اخلاقیات کا اہتمام اور معاملات کی درستی بھی ضروری ہے۔ صرف عبادات سے قیامت کے دن نجات نہیں ہو گی جب تک کہ اخلاقیات اور معاملات میں غفلت اور اعراض نہ کر رہا ہو۔

اسی طرح اس کا عکس کہ آدمی عبادات وغیرہ نہ کرے صرف اخلاقیات اور معاملات کا احیاء کرے۔ تب بھی نجات نہیں ہوگی سب کا ہی خیال رکھنا ضروری ہے۔

باطل دعویٰ کے ذریعہ مال غصب کرنے پر جہنم کی وعید

وعن أم سلمة رضي الله عنها : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إِنَّمَا أنا بَشَرٌ ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ ، فَأَقْضِيَ لَهُ بِنَحْوِ مَا أَسْمَعُ ، فَمَنْ قَضَيتُ لَهُ بِحَقِّ أخِيهِ فَإِنَّما أقطَعُ لَهُ قِطعةً مِنَ النَّارِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . " أَلْحَن " أي: أعلم.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک میں انسان ہوں اور تم اپنے تنازعات میرے پاس لاتے ہو، ہو سکتا ہے کہ تم میں کچھ دلیل میں دوسرے سے زیادہ تیز ہوں اور میں جس طرح سنوں اس کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کردوں، اگر میں اسے فیصلہ میں اس کا بھائی کا حق دیدوں تو گویا میں نے اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہوں۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ سے کلام کا آغاز فرمایا کہ سہو اور نسیان انسان سے مستبعد نہیں ہے بلکہ انسانی وجود خود ہی نسیان کا متقاضی ہے اور فرمایا کہ جب تم میرے پاس اپنے تنازعات لاتے ہو تو میں اس میں فریقین کے دلائل سن کر فیصلہ کرتا ہوں ہو سکتا ہے کہ صاحب حق دلیل میں کمزور ہو یا اس کے پاس دلیل نہ ہو اور جو صاحب حق نہیں وہ اپنا حق ہونے کی دلیل پیش کردے، اگر میں نے اپنے فیصلے سے کسی کو کوئی چیز دے دی جو دراصل اس کی نہیں ہے تو یہ جہنم کا ایک انگارہ ہے، اس شخص کو چاہیے کہ اسے ہرگز نہ لے بلکہ خود ہی صاحب حق کو اس کا حق لوٹادے۔

اس حدیث سے علماء کرام نے یہ استنباط کیا ہے کہ اگر عدالت سے کسی کو کوئی حق مل جائے جو فی الواقع اس کا نہیں تھا تو وہ اس کا نہیں ہے اسے چاہیے کہ اس صاحب کو لوٹادے ورنہ یہ اسکے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔

(فتح الباری: ۲/۱۷۰، روضۃ المتقین: ۱/۲۷۲، دلیل الفالحین: ۱/۴۰۶)

مومن جب تک ناحق قتل نہ کرے کشادگی میں ہوتا ہے

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :((لَنْ يَزَالَ المُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ ((٥)) مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَماً حَرَاماً)) رواه البخاري .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن جب تک حرام خون کو نہ گرائے وہ اپنے دین (کے ضوابط) کے لحاظ سے آزادی میں رہتا ہے"۔

حدیث کی تشریح

"لَنْ یَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِیْ فُسْحَۃٍ مِنْ دِیْنِہٖ" کہ مؤمن جب تک حرام خون نہ گرائے وہ اپنے دین میں آزاد رہتا ہے۔اس کے عموماً محدثین دو مطلب بیان فرماتے ہیں۔

(۱) مؤمن جب تک کسی کا ناحق خون نہیں بہاتا اسے دین پر عمل کرنے کی توفیق ملتی رہتی ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے لیے کشادہ رہتی ہے۔جب وہ ناحق قتل کرتا ہے تو پھر اس پر اللہ کی رحمت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اس پر اللہ کی رحمت تنگ ہو جاتی ہے اور پھر وہ ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے جو رحمت خداوندی سے ناامید و محروم ہیں۔(مظاہر حق جدید ۳/ ۵۱۲ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ' دلیل الطالبین ۱/ ۲۳۳)

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جانور کے بھی ناحق مارنے پر احادیث میں ممانعت آئی ہے تو پھر انسان اور انسانوں میں سے وہ بھی مؤمن کے قتل کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے؟(روضۃ المتقین ۱/ ۲۷۴)

ناحق مال کھانے پر جہنم کی وعید

وعن خولة بنتِ عامر الأنصارية ، وهي امرأة حمزة رضي الله عنه وعنها ، قَالَتْ : سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " إنَّ رِجَالاً يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ الله بغَيرِ حَقٍّ ، فَلَهُمُ النَّارُ يَومَ القِيَامَةِ " رواه البخاري.

ترجمہ: حضرت خولہ بنت عامر انصاریہ' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بعض لوگ اللہ کے مال میں بغیر حق تصرف کرتے ہیں' ان کے لئے روز قیامت جہنم ہے۔(بخاری)

راوی حدیث: اُم محمد حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ان سے آٹھ احادیث مروی ہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے۔(دلیل الفالحین:۱/ ۴۰۹)

حدیث کی تشریح: اس حدیث میں اور دیگر متعدد احادیث میں کسی کا مال ناحق لے لینے پر جہنم کی وعید آئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں مذکورہ حدیث کا مضمون ان الفاظ میں آیا ہے "بیشک دنیا سرسبز و شاداب ہے اور کچھ لوگ اللہ کے مال میں بغیر حق گھسے جاتے ہیں' ان کے لیے روز قیامت جہنم کی آگ ہے" اور ایک حدیث میں فرمایا کہ دنیا سرسبز و شاداب ہے جس نے اس سے اپنا حق لیا اسے اس میں برکت دی گئی اور کوئی ایسا ہے جو اللہ کے مال میں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں گھستا ہے وہ روز قیامت جہنم میں ڈالا جائے گا۔

عام مسلمانوں کے مال میں تصرف کرنا اور اسے ذاتی مفادات میں استعمال کرنا سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔

باب تعظیم حرمات المسلمین و بیان حقوقهم والشفقة علیهم ورحمتهم حرمات مسلمین کی تعظیم ان پر شفقت' رحمت اور انکے حقوق کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى:﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾[الحج:۳۰]

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:"جو اللہ کے احکام کی تعظیم کریگا تو اسکے رب کے پاس اس کیلئے خیر ہے۔"(الحج:۳۰)

تفسیر: پہلی آیت میں فرمایا کہ جو شخص ان امور کا احترام اور ادب کرے جن کا اللہ تعالیٰ نے ادب واحترام مقرر فرمایا ہے تو یہ خیر عظیم اس کے لیے اللہ کے خزانہ رحمت میں جمع ہو جائے گی۔ مراد یہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ نے منع فرمایا اور جن امور کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے ان کو چھوڑ دینا اور ان سے باز رہنا ہر مسلم پر لازم ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے اور ان کا ادب مقرر کیا ہے ان کی تعظیم کرنا اور ان کا ادب بجالانا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔(تفسیر مظہری' تفسیر عثمانی' معارف القرآن)

وَقَالَ تَعَالَى﴿ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴾ [الحج:۳۲]

ترجمہ اور فرمایا:"جو اللہ کے مقرر کیے ہوئے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کا تقویٰ ہے۔"(الحج:۳۲)

تفسیر: دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یہ نشانی ہے تقویٰ اور پرہیز گاری کی۔ آیت میں شعائر کا لفظ آیا ہے جو شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں جو چیز کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامت خاص سمجھی جاتی ہو وہ اس کے شعائر کہلاتے ہیں۔ شعائر اسلام ان خاص احکام کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔(معارف القرآن:۶/۲۶۳)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ [الحجر : ۸۸]

ترجمہ اور فرمایا:"اور ایمان والوں کے لیے اپنے بازو جھکاؤ۔" (الحجر:۸۸)

تفسیر: تیسری آیت میں فرمایا کہ اہل ایمان کے ساتھ نرمی' شفقت اور محبت کا برتاؤ کیجئے ان کے لیے اپنے پہلو کو جھکا دیجئے کہ اس سے انہیں فائدہ پہنچے گا۔

وَقَالَ تَعَالَى:﴿مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً ﴾ [المائدة : ۳۲]

ترجمہ: نیز فرمایا:"جس شخص نے کسی کو قتل کیا' بغیر جان کے بدلے یا فساد فی الارض کے' اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اسے زندہ رہنے دیا تو گویا تمام انسانوں کی زندگی کا موجب ہوا۔"(المائدہ:۳۲)

تفسیر: چوتھی آیت میں بیان فرمایا کہ کسی انسان کو ناحق قتل کر دینا ایک جرم عظیم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی انسان کے پاس اللہ کی امانت ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے سب بندوں کے مالک ہیں اسی طرح ان کی جانوں کے بھی مالک ہیں۔ انسان نہ اپنی جان کا مالک ہے اور نہ کسی اور کی جان۔ اسی لیے خودکشی بھی حرام ہے اور کسی اور انسان کو قتل کرنا ایسا ہے جیسا ساری انسانیت کو قتل کر دینا اور کسی کو بچالینا ایسا ہے جیسے ساری انسانیت کو بچالینا۔ مجاہد کا قول ہے کہ اگر کسی نے کسی کو ناحق قتل کیا تو وہ اس جرم کی وجہ سے جہنم میں اس طرح جائے گا جس طرح اگر وہ تمام انسانوں کو قتل کر دیتا تب جہنم میں جاتا اور اگر کسی آدمی کو ناحق قتل سے بچالیا تو گویا اس نے سب لوگوں کو بچالیا۔ (تفسیر مظہری، معارف القرآن)

ہر مومن دوسرے مومن کیلئے دیوار کی طرح ہے

وعن أَبي موسى رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "المُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً " وشبَّكَ بَيْنَ أصَابعِهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن مؤمن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوط رکھتا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نادر اور دل کش تشبیہ کے ساتھ مسلمانوں کی باہمی اخوت و برادری اور الفت و محبت کو ظاہر فرمایا ہے کہ تمام مسلمان باہم مل کر ایک عمارت کی طرح ہیں' عمارت کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کے لیے اور پوری عمارت کے لیے باعث تقویت ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے باعث قوت ہے اور سب مسلمانوں کے باہمی تعاون سے ان کے دینی اور دنیاوی امور پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو سارے معاملات ابتری سے دوچار ہو جائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید توضیح کے لیے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پروئیں اور اس طرح مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کو بیان فرمایا۔ (فتح الباری: ۱/۵۶۲، دلیل الفالحین: ۲/۴۲، روضۃ المتقین: ۱/۲۷۶)

کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ دے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ مَرَّ فِي شَيْءٍ مِنْ مَسَاجِدِنا ، أَوْ أَسْوَاقِنَا ، وَمَعَهُ نَبلٌ فَلْيُمْسِكْ ، أَوْ لِيَقْبِضْ عَلَى نِصَالِهَا بكَفِّه ؛ أنْ يُصيبَ أَحَداً مِنَ المُسْلِمِينَ مِنها بشَيْءٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہماری مساجد یا ہمارے بازار میں سے تیر لے کر گزرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے اگلے تیز حصہ کو روک لے یا اس کو ہاتھ میں کر لے تاکہ کسی مسلمان کو اس سے تکلیف نہ پہنچے۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان کی فلاح و بہتری کے لیے بے شمار ارشادات فرمائے' ان میں سے ایک اہم ارشاد یہ ہے کہ کوئی شخص عام مقامات (مسجد / بازار) سے ہتھیار لے کر نہ چلے۔ اگر تیر وغیرہ لے کر جا رہا ہے تو اس کو اس طرح پکڑ لے کہ اس کا تیز حصہ اپنی طرف رکھے اور اسے مضبوطی سے پکڑے' بلا ضرورت اور محض اظہار قوت و شوکت کے لیے ہتھیار لے کر چلنا درست نہیں۔ (نزہۃ المتقین: ۱/ ۲۳۲)

وعن النعمان بن بشير رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((مَثَلُ المُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ ، مَثَلُ الجَسدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الجَسَدِ بِالسَّهَرِ والحُمَّى)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ:۔ "حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کی مثال باہم مؤدت والفت' رحمت و شفقت کرنے میں مثل جسم کے ہے جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا تمام جسم بیداری اور بخار کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے"۔

حدیث کی تشریح: تمام مسلمان اتفاق و اتحاد میں ایک جسم کے مانند ہیں۔ مسلمانوں کی آپس کی طاقت کا سرچشمہ آپس کی محبت و موانست اور باہمی روابط و تعلق اسلام کی وجہ سے ہو کہ ہر مسلمان دوسرے کے لیے ایسا بن جائے جیسا کہ دو حقیقی بھائی ہیں کہ وہ ہر موقع پر دوسرے کے دُکھ و درد میں شریک رہتے ہیں اور تمام معاملات کو رحم دلی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد و اعانت کرتے رہتے ہیں اور جب تشخص و انفرادی سطح پر یہ ربط و تعلق ایک دوسرے کو جوڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جب ہی تو سارے مسلمان ایک مضبوط اجتماعی حیثیت اور ایک عظیم طاقت بن جاتے ہیں۔ اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان ایک بدن کے مانند ہیں۔ بدن کا کوئی عضو درد کرتا ہے تو تمام بدن اس درد کو محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح تمام مسلمان بن جائیں کہ اگر کسی کو کوئی تکلیف ہوتی ہو تو تمام ہی یہ سمجھیں کہ یہ تکلیف مجھ کو ہے اور اس میں رنگ و نسل' زبان اور علاقے اور ملک کو نہ دیکھیں صرف مسلمان ہونے کی حیثیت کو سامنے رکھیں۔

جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَبَّلَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الحَسَنَ بْنَ عَليٍّ رضي الله عنهما ، وَعِنْدَهُ الأَقْرَعُ بْنُ حَابس ، فَقَالَ الأَقْرَعُ : إنَّ لِي عَشرَةً مِنَ الوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أحَداً . فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : " مَنْ لا يَرْحَمْ لاَ يُرْحَمْ ! " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت حسن بن علی کو پیار کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت اقرع بن حابس بھی تھے' اقرع بولے کہ میرے تو دس بیٹے ہیں' میں نے ان میں سے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک موقعہ پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیار فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے تھے تو وہ بولے کہ میرے تو دس بیٹے ہیں' میں نے کسی سے پیار نہیں کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا اور فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا یعنی جو اللہ کے بندوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتے۔

علماء نے فرمایا کہ بچوں کو پیار کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

(فتح الباری: ۳/۸/۱۷، دلیل الفالحین: ۲/۶)

بچوں کا بوسا لینا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہے

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : قَدِمَ نَاسٌ مِنَ الأعْرَابِ عَلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقالوا : أتُقَبِّلُونَ صِبْيَانَكُمْ ؟ فَقَالَ : ((نَعَمْ)) قالوا : لَكِنَّا والله مَا نُقَبِّلُ! فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أَوَ أَمْلِكُ إنْ كَانَ اللهُ نَزَعَ مِنْ قُلُوبِكُم الرَّحْمَةَ !)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ:۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ چند اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے کیا تم اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں' انہوں نے کہا: لیکن ہم بخدا انہیں چومتے (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں اس کا ذمہ دار ہوں اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت کو چھین لیا ہے"۔

حدیث کی تشریح: قَدِمَ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَاب: چند دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے کہ دیہات والوں میں سختی ہوتی ہے۔ اس کی گواہی قرآن میں بھی ہے: "اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا الآية"

یہ کون لوگ تھے اس کے بارے میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں بعض نے تو اقرع بن حابس کہا اور بعض نے عیینہ بن حصین کہا۔

اَوَ اَمْلِكُ اِنْ كَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنْ قُلُوْبِكُمُ الرَّحْمَةَ: میں کیا اس کا ذمہ دار ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے رحمت کو چھین لیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بے رحمی و بے مروتی اور سخت دلی کے خلاف اظہار نفرت کرنا ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا

ہے کہ رحم و شفقت اللہ جل شانہ کی طرف سے ایک بہترین عطیہ ہے۔اگر اللہ جل شانہ نے کسی کے دل سے رحم وشفقت کو نکال دیا تو پھر کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس کے اندر یہ پیدا کر سکے۔

وعن جرير بن عبد الله رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ لاَ يَرْحَم النَّاسَ لاَ يَرْحَمْهُ الله)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ:۔"حضرت جریر بن عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ پاک بھی اس پر رحم نہیں کرتے"۔

حدیث کی تشریح:مَنْ لاَّ یَرْحَمُ النَّاسَ لَایَرْحَمُهُ اللّٰهُ: جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ پاک بھی اس پر رحم نہیں کرتے۔اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔صرف انسان ہی نہیں بلکہ جانوروں کے ساتھ رحم کے معاملہ کا بھی حکم ہے۔اس رحم کی وجہ سے اللہ جل شانہ خوش ہو کر اس پر رحم فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں صرف "الناس" لوگوں کا تذکرہ کیا۔اس کی خصوصیت کی بناء پر ورنہ اس میں حیوانات اور چرندو پرند سب داخل ہیں۔

امام ہلکی اور مختصر نماز پڑھائے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ للنَّاس فَلْيُخَفِّفْ ، فَإِن فيهم الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالكَبيرَ ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُم لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّل مَا شَاءَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي رواية : ((وذَا الحَاجَةِ)) .

ترجمہ:۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے اس لئے کہ ان میں کمزور' بیمار' بوڑھے اور ایک روایت میں حاجت مند ہوتے ہیں جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے لمبی کرے"۔

حدیث کی تشریح:اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ: جب کوئی تم میں سے نماز پڑھائے۔دوسری روایت میں "اِذَا اَمَّ اَحَدُکُمْ فَلْیُخَفِّفْ" کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ جو امامت کرے'تم میں سے امام کو مقتدیوں کا خیال رکھتے ہوئے تخفیف نماز کی تاکید کی گئی ہے۔تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ قرأت لمبی نہ ہو' تسبیحات رکوع وسجدہ میں تین سے زائد نہ کہے۔مگر تخفیف میں نماز کے سنن واجبات وغیرہ میں تخفیف نہ کرے۔تعدیل ارکان وغیرہ کو بھی اچھی طرح ادا کرے۔

وَالسَّقِیْمَ وَالْکَبِیْرَ: بیمار اور بوڑھے کا خیال رکھے۔ایک دوسری روایت میں "حَامِلٌ وَالْمُوْضِعُ" حاملہ عورت دودھ پلانے والی عورت کا بھی تذکرہ آتا ہے اور ایک حدیث میں "عَابِرُ السَّبِیْلِ" (مسافر) کا بھی اضافہ ہے۔ایک روایت میں "وَذَاالْحَاجَةِ" (ضرورت مند) کا اضافہ بھی ہے۔

اُمت پر رحم کھاتے ہوئے عمل چھوڑ دیتے تھے

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : إنْ كَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ، وَهُوَ يُحبُّ أنْ يَعْمَلَ بهِ؛ خَشْيَةَ أنْ يَعمَلَ بهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عليهِمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت کسی عمل کو چھوڑ دیتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کرنا چاہتے' اس خیال سے کہ لوگ اس پر عمل کریں اور ان پر فرض ہو جائے۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی عمل خیر کرنا چاہتے مگر بعض اوقات اُمت پر شفقت فرما کر اس کو نہ کرتے۔ اس خیال سے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کا اہتمام کیا تو صحابہ کرامؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس عمل کو کریں گے اور اس طرح کہیں وہ عمل اُمت پر فرض نہ ہو جائے اور پھر اُمت کو اس فرض کی ادائیگی میں مشقت کا سامنا کرنا پڑے۔

جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تین رات تراویح پڑھائی لیکن چوتھی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی امامت کے لیے باہر تشریف نہیں لائے۔ صحابہ کرامؓ نے انتظار فرمایا بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور تم اس سے عاجز ہو جاؤ۔

اُمت کیلئے صوم وصال ممنوع ہے

وَعَنْهَا رضي الله عنها ، قَالَتْ : نَهَاهُمُ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عنِ الوِصَال رَحمَةً لَهُمْ ، فَقَالُوا : إنَّكَ تُوَاصِلُ ؟ قَالَ : " إنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ ، إنِّي أبيتُ يُطْعمُني رَبِّي وَيَسقِيني " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .معناهُ : يَجْعَلُ فِيَّ قُوَّةَ مَنْ أكَلَ وَشَرِبَ .

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ پر رحم کرتے ہوئے انہیں صوم وصال سے منع فرمایا' صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں' میں رات اس طرح گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صوم وصال سے منع فرمایا تاکہ آپ علیہ السلام ان کو زحمت اور مشقت سے بچائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تقرب الی اللہ اور اس اعلیٰ مقام کے باوجود جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرفراز ہیں صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں اور صحیح بخاری کی ایک روایت

میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون میرا جیسا ہے، مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال میں تفکر اور مشاہدہ تجلیات حق میں مصروف رہنے سے جو روحانی غذا حاصل ہوتی ہے وہ اس جسمانی غذا سے کہیں زیادہ تقویت دینے والی تھی یعنی روحانی غذا انسان کو جسمانی غذا سے مستغنی کر دیتی ہے۔(عمدۃ القاری:۱۱/۱۰۴، روضۃ المتقین:۱/۲۸۱، دلیل الفالحین:۲/۱۰)

بچوں کے رونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کو مختصر کرنا

وعنِ أبي قَتادةَ الحارثِ بن ربعِي رضي الله عنه ،قَالَ:قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إنِّي لأَقُومُ إلَى الصَّلاة ، وَأُرِيدُ أنْ أُطَوِّلَ فِيهَا ، فَأَسْمع بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجوَّزَ في صَلاتي كَرَاهية أنْ أشُقَّ عَلَى أُمِّهِ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت حارث بن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز پڑھانے کھڑا ہوتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ نماز طویل کردوں، پھر کسی بچے کی رونے کی آواز سن کر اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ بچے کی ماں پر دشواری ہو۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک دلیل ہے اس امر پر کہ امام اپنے مقتدیوں کا خیال رکھے اور ان پر شفقت و مہربانی کا رویہ اختیار کرے۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ نماز میں قرأت لمبی کروں کہ مجھے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان نہ ہو کہ اس کا دل نماز میں بچے کی طرف لگا رہے گا۔ غرض امام کو اپنے مقتدیوں کے احوال کی رعایت رکھنی چاہیے اور نماز پڑھانے میں اختصار سے کام لینا چاہیے۔ اختصار سے مراد قرأت کا اختصار ہے ورنہ نماز کے سنن واستحباب کی پابندی بہرحال لازم ہے۔(روضۃ المتقین:۱/۲۸۱)

صبح کی نماز پڑھنے سے آدمی اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے

(۲) وعن جندب بن عبد الله رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ صَلَّى صَلاةَ الصُّبحِ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ(۳)) الله فَلاَ يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ مِنْ ذِمَّته بشَيءٍ ، فَإنَّهُ مَنْ يَطْلُبْهُ منْ ذمَّته بشَيءٍ يُدْرِكْهُ ، ثُمَّ يَكُبُّهُ عَلَى وَجْهِهِ في نَار جَهَنَّمَ)) رواه مسلم .

ترجمہ:۔ "حضرت جندب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کی حفاظت میں ہے۔ پس ضروری ہے کہ اللہ پاک تم کو کسی چیز کیساتھ اپنی حفاظت سے نہ نکالے اس لئے کہ جس شخص کو اللہ نے کسی چیز کی وجہ سے اپنے ذمہ سے نکال دیا اللہ پاک اس کو پکڑیں گے۔ پھر اس کو منہ کے بل دوزخ کی آگ میں گرادیں گے"۔

حدیث کی تشریح: مَنْ صَلَّى صَلاةَ الصُّبحِ: مراد فجر کی نماز ہے۔ جو صبح کی نماز پڑھے وہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں آگیا۔ اب کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کے مال یا جان کا نقصان کرے۔

اس میں ایک اشارہ فجر کی نماز کی تاکید کا بھی ہے کہ وہ غفلت اور نیند کا وقت ہوتا ہے۔ اس نماز کو زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کو فرمایا گیا ہے اور اس پر اس بات کی طرف بھی تنبیہ کرنا ہے کہ نمازی سے خاص کر کے تعرض نہ کیا جائے کیونکہ وہ اس نماز فجر کی وجہ سے اللہ کے ذمہ میں ہو جاتا ہے۔

جو مسلمان کی حاجت پوری کرے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِم، لا يَظْلِمهُ، وَلاَ يُسْلِمُهُ. مَنْ كَانَ في حَاجَة أخيه، كَانَ اللهُ في حَاجَته، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِم كُرْبَةً، فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ بها كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يوم القِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللهُ يَومَ القِيامَةِ" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے۔ اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ روز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا گیا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر ظلم نہ کرے اور کسی اور کو اس کے اوپر زیادتی نہ کرنے دے بلکہ اس کی مدد کرے اور اس کی مدافعت کرے کہ جو مسلمان دوسرے مسلمان کی ضرورت پوری کرے اللہ اس کی ضرورت کی تکمیل فرمائے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد اور نصرت فرماتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی نصرت و مدد کرتا رہتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی تکلیف دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی بڑی پریشانی دور فرمادیں گے۔ ظاہر ہے دنیا کی تکلیف آخرت کی تکلیف اور پریشانی کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی برے کام یا کسی ناشائستہ حرکت میں مبتلا دیکھے اور اس پر پردہ ڈال دے کہ کسی کے سامنے اس بات کا ذکر نہ کرے لیکن بغیر کسی کو بتائے اسے نصیحت و فہمائش کرے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کے عیوب پر پردہ ڈال دیں گے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر اور اس کی برائیوں پر دنیا اور آخرت دونوں میں پردہ ڈال دیں گے۔ (روضۃ المتقین: ۱/ ۲۸۳)

کوئی مسلمان کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُسْلِمُ أخُو الْمُسْلِم،

لاَ يَخُونُهُ ، وَلاَ يَكْذِبُهُ ، وَلاَ يَخْذُلُهُ ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ ، التَّقوى هاهُنَا ،
بِحَسْبِ امْرِيءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمِ " رواه الترمذي ، وَقَالَ : " حديث حسن " .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ اس کی خیانت کرے' نہ اس سے جھوٹ بولے' نہ اسے رسوا کرے' ہر مسلمان کی عزت اس کا مال اور اس کی جان دوسرے مسلمان پر حرام ہے' تقویٰ یہاں ہے' کسی مسلمان کے برا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھے۔ (ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے)

حدیث کی تشریح: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور اس رشتہ اخوت کا تقاضا ہے کہ مسلمان باہم ایک دوسرے کی خیانت نہ کریں' آپس میں ایک دوسرے سے جھوٹ نہ بولیں اور نہ ایک دوسرے کو اس طرح بے یار ومددگار چھوڑ دیں کہ وہ ظلم کے حوالے ہو جائے اور کوئی اس کی مدد کرنے والا نہ ہو بلکہ تمام مسلمانوں کے درمیان نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون' ایک دوسرے کی مدد اور نصرت ہونی چاہیے کہ اگر کوئی کسی پر ظلم کر رہا ہے تو ظالم کو دفع کرنا چاہیے اور مظلوم کو ظلم سے بچانا چاہیے یا کوئی مسلمان کسی برے کام میں مبتلا ہو تو اس کو اس کام سے روکنا چاہیے اور نصیحت کرنی چاہیے کیوں کہ اسے برے کام سے نہ روکنا اس کی فضیحت کا سامان کرنا اور حشر کے میدان میں اسے رسواء ہونے کے لیے چھوڑ دینا ہے۔

ہر مسلمان کی جان مال اور عزت و آبرو دوسرے مسلمان کے لیے محترم ہے۔ اس لیے کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عزت پر حرف زنی نہ کرے کہ اس کی غیبت کرے' اسے برا بھلا کہے اور اس کی نسبت پر عیب لگائے' نہ اس کے جان و مال پہ کوئی زیادتی کرے' مسلمان کی جان و مال اور عزت کی حرمت کتاب و سنت کے متعدد دلائل سے ثابت ہے اور اس پر اجماع اُمت ہے۔

ایک مسلمان کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھے' تقویٰ کا مقام قلب ہے کسی مسلمان کو حقیر سمجھنا گناہ عظیم ہے کہ اس کا منشاء تکبر ہے اور تکبر بہت بڑا گناہ ہے اور جرم عظیم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے قلب میں ذرہ برابر تکبر ہوگا جنت میں داخل نہیں ہوگا اور حدیث نبویؐ میں تکبر کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں کہ تکبر حق کا چھپانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ مسلمان کو سلام نہ کرنا یا اس کے سلام کا جواب نہ دینا بھی تکبر میں داخل ہے۔

ایک مسلمان کا مال' جان اور عزت ایک دوسرے پر حرام ہے

(۲) وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((لا تَحَاسَدُوا ، وَلاَ تَنَاجَشُوا ، وَلاَ تَبَاغَضُوا ، وَلاَ تَدَابَرُوا ، وَلاَ يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَاناً ، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِم : لاَ يَظْلِمُهُ ، وَلا يَحْقِرُهُ ، وَلاَ يَخْذُلُهُ ، التَّقْوَى هاهُنَا ويشير إِلَى صدره

ثلاث مرات بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحقِرَ أخَاهُ المُسْلِمَ ، كُلُّ المُسْلِم عَلَى المُسْلِم حَرَامٌ، دَمُهُ ومَالُهُ وعِرْضُهُ)) رواه مسلم .

((النَّجْشُ)) : أنْ يزيدَ فِي ثَمَنِ سلْعَة يُنَادَى عَلَيْهَا فِي السُّوق وَنَحْوه ، وَلاَ رَغْبَةَ لَهُ فِي شرَائهَا بَلْ يَقْصدُ أنْ يَغُرَّ غَيْرَهُ ، وهَذَا حَرَامٌ . وَ((التَّدَابُرُ)) : أنْ يُعْرِضَ عَنِ الإنْسَان ويَهْجُرَهُ وَيَجْعَلَهُ كَالشَيءِ الَّذِي وَرَاءَ الظَّهْر وَالدُّبُر .

ترجمہ:۔"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپس میں حسد نہ رکھو اور نہ (خرید و فروخت میں) دھوکہ کرو اور نہ بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے روگردانی کرو اور کسی کے سودے پر سودا نہ کرو' اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اپنے بھائی پر ظلم کرے نہ اس کو حقیر جانے نہ اس کی مدد چھوڑے۔ تقویٰ یہاں ہے تین بار سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کسی آدمی کیلئے اتنا شر ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے ایک مسلمان کی تمام چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون' اس کا مال اور اس کی عزت"۔

"نجش" کا مطلب یہ ہے کہ بازار یا اسی قسم کی اور جگہ میں نیلام کئے جانے والے سامان کی بڑھ کر قیمت لگانا جبکہ اس کو خود خریدنے میں رغبت نہ ہو بلکہ زیادہ بولی لگانے سے مقصد دوسرے کو دھوکے میں ڈالنا ہو اور یہ حرام ہے۔ اور "تدابر" کے معنی یہ ہیں کہ انسان سے بے رخی برتی جائے اور اسے چھوڑ دے اور اسے اس طرح کر دے جیسے کسی چیز کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

حدیث کی تشریح: لَاتَحَاسَدُوْا: آپس میں حسد نہ کرو۔ حسد کہتے ہیں کہ کسی کی نعمت کو جس میں وہ ہے اس کے ختم کی تمنا کرنا اور یہ حرام ہے۔ قرآن میں بھی حسد سے پناہ مانگی گئی ہے۔"وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" حاسد کے حسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔ میں پناہ مانگتا ہوں۔

وَلاَ تَنَاجَشُوْا: خرید و فروخت میں بولی بڑھا کر دھوکہ نہ دو کہ بائع ایک آدمی رکھتا ہے کہ لوگوں کے سامنے چیز کی زیادہ قیمت بولتا ہے تاکہ زیادہ لے اور اس کو وہ چیز خریدنی نہیں ہوتی۔ وہ دھوکہ دیتا ہے تاکہ لوگ زیادہ قیمت میں اس چیز کو خرید لیں۔

وَلَاتَبَاغَضُوْا: اور نہ باہم بغض رکھو۔ یہ بھی ایک نہایت قبیح بیماری ہے۔ یہ تمام امراض یعنی حسد' بغض' عداوت' اعراض اور بے رخی یہ سب منع ہیں کیونکہ یہ بھی اسلامی اخوت کے منافی ہیں یہ تمام چیزیں ایک دوسرے کی خیر خواہی کے بالکل خلاف ہیں۔ جب کہ شریعت ایک دوسرے کی بھلائی اور خیر خواہ ہونے کو چاہتی ہے۔

جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ اپنے بھائی کیلئے بھی پسند کرو

وعن أنس رضي الله عنه ، عن النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لاَ يُؤمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لنَفْسِهِ " مُتَّفقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا' یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث میں ایمان سے ایمان کامل مراد ہے یعنی اس شخص کا ایمان کامل ہو گا جو اپنے بھائی کے لیے وہی چاہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ ایک روایت میں من الخیر کے الفاظ بھی ہیں یعنی جس خیر کو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسرے مسلمان کے لیے پسند کرے خواہ خیر دنیوی ہو یا اخروی مثلاً دنیا میں صحت و عافیت' راحت و رزق اور اولاد اور آخرت کی خیر میں آخرت کی نجات' اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خاتمہ بالخیر۔

ظالم کی مدد اس کو ظلم سے روکنا ہے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((انْصُرْ أخاكَ ظَالماً أَوْ مَظْلُوماً)) فَقَالَ رجل : يَا رَسُول اللهِ ، أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُوماً ، أَرَأَيْتَ إنْ كَانَ ظَالِماً كَيْفَ أَنْصُرُهُ ؟ قَالَ : ((تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإنَّ ذلِكَ نَصرُهُ)) رواه البخاري .

ترجمہ:۔ "حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہے یا مظلوم۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر وہ مظلوم ہے تو میں اس کی مدد کروں لیکن اگر وہ ظالم ہے تو کیسے اس کی مدد کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اس کو ظلم کرنے سے باز رکھے یہی اس کی مدد ہے"۔

حدیث کی تشریح: اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا: "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔"

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نصر عرب میں مدد کرنے کو کہتے ہیں۔ معاشرے سے ظلم و فساد کے روکنے کے لیے یہ حدیث نہایت ہی جامع ہے یعنی آدمی مظلوم کے ساتھ ہی صرف ہمدردی نہ کرتا رہے بلکہ اخلاقی جرأت سے کام لے کر ظالم کو بھی ظلم سے روکے ورنہ ظالم ظلم ہی کرتا رہے گا اور مظلوم برداشت کرتا رہے گا۔ مگر یہ بڑے دل گردے کا کام ہو گا اگر ہمت کر کے یہ اخلاقی جرأت اپنے لیے پیدا کر لی جائے تو مسلمان کی خیر خواہی کا حق تب ہی ادا ہو سکے گا۔

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں

وعن أَبي هريرة رضي الله عنه : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" حَقُّ المُسْلِم عَلَى المُسلِم خَمْسٌ: رَدُّ السَّلام،وَعِيَادَةُ المَرِيض،وَاتِّبَاعُ الجَنَائِز،وَإجَابَةُ الدَّعْوَة،وتَشْمِيتُ العَاطِسِ "مُتَّفقٌ عَلَيهِ

وفي رواية لمسلم: " حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ ستٌّ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ الله فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا' مریض کی عیادت کرنا' جنازہ کے ساتھ چلنا' دعوت کو قبول کرنا اور چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو اسے یرحمک اللہ کہہ کر جواب دینا۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا گیا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ چھ حقوق ہیں سب سے پہلے سلام کا جواب دینا ہے جو کہ اہل اسلام کی خصوصیت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ سلام کرنا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور فرشتوں کا شعار ہے۔ فرشتے اہل جنت کو سلام کریں گے اور اہل جنت بھی باہم سلام کریں گے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر شخص معین کو سلام کیا جائے تو اس پر سلام کا جواب دینا فرض عین ہے۔

بیمار کی مزاج پرسی کرنا۔ فقہاء نے فرمایا کہ عیادت سنت مؤکدہ ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک مندوب ہے' عیادت مریض کے وقت ضروری ہے کہ اس کا حال معلوم کرے اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اور اس کے حق میں دعا کرے اور غیر ضروری طور پر مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔

جنازے کے ساتھ جانے کا بہت اجر و ثواب ہے۔ بالخصوص اگر آدمی کو اپنی موت یاد آئے تو اس کا بہت فائدہ ہے۔

دعوت میں بلایا جائے تو دعوت میں جائے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی کو ولیمہ کی دعوت میں بلایا جائے تو ضرور جائے' اس لیے فقہاء نے فرمایا کہ ولیمہ کی دعوت میں شرکت واجب اور باقی دعوتوں میں شرکت مستحب ہے۔

اگر کسی کو چھینک آئے اور وہ بعد میں الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے' تین مرتبہ تک اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سنت کفایہ ہے یعنی اگر حاضرین میں سے ایک شخص یرحمک اللہ کہہ دے تو سب کی طرف سے ہو جائے گا۔(فتح الباری: ۱/۵۵۷' روضۃ المتقین: ۱/۲۸۶' شرح مسلم للنووی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کاموں کا حکم دیا اور سات باتوں سے منع فرمایا

وعن أبي عُمارة البراء بن عازب رضي الله عنهما، قَالَ: أمرنا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ بسبع، ونهانا عن سبع: أمَرَنَا بعيادَة المَرِيض، وَاتِّبَاعِ الجَنَازَةِ، وتَشْمِيتِ العَاطِس، وَإبْرار المُقْسِم، ونصْرِ المَظْلُوم، وَإجَابَةِ الدَّاعِي، وَإفْشَاء السَّلامِ، ونَهَانَا عَنْ خَواتِيم أَوْ تَخَتُّمٍ بالذَّهَبِ، وَعَنْ شُرْبٍ بالفِضَّةِ، وَعَن المَيَاثِرِ الحُمْرِ، وَعَن القَسِّيِّ، وَعَنْ لُبْسِ الحَرِيرِ والإسْتَبْرَقِ وَالدِّيبَاجِ. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

وفی روایة وانشاد الضالة فی السبع الاول ...المیاثر بیاء مثناة قبل الالف' وثاء مثلثة بعدها' وهی جمع میثرة وهی شی یتخذ من حریر ویحشیٰ قطناً أوغیر ہ' ویجعل فی السرج وکور البعیر یجلس علیه الراکب ' القسی بفتح القاف وکسر السین المهملة المشددة : وهی ثیاب تنسج من حریر وقطان مخطلتین وانشاد الضالة تعریفها

ترجمہ:"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سات کاموں کا حکم دیا اور سات کاموں سے منع کیا۔ ہمیں بیمار کی عیادت کرنے' جنازہ کے ساتھ جانے' چھینکنے والے کا جواب دینے' قسم اٹھانے والے کی قسم کو پورا کرنے' مظلوم کی مدد کرنے' دعوت کرنے والے کی دعوت کو قبول کرنے' سلام کو عام کرنے کا حکم فرمایا اور سونے کی انگوٹھی پہننے' چاندی کے برتن میں پینے' سرخ ریشمی گدیلوں پر بیٹھنے اور قسی کے کپڑے پہننے' ریشم واستبراق اور دیباج پہننے سے منع فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی سات باتوں میں گم شدہ چیز کے اعلان کرنے کا حکم فرمایا"۔

حدیث کی تشریح :عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ"اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ" تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ: ان تینوں جملوں کی وضاحت ما قبل حدیث میں گزر چکی ہے۔

اِبْرَارُ الْمُقْسِمِ: قسم اُٹھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی پر اعتماد کر کے اس کو اللہ کی قسم دی کہ یہ کام کرو یا نہ کرو تو تم اس کے اعتماد کو مجروح نہ کرو۔اس کام کو کر کے یا نہ کرنے والے کام کو نہ کر کے اس کی قسم کو پوری کرو۔بشر طیکہ وہ کام حرام نہ ہو بلکہ اس کام کا تعلق مباحات یا مکارم اخلاق سے ہو۔

نَصْرُ الْمَظْلُوْمِ: مظلوم کی مدد کرے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کسی مسلمان پر ظلم ہو رہا ہو یا اس کی بے عزتی ہو رہی ہو تو اگر اس موقع پر اس کی مدد کرنے کا موقع ہو تو ضرور اس کی مدد کی جائے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مؤمن کو منافق کے ظلم سے بچایا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرمادیں گے جو قیامت کے دن اس کے دل کو جہنم کی آگ سے محفوظ کرے گا۔

نَهَانَا عَنْ خَوَاتِيْمِ: سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ سونے کی انگوٹھی اور ریشم مردوں پر حرام ہے عورتوں کے لیے حلال ہے۔ جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنے ایک ہاتھ پر ریشم کا ٹکڑا رکھا اور دوسرے ہاتھ پر سونا اور فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری اُمت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لیے حلال ہیں کیونکہ اسلام نے مردوں میں نسوانیت اور سہل انگاری کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

عَنِ الشُّرْبِ بِالْفِضَّةِ: چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا۔ دوسری روایت سے بھی اس کی تحریم معلوم ہوتی ہے اور علماء کا اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔

باب ستر عوراف المسلمین والنہی عن اشاعتہا لغیر ضرورۃ
مسلمانوں کی پردہ پوشی اور ان کے عیوب کی تشہیر کی ممانعت

قَالَ اللہ تَعَالَی:﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ ﴾ [النور : ١٩]

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:”جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مؤمنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دُکھ دینے والا عذاب ہوگا۔“(النور:١٩)

تفسیر: مسلم معاشرے میں بے حیائی کی باتیں کرنا اور ان کو پھیلانا ایک سنگین اخلاقی برائی ہے‘ کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ بلا ثبوت جو چاہے کہتا پھرے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی باتیں اور فواحش پھیلاتے ہیں ان کو دنیا و آخرت دونوں جگہ عذاب الیم ہوگا۔ فواحش اور برائیوں کو پھیلنے سے روکنے کا مؤثر طریقہ یہی ہے کہ ان کی اشاعت روکی جائے کیونکہ بے حیائی کی خبروں کو شہرت دینے سے ان جرائم کی ہولناکی کا تاثر لوگوں کے دلوں میں کمزور ہو جاتا ہے اور ان میں ان گناہوں کے ارتکاب کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔(معارف القرآن:٦/٣٨٠)

دنیا میں پردہ پوشی کرنا قیامت کے دن پردہ پوشی کا باعث ہوگا

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((لاَ يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْداً فِي الدُّنْيَا إلاَّ سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ)) رواه مسلم.

ترجمہ:۔”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو بندہ دوسرے بندے کی دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اس پر پردہ ڈالے گا“

حدیث کی تشریح۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بالا کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔

پہلا یہ کہ میدان حشر میں اللہ جل شانہ اس کے گناہوں کے عیوب لوگوں سے چھپائیں گے۔ تنہائی میں محاسبہ ہوگا تاکہ لوگوں کے سامنے یہ شرمندہ نہ ہوں۔

دوسرا یہ جو دوسرے کے عیوب کو چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر نہ محاسبہ کریں گے اور نہ ہی اس کا ذکر کریں گے۔ یہاں دوسرا مطلب زیادہ راجح ہے۔ اس کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

لوگوں کے عیوب اور کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرنا علماء فرماتے ہیں یہ مکارم اخلاق میں سے ہے اور یہ اللہ جل شانہ کی صفات میں سے ہے۔ اس لیے اللہ جل شانہ کو یہ صفت بہت پسند ہے۔

گناہ کا اظہار بھی گناہ ہے

وعنه ، قَالَ : سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يقول:" كُلُّ أُمَّتِي مُعَافى إلاَّ المُجَاهِرِينَ ، وَإنَّ مِنَ المُجَاهَرَةِ أنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ باللَّيلِ عَمَلاً ، ثُمَّ يُصْبحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللهُ عَلَيهِ ، فَيقُولُ : يَا فُلانُ ، عَمِلت البَارحَةَ كَذَا وكَذَا ، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ ، وَيُصبحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللهِ عَنْه " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کے تمام لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان کے جو خود اپنے عیوب کا چرچا کرتے ہیں۔ ان کا چرچا یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی برا کام کرتا ہے' صبح ہوتی ہے اور اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی ہوئی ہوتی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ اے فلاں میں نے رات فلاں فلاں کام کیا' حالانکہ اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تھا مگر وہ اللہ کے ڈالے ہوئے پردہ کو چاک کر دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: انسان خطا اور نسیان کا مرکب ہے اور بحیثیت انسان کوئی غلطی سرزد ہو سکتی ہے اور آدمی کسی برائی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں تقاضائے انسانیت اور شرافت یہ ہے کہ آدمی شرمندہ ہو اور توبہ اور ندامت کے ساتھ اللہ کی جانب رجوع کرلے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔

لیکن اگر کوئی آدمی برا کام کر کے لوگوں کے درمیان اس کی تشہیر کرتا پھرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے قلب و دماغ پر شیطان کا تسلط قائم ہو چکا ہے اور اس کے دل میں اللہ کا خوف اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی عظمت و اہمیت باقی نہیں رہی۔ یہ شخص اس حرکت سے توبہ کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے اور غضب الٰہی کا نشانہ بن جاتا ہے۔

باندی بار بار زنا کرے تو اس کو فروخت کر دو

وعنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إذَا زَنَتِ الأَمَةُ فَتبيَّنَ زنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الحَدَّ ، وَلا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ، ثُمَّ إنْ زَنَتِ الثَّانِيَةَ فَلْيَجْلِدْهَا الحَدَّ ، وَلا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ، ثُمَّ إنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .((التثريب)) : التوبيخ .

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا واضح ہو تو اس کو حد لگائی جائے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے اگر پھر زنا کرے تو اس کو حد لگائی جائے اور ڈنٹ ڈپٹ نہ کی جائے پھر اگر تیسری بار زنا کرے تو اس کو فروخت کرے اگرچہ بالوں کی رسی کے عوض کیوں نہ ہو"۔

حدیث کی تشریح: اِذَا زَنَتِ الْاَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ: جب لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اس کو حد لگائی جائے۔

کیا مولیٰ اپنے غلام کو خود حد لگا سکتا ہے؟

اس میں مختصر دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب آئمہ ثلاثہ (یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم) قریب قریب تینوں آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ مولیٰ اپنے غلام کو خود حد لگا سکتا ہے۔

دوسرا مذہب احناف کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مولیٰ اپنے غلام کو بھی حد نہیں لگا سکتا۔

آئمہ ثلاثہ کا استدلال:۔ حدیث بالا میں ہے کہ جب زنا ثابت ہو جائے تو حد لگائی جائے۔

احناف کا استدلال:۔ بہت سے صحابہ و تابعین کا اصول یہی ہے کہ حد لگانا صرف سلطان کا حق ہے غیر سلطان کو حد لگانے کی اجازت نہیں۔

آئمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب:۔ یہاں پر مولیٰ کو کہا جا رہا ہے کہ تم قاضی اور حاکم کے پاس اس مسئلہ کو لے جاؤ اور حد جاری کرواؤ اس بناء پر مولیٰ سبب بن جاتا ہے تو مجاز اُحد کی نسبت مولیٰ کی طرف کر دی گئی۔

وَلَا يُثَرِّبُ عَلَيْهَا: تثریب کے عموماً محدثین دو معنی لکھتے ہیں: اول حد لگا دی گئی تو اب مزید ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے۔ دوم حد زنا کی مشروعیت سے پہلے ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفاء کیا جاتا تھا۔ اب کہا جا رہا ہے کہ صرف ڈانٹ ڈپٹ پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ حد بھی جاری کی جائے۔

تیسری بار زنا کرنے سے اس کو فروخت کر دو

اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ: اگر تیسری بار بھی زنا کرے تو اس کو فروخت کر دو اگرچہ بال کی رسی کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔

اس میں بھی دو مذہب ہیں اول اہل ظواہر کے نزدیک تیسری مرتبہ زنا کرنے پر اس باندی کو فروخت کرنا واجب ہے۔ دوم آئمہ اربعہ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔

فروخت کرنے کی حکمت

اس میں کئی حکمتیں مضمر ہیں۔ مثلاً دوسرے کے ملک میں جا کر ممکن ہے کہ وہ باز آ جائے۔ اتنی مرتبہ زنا کے کرنے کے باوجود مولیٰ اپنی ملکیت میں ایسی باندی کو رکھے گا تو شبہ آئے گا کہ مولیٰ بھی اس کے زنا سے راضی ہے اس تہمت کو ختم کرنے کے لیے فروخت کر دے۔

شراب پینے والے کی سزا

وعنه ، قَالَ : أُتِيَ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ برجل قَدْ شَرِبَ خَمْراً ، قَالَ : " اضْرِبُوهُ " قَالَ

أَبُو هريرة : فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهِ ، والضَّارِبُ بِنَعْلِهِ ، وَالضَّارِبُ بِثَوبِهِ . فَلَمَّا انْصَرَفَ ، قَالَ بَعضُ القَومِ : أَخزَاكَ اللهُ ، قَالَ : "لا تَقُولُوا هكَذا ، لاَ تُعِينُوا عَلَيهِ الشَّيْطَانَ" رواه البخاري .

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے مارو' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے کسی نے ہاتھ سے مارا' کسی نے جوتے سے مارا اور کسی نے کپڑے سے مارا' جب وہ چلا گیا تو لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ اللہ تجھے رسوا کرے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو' اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: شرب خمر (مے نوشی) حدود کے جرائم میں سے ایک جرم ہے اور اس کی حد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی کوڑے ہیں۔ زمانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں مے نوشی کے واقعات بہت کم ہوئے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی مے نوشی کے واقعات پیش نہیں آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب مے نوشی کے متعدد واقعات پیش آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسّی کوڑے کی سزا جاری فرمائی اور اس پر اجماع صحابہؓ منعقد ہو گیا۔

(المغنی لابن قدامہ: ۸/۳۰۷، فتح الباری: ۱۲/۷۱، شرح المؤطا للزرقانی: ۴/۱۸۲)

....

باب قضاء حوائج المسلمین

مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [الحج : ٧٧] .

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور نیک کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔" (الحج: ۷۷)

تفسیر: خیر کے معنی ہر نیکی کے ہیں۔ خواہ چھوٹی ہو یا بڑی' دینی ہو یا دنیاوی یعنی ہر عمل صالح خیر ہے اور عمل صالح وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مطابق ہو اور اس کی رضا کے حصول کے لیے ہو اور فلاح کے معنی ہیں دنیا اور آخرت کی کامیابی۔ مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کرتے رہو۔ اسی سے تمہیں دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو گی۔

اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کے فضائل

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " المُسْلِمُ أخُو المُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ، وَلاَ يُسْلِمُهُ. مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أخِيهِ، كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوم القِيامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللهُ يَومَ القِيامَةِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے سہارا چھوڑے۔ جو شخص اپنے بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری فرماتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور فرمائے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ روز قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: ظلم ہر صورت میں اور ہر حالت میں حرام ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ کسی مسلمان پر ظلم ہوتا ہوا دیکھے تو اُسے بچائے اور اسکو ظلم سے نجات دلائے اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی ضرورت کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرمائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ مسلمان کی حاجت روائی کا ثواب ساری عمر کی بندگی کے برابر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے مضطر بھائی کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اس دن اس کو ثابت قدم رکھیں گے جس دن پہاڑ بھی اپنی جگہ نہ ٹھہر سکیں گے۔ حدیث مبارک میں "كُرْبَةً" کا لفظ ہے جس میں تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ صاف ظاہر ہے دنیا کی مصیبت کے مقابلہ میں آخرت کی مصیبت عظیم ہے اور اس کے سامنے دنیا کی مصیبت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

اس حدیث کی شرح پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

وعن أبي هريرة رضيَ الله عنه، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنيَا، نَفَّسَ الله عَنْهُ كُربَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ القِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ الله عَلَيهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ الله فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، والله فِي عَونِ العَبْدِ مَا كَانَ العَبْدُ فِي عَونِ أخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْماً سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقاً إلَى الجَنَّةِ. وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيت مِنْ بُيُوتِ اللهِ تَعَالَى، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إلاَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ المَلاَئِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ الله فِيمَنْ عِنْدَهُ. وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو شخص کسی مؤمن کی دنیاوی مصیبت کو دور کرے گا اللہ اس سے قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو دور فرمائے گا اور جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائے گا' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے اور جو شخص حصول علم کے راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے راستے آسان فرمادے گا اور اگر کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوں تاکہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کریں اوا اس کا درس دیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے قریب رہنے والے فرشتوں میں فرماتے ہیں اور جس کا عمل اسے پیچھے چھوڑ جائے اس کا نسب اس کو آگے نہیں لے جائے گا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: قیامت کی کسی مصیبت کا دنیا کی کسی بڑی سے بڑی مصیبت سے بھی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس دن کی مصیبت تو ایسی ہو گی کہ "تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّآ اَرۡضَعَتۡ" ماں اپنے شیر خوار بچہ سے غافل ہو جائے گی۔ دنیا میں لوگوں کے کام آنا' ان کی تکلیف دور کرنا اور ان کی پریشانی کو رفع کرنا اس قدر عظیم اجر و ثواب کا کام ہے کہ اللہ اس کے صلے میں قیامت کی مصیبت سے نجات عطا فرمائیں گے۔

قیامت کا دن بہت کٹھن اور بہت سخت ہو گا' دنیا کی کسی تنگی سے نکالنا اور اس کی دشواری کو دور کرنا ایسی بڑی نیکی ہے جس کے صلہ میں آخرت کی تنگی اور سختی سے نجات مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اعانت و نصرت فرماتے رہیں گے جب تک وہ دنیا میں اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا رہے گا۔

اللہ کی کتاب کی تلاوت کے لیے اور اس کے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے اگر کوئی جماعت اللہ کے گھر میں یا کسی اور جگہ اکٹھا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتے ہیں ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور فرشتوں کی مجلس میں اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اگر بندہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس مجلس میں یاد کرتا ہوں جو انسان کی مجلس سے بہتر ہے اور جو علم دین کے حصول کے لیے کسی راستے پر چلتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان پر جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں' سکینت سے مراد اطمینان قلب اور رحمت سے مراد اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سکینہ کے متعدد معنی بیان ہوئے ہیں۔

(۱) اللہ کی خاص رحمت۔ (۲) سکون قلب۔ (۳) وقار۔ (۴) طمانینت۔ (۵) ملائکہ اور رحمت سے مراد اللہ کا احسان، فضل وغیرہ مراد ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جن گھروں میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے وہ آسمان والوں کے لیے اس طرح چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کے لیے آسمان کے ستارے۔

آخرت کی فلاح دنیا میں اعمال صالحہ پر موقوف ہے وہاں کوئی رشتہ اور نسب کام نہیں آئے گا بلکہ ہر ایک کے درجات اس کے عمل کے مطابق ہوں گے۔ "وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے فاطمہ! جو چاہو پوچھ لو، میں اللہ کی گرفت سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا۔

(شرح مسلم للنووی: ۱۸/۱۷، روضۃ المتقین: ۲۹۲/۱، دلیل الفالحین: ۲۹/۲)

....

باب الشفاعة
شفاعت کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا﴾ [النساء:۸۵]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اسکے ثواب میں حصہ ملے گا۔" (النساء:۸۵)

تفسیر: شفاعت کے لفظی معنی جوڑنے اور ملانے کے ہیں اور مراد یہ ہے کہ اگر طالب حق کمزور ہو اور اپنا حق خود نہ لے سکتا ہو تو اس کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اسے قوی کر دیا جائے یا بیکس اکیلے شخص کے ساتھ مل کر اسے جوڑا بنا دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ جس کی شفاعت کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا تو آپ پہنچا دیں۔ بالفاظ دیگر خلاف حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کرنا شفاعت سیئہ ہے اور سفارش میں اپنے تعلق یا مرتبہ سے دباؤ ڈالنا ظلم ہے اور شفاعت سیئہ ہے یعنی جو شخص کسی کے جائز حق اور جائز کام کی جائز طریقہ پر سفارش کرلے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا۔ (معارف القرآن: ۴۹۷/۲)

سفارش کرو، ثواب پاؤ

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتاهُ طَالِبُ حَاجَةٍ أَقبَلَ عَلَى جُلَسَائِهِ ، فَقَالَ : ((اشْفَعُوا تُؤْجَرُوا ، وَيَقْضِي الله عَلَى لِسَانِ نَبيِّهِ مَا أحَبَّ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي رواية : ((مَا شَاءَ)) .

ترجمہ۔ "حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی ضرورت مند انسان آتا تو آپ حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے سفارش کرو تم کو ثواب ملے گا اور اللہ اپنے پیغمبر کی زبان پر جو چاہتا ہے فیصلہ کرا دیتا ہے ایک روایت میں ہے جو چاہتا ہے"۔

حدیث کی تشریح: اِشْفَعُوْا تُوْجَرُوْا: سفارش کرو تم کو ثواب ملے گا۔ کہ ایک آدمی وہ کام خود نہیں کر سکتا مگر اس نے دوسرے سے سفارش کر دی اور اس کو ترغیب دے دی تو اب جہاں پر اس کام کرنے والے کو ثواب ملے گا تو وہاں ترغیب اور سفارش کرنے والا بھی محروم نہیں رہے گا۔ اس کو بھی ثواب ملے گا۔

وَيَقْضِيَ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَااَحَبَّ: اللہ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہتا ہے فیصلہ کرواتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی زبان سے جو کچھ جاری ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے' یہاں پر بھی سفارش پر اجر و ثواب کا وعدہ فرما دیا یہ بھی اللہ کا فضل و احسان ہے کہ کام کیے بغیر اللہ کی طرف سے اجر و ثواب مل جاتا ہے۔

وعن ابن عباس رضي الله عنهما في قِصَّةِ بريرَةَ وَزَوْجِهَا ، قَالَ : قَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لَوْ رَاجَعْتِهِ ؟ " قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ تَأْمُرُنِي ؟ قَالَ : " إِنَّمَا أَشْفَع " قَالَتْ : لاَ حَاجَةَ لِي فِيهِ . رواه البخاري .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بریرہؓ اور ان کے شوہر کے قصے میں روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سفارش کر رہا ہوں' انہوں نے کہا کہ مجھے انکی حاجت نہیں ہے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باندی تھیں۔ ان کا نکاح دور غلامی میں مغیث نامی ایک سیاہ فام غلام سے ہو گیا تھا۔ حضرت بریرہؓ آزاد ہو گئیں تو انہیں شرعی قانون کے مطابق یہ اختیار حاصل ہوا کہ وہ چاہیں تو پہلے نکاح کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو ختم کر دیں۔ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نکاح ختم کر دینے کو ترجیح دی۔

حضرت مغیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت محبت تھی' وہ ان کے فراق میں مدینہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے آنسو بہہ کر ان کی داڑھی پر آجاتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا یہ حال دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ بریرہ کو مغیث سے رجوع کرنے کے لیے کہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے اپنے شوہر سے مفارقت کے فیصلے کو واپس لینے اور

شوہر سے مراجعت کے لیے کہا۔انہوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ مجھے حکم فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ سفارش کر رہا ہوں۔ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے، یعنی وہ اپنے فیصلے پر قائم ہیں۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ سفارش پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔

(فتح الباری: ۲/۱۰۹۸، روضۃ المتقین: ۱/۲۹۵)

....

باب الإصلاح بَيْنَ الناس
لوگوں کے درمیان مصالحت

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ لا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلاَّ مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ [النساء : ١١٤].

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے سوائے اس کے کہ کوئی حکم دے صدقہ کا یا اچھے کام کا یہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے کا۔" (النساء: ۱۱۴)

تفسیر: پہلی آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے باہمی مشورے اور سرگوشیاں جو آخرت کی فکر سے بے پرواہ ہو کر محض چند روزہ دنیا کے وقتی منافع کے لیے ہوتی ہیں ان میں بھلائی کا اور خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک دوسرے کو صدقہ خیرات کی ترغیب دیں، اچھائیوں اور نیک کاموں پر آمادہ کریں یا لوگوں کے درمیان باہم صلح کرا دینے پر غور کریں۔ معروف ہر وہ کام ہے جو شریعت میں اچھا سمجھا جائے اور جس کو اہل شرع پہچانتے ہوں اس کے بالمقابل منکر ہے یعنی ہر وہ کام ہے جو شریعت میں ناپسندیدہ ہو اور اہل شریعت اسے نہ جانتے ہوں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے ہر کلام میں ضرر اور نقصان ہے۔ الا یہ کہ اس میں اللہ کا ذکر ہو یا امر بالمعروف نہی عن المنکر کی کوئی بات ہو۔

لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے کی فضیلت اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسا کام نہ بتلاؤں جس کا درجہ روزے، نماز اور صدقہ میں سب سے افضل ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ضرور بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا۔(معارف القرآن: ۲/۵۴۵)

وَقَالَ تَعَالَى:﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ [النساء : ١٢٨] ،

ترجمہ۔ نیز فرمایا: "صلح بہت اچھی بات ہے۔" (النساء: ۱۲۸)

تفسیر: دوسری آیت کریمہ خانگی معاملات سے متعلق ہے کہ اگر زوجین میں نااتفاقی پیدا ہو جائے تو ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ آپس میں صلح کر لیں کہ صلح ہی خیر ہے اور اسی میں ان دونوں کی بھلائی ہے۔(معارف القرآن: ۲/۵۶۲)

وَقَالَ تَعَالَى:﴿ فَاتَّقُوا اللهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ [الأنفال : ١]

ترجمہ نیز فرمایا کہ: "اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔" (الانفال:۱)

تفسیر: تیسری آیت غزوہ بدر سے متعلق ہے کہ جب مسلمانوں کو اللہ نے فتح نصیب فرمائی تو مسلمانوں کے درمیان غنیمت کے بارے میں اختلاف ہوا۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اللہ سے ڈرو اور باہمی تعلقات کو صحیح رکھنے کے لیے تقویٰ اختیار کرو کہ دل اللہ کی یاد اس کی خشیت سے معمور رہیں تو اختلاف و نزاع کی فرصت کہاں۔

وَقَالَ تَعَالَى:﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ﴾[الحجرات:١٠]

ترجمہ۔ مزید فرمایا کہ: "مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے بھائیوں میں صلح کروادیا کرو۔" (الحجرات:۱۰)

تفسیر: چوتھی آیت میں فرمایا کہ مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان کے درمیان اختلاف اور نزاع پیدا ہو جائے تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو یعنی دو بھائی اگر آپس میں لڑ پڑیں تو انہیں یونہی نہ چھوڑو بلکہ اصلاح ذات البین کی پوری کوشش میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ کسی طرح کی بے جا طرف داری نہ ہو۔ (تفسیر عثانی)

مختلف صدقات کا بیان

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((كُلُّ سُلاَمَى مِنَ النَّاسِ عَلَيهِ صَدَقَةٌ ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ : تَعْدِلُ بَيْنَ الاثْنَينِ صَدَقَةٌ ، وَتُعينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيهَا ، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ ، وَالكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ ، وَبِكُلِّ خَطْوَةٍ تَمشيهَا إِلَى الصَّلاةِ صَدَقَةٌ ، وَتُميطُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .ومعنى ((تَعدِلُ بينهما)) : تُصْلِحُ بينهما بالعدل .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ انسان کے ہر ایک جوڑ پر صدقہ ہے، جب سورج طلوع ہوتا ہے، دو انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا صدقہ ہے اور کسی انسان کی اس کی سواری کے بارے میں اس کی مدد کرنا اور اس کو سواری پر سوار کرنا یا اس سواری پر اس کے سامان کو رکھنا صدقہ ہے اور زبان سے اچھا کلمہ کہنا صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جو نماز کی طرف اٹھتا ہے صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا صدقہ ہے۔"

حدیث کی تشریح: كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ نے انسانی جسم میں ایسے جوڑ بنائے ہیں کہ جسم حرکت کر سکے اگر یہ جوڑ نہ ہوتے تو انسانی اعضاء حرکت کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ یہ جوڑ اللہ جل شانہ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے اعضاء کو حسب منشاء استعمال کرتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ان جوڑوں کی تعداد تین سو ساٹھ بتائی گئی ہے (مسلم شریف)
ان سب کی طرف سے روزانہ صدقہ دینا ضروری ہے۔ بطور شکرانہ کے۔
تَعْدِلُ بَيْنَ الْإِثْنَيْنِ: صلح کروادینا دو آدمیوں کے درمیان۔
حدیث بالا میں اس صدقہ کو بیان کیا جارہا ہے کہ ان سب طریقوں سے صدقہ دیا جاسکتا ہے جو بالکل آسان بھی ہیں اور جو مال خرچ کیے بغیر ہو سکتا ہے۔
ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اگر آدمی کچھ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دو رکعت چاشت کی پڑھ لے جو تین سو ساٹھ کے صدقہ کے برابر ہو جائے گی۔

تین مواقع میں جھوٹ بولنا جائز ہے

وعن أمِّ كُلْثُوم بنت عُقْبَة بن أبي مُعَيط رضي الله عنها، قَالَتْ: سمِعتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " لَيْسَ الكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاس فَيَنْمِي خَيراً، أَوْ يقُولُ خَيراً " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ. وفي رواية مسلم زيادة، قَالَتْ: وَلَمْ أَسْمَعْهُ يُرْخِصُ في شَيءٍ مِمَّا يَقُولُهُ النَّاسُ إلاَّ في ثَلاثٍ، تَعْنِي: الحَرْبَ، وَالإصْلاَحَ بَيْنَ النَّاس، وَحَدِيثَ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ، وَحَدِيثَ المَرْأةِ زَوْجَهَا.

ترجمہ: حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کذاب نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی خاطر کوئی اچھی بات پہنچا دیتا یا کہہ دیتا ہے۔ (متفق علیہ)
مسلم کی روایت میں ہے کہ اس نے بیان کیا کہ میں نے آپ سے نہیں سنا کہ (جھوٹ بولنے میں جیسا کہ عام طور لوگ بولتے ہیں) اجازت دی ہو البتہ تین چیزوں میں اجازت ہے لڑائی اور لوگوں کے درمیان صلح کروانے اور آدمی کا اپنی بیوی سے باتیں کرنا اور عورت کا اپنے خاوند سے گفتگو میں جھوٹ بولنا۔
جُرَآءُ عليهِ قومُهُ: یعنی وہ آیت پر بڑی جسارت کرنے والے ہیں اور اس میں قطعاً ڈرنے والے نہیں یہ مشہور روایت ہے اور حمیدی نے اس کو حراء نقل کیا ہے اس کا معنی غضب ناک غم اور فکر کرنے کے ہیں یہاں تک کہ ان کا پیمانہ صبر سے لبریز ہو جائے۔ اور وہ غم ان کے جسم میں اثر کر جائے جیسے کہ محاورۃً کہا جاتا ہے حَرَى جِسْمُهُ يَحْرَى یعنی جب جسم غم ورنج وغیرہ سے کمزور ہو جائے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ جسم کے ساتھ ہے۔
بين قَرنَى شيطانٍ: شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان۔ یعنی اس کے سر کے دونوں کناروں کے درمیان اور مطلب اس کا یہ ہے کہ شیطان اور اس کی جماعت اس وقت حرکت میں آتے ہیں اور تسلط و غلبہ کرتے ہیں۔

یُقَرِّبُ وَضُوئَهُ: کبھی اس پانی کو خرید لاتے جس سے وضو کرنا ہے۔

اِلاَّ خَرَّتْ خَطایا: گناہ معاف ہو جاتے ہیں بعض نے جرت بھی روایت کیا ہے اور صحیح لفظ خاء کے ساتھ ہے اور جمہور کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

فَیَنْتَثِرُ: ناک صاف کرنا۔ نشرۃ: ناک کی ایک جانب کو کہتے ہیں۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ اگر لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی خاطر کوئی شخص فریقین کی اچھی باتیں ایک دوسرے کو پہنچادے تو وہ جھوٹا نہیں ہے یعنی وہ دونوں کی نفرت وعداوت کی باتوں پر خاموشی اختیار کرے اور دونوں کے بارے میں صرف وہ باتیں کرے جن سے ان کے درمیان صلح ہو سکے۔

جنگ کے موقع پر بطور توریہ بات کرنا بھی کذب نہیں۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ ہمارا لشکر بڑا عظیم ہے یا ہمیں مدد پہنچنے والی ہے یعنی اللہ کی مدد پہنچنے والی ہے۔

اسی طرح میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے سے کہیں کہ مجھے دنیا میں تیرے سوا کسی سے محبت نہیں ہے۔

جنگ میں اس طرح کے جملے یا میاں بیوی کے درمیان اس طرح کی بات جھوٹ نہیں ہے۔

(فتح الباری: ۹۶/۲، روضۃ المتقین: ۲۹۷/۱، دلیل الفالحین: ۳۸/۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے سامنے دو آدمیوں کا جھگڑا

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : سَمِعَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَ خُصُومٍ بِالبَابِ عَالِيَةً أَصْوَاتُهُمَا ، وَإِذَا أَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الآخَر وَيَسْتَرْفِقُهُ فِي شَيءٍ ، وَهُوَ يَقُولُ : واللهِ لا أَفْعَلُ ، فَخَرجَ عَلَيْهِمَا رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : " أَيْنَ المُتَأَلِّي عَلَى اللهِ لاَ يَفْعَلُ المَعْرُوفَ ؟ " ، فَقَالَ : أَنَا يَا رسولَ اللهِ ، فَلَهُ أَيُّ ذلِكَ أَحَبَّ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

معنى " يَسْتَوضِعُهُ " : يَسْأَلُهُ أَنْ يَضَعَ عَنْهُ بَعضَ دَيْنِهِ . " وَيَسْتَرفِقُهُ " : يَسأَلُهُ الرِّفْقَ .
"وَالمُتَأَلِّي" : الحَالِفُ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر جھگڑنے والوں کو سنا کہ ان کی آوازیں بلند تھیں۔ ان میں سے ایک دوسرے سے قرض کم کرنے کا سوال کر رہا تھا اور اس سے قدرے نرمی کا سوال کر رہا تھا اور وہ دوسرا کہہ رہا تھا اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم کھانے والا کون ہے؟ جو بھلائی کا کام نہیں کرنا چاہتا، اس نے کہا: یارسول اللہ میں ہوں، اور جس طرح یہ مقروض پسند کرے اسی طرح صحیح ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں بیان ہوا کہ باب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو آدمی قرض کے معاملے میں بلند آواز سے جھگڑ رہے تھے۔ مقروض قرض کی ادائیگی میں مہلت اور تخفیف کا خواہاں اور قرض دہندہ تیار نہ تھا۔ وہ قسم کھا کر ہر رعایت سے انکار کر رہا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لاتے ہی اور چہرہ انور پر نظر پڑتے ہیں ذرا ہی دیر میں غصہ بھی جاتا رہا اور جو شخص قسم کھا کر کسی رعایت سے انکار کر رہا تھا وہ اب کہہ رہا ہے جو مقروض چاہے میں وہی کرنے کے لیے تیار ہوں۔

قرآن کریم میں ہے: وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۝

"اگر مقروض تنگ دست تو اسے مہلت دے دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے خیر ہے" (البقرہ:۲۸۰)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان صلح کرادی اور اُمت کو یہ درس دیا کہ مقروض کیساتھ نرمی اور احسان کا سلوک کیا جائے اور مطالبہ میں شدت نہ ہو بلکہ نرمی سے مطالبہ ہو اور کسی اچھے کام کے چھوڑ دینے کی قسم نہ کھائی جائے اور اگر آپس میں تیز کلامی ہو جائے تو اسے اسی وقت در گزر کر دیا جائے۔ (فتح الباری:۹۹/۴، روضۃ المتقین:۲۹۸/۱، دلیل الفالحین:۳۸/۱)

امام کو متوجہ کرنے کیلئے سبحان اللہ کہنا

وعن أبي العباس سهل بن سَعد الساعِدِيّ رضي الله عنه : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَغَهُ أَنَّ بَنِي عَمرو بن عَوْفٍ كَانَ بَيْنَهُمْ شَرٌّ ، فَخرَجَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْلِحُ بينهُم في أُنَاس مَعَهُ ، فَحُبِسَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتِ الصَّلاَة ، فَجَاءَ بلالٌ إلَى أبي بكر رضي الله عنهما ، فَقَالَ : يَا أَبا بَكْر ، إنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حُبِسَ وَحَانَتِ الصَّلاةُ فَهلْ لَكَ أَنْ تَؤُمَّ النَّاس ؟ قَالَ : نَعمْ ، إنْ شِئْتَ ، فَأَقَامَ بِلالٌ الصَّلاَة ، وتَقدَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَكَبَّرَ وكَبَّرَ النَّاسُ ، وَجاءَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمشي في الصُّفُوفِ حَتَّى قَامَ في الصَّفِّ ، فَأخَذَ النَّاسُ في التَّصْفيق ، وَكَانَ أَبُو بكرٍ رضي الله عنه لاَ يَلْتَفِتُ في الصَّلاةِ ، فَلَمَّا أكْثَرَ النَّاسُ في التَّصْفيق الْتَفَتَ ، فإذَا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأَشَارَ إلَيْه رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْر رضي الله عنه يَدَهُ فَحَمِدَ الله ، وَرَجَعَ القَهْقَرَى وَرَاءهُ حَتَّى قَامَ في الصَّفِّ ، فَتَقدَّمَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَصَلَّى للنَّاسِ ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ ، فَقَالَ : " أَيُّهَا النَّاسُ ، مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ في الصَّلاةِ أخَذْتُم في التَّصفيق ؟! إنَّمَا التَّصفيق للنِّساء . مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ في صَلاتِهِ فَلْيَقُلْ : سُبْحَانَ الله ، فَإنَّهُ لاَ يَسْمَعُهُ أحدٌ

حِين يقُولُ : سُبْحَانَ الله ، إلاَّ الْتفَتَ . يَا أَبَا بَكْر : مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّي بالنَّاسِ حِينَ أَشَرْتُ إلَيْكَ ؟ " ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : مَا كَانَ يَنْبَغي لابْنِ أَبي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّي بالنَّاسِ بَيْنَ يَدَيْ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .معنى " حُبِسَ " : أَمْسَكُوهُ لِيُضِيفُوهُ .

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی بنو عمرو بن عوف کے درمیان لڑائی ہو گئی ہے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ ان کے درمیان صلح کرانے تشریف لے گئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکنا پڑ گیا اور نماز کا وقت ہو گیا' حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اے ابو بکر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر ہو گئی اور نماز کا وقت ہو گیا کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے ؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں اگر تم چاہو' بلال نے تکبیر کہی اور حضرت ابو بکرؓ آگے آئے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی تکبیر کہی اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے صفوں کے درمیان آ گئے اور صف میں کھڑے ہو گئے' لوگوں نے تالی بجائی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز میں التفات نہ فرماتے تھے جب لوگوں نے زیادہ تالی بجائی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے' دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دست مبارک بلند فرمائے اور اللہ کی حمد و ثنا کی اور پچھلے پاؤں پلٹے یہاں تک کہ صف میں آ کر کھڑے ہو گئے' اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا اے لوگو! تمہیں کیا ہوا کہ جب نماز میں کوئی بات پیش آ جاتی ہے تو تم تالی بجاتے ہو' تالی تو عورتوں کے لئے ہے۔ نماز میں اگر کوئی بات پیش آئے تو سبحان اللہ کہنا چاہئے کیونکہ جب آدمی کسی کو سبحان اللہ کہتے ہوئے سنے گا تو متوجہ ہو جائے گا۔ اے ابو بکر! جب میں نے تمہیں اشارہ کر دیا تھا تو تم نے لوگوں کو نماز کیوں نہیں پڑھائی' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو قحافہ کے بیٹے کے لئے یہ کہاں مناسب ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لوگوں کو نماز پڑھائے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: مدینہ منورہ میں انصار کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ بنی عمرو بن عوف قبیلہ

اوس کی ایک شاخ تھی اور یہ قبا میں رہتے تھے۔ ان میں دو افراد کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور بخاری کی روایت میں ہے کہ اہل قباء میں لڑائی ہو گئی یہاں تک کہ ایک دوسرے پر پتھر برسائے۔

جب آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو ہم چل کر ان کے درمیان صلاح کرادیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور چند اصحاب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ طبرانی کے بیان کے مطابق ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سہل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کے ساتھ بعد ظہر روانہ ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ اگر عصر کی نماز کا وقت آجائے اور میں نہ پہنچوں تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہنا کہ نماز پڑھادیں۔

عصر کی نماز کا وقت آگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف نہیں لائے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے؟ یعنی کیا آپ نماز اول وقت میں پڑھائیں گے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کا کچھ اور انتظار فرمائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول وقت میں نماز پڑھانے کو ترجیح دی۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کا آغاز کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹ گئے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پیچھے صبح کی دوسری رکعت میں شرکت فرمائی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز مکمل کی۔ یعنی جب اکثر نماز ہو گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز مکمل کرنا مناسب خیال کیا اور اس موقع پر چونکہ نماز تھوڑی ہوئی تھی اس لیے آپ پیچھے ہٹ گئے۔

بہر حال اس حدیث سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر موجودگی میں اپنی جگہ آپ کو امام مقرر فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو اور پیچھے نہ ہٹو تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے ہاتھ بلند فرمائے۔ (فتح الباری)

باب فضل ضعفة المسلمين والفقراء والخاملين

کمزور، فقیر اور گم نام مسلمانوں کی فضیلت کا بیان

قَالَ اللہ تَعَالَی : ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ﴾ [الكهف : ٢٨] .

ترجمہ: "اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے: جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان سے (کسی اور طرف) نہ دوڑیں۔"

شان نزول

تفسیر: مکہ کے رئیس عیینہ بن حصن فزاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آپ کی مجلس میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ فقراء صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے الگ مجلس بنادیں تو ہم آپ کی بات سن سکتے ہیں۔

مگر اس تجویز کو اللہ جل شانہٗ نے منع فرمادیا کہ آپ ایسا نہ کریں کہ اس طرح کرنے میں ان فقراء صحابہؓ کی دل شکنی ہوگی جن کی صفات یہ ہیں کہ وہ اللہ کو صبح و شام یاد رکھتے ہیں اور ان میں اخلاص ہے کہ وہ اللہ کے سوال کچھ اور نہیں چاہتے۔

جنتی اور جہنمیوں کی پہچان

وعن حارثة بن وهْبٍ رضي الله عنه ، قَالَ : سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يقولُ: ألاَ أُخبِرُكُمْ بِأهْلِ الجَنَّةِ ؟ كُلُّ ضَعِيف مُتَضَعَّف، لَوْ أقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ ، ألاَ أُخْبِرُكُمْ بِأهْلِ النَّارِ؟كُلُّ عُتُلٍّ جَوّاظٍ مُسْتَكْبِرٍمُتَّفَقٌ عَلَيهِ

"العُتُلُّ": الغَلِيظُ الجَافِي "وَالجَوَّاظُ" : بفتح الجيم وتشديد الواو وبالظله المعجمة: وَهُوَ الجَمُوعُ المَنُوعُ، وَقِيلَ: الضَّخْمُ المُخْتَالُ في مِشْيَتِهِ، وَقِيلَ: القَصيرُ البَطِينُ.

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں نہ بتاؤں، ہر کمزور و ناتواں، اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری فرمادے، کیا میں تمہیں اہل جہنم کے بارے میں نہ بتاؤں، ہر بخیل سرکش متکبر۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" اللہ کے یہاں مکرم اور معزز وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو' قیامت کے دن فیصلہ تقویٰ اور اعمال کی بنیاد پر ہوگا۔ دنیا کے مال متاع کا وہاں کوئی حساب نہ ہوگا' ایسا شخص جو بالکل کمزور ناتواں ہو اور جس کی طرف لوگ توجہ نہ دیتے ہوں ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کا ایسا مقبول بندہ ہو جو اگر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم بھی پوری کردے۔ یہی اہل جنت ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارک میں اہل جنت اور اہل جہنم کی بعض دنیاوی علامات ذکر فرمائی ہیں اور مقصود یہی ہے کہ اللہ کے یہاں کسی کی دنیاوی حیثیت کا کوئی حساب نہیں ہے' وہاں کا حساب تقویٰ' عمل صالح اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ (دلیل الفالحین: ۲؍۴۵)

فقیر آدمی دنیاوی شان و شوکت والے سے بہتر ہے

وعن أبي عباس سهل بن سعد الساعِدِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : مَرَّ رَجُلٌ عَلَى النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ لرَجُلٍ عِنْدَهُ جَالِسٌ : ((مَا رَأيُكَ فِي هَذَا ؟)) ، فَقَالَ : رَجُلٌ مِنْ أشْرَافِ النَّاسِ ، هَذَا واللهِ حَرِيٌّ إنْ خَطَبَ أنْ يُنْكَحَ ، وَإنْ شَفَعَ أنْ يُشَفَّعَ . فَسَكَتَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ آخَرُ ، فَقَالَ لَهُ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَا رَأيُكَ فِي هَذَا ؟)) فَقَالَ : يَا رَسُولَ الله ، هَذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَراء المُسْلِمِينَ ، هَذَا حَرِيٌّ إنْ خَطَبَ أنْ لا يُنْكَحَ ، وَإنْ شَفَعَ أنْ لا يُشَفَّعَ ، وَإنْ قَالَ أنْ لاَ يُسْمَعَ لِقَولِهِ . فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلءِ الأرْضِ مِثْلَ هَذَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . قوله : ((حَرِيٌّ)) هُوَ بفتح الحاء وكسر الراء وتشديد الياء : أي حَقيقٌ . وقوله : ((شَفَعَ)) بفتح الفاء .

ترجمہ: "حضرت ابو العباس سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرے۔ آپ نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمی سے پوچھا تو اس آدمی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا یہ آدمی اشراف میں شمار ہوتا ہے۔ خدا کی قسم اس کی مثال یہ ہے کہ یہ اگر کسی عورت کو پیغام نکاح بھجوائے تو اس کا نکاح ہو جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی یہ بات سن کر خاموش ہوگئے پھر ایک دوسرا آدمی گذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر پوچھا اس شخص کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ یہ فقیر مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے، اس کی حالت یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھجوادے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر کوئی بات کہے تو اسکی بات سننے کیلئے کوئی تیار نہ ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فقیر شخص اس جیسے دنیا بھر کے انسانوں سے بہتر ہے۔"

حری حا کے فتحہ اور را کے کسرہ یا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے لائق۔ شفع: فا کے فتحہ کے ساتھ۔

حدیث کی تشریح: فَقَالَ رَجُلٌ عِنْدَهُ جَالِسٌ: آپ نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا۔ ابن حبان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس حدیث میں فقرائے مسلمین کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کو معاشرے میں ان کی غربت کی وجہ سے نہ کوئی جانتا ہے اور نہ ان کا احترام کیا جاتا ہے۔ مگر یہ شخص دنیا بھر کے ان انسانوں سے بہتر ہے جو ایمان و تقویٰ سے خالی ہوں۔

" حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَا يُنْكَحَ۔" اگر نکاح کا پیغام دے تو نکاح نہ کیا جائے۔ اس جملہ سے یہ استنباط کیا جاتا ہے کہ نکاح کے لئے نیک مردوں اور نیک عورتوں کا انتخاب کیا جائے چاہے وہ غریب ہی ہوں۔

هَذَاخَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْاَرْضِ مِثْلِ هٰذَا: یہ فقیر پہلے شخص جیسے دنیا بھر کے آدمیوں سے بہتر ہے۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات وحی کے ذریعے سے معلوم ہوئی ہوگی۔ اور علماء فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر فقیر امیر آدمی سے بہتر اور اس پر فضیلت رکھتا ہے۔ فضیلت کا معیار ایمان و تقویٰ ہے۔

جنت و جہنم کا تکرار

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، عن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: احْتَجَّتِ الجَنَّةُ والنَّارُ ، فقالتِ النَّارُ : فِيَّ الجَبَّارُونَ وَالْمُتَكَبِّرُونَ . وَقَالتِ الجَنَّةُ: فِيَّ ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَمَسَاكِينُهُمْ ، فَقضَى اللهُ بَيْنَهُمَا : إنَّكِ الجَنَّةُ رَحْمَتِي أرْحَمُ بكِ مَنْ أشاءُ ، وَإنَّكِ النَّارُ عَذَابِي أُعَذِّبُ بكِ مَنْ أشاءُ ، وَلِكلَيْكُمَا عَلَيَّ مِلْؤُهَا " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت اور جہنم نے دلیل دی، جہنم نے کہا کہ میرے یہاں بڑے جبار اور متکبر ہوں گے جنت نے کہا کہ میرے یہاں کمزور اور مساکین ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ تو جنت میری رحمت ہے' میں جس پر رحم کرنا چاہوں گا تیرے ساتھ کروں گا' اور تو جہنم ہے تو میرا عذاب ہے' میں جس کو عذاب دینا چاہوں گا تجھ سے دوں گا' اور میں ضرور تم دونوں کو بھر دوں گا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اللہ کے یہاں نجات کا مدار تقویٰ اور عمل صالح ہے اور پھر دخول جنت اللہ سبحانہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں ضعفاء اور مساکین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیاوی اعتبار سے تو کم حیثیت تھے لیکن اپنے اعمال سے اللہ کی رضا کے مستحق ہوئے اور اس کی مشیت سے جنت میں داخل ہوئے۔ (فتح الباری: ۲/ ۹۸۴' روضۃ المتقین: ۱/ ۳۰۲)

قیامت کے روز اجسام کا وزن

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ السَّمِينُ العَظِيمُ يَوْمَ القِيَامَةِ لاَ يَزِنُ عِنْدَ اللهِ جناحَ بَعُوضَةٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت ایک موٹا اور بڑا آدمی لایا جائے گا اللہ کے نزدیک اس کی حیثیت مچھر کے برابر بھی نہ ہوگی۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث مبارک کا یہ ہے کہ روز قیامت دنیا کے اعتبار سے بڑا آدمی لایا جائے گا اور اللہ کے یہاں اس کی حیثیت مچھر کے برابر نہیں ہوگی اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔"فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا" (روز قیامت ان کا کوئی وزن نہیں کریں گے) یعنی ان کے اعمال حبط ہو کر صرف سیئات باقی رہ جائیں گی۔(روضۃ المتقین:۱/۳۰۴)

مسجد میں صفائی کرنیوالے کی فضیلت

وعنه : أنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ المَسْجِدَ ، أَوْ شَابّاً ، فَفَقَدَهَا ، أَوْ فَقَدَهُ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَسَأَلَ عَنْهَا ، أو عنه ، فقالوا : مَاتَ . قَالَ : " أَفَلا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي " فَكَأَنَّهُم صَغَّرُوا أَمْرَهَا ، أَوْ أَمْرَهُ ، فَقَالَ : " دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ" فَدَلُّوهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا ، ثُمَّ قَالَ : " إنَّ هٰذِهِ القُبُورَ مَمْلُوءةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا ، وَإنَّ اللهَ تعالى يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلاتِي عَلَيْهِم" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

قوله : " تَقُمُّ " هُوَ بفتح التاء وضم القاف : أي تَكْنُسُ . " وَالقُمَامَةُ " : الكُنَاسَةُ ، "وَآذَنْتُمُونِي" بمد الهمزة : أيْ : أعْلَمْتُمُونِي .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کالی عورت یا کوئی نوجوان مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ دیکھا تو اس کے بارے میں دریافت کیا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ وہ تو مر گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کیوں نہ اطلاع دی۔ گویا لوگوں نے اس عورت یا جوان کے معاملے کو معمولی سمجھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ صحابہؓ آپ کو لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان پر میری نماز سے منور فرما دیتے ہیں(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: صحیح بخاری کی روایت میں ہے کالا مرد یا کالی عورت یہ شک راوی حدیث تابعی کی طرف سے ہوتا ہے لیکن دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت تھی اور اس کا نام اُم محجن تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے بارے میں استفسار کے جواب میں جواب دینے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ عورت مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی اور تنکے وغیرہ پڑے ہوئے اُٹھایا کرتی تھی' اس عورت کا انتقال ہو گیا' آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اطلاع کیوں نہیں دی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔

اس حدیث مبارک کے آخر میں یہ جملہ کہ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ان پر میری نماز سے منور فرمادیتے ہیں۔ امام مسلم نے از ابو کامل جحدری از حماد روایت کیا ہے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ جملہ روایت نہیں کیا کیونکہ یہ زیادتی اس روایت میں مدرج ہے اور دراصل ثابت کی طرف مرسل ہے (تابعی کا بغیر صحابی کا نام لیے روایت کرنا) ہے بیہقی فرماتے ہیں کہ ظن غالب یہ ہے کہ یہ ثابت کے مراسیل میں سے ہے۔

حدیث سے مسجد کی صفائی کی فضیلت ثابت ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی قبر پر تشریف لے گئے جس سے اُمت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور آپ کی تواضع ثابت ہوتی ہے۔ (فتح الباری)

اللہ اپنے بندوں کی قسموں کو پورا کر لیتا ہے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((رُبَّ أَشْعَثَ أَغبرَ مَدْفُوعٍ بالأَبْوابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت سے پراگندہ غبار آلود اشخاص جنہیں دروازوں سے ہی دھکیل دیا جاتا ہے اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرمادیتا ہے۔"

حدیث کی تشریح: محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ دنیاوی فقراء نہیں ہیں جو لوگوں کے دروازے پر جاتے ہیں بلکہ اس سے وہ اولیاء اللہ مراد ہیں کہ ان کی ظاہری کیفیت دنیا والوں کی طرح شان و شوکت والی نہیں ہوتی تو اگر وہ کسی کے دروازے پر جائیں تو پھر ان کو دروازے پر ہی روک دیا جاتا ہے گھر میں یا محفل میں جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ ان کو دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس کی حکمت بعض لوگوں نے یہ لکھی ہے کہ اگر ان اولیاء اللہ کا بھی اکرام واعزاز ہونے لگے تو یہ بھی کہیں دنیا میں مشغول نہ ہو جائیں، ان کو اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی اور کی طرف کوئی رغبت ہی نہ ہونے پائے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد دُعا ہے کہ دُعا مانگتے ہیں اور ان کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہو جائے گا تو اللہ ان کی زبان کی لاج رکھتے ہیں اور وہ کام ایسا ہی کر دیتے ہیں۔ (مظاہر حق ۴ج ۷۴۳)

جنت میں داخل ہونے والے عام افراد

وعن أسامة رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " قُمْتُ عَلَى بَابِ الجَنَّةِ ،

فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا المَسَاكِينُ ، وَأَصْحَابُ الجَدِّ مَحْبُوسُونَ، غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ . وَقُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

"وَالْجَدُّ": بفتح الجيم: الحَظُّ وَالغِنَى. وَقوله: "مَحْبُوسُونَ" أَيْ: لَمْ يُؤْذَنْ لَهُمْ بَعْدُ فِي دُخُولِ الجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا' دیکھا کہ اس میں عام طور پر داخل ہونے والے مساکین ہیں اور ارباب دولت کو روک دیا گیا ہے' جبکہ اہل جہنم کو جہنم میں لے جائے جانے کا حکم دیدیا گیا ہے' اور میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والوں میں اکثر عورتیں ہیں۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جنت اور دوزخ کے احوال کا مشاہدہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے یہ حدیث ان مشاہدات میں سے ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہو اور انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا کہ جنت میں کثرت سے داخل ہونے والے فقراء اور مساکین ہیں اور اغنیاء کو باہر روک لیا گیا ہے اور انہیں ابھی اجازت نہیں ملی۔ البتہ اہل جہنم کے بارے میں حکم دے دیا گیا ہے اور وہ اس میں جا رہے ہیں اور زیادہ تعداد عورتوں کی ہے کہ عورت کثرت سے معاصی کی مرتکب ہوتی ہیں اور کفران عشیر کرتی ہیں۔(فتح الباری: ۲/۱۰۵۱)

جریج رحمہ اللہ کا عبرتناک واقعہ

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي المَهْدِ إلاَّ ثَلاثَةٌ : عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ، وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ ، وَكَانَ جُرَيْجٌ رَجُلاً عَابِداً ، فَاتَّخَذَ صَوْمَعَةً فَكَانَ فِيهَا ، فَأَتَتْهُ أُمُّهُ وَهُوَ يُصَلِّي ، فَقَالَتْ : يَا جُرَيْجُ ، فَقَالَ : يَا رَبِّ أُمِّي وَصَلاتِي فَأَقْبَلَ عَلَى صَلاتِهِ فَانْصَرَفَتْ . فَلَمَّا كَانَ مِنَ الغَدِ أَتَتْهُ وَهُوَ يُصَلِّي ، فَقَالَتْ : يَا جُرَيْجُ ، فَقَالَ : أَيْ رَبِّ أُمِّي وَصَلاتِي ، فَأَقْبَلَ عَلَى صَلاتِهِ ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ الغَدِ أَتَتْهُ وَهُوَ يُصَلِّي ، فَقَالَتْ : يَا جُرَيْجُ ، فَقَالَ : أَيْ رَبِّ أُمِّي وَصَلاتِي ، فَأَقْبَلَ عَلَى صَلاتِهِ ، فَقَالَتْ : اللَّهُمَّ لاَ تُمِتْهُ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى وُجُوهِ المُومِسَاتِ . فَتَذَاكَرَ بَنُو إِسْرائِيلَ جُرَيْجاً وَعِبَادَتَهُ ، وَكَانَتِ امْرَأَةٌ بَغِيٌّ يُتَمَثَّلُ بِحُسْنِهَا ، فَقَالَتْ : إِنْ شِئْتُمْ لأَفْتِنَنَّهُ ، فَتَعَرَّضَتْ لَهُ ، فَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهَا ، فَأَتَتْ رَاعِياً كَانَ يَأْوِي إِلَى صَوْمَعَتِهِ ، فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَقَعَ عَلَيْهَا ، فَحَمَلَتْ ، فَلَمَّا وَلَدَتْ ، قَالَتْ : هُوَ مِنْ جُرَيجٍ ، فَأَتَوْهُ فَاسْتَنْزَلُوهُ وَهَدَمُوا صَوْمَعَتَهُ ، وَجَعَلُوا يَضْرِبُونَهُ ، فَقَالَ : مَا شَأْنُكُمْ ؟ قَالُوا : زَنَيْتَ بِهذِهِ البَغِيِّ فَوَلَدَتْ مِنْكَ . قَالَ : أَيْنَ الصَّبِيُّ ؟ فَجَاؤُوا بِهِ فَقَالَ :

دَعُوني حَتَّى أصلِّي ، فَصلَّى فَلَمَّا انصرفَ أَتى الصَّبيَّ فَطعنَ في بَطْنِهِ ، وَقالَ : يَا غُلامُ مَنْ أبوكَ ؟ قَالَ : فُلانٌ الرَّاعِي ، فَأَقْبَلُوا عَلَى جُرَيْجٍ يُقَبِّلُونَهُ وَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ ، وَقَالُوا : نَبْنِي لَكَ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَب . قَالَ : لاَ ، أَعِيدُوهَا مِنْ طِينٍ كَمَا كَانَتْ ، فَفَعلُوا . وبَينَا صَبيٌّ يَرْضَعُ مِنْ أُمِّهِ فَمَرَّ رَجُلٌ رَاكِبٌ عَلَى دَابَّةٍ فَارِهَةٍ وَشَارَةٍ حَسَنَةٍ ، فَقَالَتْ أُمُّهُ : اللَّهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هَذَا ، فَتَرَكَ الثَّدْيَ وَأَقْبَلَ إِلَيْهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ لاَ تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِه فَجَعَلَ يَرتَضِعُ " ، فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحْكِي ارْتِضَاعَهُ بِأصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ فِي فِيه ، فَجَعَلَ يَمُصُّهَا ، قَالَ : " وَمَرُّوا بِجَارِيَةٍ وَهُم يَضْرِبُونَهَا ، ويَقُولُونَ : زَنَيْتِ سَرَقْتِ ، وَهِيَ تَقُولُ : حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الوَكِيلُ . فَقَالَتْ أُمُّهُ : اللَّهُمَّ لاَ تَجْعَل ابْنِي مِثْلَهَا ، فَتَركَ الرَّضَاعَ ونَظَرَ إِلَيْهَا ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا ، فَهُنَالِكَ تَرَاجَعَا الحَدِيثَ، فَقَالَتْ : مَرَّ رَجُلٌ حَسَنُ الهَيْئَةِ ، فَقُلْتُ : اللَّهُمَّ اجْعَلْ ابْنِي مِثْلَهُ ، فَقُلْتَ : اللَّهُمَّ لاَ تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ ، وَمَرُّوا بهذِهِ الأَمَةِ وَهُمْ يَضْرِبُونَهَا وَيَقُولُونَ : زَنَيْتِ سَرَقْتِ ، فقلتُ : اللَّهُمَّ لاَ تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا ، فَقُلْتَ : اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا ؟! قَالَ : إنَّ ذلك الرَّجُل كَانَ جَبَّاراً ، فَقُلْتُ : اللَّهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ ، وَإِنَّ هذِهِ يَقُولُونَ : زَنَيْتِ ، وَلَمْ تَزْنِ وَسَرَقْتِ ، وَلَمْ تَسْرِقْ ، فَقُلْتُ : اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ." المُومِسَاتُ " بضَمِّ الميمِ الأُولَى ، وَإسكان الواو وكسر الميم الثانية وبالسين المهملة ؛ وهُنَّ الزَّواني . وَالمُومِسَةُ : الزَّانِيَةُ . وقوله : " دَابَّةٌ فَارِهَةٌ " بالفاء : أي حَاذِقَةٌ نَفِيسَةٌ . " وَالشَّارَةُ " بالشين المعجمة وتخفيف الرَّاء : وَهِيَ الجَمَالُ الظَّاهِرُ فِي الهَيْئَةِ والمَلبَسِ. ومعنى " تَراجَعَا الحَدِيث " أي : حَدَّثت الصبي وحَدَّثها، والله أعلم.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہد میں صرف تین نے بات کی عیسیٰ بن مریمؑ اور صاحب جریج' جریج ایک بندۂ عابد تھا اس نے صومعہ بنالیا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی ماں آئی اور وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ ماں نے اواز دی اے جریج! جریج نے دل میں کہا کہ یارب میری ماں اور میری نماز' لیکن وہ نماز پڑھتا رہا۔ اگلے روز اس کی ماں پھر آئی' جریج اس وقت بھی نماز میں تھا' ماں نے پکارا: اے جریج! جریج نے دل میں کہا کہ یارب میری ماں اور میری نماز' لیکن پھر نماز ہی میں مصروف رہا' اس کی ماں بولی: اے اللہ اسے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک یہ بدکار عورتوں کے چہرے نہ دیکھ لے۔

جریج کا اور جریج کی عبادت کا بنی اسرائیل میں چرچا ہو گیا' بنی اسرائیل میں ایک بدکار عورت بھی تھی جس کی حسن کی مثالیں دی جاتی تھیں' اس نے لوگوں سے کہا کہ تم چاہو تو میں اس کو آزماتی

ہوں' وہ اس کے پاس آئی' جریج نے کوئی التفات نہ کیا' تو وہ ایک چرواہے کے پاس آئی جو جریج کے صومعہ میں آیا کرتا تھا اور اس کو اپنے اوپر قدرت دی' وہ اس کے ساتھ ملوث ہو گیا اور وہ حاملہ ہو گئی' جب بچہ ہوا تو اس نے کہا کہ یہ جریج کا ہے' لوگ آئے جریج کو اس کے صومعہ سے اتارا اور مارنے لگے' جریج نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ تو نے اس فاحشہ سے زنا کیا اور اس سے تیرا بچہ پیدا ہوا' جریج نے کہا کہ بچہ کہاں ہے؟ وہ لوگ بچہ کو لائے' جریج نے کہا مجھے مہلت دو میں نماز پڑھ لوں' غرض اس نے نماز پڑھی اور بچہ کے پاس آیا اور اس کے پیٹ میں انگلی گھسا کر کہا کہ اے بچے! تیرا باپ کون ہے' بچہ بول پڑا اور اس نے بتایا کہ فلاں چرواہا۔

اس پر لوگ جریج پر ٹوٹ پڑے۔ اسے بوسہ دینے لگے اور بطور تبرک اس کے جسم کو چھونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تیرا صومعہ سونے کا بنوادیں گے۔ اس نے کہا کہ نہیں اسی طرح مٹی کا بنادو جس طرح پہلے تھا۔

ابھی یہ بچہ اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا کہ آدمی ایک عمدہ اور خوبصورت سواری پر بیٹھا ہوا گزرا' ماں نے کہا کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا بنادے' بچہ نے پستان چھوڑ دیا اور اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا' پھر وہ پستان کی طرف متوجہ ہو کر دودھ پینے لگا۔

راوی کا بیان ہے کہ گویا یہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے کے دودھ پینے کو بیان کر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی منہ میں لے کر چوس رہے تھے۔

ازاں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک باندی کو لے کر گزرے' وہ اسے مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا اور تو نے چوری کی' اور وہ کہہ رہی تھی **حسبی اللہ ونعم الوکیل**' بچہ کی ماں نے کہا اے اللہ: میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا' بچہ نے دودھ پینا چھوڑا اور اس لونڈی کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا بنادے۔

اس مقام پر ماں بیٹے سے بات ہوئی۔ ماں نے کہا کہ ایک آدمی اچھی حالت میں گزرا' میں نے کہا اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا بنادے تو اس نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنانا اور لوگ ایک باندی کو لے کر گزرے جسے وہ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا تو نے چوری کی' میں نے کہا اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا' تو اس نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا بنادے۔ بچہ نے کہا کہ وہ مرد ظالم تھا' اس لئے میں نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنانا اور باندی جسے کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے اس نے زنا نہیں کیا اور کہہ رہے تھے کہ تو نے چوری کی اس نے چوری نہیں کی۔ میں نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا بنا دینا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین بچوں نے بات کی اور وہ

یہ ہیں خلیل، یحییٰ اور عیسیٰ بن مریم۔ علاوہ بنی اسرائیل کے اور بھی واقعات روایات میں آئے ہیں جن میں بچوں کے بولنے کا ذکر ہے۔

بنی اسرائیل میں جریج نامی ایک شخص تھا جو اپنے صومعہ میں مستقل عبادت میں مصروف رہتا تھا اس کی ماں بوڑھی تھی، اس نے آکر پکارا، صومعہ اوپر ہوتا ہے اس لیے وہ خود جریج تک نہ آسکتی تھی اس لیے اس نے نیچے ہی سے پکارا، جریج نماز میں تھے، وہ سوچ میں پڑگئے کہ حق اللہ فائق ہے یا حق العبد اور ان کے اجتہاد نے انہیں یہی رہنمائی کی کہ بندوں کی خاطر اللہ کی عبادت منقطع نہ کی جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جریج عالم ہوتے تو انہیں علم ہوتا کہ ماں کی پکار کا جواب دینا عبادت رب سے اولیٰ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ نفلی نماز چھوڑ کر ماں کے بلانے پر جواب دینا چاہیے۔

حدیث مبارکہ متعدد فوائد پر مشتمل ہے جن میں سے چند یہ ہیں: اول یہ کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے اور خاص طور پر ماں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت بہت زیادہ ہے حتیٰ کہ نفل نماز پر ماں کی پکار پر جواب دینے کو ترجیح دینی چاہیے اور یہ کہ ماں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو آزمائشوں سے نکال لیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

''وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّه، مَخْرَجًا'' ''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادیتے ہیں۔'' (الطلاق: ۲) (فتح الباری: ۱/۱۴۱۷، روضۃ المتقین: ۱/۳۰۸)

....

باب ملاطفة اليتيم والبنات وسائر الضعفة والمساكين والمنكسرين والإحسان إليهم والشفقة عليهم والتواضع معهم وخفض الجناح لهم

یتیموں، لڑکیوں اور تمام کمزور، مساکین اور خستہ حال لوگوں کے ساتھ نرمی، ان پر شفقت واحسان کرنے اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الحجر : ۸۸]

ترجمہ: ''ارشاد خداوندی ہے: اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے۔''

تفسیر: اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جارہا ہے کہ آپ صرف مسلمانوں پر شفقت کریں اور مؤمنوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ رکھیں۔ کفار اور مشرکین کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں کہ جن کے اندر ایمان ویقین ہے

وہ اللہ کے نزدیک ان مشرکین سے جن کے پاس دنیاوی مال وجلال بہت کچھ ہے ان سے یہ خستہ حال ایمان والے بہتر ہیں۔

وقال تعالیٰ: ﴿واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغدوة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحيوة الدنيا﴾

اور فرمایا "اور روکے رکھو اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام اس کی رضا کی طلب میں، اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی۔" (الکہف:۲۸)

شان نزول: دوسری آیت کے شان نزول میں بغوی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے عیینہ بن حصن فزاری جو رئیس مکہ تھا، حاضر خدمت اقدس ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر فقراء صحابہ تھے، اس نے کہا کہ ان لوگوں کو ہٹا دیجئے تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن سکیں۔ اس پر آیات نازل ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تعلق انہی لوگوں سے قائم رکھیں اور اپنی توجہات انہی کے ساتھ وابستہ رکھیں، انہی سے مشورہ لیں اور انہیں کی مدد اور اعانت سے ہر کام کریں۔ کیوں کہ یہ لوگ صبح وشام اللہ کو پکارتے ہیں اور ان کے تمام اعمال خالص اللہ کی رضا کے لئے ہیں، یہ سب وہ حالات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نصرت کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اللہ کی مدد ایسے ہی لوگوں کے لئے آیا کرتی ہے۔ (معارف القرآن)

وقال تعالیٰ: ﴿فأما اليتيم فلا تقهر. وأما السائل فلا تنهر.

اور فرمایا: "تو تم بھی یتیم پر ظلم نہ کرو اور مانگنے والے کو نہ جھڑکو۔" (الضحیٰ:۹،۱۰)

تفسیری نکات: تیسری آیت میں ارشاد ہوا کہ یتیموں کی خبر گیری اور دلجوئی کیجئے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیجئے اور کوئی بات ایسی نہ ہو جس میں یتیم کی بے وقعتی یا تحقیر کا پہلو ہو۔

وَقالَ تَعالَى : ﴿ أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ وَلا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴾ [الماعون : ٦] .

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔"

تفسیر: يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ: دین سے مراد قیامت کا دن ہے کہ یہ شخص قیامت کے دن کو جھٹلاتا ہے، اس سے مراد ولید بن مغیرہ یا عمرو بن عامر مخزومی ہے۔

يَدُعُّ الْيَتِيْمَ: یدع بمعنی زور اور قوت سے دھکا دینا، مطلب یہ ہے کہ یتیم پر رحم کرنے کے بجائے ان پر ظلم کرتا ہے اور اس کو اس کے حق سے روکتا ہے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ: کہ یہ نہ خود مسکینوں کو کھلاتا ہے اور نہ دوسروں کو ترغیب دیتا ہے کہ

مسکینوں کو کھلائے۔ ان آیات میں اشارہ ہے کہ یہ اعمال وہی کر سکتا ہے جو قیامت کو یعنی اللہ و رسول کو نہیں مانتا۔ جو ایمان والا ہو گا اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ ان اعمال قبیحہ کا ارتکاب کرے اگر کسی مسلمان سے یہ اعمال ظاہر ہوں تو یہ بھی مذموم اور سخت گناہ ہوگا۔(معارف القرآن ۸/۸۲۶)

فقراء مسلمین کی اللہ کے ہاں قدر

وعن سعد بن أبي وَقَّاص رضي الله عنه ، قَالَ : كُنَّا مَعَ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ نَفَرٍ ، فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ للنَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اطْرُدْ هؤلاء لا يَجْتَرِئُونَ عَلَيْنَا ، وَكُنْتُ أنَا وَابْنُ مَسْعُودٍ . وَرَجُلٌ مِنْ هُذَيْلٍ وَبِلالٌ وَرَجُلانِ لَسْتُ أُسَمِّيهِمَا ، فَوَقَعَ في نفس رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللهُ أنْ يَقَعَ فَحَدَّثَ نَفسَهُ ، فَأنْزَلَ اللهُ تعالى : ﴿ وَلا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ﴾ [الأنعام : ٥٢] رواه مسلم

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چھ افراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیں کہیں یہ ہم پر جری نہ ہو جائیں، اور میں تھا اور ابن مسعود تھے اور ہذیل کے ایک آدمی تھے اور بلال تھے اور وہ دو آدمی اور تھے جس کے نام مجھے یاد نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ بات آئی جو اللہ نے چاہی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور جو لوگ پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام اس کی رضا کی طلب میں، آپ انہی کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھیے۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کے پاس اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن فزاری آئے۔ یہ مؤلفۃ القلوب تھے۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مالی حسن سلوک فرماتے اور رغبت رکھتے کہ شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت فقراء، صحابہ بیٹھے ہوئے تھے جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہوں نے کہا کہ ہم عرب کے سردار ہیں ہم ان فقراء کے ساتھ بیٹھیں گے تو انہیں ہمارے سامنے بولنے کی جرأت ہو جائے گی، آپ ایسا کیجئے کہ ان کو ہٹادیں یا ہمارے لیے علیحدہ مجلس کا انتظام کرلیں تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن سکیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیا بعید ہے اس طرح یہ لوگ اسلام لے آئیں۔ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی حضرات کے ساتھ جڑے رہیں اور اپنے آپ کو ان سے جدا نہ کریں کہ یہ حضرات صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور صرف اس کی رضا کے طالب ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے یہاں قدر و قیمت ایمان والوں کی ہے۔ اہل دنیا اور دنیا کی شان و شوکت کی اس کے یہاں کوئی قیمت نہیں ہے جو لوگ ایمان سے اور اعمال صالحہ سے محروم ہیں خواہ وہ دنیاوی لحاظ سے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں آخرت میں وہ بے حیثیت ہیں۔ (روضۃ المتقین)

فقراء مہاجرین کے ناراض ہونے کے خوف پر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنبیہ

وعن أبي هُبَيرَة عائِذ بن عمرو المزني وَهُوَ مِنْ أَهْل بيعة الرضوان رضي الله عنه : أنَّ أبا سُفْيَانَ أتى((٣)) عَلَى سَلْمَانَ وَصُهَيْبٍ وبلاَل في نَفَر ، فقالوا : مَا أَخَذَتْ سُيُوفُ اللهِ مِنْ عَدُوِّ الله مَأْخَذَهَا ، فَقَالَ أَبُو بَكْر رَضِيَ اللهُ عنه : أتقولُون هَذَا لِشَيْخ قُرَيْش وَسَيدِهِمْ ؟ فَأتَى النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأَخْبَرَهُ ، فَقَالَ : ((يَا أَبَا بَكْر ، لَعلَّكَ أغْضَبْتَهُمْ ؟ لَئِنْ كُنْتَ أغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ أغْضَبت رَبَّكَ)) فَأَتَاهُمْ فَقَالَ : يَا إخْوَتَاهُ ، أغْضَبْتُكُمْ ؟ قالوا : لاَ ، يَغْفِرُ اللهُ لَكَ يَا أُخَيَّ . رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت ابی ہبیرہ عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ "اور وہ بیعت رضوان میں شرکت کرنے والوں میں سے تھے" بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان کا سلمان، صہیب، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر صحابہ کرام کے پاس سے گذر ہوا تو انہوں نے کہا: اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن سے اپنا حق نہیں لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم ایسی بات قریش کے شیخ اور سردار کے حق میں کہتے ہو۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر! شاید تو نے ان حضرات کو ناراض کر دیا۔ یاد رکھو اگر تو نے ان کو ناراض کر دیا تو پھر تو نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور ان سے پوچھا بھائیو! میں نے تمہیں ناراض تو نہیں کر دیا؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اے میرے بھائی اللہ آپ کو معاف فرمادے۔"

حدیث کی تشریح: وَاللهِ مَا اَخَذَتْ سُيُوْفُ اللهِ: اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن (یعنی ابو سفیان) سے اپنا حق وصول نہیں کیا، مراد اللہ تعالیٰ کی تلوار سے اہل اسلام کی تلوار یا فرشتوں کی تلوار ہے۔ (روضۃ المتقین)

" لَئِنْ كُنْتَ أَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ أَغْضَبْتَ رَبَّكَ." ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شاید تو نے ان کو ناراض کر دیا ہے ان کے ناراض ہونے سے تم اپنے رب کو ناراض کرو گے۔ اس کے مفہوم میں ایک حدیث قدسی آتی ہے:

" مَنْ عَادىٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ." (مشکوۃ) حدیث بالا میں مسلمانوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ آپس میں محبت پیار سے رہو قرآن میں بھی یہ حکم ہے:" وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔" (سورۃ فتح)

نیز یہ بات بھی اس حدیث سے استدلال کی جاتی ہے کہ اگر غیر شعوری طور سے کوئی ایسی بات زبان سے نکل جائے جس سے دوسرے کے دل کو تکلیف ہو تو فوراً معافی مانگ لینا چاہیے۔ (روضۃ المتقین)

یتیم کی کفالت کرنے والے کی بشارت

وعن سهل بن سعد رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "أَنَا وَكَافِلُ اليَتِيمِ فِي الجَنَّةِ هَكَذا " وَأَشارَ بالسَّبَّابَةِ وَالوُسْطَى ، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا . رواه البخاري .
و" كَافِلُ اليَتيم " : القَائِمُ بِأُمُوره .

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کا کفیل جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سبابہ اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا کہ دونوں کے درمیان ذرا سی جگہ تھی۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: یتیم کی دیکھ بھال کا اجر و ثواب اور آخری درجات کی بلندی کا اندازہ اس حدیث مبارک سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی دیکھ بھال کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ واضح رہے کہ انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان کوئی انگلی نہیں ہوتی۔ اس سے یتیم کی کفالت کرنے والے کا آخرت میں مقام اور جنت میں اس کے اعلیٰ مرتبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ (روضۃ المتقین: ۱/ ۳۱۲)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَافِلُ اليَتِيم لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الجَنَّةِ " وَأَشَارَ الرَّ اوِي وَهُوَ مَالِكُ بْنُ أَنَس بالسَّبَّابَةِ وَالوُسْطَى . رواه مسلم .
وقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " اليَتِيمُ لَهُ أَوْ لِغَيرِهِ " مَعْنَاهُ : قَرِيبُهُ ، أَو الأَجْنَبِيُّ مِنْهُ ، فالقَرِيبُ مِثلُ أنْ تَكفُلَهُ أُمُّهُ أَوْ جَدُّهُ أَوْ أَخُوهُ أَوْ غَيرُهُمْ مِنْ قَرَابَتِهِ ، والله أعْلَمُ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کا کفیل، خواہ یتیم کا قریبی رشتہ دار ہو یا غیر ہو، جنت میں اس طرح ہوں گے، اور راوی نے جو مالک بن انس ہیں سبابہ اور وسطی سے اشارہ کیا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: یتیم کا رشتہ دار اس کا کفیل ہو یا کوئی اور اس کا کفیل بنا ہو، اللہ کے یہاں عظیم اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان یتیم کو اپنے گھر میں رکھ کر کھلائے پلائے، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل کریں گے۔ (روضۃ المتقین: ۱/ ۳۱۳)

مسکین کون ہے

(۴) وعنه، قَالَ: قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وفي رواية في الصحيحين: ((لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَكِنَّ الْمِسْكِينَ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ بِهِ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ)).

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ نہیں ہے جو ایک کھجور، دو کھجوریں، ایک لقمہ، دو لقمہ مانگتا پھرتا ہے۔ بلکہ مسکین تو وہ ہے جو سوال کرنے سے بچتا ہے۔(متفق علیہ)

اور صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں سے اس کو ایک لقمہ، دو لقمہ، ایک کھجور، دو کھجوریں میسر آتی ہیں البتہ مسکین وہ آدمی ہے جو مال و دولت کو نہیں پاتا جس سے وہ مستغنی رہے اور نہ اس کے فقر کا کسی کو پتہ چلتا ہے کہ اس پر صدقہ کیا جائے نہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔“

حدیث کی تشریح: لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِىْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ: مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک کھجور یا دو کھجور کے ساتھ لوٹا دیں۔

اس حدیث میں ترغیب ہے کہ بعض مسکین وہ ہوتے ہیں جو گھر گھر جا کر سوال کرتے ہیں اور اپنی ضرورت کو پورا کر لیتے ہیں اس کے مقابل میں کچھ مسکین و فقراء ایسے سفید پوش ہیں کہ ان کی ظاہری حالت ایسی نہیں ہوتی کہ لوگ ان کو مسکین سمجھ کر دے دیں تو ایسے سفید پوش لوگوں کو تلاش کر کے ان کو دینے کی ترغیب حدیث بالا میں دی جا رہی ہے کہ حقیقتاً وہ مسکین ہیں ان کو دیا جائے۔

بعض کہتے ہیں مسکین اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور استدلال قرآن کی اس آیت سے کرتے ہیں:” أَوْ مِسْكِيناً ذَامَتْرَبَةٍ “کہ جو مٹی ہی والا ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں مسکین اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ موجود ہو مگر ضرورت پوری نہ ہوتی ہو۔ استدلال قرآن کی اس آیت سے کرتے ہیں:” فَأَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ۔“ کہ چند مسکین کشتی کے مالک تھے۔ کشتی کے مالک ہونے کے باوجود ان کو قرآن نے مسکین کہا ہے۔

وعنه، عن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ” السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِين، كَالمُجَاهِدِ فِي سَبيلِ اللهِ “ وَأحسبُهُ قَالَ: ” وَكَالقَائِمِ الَّذِي لاَ يَفْتُرُ، وَكَالصَّائِمِ الَّذِي لاَ يُفْطِرُ “ مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ اور

مسکین پر خرچ کرنیوالا اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرلے' راوی کہتا ہے کہ میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو رات کو نماز میں کھڑا رہتا ہے' تھکتا نہیں ہے اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو افطار نہیں کرتا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: غریب اور بے سہارا عورتوں کی کفالت اور دیکھ بھال اور مساکین کی دیکھ بھال بڑا اجر و ثواب کا کام ہے۔ یعنی جب کوئی شخص مستقل طور پر اس طرح کے اہل احتیاج کی خدمت اپنے ذمہ لے لے اور ان کے اخراجات کی کفالت سنبھال لے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسا ہے جیسے مجاہد فی سبیل اللہ یا اس شخص کی طرح جو ساری رات عبادت کرتا اور دن کو روزے رکھتا ہے۔ (روضۃ المتقین)

برا ولیمہ جس میں فقراء کو شریک نہ کیا جائے

وعنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الوَلِيمَةِ ، يُمْنَعُهَا مَنْ يَأتِيهَا، وَيُدْعَى إلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ " رواه مسلم . وفي رواية في الصحيحين ، عن أبي هريرة من قوله : " بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الوَلِيمَةِ يُدْعَى إلَيْهَا الأغْنِيَاءُ ويُتْرَكُ الفُقَرَاءُ " .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانوں میں بُرا کھانا اس ولیمہ کا ہے جس میں آنے والوں کو روکا جائے اور انکار کرنے والوں کو بلایا جائے اور جس نے انکار کیا اس نے اللہ اور رسول کی حکم کی نافرمانی کی۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولیمہ کا وہ کھانا بُرا کھانا ہے جس میں غریبوں اور فقیروں کو آنے سے روکا جاتا ہے حالانکہ وہ آنا چاہتے ہیں اور ان امیروں کو اور دولت مندوں کو اور صاحب حیثیت لوگوں کو بلایا جاتا ہے جن کو آنے کی فرصت نہیں ملتی اور وہ آنا نہیں چاہتے حالانکہ ولیمہ کی دعوت کو قبول نہ کرنا اللہ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔

حدیث مبارک میں آئندہ زمانے کی خبر دی گئی ہے کہ آنے والے دور میں لوگ دعوت ولیمہ کو بڑے لوگوں سے تعلقات قائم کرنے کا ذریعہ بنالیں گے۔ ان محافل میں ان کی تکریم اور عزت کریں گے' ان کے لیے جدا اہتمام کریں گے اور ان کو شوق و رغبت سے بلائیں گے اور وہ آنا نہ چاہیں گے اور غریبوں کو نہیں بلایا جائے گا حالانکہ اگر انہیں بلایا جائے تو وہ آجائیں گے۔

مقصود حدیث یہ ہے کہ دعوت ولیمہ میں شرکت کرنی چاہیے اور صاحب دعوت کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور اہل تعلق کو مقدم رکھے اور ضرورت مندوں اور غرباء اور مساکین کو کھلائے کہ خیر و برکت اسی کھانے میں ہے جس میں غریب شریک ہوں۔ (فتح الباری: ۱۰۲۸/۲' روضۃ المتقین: ۳۱۴/۱)

وعن أنس رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَنْ عَالَ((٤)) جَارِيَتَيْن حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ القِيَامَةِ أنَا وهُوَ كَهَاتَيْن)) وضَمَّ أصَابِعَهُ. رواه مسلم. ((جَارِيَتَيْن)) أي: بنتين.

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں بالغ ہو گئیں قیامت کے دن میں اور وہ ان دو انگلیوں کی مانند اکٹھے آئیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا۔"

حدیث کی تشریح: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ: جو دو لڑکیوں کی پرورش کرے۔

جس شخص نے دو لڑکیوں کی صحیح پرورش کی تو اس کے لئے یہ فضیلت بیان کی جارہی ہے کہ وہ جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔

لڑکیوں کی پرورش پر فضیلت کی وجوہات؟

اسکی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ تو کہا جارہا ہے یہ ایک امتحان ہے اس پر صبر کرنے کی وجہ سے یہ انعام مل رہا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ کہ لڑکیوں کی پرورش کے بعد وہ دوسرے گھر کی ہو جاتی ہیں۔ ان سے آدمی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بخلاف لڑکے کے کہ وہ تو ساتھ میں ہی ہوتے ہیں۔ (مظاہر حق)

حَتّٰی تَبْلُغَا: وہ بالغ ہو جائیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ان بچیوں کی پرورش اس وقت تک کرے وہ باپ کی کفالت سے مستغنی ہو جائیں خواہ ان کی شادی ہو جائے یا کوئی اور وجہ ہو جائے۔ (مرقات)

وَضَمَّ أَصَابِعَهُ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کو ملایا۔ ابن حبان کی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں " اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْوُسْطٰی وَالَّتِیْ تَلِیْهَا۔ " (ابن حبان) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا درمیانی انگلی اور جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے (یعنی شہادت کی انگلی)

لڑکیاں قیامت کے دن آگ سے حجاب بن جائیں گی

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : دَخَلَتْ عَلَيَّ امْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابنتان لَهَا ، تَسْأَلُ فَلَمْ تَجدْ عِنْدِي شَيئاً غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحدَةٍ ، فَأَعْطَيْتُهَا إيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْها ولَمْ تَأكُلْ مِنْهَا ، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرجَتْ ، فَدَخَلَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنا ، فَأخْبَرْتُهُ فَقَالَ : " مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هذِهِ البَنَاتِ بِشَيءٍ فَأَحْسَنَ إلَيْهِنَّ ، كُنَّ لَهُ سِتْراً مِنَ النَّار " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت اپنی دو لڑکیوں کے ساتھ آئی' اس نے سوال کیا' اس وقت میرے پاس کھجور تھی' وہ میں نے

اسے دیدی' اس نے وہ دونوں لڑکیوں میں تقسیم کر دی اور خود نہیں کھائی' پھر وہ کھڑی ہوئی اور چلی گئی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوان لڑکیوں کے سلسلے میں آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو یہ لڑکیاں اس کیلئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی۔

حدیث کی تشریح: اسلام سے قبل اہل عرب میں لڑکیوں کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی اور عورتیں بہت حقیر سمجھی جاتی تھیں۔ قرآن کریم میں اس وقت کی صورت حال کا ایک نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے کہ جب کسی کو آکر خبر دی جاتی کہ تیرے لڑکی ہوئی ہے تو غم پی لیتا اور رنج سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے وہ لوگوں سے شرم کے مارے چھپتا پھرتا کہ اس کے یہاں لڑکی ہوئی ہے' سوچ میں پڑ جاتا کہ اس ذلت کو برداشت کرے یا اس لڑکی کو جاکر مٹی میں دبا آئے۔

اس معاشرتی ماحول میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر کسی کو ان لڑکیوں کی آزمائش پیش آگئی اور اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے حجاب بن جائیں گی یعنی یہ لڑکیاں اس کے درمیان اور جہنم کے درمیان حائل ہو جائیں گی اور اسے جہنم میں جانے سے بچالیں گی۔ (شرح مسلم)

کلمات حدیث: اُبْتُلِیَ: آزمایا گیا' آزمائش میں ڈالا گیا۔ بَلٰی بَلاءً: (باب نصر) آزمانا۔

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : جَاءَتني مِسْكِينَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا ، فَأَطْعَمْتُها ثَلاثَ تَمرَات ، فَأَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَة مِنْهُمَا تَمْرَةً وَرَفَعتْ إلَى فِيهَا تَمْرَةً لِتأكُلها ، فَاسْتَطعَمَتهَا ابْنَتَاهَا ، فَشَقَّتِ التَّمْرَةَ الَّتي كَانَتْ تُرِيدُ أنْ تَأكُلَهَا بيْنَهُما ، فَأعجَبَني شَأنُهَا ، فَذَكَرْتُ الَّذِي صَنَعَتْ لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : " إنَّ الله قَدْ أوْجَبَ لَهَا بها الجَنَّةَ ، أَوْ أعتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میرے پاس ایک مسکین عورت آئی' اس کی دو لڑکیاں تھیں' میں نے اسے تین کھجوریں کھانے کے لئے دیدیں۔ اس نے ان دونوں لڑکیوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور ایک کھجور کھانے کے لئے اپنے منہ کی طرف لے کر گئی لیکن لڑکیوں نے وہ بھی اپنے کھانے کیلئے مانگ لی۔ اس نے اس کھجور کو جس کو وہ کھانے کا ارادہ کر رہی تھی چیرا اور دونوں کو دیدیا' مجھے اس کی یہ بات پسند آئی اور میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اس عمل پر جنت واجب کر دی یا اس عمل کی وجہ سے اسے جہنم سے آزادی مل گئی۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: ضعیف اور ناتواں لڑکیوں کی پرورش اور مسکین ماں کی ان پر ایسی شفقت اور رحمۃ للعالمین کا وفور رحمت اور اس عورت کے لیے جنت کی بشارت۔

بیوی اپنے شوہر کے مال میں صدقہ کر سکتی ہے بشرطیکہ شوہر کی طرف سے اجازت ہو اور اس صورت میں دونوں کو اجر ملے گا' بیوی کو صدقہ کرنے کا اور شوہر کو رضامندی ظاہر کرنے کا اور دونوں کو ان کے حسن نیت کا۔ (شرح مسلم)

کمزور اور یتیموں کا حق

وعن أبي شُرَيحٍ خُوَيْلِدِ بن عمرو الخزاعِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " اللَّهُمَّ إنِّي أُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِيفَيْنِ : اليَتِيم وَالمَرْأةِ " حديث حسن رواه النسائي بإسناد جيد . ومعنى " أُحَرِّجُ " : أُلْحِقُ الحَرَجَ وَهُوَ الإثْمُ بِمَنْ ضَيَّعَ حَقَّهُمَا ، وَأُحَذِّرُ مِنْ ذلِكَ تَحْذِيراً بَلِيغاً ، وَأَزْجُرُ عَنْهُ زجراً أكيداً .

ترجمہ: حضرت خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میں ڈرتا ہوں دو کمزوروں کے حق کے بارے میں' یتیم اور عورت۔

راوی کے مختصر حالات: حضرت ابوشریح خویلد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور فتح مکہ میں شرکت فرمائی۔ بیس احادیث منقول ہیں جن میں دو متفق علیہ ہیں۔ ۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ (الاصابۃ فی التمییز الصحابۃ)

حدیث کی تشریح: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی اُمت کے لوگوں کے بارے میں خاص طور پر دو افراد کے حقوق کے ضائع کرنے اور ان کے پورا نہ کرنے سے ڈرتا ہوں اور اسی لیے ان کی سختی سے تاکید کرتا ہوں' بار بار فہمائش کرتا ہوں' یہ دو ہیں' یتیم اور عورت کہ یہ دونوں اس قدر کمزور ہیں کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی نہیں ہے اور جس کا اللہ ہو اس کے حق کے بارے میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ حدیث مبارک میں یتیم کا ذکر پہلے فرمایا کہ وہ کمزوری میں عورت سے بڑھا ہوا ہے۔ غرض حدیث مبارک میں اس امر پر شدت سے تنبیہ کی گئی ہے کہ دیکھو کہیں تم یتیم اور کمزور لوگوں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگو' تمہارے اوپر لازم ہے کہ یتیموں اور عورتوں کی ہمدردی اور مواسات میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑو' اس حکم میں شوہر بھی داخل ہیں کہ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کریں اور ان کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کریں۔ (روضۃ المتقین: ۱/۳۱۷)

ضعفاء کی برکت سے رزق ملنا

وعن مصعب بن سعد بن أبي وقّاص رضي الله عنهما ، قَالَ : رَأى سعد أنَّ لَهُ فَضْلاً عَلَى مَنْ دُونَهُ ، فَقَالَ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :((هَلْ تُنْصَرُونَ وتُرْزَقُونَ إلاَّ بِضُعَفَائِكُمْ)) رواه البخاري هكذا مُرسلاً ، فإن مصعب بن سعد تابعيٌّ ، ورواه الحافظ أبُو بكر البرقاني في صحيحه متصلاً عن مصعب ، عن أبيه رضي الله عنه . (۲) وعن أبي الدَّرداءِ عُوَيمر

رضي الله عنه ، قَالَ : سمعتُ رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((ابْغُوني الضُّعَفَاء ، فَإِنَّمَا تُنصَرُونَ وتُرْزَقُونَ ، بِضُعَفَائِكُمْ)) رواه أبُو داود بإسناد جيد.

ترجمہ:" حضرت مصعب بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ سعد رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اس کو اس کے نچلے درجے والوں پر فضیلت حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہیں مدد کئے جاتے ہو اور رزق نہیں دیئے جاتے ہو مگر اپنے کمزور لوگوں کی وجہ سے۔"

حدیث کی تشریح: رَاٰی سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلاً عَلٰی مَنْ دُوْنَهٗ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اس کو اس سے کم درجے والوں پر فضیلت حاصل ہے۔

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ صاحب اوصاف و کمال صحابی تھے کہ ان میں بہادری بھی تھی، سخاوت بھی، جود و کرم وغیرہ۔ چنانچہ ان کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ میں لوگوں کی زیادہ امداد و مدد کرتا ہوں بہ نسبت دوسروں کے۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تمہاری سوچ غلط ہے بلکہ جو طاقت و قوت و مال و دولت میں تم سے کمتر ہیں ان کی عزت و اکرام کرو کہ ان کی ہی برکت سے لوگوں کو مال و دولت دیا جاتا ہے۔

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلاَّ بِضُعَفَائِكُمْ: ایک دوسری روایت میں اس کی وجہ بتائی گئی ہے: " اِنَّمَا نَصَرُاللهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضَعِيْفِهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ " کے الفاظ بھی آتے ہیں کہ اس امت کی مدد کمزوروں کی دعاؤں ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں: " اِنَّمَا تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ " بھی آتا ہے تمہارے کمزوروں کی وجہ تم کو روزی اور امداد کی جاتی ہے۔

مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کرو

وعن أبي الدَّرداء عُويمر رضي الله عنه ، قَالَ : سمعتُ رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " ابْغُوني الضُّعَفَاء ، فَإِنَّمَا تُنْصَرُونَ وتُرْزَقُونَ ، بِضُعَفَائِكُمْ " رواه أبُو داود بإسناد جيد.

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء عویمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کرو کہ کمزوروں کے سبب تمہاری مدد ہوتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد نے اس حدیث کو بسند جید روایت کیا)

راوی کے مختصر حالات: حضرت ابوداؤدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد میں اسلام لائے اور احد کے بعد کے غزوات میں شرکت کی۔ البتہ غزوہ احد میں شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان اور

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی تھی ان سے ایک سوانیاسی احادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں انتقال فرمایا۔(دلیل الفالحین:۱/۷۵)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کمزور لوگوں کی نصرت واعانت میں میری مدد کرو یا مقصود یہ ہے کہ مجھے کمزور اور ضعفاء میں تلاش کرو کیونکہ کمزور اور دنیاوی اعتبار سے ضعیف وناتواں لوگوں میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں عجز و تواضع اور فقر پایا جاتا ہے اور یہ اوصاف عند اللہ مقبول ہیں' یہ انہی کی دعائیں ہیں جن کی بناء پر نصرت عطاء ہوتی ہے اور سب کو رزق ملتا ہے۔

....

باب الوصية بالنساء
عورتوں کو وصیت کے بیان میں

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [النساء :١٩].

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزارہ کرو۔“ (النساء:۱۹)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللهَ كَانَ غَفُوراً رَحِيماً ﴾ [النساء : ١٢٩] .

اور فرمایا: ”تم اگر چاہو تو بھی عورتوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے' سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ گے ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے اُدھر میں لٹکتی اور اگر اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (النساء:۱۲۹)

تفسیر: اس باب میں دو آیات آئی ہیں اور دونوں ہی عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن سلوک کی تاکید پر مشتمل ہیں اور فرمایا ہے کہ عورتوں کے ساتھ گفتگو اور معاملات میں اخلاق کا معاملہ رکھو اور ان کے ساتھ حسن سلوک رکھو اور جو طریقے جاہلیت میں مروج تھے ان سب کو ترک کر دو' تم سے یہ تو نہ ہو سکے گا کہ محبت قلبی اور ہر امر میں بالکل مساوات اور برابری رکھو مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ ایک کی طرف بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو درمیان میں لٹکتی رکھو۔ بہتر راستہ تمہارے لیے یہی ہے کہ تم ان عورتوں کے ساتھ صلح و صفائی کے ساتھ اچھی اور ستھری معاشرت اختیار کرو اور ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر عثمانی' تفسیر مظہری)

عورت کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم

(۳) وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

: ((اسْتَوْصُوا بالنساء خَيْراً ؛ فَإنَّ المَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلع ، وَإنَّ أعْوَجَ مَا في الضِّلَعِ أعْلاهُ ، فَإنْ ذَهبتَ تُقيمُهُ كَسَرْتَهُ ، وإنْ تركْتَهُ ، لَمْ يَزلْ أعْوجَ ، فَاسْتوصُوا بالنساء)) مُتَّفقٌ عَلَيهِ . وفي روايةٍ في الصحيحين : ((المَرأةُ كالضِّلَعِ إنْ أقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا ، وَإن استَمتَعْتَ بهَا ، استَمتَعْتَ وفيهَا عوَجٌ)) .

وفي روايةٍ لمسلم : ((إنَّ المَرأةَ خُلِقَت مِنْ ضِلَع ، لَنْ تَستَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقة ، فإن اسْتَمْتَعْتَ بهَا اسْتَمْتَعْتَ بهَا وَفيهَا عوَجٌ ، وإنْ ذَهبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَها ، وكَسْرُهَا طَلاَقُهَا)) قَوله : ((عَوَجٌ)) هُوَ بفتح العين والواو .

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اس کے لئے کہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی کا اوپر کا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے پس اگر اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو اس کا ٹیڑھا پن بدستور رہے گا پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو۔“ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا

اس کے دو مطلب یہ ہیں عورتوں کے بابت میری وصیت قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔ تم میں سے اپنی بعض، بعض سے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے بابت وصیت طلب کرے۔ بہر دو صورت میں مطلب یہ ہے کہ عورت فطری طور پر کمزور ہے اور کج فطرت اور کم عقل، اس وجہ سے ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کیا جائے۔

فَاِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ: عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملہ میں ایک حکیمانہ تشبیہ دے رہے ہیں کہ عورت کی مثال پسلی کی سی ہے دیکھنے میں یہ ٹیڑھی معلوم ہوتی ہے لیکن پسلی کا حسن اور صحت اس کے ٹیڑھے ہی ہونے میں ہے۔

اِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا: اس کا مطلب یہ ہے اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ پسلی ٹیڑھی ہے میں اس کو سیدھا کرلوں، تو اب یہ پسلی سیدھی تو ہوگی نہیں بلکہ ٹوٹ جائے گی اسی طرح عورت کا حال ہے اس وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں عورت کی مذمت ہے حالانکہ یہ عورت کی مذمت نہیں یہ ٹیڑھا پن عورت کا ایک فطری تقاضہ ہے اس لئے اس کو اسی فطری تقاضہ پر رہنے دو، اس کو سیدھا نہ کرو کہ اپنی طبیعت کے موافق اس کو بنانے کی کوشش کرو۔

عورتوں کو غلاموں کی طرح مت مارو

وعن عبد الله بن زَمْعَةَ رضي الله عنه : أنَّهُ سَمِعَ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ ، وَذَكَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَهَا ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " ﴿ إذِ انْبَعَثَ أشْقَاهَا ﴾

انْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ، عَارِمٌ مَنِيعٌ فِي رَهْطِهِ "، ثُمَّ ذَكَرَ النِّسَاءَ، فَوَعَظَ فِيهِنَّ، فَقَالَ: " يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ " ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ، وَقَالَ: " لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ؟ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ." وَالعَارِمُ " بالعين المهملة والراء: هُوَ الشِّرِّيرُ المفسِدُ، وقوله: " انْبَعَثَ "، أيْ: قَامَ بسرعة.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اور اس کے ذبح کرنے والے کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِذِا انْبَعَثَ اَشْقَاهَا" کہ جو شخص اس اونٹنی کو مارنے اٹھا تھا وہ بدبخت زبردست فسادی تھا اور قبیلہ میں پرشوکت آدمی تھا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے بارے میں نصیحت فرمائی' تم میں سے کوئی بیوی کو اس طرح مارتا ہے جیسے غلام کو مارا جاتا ہے اور شاید دن کے آخر میں اس سے ہمبستری کرے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی کی ہوا خارج ہونے پر ہنسنا نہیں چاہئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ایسی بات پر کیسے ہنستا ہے جسے وہ خود کرتا ہے۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ مبارکہ میں تین امور کا ذکر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر کیا اور اس اونٹنی کا واقعہ بیان کیا جو اظہار معجزہ کے طور پر ظاہر ہوئی تھی اور اسے قوم صالح میں سے ایک شقی نے ذبح کر دیا تھا اور قوم عذاب میں گرفتار ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا کر برابر کر دیا۔ "فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا"

اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا ذکر فرمایا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور انہیں غلاموں کی طرح مارنے کے متعلق فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح مارے جیسے کسی غلام کو مارا جاتا ہے' پھر وہ شام کو یا رات کو اس سے قربت کا خواہاں ہو' یعنی مرد و عورت کے آپس میں ایک دوسرے کی جانب التفات اور میلان کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کے درمیان معاشرت محبت و مودت پر استوار ہو اور اس میں نفرت کا ذرا سا بھی شائبہ نہ آنے پائے۔ اگر دن میں انسان بیوی کے ساتھ نامناسب طریقے سے پیش آیا ہے تو رات کو بیوی کے دل میں التفات کے اور محبت کے جذبات کہاں سے بیدار ہوں گے جو ان کے باہمی تعلق کے لیے ضروری ہیں۔

تیسری بات اس خطبہ مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ آداب مجلس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے پر نہ ہنسے بلکہ باہم تکریم اور تعظیم غالب ہو تاکہ حسن معاشرت کا مظاہرہ ہو۔ پس اگر کسی کی

ہوا خارج ہو جائے تو اس پر نہ ہنسے کہ یہ ایسی حرکت ہے جو خود ہنسنے والے سے بھی سرزد ہو سکتی ہے۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :((لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقاً رَضِيَ مِنْهَا آخرَ)) ، أَوْ قَالَ : ((غَيْرَهُ)) رواه مسلم.

وقولُهُ : ((يَفْرَكْ)) هُوَ بفتح الياء وإسكان الفاء وفتح الراء معناه : يُبْغِضُ ، يقالُ : فَرِكَتِ المَرأةُ زَوْجَهَا ، وَفَرِكَهَا زَوْجُهَا ، بكسر الراء يفرَكُهَا بفتحها : أيْ أبْغَضَهَا ، والله أعلم .

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایمان والا آدمی کسی ایمان والی عورت سے دشمنی نہ کرے اگر ایک خصلت کو ناپسند سمجھے تو دوسری خصلت یقیناً پسند ہو گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ”آخر“ فرمایا۔ یا لفظ ”غیرہ“ فرمایا۔“

یفرک کے معنی ناپسند کرنا۔ کہا جاتا ہے فرکت المرأۃ زوجہا او فرکہا زوجہا کہ عورت نے شوہر کو ناپسند کیا اور شوہر نے بیوی کو ناپسند کیا۔

حدیث کی تشریح: اِنْ کَرِهَ مِنْهَا خُلُقاً رَضِيَ مِنْهَا آخرَ: اگر اس کی کوئی عادت یا صفت اسے ناپسند ہو گی تو اس کی دوسری صفت سے وہ خوش بھی ہو گا۔

اس جملہ میں ایک عجیب حکیمانہ نکتہ بیان کیا جا رہا ہے کہ کسی شخص میں اگر کچھ خامی یا کوتاہی ہے تو اس میں کچھ خوبی بھی ہوتی ہے تو مرد کو نصیحت کی جارہی ہے کہ اگر عورت میں کچھ خامی نظر آئے جو اس کو ناپسند ہے تو اسے نظر انداز کر کے اس کی خوبیوں پر نظر رکھے اگر اس حکیمانہ نکتہ کو سامنے رکھا جائے گا تو گھروں میں جو جھگڑے کی شکایت ہوتی ہے وہ ختم ہو جائے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ ایک دوسری بات یہ ہے کہ جو بے عیب اور اپنے مزاج کے بالکل مطابق اپنا دوست تلاش کرے گا تو وہ ہمیشہ بے یار و مددگار ہی رہے گا۔ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی میں کچھ خوبی ہے تو کچھ برائی ہے۔ تو ترغیب دی جارہی ہے کہ اچھے خصائل کو پیش نظر رکھا جائے اور برے خصائل سے چشم پوشی کی جائے۔

عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ

وعن عمرو بن الأحوص الجُشَمي رضي الله عنه : أنَّهُ سَمِعَ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في حَجَّةِ الوَدَاعِ يَقُولُ بَعْدَ أنْ حَمِدَ الله تَعَالَى ، وَأثْنَى عَلَيهِ وَذَكَّرَ وَوَعظَ ، ثُمَّ قَالَ : " ألا وَاسْتَوصُوا بالنِّسَاءِ خَيْراً ، فَإنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئاً غَيْرَ ذلِكَ إلاَّ أنْ يَأتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ، فَإنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ في المَضَاجِعِ ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ ، فَإنْ أطَعْنَكُمْ فَلا تَبْغُوا عَلَيهِنَّ سَبيلاً ؛ ألاَ

إنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقّاً ، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقّاً ؛ فَحَقُّكُمْ عَلَيهِنَّ أنْ لا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تكرَهُونَ ، ولا يَأْذَنَّ في بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ ؛ ألاَ وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أنْ تُحْسِنُوا إلَيْهِنَّ في كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ " رواه الترمذي ، وقالَ : " حديث حسن صحيح " . قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " عَوان " أيْ : أسيرَاتٌ جَمْع عَانِيَة ، بالعَيْنِ المُهْمَلَةِ ، وَهِيَ الأسِيرَةُ ، والعاني : الأسير . شَبَّهَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المرأةَ في دخولها تَحْتَ حُكْمِ الزَّوْجِ بالأسير " وَالضَّرْبُ المبرِّحُ " : هُوَ الشَّاقُ الشَّدِيد وقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " فَلاَ تَبْغُوا عَلَيهِنَّ سَبِيلاً " أيْ : لاَ تَطْلُبُوا طَرِيقاً تَحْتَجُّونَ بهِ عَلَيهِنَّ وَتُؤْذُونَهُنَّ بهِ ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت عمرو بن الاحوص جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثناء کی' تذکیر و نصیحت فرمائی پھر فرمایا کہ دیکھو عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کہ تمہاری قیدی ہیں اور تم ان سے سوائے اس کے اور کسی شی کے مالک نہیں ہو' الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اگر ایسا کریں تو انہیں بستروں سے الگ کر دو اور انہیں مارو مگر مار دردناک نہ ہو' اگر وہ تمہاری فرمان برداری اختیار کریں تو ان پر اعتراض کا راستہ تلاش نہ کرو' سن لو کہ تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان لوگوں کو پاؤں نہ رکھنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں انہیں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو۔ اور سن لو ان کا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ ان کے کپڑے اور ان کے کھانے میں حسن سلوک کرو۔ (ترمذی' اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں بعد حمد و ثناء فرمایا اے لوگو! عورتوں سے حسن سلوک کرو' یہ اگرچہ بظاہر تمہاری قیدی بن گئی ہیں لیکن تم ماسواء فطری تعلق کے ان کے کسی بھی شیئے کے مالک نہیں ہو۔

ناگزیر حالات میں عورت کو سرزنش کرنے کی اجازت اسلام نے دی ہے لیکن احادیث مبارکہ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ نصیحت اور فہمائش پر زور ہو اور اگر مارنا ناگزیر ہو جائے تو وہ شدید نہ ہو اور اعتدال ملحوظ رہے۔

فرمایا کہ تمہاری بیویوں پر تمہارا حق ہے کہ وہ تمہارے مال کی اور تمہارے گھر کی حفاظت کریں اور کسی ایسے شخص کو گھر میں نہ آنے دیں جس کا آنا تمہیں پسند نہ ہو اور تمہاری بیویوں کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تم ان کے لباس کا' رہن سہن اور کھانے پینے کا خیال رکھو اور ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ۔ (روضۃ المتقین)

بیوی کے حقوق

وعن معاوية بن حيدة رضي الله عنه ، قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُول الله ، مَا حق زَوجَةِ أحَدِنَا عَلَيهِ ؟

قَالَ: " أنْ تُطْعِمَهَا إذَا طعِمْتَ، وَتَكسُوهَا إذَا اكْتَسَيْتَ، وَلاَ تَضْرِبِ الوَجْهَ، وَلا تُقَبِّحْ، وَلا تَهْجُرْ إلاَّ في البَيْتِ" حديثٌ حسنٌ رواه أَبُو داود وَقالَ: معنى " لا تُقَبِّحْ " أي: لا تقل: قبحكِ الله.

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کیا کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ فرمایا کہ جب تو کھائے اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسی بھی پہنائے، اور اس کے چہرے پر نہ مارو اور اس سے قبیح بات نہ کہو، اور اس سے علیحدگی نہ اختیار کرو مگر گھر میں۔ یہ حدیث حسن ہے اور اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

حدیث کی تشریح: شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اپنے معاشی حالات اور اپنی آمدنی کے مطابق بیوی کے لباس اور کھانے کا انتظام کرے اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرے اور اگر ناگزیر حالات میں بطور تنبیہ مارنے کی نوبت آئے تو چہرے پر نہ مارے اور نہ ایسے کلمات کہے جو بددعا پر مشتمل ہوں کیونکہ چہرہ انسانی شرف و کرامت کا مرکز ہے اس لیے چہرے پر مارنا انسانیت کی توہین ہے۔

فقہاء نے فرمایا ہے کہ شوہر کو چار مواقع پر بیوی کو مارنے کی اجازت ہے:

۱- شوہر کی خواہش کے علی الرغم بیوی کا زیب و زینت نہ کرنا۔

۲- فرائض نماز روزہ وغیرہ ترک کرنا۔

۳- شوہر کی مرضی اور اجازت کے بغیر گھر سے جانا۔

۴- شوہر سے ہم بستری کے لیے آمادہ نہ ہونا۔

نیز فرمایا کہ اگر بطور تادیب ان کو چھوڑنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ چھوڑنا گھر کے اندر ہو اور اس کو کسی اور گھر میں نہ منتقل کیا جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ" "کہ ان کو بستروں میں علیحدہ چھوڑ دو۔"

بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا

وعن أَبي هريرة رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أكْمَلُ المُؤمِنِينَ إيمَاناً أحْسَنُهُمْ خُلُقاً، وخِيَارُكُمْ خياركم لِنِسَائِهِمْ)) رواه الترمذي، وَقالَ: ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام ایمانداروں سے اکمل ترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور بہترین انسان تم میں سے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں (ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً: کہ بہترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں کیونکہ جب آدمی کامل ایمان والا ہوتا ہے تو وہ دوسرے کے ساتھ اچھے اخلاق واحسان کے ساتھ بھی پیش آتا ہے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کامل والے تھے تو اخلاق کامل والے بھی تھے اس کی شہادت حق تعالیٰ شانہٗ نے خود دی:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ: اور بے شک آپ عظیم اخلاق والے ہیں۔

"وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ"

اسکی وجہ محدثین فرماتے ہیں کہ عورتیں کمزور اور ضعیف ہوتی ہیں وہ آدمی کی شفقت اور احسان کی زیادہ مستحق ہوتی ہیں اسلئے آدمی خصوصیت کے ساتھ گھر والوں کیساتھ شفقت اور احسان کا معاملہ کرے۔ (روضۃ المتقین ۱، ۳۲۵)

عورتوں کو بلاوجہ مارنے کی ممانعت

وعن إياس بن عبد الله بن أبي ذباب رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لاَ تَضْرِبُوا إمَاء الله " فجاء عُمَرُ رضي الله عنه إلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ :ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلَى أزْوَاجِهِنَّ ، فَرَخَّصَ في ضَرْبِهِنَّ ، فَأطَافَ بآلِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثيرٌ يَشْكُونَ أزْوَاجَهُنَّ ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لَقَدْ أطَافَ بآلِ بَيتِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثيرٌ يَشْكُونَ أزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولَئِكَ بخِيَارِكُمْ " رواه أبو داود بإسناد صحيح.

قوله : " ذَئِرْنَ " هُوَ بذَال مُعْجَمَة مفْتوحَة ، ثُمَّ هَمْزة مَكْسُورَة ، ثُمَّ راءٍ سَاكِنَة ، ثُمَّ نُون ، أي : اجْتَرَأْنَ ، قوله : " أطَافَ " أيْ : أحَاطَ .

ترجمہ: حضرت ایاس بن عبداللہ بن ذباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی باندیوں کو مت مارو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! عورتیں اپنے شوہروں پر دلیر ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مارنے کی اجازت دیدی، اس کے بعد بہت سی عورتیں ازواج مطہرات کے پاس جمع ہو گئیں جو اپنے شوہروں کا شکوہ کر رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے پاس بہت سی عورتیں جمع ہو گئیں جو اپنے شوہروں کا شکوہ کر رہی تھیں، یہ لوگ تمہارے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ (ابوداؤد باسناد صحیح)

حدیث کی تشریح: قرآن کریم میں عورتوں کو بعض حالات میں مارنے کی اجازت دی گئی ہے اور یہ خاص حالات جن میں مارنے کی اجازت ہے عورت کی طرف سے نافرمانی (نشوز) کا اندیشہ ہونا ہے تو ان حالات میں یہ حکم ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ○

"اور جن کی نافرمانی کا تمہیں ڈر ہو، انہیں نصیحت کرو، ان کو بستر میں چھوڑ دو اور مارو۔" (النساء:۳۴)

یعنی اگر عورتوں کی طرف نافرمانی کا صدور ہو یا اس کا اندیشہ ہو تو پہلا درجہ ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ، سمجھانے سے باز نہ آئیں تو ان کا بستر علیحدہ کر دو تاکہ وہ شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے اپنے فعل پر نادم ہو جائیں اور جو اس سے بھی اثر نہ لے اس کو معمولی مار کی بھی اجازت ہے جس سے بدن پر کوئی اثر نہ پڑے۔ اگرچہ بدرجہ مجبوری خاص حالت میں مارنے کی اجازت دی گئی ہے مگر حدیث میں فرمایا گیا ہے: "ان یضرب خیارکم" (تمہارے اچھے مرد کبھی نہیں ماریں گے)

غرض متعدد احادیث میں بیویوں کو مارنے کی ممانعت آئی ہے جبکہ قرآن کریم میں اجازت دی گئی ہے بعض علماء نے اس کی تطبیق اس طرح بیان فرمائی ہے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمادیا تھا۔ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اس آیت کے نزول سے قبل منع فرمایا ہو لیکن جب عورتیں دلیر ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مارنے کی اجازت دے دی اور حکم قرآنی سے بھی اس کی تائید ہو گئی۔

ابن سعد اور بیہقی نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ پہلے مردوں کو مطلقاً عورتوں کو مارنے سے منع کر دیا گیا تھا مگر پھر عورتیں دلیر ہو گئیں تو پھر اجازت دیدی گئی۔ (واللہ اعلم)

(معارف القرآن ۲، ۴۰۰) (روضۃ المتقین ۱، ۳۲۵)

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما : أَنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((الدُّنْيَا مَتَاعٌ ، وَخَيرُ مَتَاعِهَا المَرْأَةُ الصَّالِحَةُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا ساز و سامان کا نام ہے اور دنیا کا بہترین ساز و سامان نیک عورت ہے۔"

حدیث کی تشریح: خَيْرُ مَتَاعِهَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جن چیزوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ان میں سب سے بہترین چیز نیک عورت ہے کیونکہ جہاں اچھی نیک سیرت صالح عورت دنیا کے کاموں میں مددگار ہوتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ وہ آخرت کے کاموں میں بھی مددگار اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ (مرقاۃ)

باب حق الزوج علَى المرأة
عورتوں پر مردوں کے حقوق

قَالَ اللہ تَعَالَى : ﴿ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء بِمَا فَضَّلَ اللہُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللہ ﴾ [النساء : ٣٤]

وأما الأحاديث فمنها حديث عمرو بن الأحوص السابق في الباب قبله .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:" مرد عورتوں پر قوام ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ انہوں نے اپنے اموال میں سے خرچ کیا ان میں سے جو نیک ہیں تابعدار ہیں اور پیٹھ پیچھے حفاظت کرنے والی ہیں اللہ کی حفاظت کی مدد سے۔" (النساء:۳۴)

اس مضمون کی احادیث میں سے عمرو بن الاحوص کی حدیث پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا عورتوں اور مردوں کو ایک ساتھ مخاطب فرمایا اور جو احکام' عبادات' معاملات' تمدنی اور معاشرتی زندگی سے متعلق مردوں کے لیے ہیں وہی عورتوں کے لیے بھی ہیں۔

لیکن عورت کی زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں جو فطری اور طبعی طور پر مرد سے مختلف ہیں۔ خاص طور پر ازدواجی اور عائلی زندگی عورت اور مرد کی مختلف ہے۔ اسی لیے عائلی اور ازدواجی زندگی سے متعلق احکام بھی قدرے مختلف ہیں۔

جس طرح ہر اجتماعی نظام کے لیے عقلاً اور عرفاً یہ ضروری ہے کہ اس میں کسی ایک کو ذمہ دار قرار دیا جائے خواہ وہ سربراہ یا حاکم ہو یا امیر ہو' اسی طرح عائلی نظام میں بھی ایک امیر یا سربراہ کی ضرورت ہے۔ مردوں میں بنسبت عورتوں کے علمی اور عملی قوت زیادہ ہوتی ہے جو اس قدر بدیہی ہے جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے عائلی زندگی کا سربراہ مرد کو مقرر فرمادیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم اور واجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں اور دونوں کے حقوق باہم مماثل ہیں لیکن ایک چیز میں مردوں کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ حاکم ہیں۔ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ تفوق مرد کو جو عورت پر حاصل ہوا ہے یہ کوئی استبدادی صورت نہیں ہے جو اس کے جی میں آئے کر گزرے بلکہ وہ قانون شریعت کا بھی پابند ہے اور مشورہ کا بھی پابند ہے کہ اپنے اہل خانہ سے مشورہ کر کے اپنے گھریلو امور کو انجام دے۔

"عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ" "کہ امور خانہ داری میں بیوی باہمی رضامندی سے اور مشورہ سے کام لے"

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مرد کی جس سربراہی یا حاکمیت کی بات قرآن کریم نے فرمائی ہے اس میں

نہ تو عورتوں کی حیثیت کو کم کیا گیا ہے اور نہ اس میں ایسی کوئی بات ہے جو عورتوں کے لیے گراں ہو۔ اس کے باوجود بھی اگر کسی قسم کی گرانی کا احتمال ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی مصلحت بھی بیان فرمادی ہے۔ یہ مصلحت دو پہلوؤں پر مشتمل ہے' ایک پہلو تو طبعی اور فطری ہے اور وہ یہ کہ مرد بنسبت عورت کے زیادہ عملی قوت رکھتا ہے اور عورت کی بہ نسبت زیادہ برداشت کا مالک ہے اور دوسرا پہلو شرعی ہے اور وہ یہ کہ اسلام نے معاشی جدوجہد اور بیوی بچوں کی کفالت کا ذمہ دار مرد کو قرار دیا ہے اور اسی کے ذمہ تمام عائلی مصارف لگائے گئے ہیں' ان دونوں پہلوؤں کے پیش نظر مناسب ہوا کہ قوت فیصلہ مرد کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ (معارف القرآن: ۲/۳۹۵)

خاوند کو ناراض کرنے والی پر فرشتوں کی لعنت

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَلَمْ تَأتِهِ ، فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا ، لَعَنَتْهَا المَلائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي رواية لهما : " إِذَا بَاتَت المَرأةُ هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا المَلاَئِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ " .
وفي رواية قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " والَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُو امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَتَأبَى عَلَيهِ إلاَّ كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطاً عَلَيْهَا حَتَّى يَرْضَى عَنها " .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خاوند اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے اور شوہر اس سے ناراض ہو کر رات گزارے تو فرشتے صبح ہونے تک اس عورت پر لعنت کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب عورت مرد کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت فرماتے ہیں۔

اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے اور وہ انکار کر دیتی ہے تو جو آسمان میں ہے وہ اس وقت تک اس سے ناراض رہتا ہے جب تک وہ خاوند اس سے راضی ہو جائے۔

حدیث کی تشریح: اسلام نے میاں بیوی کا علیحدہ علیحدہ حقوق و فرائض کا تعین کر دیا ہے اور ان کی اہمیت بھی واضح کر دی ہے۔ دراصل اسلام چاہتا ہے کہ خانگی زندگی پُر لطف' پُر کیف اور پُر امن ہو' یہ امن و آشتی کا گہوارہ ہو' اس میں میاں بیوی اگر اس طرح ایک دوسرے کے ساتھی اور رفیق ہوں جس طرح لباس آدمی کا رفیق اور ساتھی ہوتا ہے۔ لباس آدمی کے مطابق ہوتا ہے' اسے گرمی اور سردی سے بچاتا ہے' وہ اسے برہنگی سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی پردہ پوشی کرتا ہے' لباس اس کے لیے زیبائش و زینت بھی ہے۔ اسی طرح میاں بیوی باہم لباس کی طرح ہوں' ایک دوسرے کی

حفاظت کریں ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ پوشی کریں اور ایک دوسرے کے لیے زیبائش اور زینت ہوں۔

مقصود حدیث یہ ہے کہ عورت پر اپنے خاوند کی اطاعت واجب ہے۔ جب وہ اس کو بلائے اور اس کے پاس معقول عذر بھی نہ ہو اگر عورت اس کے بلانے پر اس کے حکم کی اطاعت نہ کرے گی تو وہ کبیرہ گناہ کی مرتکب ہونے کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دور کر دی جائے گی۔ (نزہۃ المتقین: ۱/۲۷۴)

شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنے کا حکم

وعن أبي هريرة رضي الله عنه أيضاً: أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((لاَ يَحِلُّ لامْرَأَةٍ أنْ تَصُومَ وزَوْجُهَا شَاهِدٌ إلاَّ بإذْنِهِ، وَلاَ تَأذَنَ في بَيْتِهِ إلاَّ بإذْنِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ وهذا لفظ البخاري.

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے لئے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر پر آنے کی اجازت نہ دے (بخاری و مسلم، اس حدیث کے الفاظ بخاری کے ہیں)۔"

حدیث کی تشریح: لَایَحِلُّ لِاِمْرَأَةٍ اَنْ تَصُوْمَ:

علماء نے اس روزہ سے نفلی روزہ مراد لیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے (وَمِنْ حَقِّ الزَّوْجِ عَلٰی زَوْجَتِهٖ اَنْ لَاّ تَصُوْمَ تَطَوُّعاً اِلاَّ بِاِذْنِهٖ اِنْ فَعَلَتْ لَمْ يُقْبَلْ) شوہر کا حق بیوی پر جو ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے اگر اس نے رکھ لیا تو قبول نہیں ہو گا۔ (رواہ طبرانی)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر کا حق بیوی سے فائدہ حاصل کرنے کا ہر وقت میں ہے اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھتی ہے تو شوہر کا حق فوت ہونے کی وجہ سے یہ روزہ جائز نہیں ہو گا۔ (شرح مسلم للنووی)

شَاهِدٌ: حاضر ہو۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر شوہر غائب ہو سفر وغیرہ میں ہو تو اب شوہر کی اجازت کے بغیر بھی یہ عورت روزہ رکھ سکتی ہے۔

وَلاتَاْذَنَ فِيْ بَيْتِهٖ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ:

شوہر کی طرف سے صریحاً اجازت ہو یا ضمناً ہو مثلاً گھر میں مہمان وغیرہ آتے ہیں تو ان کا اکرام خاوند کی عدم موجودگی میں بھی کر دیا جاتا ہے اس کی اجازت ضمناً ہوتی ہے اس لئے جائز ہو گا۔ (روضۃ المتقین)

ہر حکم سے ان کی رعایا کے متعلق قیامت کے دن سوال ہو گا

وعن ابن عمر رضي الله عنهما، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " كلكم رَاعٍ،

وَكُلُّكُم مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ : وَالأَمِيرُ رَاعٍ ، والرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيتِهِ ، وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِها وَوَلَدِهِ ، فَكُلُّكُم رَاعٍ ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ » مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سب حاکم ہو اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا اور امیر حاکم ہے۔ آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر بار اور اس کی اولاد پر نگہبان ہے پس تم سب لوگ حاکم ہو اور تم سب سے تمہاری رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: راعی کا مفہوم ہے ہر وہ شخص جو امین ہو' قابل اعتماد ہو اور اسے جب کوئی ذمہ داری سپرد کی جائے اسے پورا کرے' کوئی شے اس کی تحویل میں دی جائے تو اس کی حفاظت کرے۔ اس راعی (چرواہے) کی طرح جو جانوروں کی گلہ بانی کرتا ہے یعنی ان کی حفاظت بھی کرتا ہے' دیکھ بھال بھی کرتا ہے اور شام کو بحفاظت ان کے ٹھکانے پر پہنچا دیتا ہے۔

معاشرے کا ہر ہر فرد اپنی جگہ پر نگران اور محافظ ہے کیونکہ اس کے ذمہ لوگوں کے حقوق ہیں جو اسے ادا کرنے ہیں' کچھ فرائض ہیں جو اسے پورا کرنے ہیں' کچھ واجبات ہیں جو ادا کرنے ہیں اور ہر ایک ان حقوق و فرائض اور واجبات کے بارے میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔ ایک جماعت کا امیر بھی راعی ہے اسے بھی جواب دینا ہے اور ایک شخص بھی اپنے اہل بیت کا نگران ہے اسے بھی جواب دینا ہے' بیوی بھی ذمہ دار ہے' شوہر کے گھر کی اور اس کے بچوں کی اور اسے بھی جواب دینا ہے۔

اس لیے لازم ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق ادا کرے' فرائض کی تکمیل کرے اور واجبات کو پورا کرے اور ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق عمل کرے کیونکہ ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہو گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہر راعی سے روز قیامت میں سوال ہو گا کہ اس نے اللہ کا حکم پورا کیا یا اسے ضائع کر دیا۔ یہی مضمون حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر راعی سے اس شے کے بارے میں پوچھے گا جو اس کی نگرانی میں دی گئی کہ کیا اس نے حفاظت کی یا ضائع کر دیا۔

(فتح الباری: ۱/ ۶۲۴' روضۃ المتقین: ۱/ ۳۳۰' مظاہر حق جدید: ۳/ ۶۷۰)

جب بھی خاوند بلائے بیوی کو لبیک کہنا چاہیے

وعن أبي علي طَلْق بن علي رضي الله عنه : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَأْتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُور((۲)) . رواه الترمذي والنسائي ، وَقالَ الترمذي : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: ”حضرت ابو علی طلق بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو اس کو آنا چاہیے اگرچہ وہ تنور پر کیوں نہ ہو۔
(ترمذی، نسائی، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔“

حدیث کی تشریح

وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ:

مطلب یہ ہے کہ شوہر کے بلانے پر بیوی لبیک کہے اگرچہ بظاہر کسی چیز کے ضائع اور نقصان ہونے کا خطرہ بھی ہو نیز حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ شوہر کے بلانے پر وہ فوراً آجائے۔ کیونکہ اگر وہ تنور پر روٹی پکا رہی ہے تو چند منٹ کے بعد وہ فارغ ہو جائے گی مگر شریعت نے کہا کہ روٹی لگادی ہے تو اب شوہر نے بلالیا تو اب نکالنے کا انتظار بھی نہ کرے فوراً آجائے۔“ (مظاہر حق)

شوہر کی فضیلت

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: " لَوْ كُنْتُ آمِراً أحَداً أنْ يَسْجُدَ لأحَدٍ لأمَرْتُ المَرأةَ أنْ تَسْجُدَ لزَوجِهَا" رواه الترمذي، وَقالَ: " حديث حسن صحيح ".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے لیکن بیوی پر شوہر کے ایسے حقوق ہیں اور ان کی اس قدر اہمیت ہے کہ اگر کسی کے لیے سجدہ کی کوئی گنجائش ہوتی تو عورت کو کہا جاتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔ صاف ظاہر ہے کہ شریعت میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے لیکن یہ بات صرف اہمیت کے واضح کرنے کے لیے فرمائی گئی ہے۔

یہ حدیث ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی باغ میں داخل ہوئے تو وہاں دو اونٹ لڑ رہے تھے اور بلبلا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنی گردنیں زمین پر ٹکادیں۔ کسی صاحب نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' کہا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ کسی کو سجدہ کرے اور اگر کسی کے لیے کسی کو سجدہ کرنا موزوں ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر شوہر کا عظیم حق رکھا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۳۵۷' روضۃ المتقین: ۱/ ۳۳۱)

شوہر کو راضی رکھنے والی کیلئے جنت کی بشارت

وعن أم سَلَمَة رضي الله عنها ، قَالَتْ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَا تَتْ ، وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخلَتِ الجَنَّةَ " رواه الترمذي ، وَقَالَ : " حديث حسن "

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ جو عورت اس حال میں وفات پا گئی کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا' وہ جنت میں گئی۔

(ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: جس عورت نے تمام عمر اپنے شوہر کو خوش رکھا اس نے گویا اللہ کے بھی حقوق ادا کیے اور حقوق العباد بھی ادا کیے اور اسی حال میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئی تو وہ جنتی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۳/۳۶۰' دلیل الفالحین: ۲/۹۲)

حوروں کی ناراضگی

وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : " لاَ تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إلاَّ قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الحُورِ العِينِ لاَ تُؤذِيهِ قَاتَلَكِ اللهُ ! فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيلٌ يُوشِكُ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا " رواه الترمذي ، وَقَالَ : " حديث حسن " .

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو حور عین جو جنت میں اس کی بیوی ہوگی وہ کہتی ہے کہ تیرا برا ہو' اسے تکلیف نہ پہنچا' تیرے پاس تو یہ مہمان ہے جلد ہی یہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے گا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: جنت کی حوریں اس بیوی کو جو شوہر کو تکلیف پہنچائے کہتی ہیں کہ تو اسے تکلیف پہنچاتی ہے تیرے پاس تو یہ چند دن کا مہمان ہے ہمارے پاس آکر تو یہ ہمیشہ رہے گا۔

مطلب یہ ہے کہ متقی شوہر کی بیوی کو اس کا زیادہ خیال کرنا چاہیے اور کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اسے تکلیف پہنچے۔

(تحفۃ الاحوذی: ۴/۳۶۰)

باب النفقة عَلَى العيال
اہل وعیال پر خرچ کرنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوف ﴾ [البقرة : ۲۳۳]

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور باپ پر ہے کھانا کپڑا ان عورتوں کا دستور کے موافق۔“

تفسیر پہلی آیت مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ بچہ کی کفالت اوراس کے مصارف باپ کے ذمہ ہیں۔اسی طرح ماں کا نفقہ اور ضروریات زندگی باپ کے ذمہ ہیں۔جب تک بچہ کی ماں باپ کے نکاح میں موجود ہے یا اگر طلاق ہوگئی ہے تو عدت کے دوران بھی ماں کے مصارف باپ کے ذمہ ہیں۔

اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر ماں باپ دونوں امیر یا دونوں غریب ہوں تو نفقہ میں ان کی معاشی حالت کا لحاظ رکھا جائے گا لیکن اگر ماں غریب اور باپ مالدار ہو تو صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ نفقہ درمیانہ ہوگا اور امام کرخیؒ کے نزدیک ہر حالت میں باپ کی معاشی حالت کے مطابق نفقہ دیا جائے گا۔فتح القدیر میں بہت سے فقہاء کا فتویٰ اسی قول کے مطابق نقل کیا گیا ہے۔(معارف القرآن:۱/۵۸۰، تفسیر مظہری)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللهُ لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلاَّ مَا آتَاهَا ﴾ [الطلاق : ۷]

ترجمہ اور فرمایا: ”وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرے اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے۔“ (الطلاق:۷)

تفسیر: دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ بچہ کی تربیت کا خرچ باپ پر ہے۔وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق اور کم حیثیت کو اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔اگر کسی شخص کو زیادہ فراخی نصیب نہ ہو تو جتنی روزی اللہ نے دی ہو اور وہ اسی میں سے اپنی گنجائش کے موافق خرچ کیا کرے، اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

معلوم ہوا کہ نفقہ میں باپ کی حالت کا اعتبار ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔
(تفسیر عثمانی، تفسیر مظہری، معارف القرآن:۷/۴۹۲، فتح القدیر:۳/۴۲۲)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُه ﴾ [سبأ : ۳۹] .

ترجمہ اور فرمایا: ”جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ اس کا صلہ دیتا ہے۔“ (النساء:۳۹)

تفسیر: تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رزق کی تنگی کا خوف دل میں نہ لائیں جو رزق مقدر ہے وہ ضرور پہنچ کر رہے گا اور اس میں خرچ کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جو کچھ تم اللہ کے احکام کے مطابق خرچ کرو گے اللہ اس کا صلہ تمہیں ضرور دے گا۔(تفسیر عثمانی)

اہل و عیال کو کھانا کھلانے کی فضیلت

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ ، وَدِينار أنفقتَهُ فِي رَقَبَةٍ ، وَدِينارٌ تَصدَّقْتَ بهِ عَلَى مِسْكِينٍ ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ ، أَعْظَمُهَا أَجْراً الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار وہ ہے جس کو تم نے فی سبیل اللہ خرچ کیا' ایک دینار وہ ہے جو تم نے غلام آزاد کرنے میں خرچ کیا' ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی مسکین کو دیدیا اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا' ان سب میں سے زیادہ اجر والا دینار وہ ہے جو تم نے اپنے اہل و عیال پر صرف کیا۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب عظیم بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ بیوی بچوں پر خرچ کرنا جہاد فی سبیل اللہ' غلام آزاد کرنے اور نفلی صدقہ سے بھی افضل ہے۔ اس لیے کہ اہل و عیال پر خرچ کرنا فرض ہے اور فرض واجب نفلی مصارف پر مقدم ہے۔ نیز اس حدیث میں نفلی انفاق کے مراتب بھی بیان کر دیئے گئے جن میں سے اعلیٰ اللہ کی راہ میں جہاد پر خرچ کرنا ہے۔(شرح مسلم للنووی: ۷ر۷۱' روضۃ المتقین: ار ۴۴۳)

افضل ترین صدقہ

وعن أَبي عبد الله ، ويُقالُ لَهُ : أبو عبد الرحمان ثَوبَان بن بُجْدُد مَوْلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "أَفْضَلُ دِينَار يُنْفقُهُ الرَّجُلُ : دِينَارٌ يُنْفِقُهُ عَلَى عِيَالِهِ ، وَدينَارٌ يُنْفقُهُ عَلَى دَابَّتِهِ فِي سَبيلِ الله ، وَدِينَارٌ يُنْفقُهُ عَلَى أَصْحَابهِ فِي سَبِيلِ اللهِ " رواه مسلم .

ترجمہ: ابو عبید اللہ جنہیں ابو عبد الرحمٰن ثوبان بن بجدد کہا جاتا ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے افضل دینار جو آدمی خرچ کرتا ہے وہ دینار ہے جو وہ اپنے عیال پر خرچ کرے اور وہ دینار ہے جو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کی خاطر اپنی سواری پر صرف کرے اور وہ دینار ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: سب سے زیادہ اجر و ثواب والا انفاق وہ ہے جو آدمی اپنے بیوی بچوں پر کرے۔ ابو قلابہ

نے فرمایا کہ اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے ذکر سے ابتداء کی۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی فضیلت اور اجر و ثواب کا کام ہے کیونکہ یہ افراد آدمی کی زیر کفالت ہیں اور ان پر صرف کرنا واجب ہے اور واجب کی تکمیل مقدم بھی ہے اور افضل بھی۔

اس کے بعد ذکر فرمایا کہ پھر وہ انفاق ہے جو آدمی اپنی اس سواری پر کرے جسے اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے تیار کر رہا ہے اور پھر وہ انفاق ہے جو آدمی اپنے مجاہد ساتھیوں پر کرے۔ (روضۃ المتقین:ار۳۴۴،شرح مسلم للنووی:۷/۲۷)

وعن أمِّ سَلمَةَ رَضيَ الله عنها ، قَالَتْ : قُلْتُ : يَا رَسُول الله ، هَلْ لِي أجرٌ فِي بَنِي أَبي سَلَمَةَ أنْ أُنْفِقَ عَلَيْهِمْ ، وَلَسْتُ بتَاركتهمْ هكَذَا وَهكَذَا إنَّمَا هُمْ بَنِيّ ؟ فَقَالَ : ((نَعَمْ ، لَكِ أجْرُ مَا أنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اگر میں اولاد ابو سلمہ پر خرچ کروں تو کیا ان کا مجھے ثواب ملے گا جب کہ میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی کہ وہ دائیں یا بائیں (روزی کی تلاش میں سرگرداں ہوں) اس لئے کہ وہ تو میرے لڑکے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں تجھے ان پر خرچ کرنے کی وجہ سے ثواب حاصل ہوگا۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ: حضرت اُمّ المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں اور ابو سلمہ سے چار بچے (۱) عمر (۲) زینب (۳) درہ (۴) محمد۔

کیا مجھے اپنے بیٹوں پر خرچ کرنے کا ثواب ملے گا اس میں دو احتمال

هَلْ لِّیْ فِیْ بَنِیْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَجْرٌ؟ اگر میں اولاد ابو سلمہ پر خرچ کروں تو مجھے ثواب ملے گا۔

اس حدیث میں محدثین کے نزدیک دو احتمال ہیں (۱) پہلا احتمال:۔ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو سلمہ کے ان بچوں کے بارے میں سوال کیا جو ان کے بطن سے ہوئے تھے، یہ اُمّ سلمہ کے حقیقی بیٹے تھے کہ ان کو یہ خرچ دیا کرتی تھیں تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَكِ أَجْرُمَا اَنْفَقْتِ عَلَیْهِمْ:

دوسرا احتمال:۔ حدیث بالا میں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی شادی اُمّ سلمہ سے پہلے دوسری عورت سے ہوئی تھی جس سے ابو سلمہ کے کچھ بچے تھے تو اب اس صورت میں یہ بچے اُمّ سلمہ کے سوتیلے بیٹے ہوئے تو اب اُمّ سلمہ ان بچوں کے بارے میں سوال کر رہی ہیں کہ ان سوتیلے بیٹوں پر خرچ کرنے کا بھی مجھے ثواب ملے گا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْهِمْ" تم کو ان پر خرچ کرنے کی وجہ سے اجر ملے گا۔

اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرنیوالے کی فضیلت

وعن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه في حديثه الطويل الَّذِي قدمناه في أول الكتاب

فِي بابِ النِّيَةِ : أنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ لَهُ : " وإنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وجْهَ اللهِ إلاَّ أُجِرْتَ بِهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِيِّ امرأتِك " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی ایک طویل حدیث میں بیان کیا کہ جو ہم اول کتاب میں باب نیت میں ذکر کر چکے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ تم اللہ کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہو تمہیں اس پر ضرور اجر ملے گا' یہاں تک کہ تم اگر بیوی کے منہ میں ایک نوالہ دو گے اس کا بھی اجر ملے گا۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث یہ ہے کہ ہر عمل جو آدمی اخلاص سے اور حسن نیت سے اور طلب رضائے الٰہی کے لیے کرے اس پر اللہ کے یہاں اجر و ثواب ہے خواہ بظاہر وہ عمل بہت ہی چھوٹا اور معمولی کیوں نہ ہو اور خواہ بظاہر وہ ایسا عمل ہو جس میں انسان کا اپنا حظ نفس بھی شامل ہو۔ چنانچہ فرمایا جو بھی کچھ تم اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرو گے اس پر تمہیں اجر ملے گا حتیٰ کہ اگر بیوی کے منہ میں لقمہ بھی رکھ دیا تو اس پر بھی اجر ملے گا حالانکہ بظاہر یہ عمل مختصر سا اور معمولی سا ہے اور اس میں حظ نفس بھی بظاہر موجود ہے لیکن اگر یہی عمل اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا ہے اور یہ ملاطفت اور دلجوئی کا اظہار بھی حسن معاشرت میں داخل ہے تو بلا شبہ یہ بھی باعث اجر و ثواب ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بیوی کے منہ میں لقمہ دینے کا اجر و ثواب ہے تو اندازہ کیجئے کہ ایک فقیر و مسکین کو کھلانے کا کس قدر اجر و ثواب ہو گا کہ بیوی کو کھلانے میں بظاہر داعیہ نفس بھی موجود ہے جبکہ محتاج کو کھلانے میں یہ بھی موجود نہیں ہے۔

غرض حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی سے ملاطفت' اس پر نرمی اور مہربانی' اس پر ایثار اور اس کا اکرام یہ تمام امور حسن معاشرت کا حصہ ہیں اور ان سب پر اجر و ثواب ہے۔(روضۃ المتقین:۱/۲۳۵' دلیل الفالحین:۲/۹۶)

خرچ کرنیکی ایک اور فضیلت

وعن أَبي مسعود البدري رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :"إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً يَحْتَسِبُهَا فَهِيَ لَهُ صَدَقَةٌ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے حق میں صدقہ ہے۔(متفق علیہ)

حسب حسبًا: (باب نصر) گننا' شمار کرنا۔ احتساب: کسی کام کو ثواب کی نیت سے کرنا۔

حدیث کی تشریح: حدیث سابق میں بھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہے کہ صاحب ایمان کے جملہ امور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تابع اور اللہ کی رضا کے لیے ہوتے ہیں اور حسن نیت سے مباح امور بھی باعث اجر و ثواب بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل و عیال پر خرچ کرنا واجب ہے اور واجب اور فرض کی ادائیگی

باعث اجر و ثواب ہے اور جب آدمی نیت بھی کرے کہ اے اللہ! تیرے حکم کی تعمیل میں اپنی اولاد پر خرچ کر رہا ہوں‘ اے اللہ! مجھے اس پر اجر عطا فرمائیے تو یہ خرچ کرنا اس کے حق میں صدقہ ہو گیا۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل خانہ پر انفاق واجب ہے اور جو اس واجب کو ادا کرے گا اسے اس کی نیت کے مطابق ثواب ملے گا اور واجب ہونے اور اسے صدقہ کہنے میں کوئی تعارض نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نفلی صدقہ سے افضل ہے۔

مہلب نے فرمایا: مسلمانوں کو معلوم ہے کہ صدقہ میں کتنا اجر ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خانہ پر خرچ کرنے کو بھی صدقہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ اجماعاً واجب ہے کہ کہیں یہ نہ ہو کہ کوئی مسلمان صدقہ کی فضیلت اور اس کا اجر و ثواب دیکھ کر جو مال اسے گھر والوں پر خرچ کرنا تھا وہ صدقہ کر دے‘ اس لیے فرمایا کہ اہل خانہ پر خرچ کرنا واجب بھی ہے اور صدقہ بھی ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انفاق کا اجر نیت سے وابستہ ہے خواہ وہ انفاق واجب ہو یا غیر واجب۔ یعنی جس صورت میں تقرب الی اللہ اور رضائے الٰہی کی اور حصول اجر و ثواب کی نیت کی وہ صدقہ ہو گیا اور اس پر ثواب متعین ہو گیا۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۷۷‘ شرح صحیح مسلم للنووی: ۷/ ۷۷‘ روضۃ المتقین: ۱/ ۳۳۶)

ماتحت افراد کے حقوق ضائع کرنا گنہگار ہونے کے لیے کافی ہے

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " كَفَى بِالْمَرْءِ إثْماً أنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ " حديث صحيح رواه أبُو داود وغيره . ورواه مسلم في صحيحه بمعناه ، قَالَ : " كَفَى بالْمَرْءِ إثْمَاً أنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ " .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ جس کو کھلانے کا وہ ذمہ دار ہے ان کو ضائع کر دے۔

(حدیث صحیح ہے۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسی معنی میں یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ آدمی کے گناہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ ذمہ دار ہے وہ ان سے روک لے۔

حدیث کی تشریح: احادیث سابقہ میں بیان ہو چکا ہے کہ اہل و عیال پر خرچ کرنا واجب بھی اور باعث اجر و ثواب بھی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا کہ اہل و عیال کے نفقہ کو ضائع کرنا گناہ ہے اور باعث مواخذہ ہے اور اہل و عیال کے نفقہ کو ضائع کرنا اور انہیں نہ دینا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر یہی ایک گناہ ہو تو روز آخرت وہ شدید مواخذہ میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ (روضۃ المتقین: ۱/ ۳۳۷)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَا مِنْ يَوْمٍ

يُصْبِحُ العِبَادُ فِيهِ إلاَّ مَلَكان يَنزِلاَن ، فَيقُولُ أحَدُهُمَا : اللَّهُمَّ أعْطِ مُنْفقاً خَلَفاً ، وَيقُولُ الآخَرُ : اللَّهُمَّ أعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے آسمانوں سے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے انسان کو اس کا نعم البدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے اے اللہ! بخیل کے مال کو تلف فرما۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: ایک دوسری روایت میں آتا ہے جب بھی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں طرف دو فرشتے اعلان کرتے ہیں جس کو جن وانس کے سوا سب سنتے ہیں کہ اے لوگوں! اپنے رب کی طرف چلو تھوڑی چیز جو کفایت کا درجہ رکھتی ہو اس زیادہ مقدار سے بہت بہتر ہے جو اللہ سے غافل کر دے۔

کنز العمال کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں جن کے متعلق صرف یہی کام ہے کوئی دوسرا کام نہیں، ایک کہتا رہتا ہے یا اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے یا اللہ! روک کر رکھنے والے کو ہلاک و برباد فرما۔" (کنز العمال)

بہتر صدقہ وہ ہے جس میں دکھاوا نہ ہو

وعنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " اليَدُ العُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى ، وَابْدَأ بِمَنْ تَعُولُ ، وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنىً ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کی ابتداء اپنے اہل و عیال سے کرو، اچھا صدقہ وہ ہے جو تونگری کے ساتھ ہو، جو شخص سوال سے بچے اللہ اسے بچا لیتا ہے اور طالب غنا کو اللہ غنی کر دیتا ہے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اور لطیف پیرایہ بیان کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی دینے والا انسان لینے والے انسان سے بہتر ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے جو حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ دینے والے کے ہاتھ کے اوپر ہے اور دینے والے کا ہاتھ اس سے اوپر جسے دیا جا رہا ہے اور جسے دیا جا رہا ہے اس کا ہاتھ سب سے نیچے ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ تین ہیں اللہ کا ہاتھ جو بلند تر ہے، پھر دینے والے کا ہاتھ اور پھر جسے دیا جا رہا ہے اس کا ہاتھ سب سے نیچے ہے۔

فرمایا کہ دینے کی ابتداء اور خرچ کرنے کا آغاز ان لوگوں سے کرو جو تمہارے زیر کفالت ہوں اور اس کے بعد دیگر وجوہ خیر میں خرچ کرو اور بہترین صدقہ وہ ہے کہ اس کے دینے کے بعد بھی تمہارے پاس بقدر ضرورت باقی رہے یعنی افضل صدقہ وہ ہے جو جملہ حقوق واجبات کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے تاکہ متصدق کی احتیاج باقی نہ رہے اور کچھ نہ کچھ حاجات ضروریہ کے لیے بچ رہے۔ (فتح الباری: ۱/۲۸، روضۃ المتقین: ۱/۳۴۹، دلیل الفالحین: ۱/۹۹)

باب الإنفاق مِمَّا يُحِبُّ ومن الجيِّد
محبوب اور عمدہ شے کو اللہ کے راستے میں دینا

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ [آل عمران :۹۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیزوں میں سے کچھ۔“

تفسیر: اس آیت میں ارشاد ہے کہ اپنے محبوب ترین مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو، تب تمہیں کمال بر حاصل ہوگا یعنی جس قدر کوئی چیز پیاری اور محبوب اور چنیدہ ہو، اسے اخلاص و حسن نیت سے اللہ کے راستے میں خرچ کردو گے تو اسی کے مطابق اللہ کے یہاں بدلہ پاؤ گے یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہو اس کے خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الأَرْضِ وَلا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ ﴾ [البقرة : ۲٦٧] .

ترجمہ نیز فرمایا: ”اے اہل ایمان! خرچ کرو عمدہ چیزیں جو تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرو۔“

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ اے اہل ایمان! عند اللہ صدقہ کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کے راستے میں دے رہے ہو وہ حلال و طیب ہوں اس میں کوئی شائبہ بھی اس بات کا نہ ہو کہ وہ تمہارے پاس کسی غیر مناسب طریقے سے آئی ہے، اچھی سے اچھی چیز اور طیب و پاکیزہ چیز جو تم نے خود کمائی ہو یا اللہ نے زمین سے اگائی ہو اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور گری پڑی اپنی ضرورت سے فالتو چیزیں اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ نہ کرو یعنی ایسی چیز جسے خود تمہیں کوئی دے تو تم اسے لینے کو تیار نہ ہو، یعنی پیمانہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کو کوئی اگر تمہیں دے تو تم اسے خوشی اور شوق سے لے لو، یہ ایسی چیز ہے جو اللہ کے راستے میں دینے کی ہے اور کمال بر یہ ہے کہ وہ چیز اللہ کی راہ میں دو جو تمہارے لیے سب سے محبوب ہو۔ جیسا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ نے اپنا باغ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر عثمانی)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنا باغ وقف کردینا

عن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَ أَبُو طَلْحَةَ رضي الله عنه أَكْثَرَ الأَنْصَار بالمَدِينَةِ مَالاً

مِنْ نَخْلٍ ، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوالِهِ إلَيْه بَيْرَحَاء ، وَكَانتْ مُسْتَقْبلَةَ المَسْجدِ وَكَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخلُهَا وَيَشْربُ مِنْ مَاء فِيهَا طَيِّب . قَالَ أَنسٌ : فَلَمَّا نَزَلَتْ هذِهِ الآيَةُ: ﴿ لَنْ تَنالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ قام أَبُو طَلْحَةَ إلى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُول الله ، إنَّ الله تَعَالَى أَنْزَلَ عَلَيْكَ : ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ وَإنَّ أَحَبَّ مَالِي إلَيَّ بَيْرَحَاءُ ، وَإنَّها صَدَقَةٌ للهِ تَعالَى ، أَرْجُو بِرَّهَا ، وَذُخْرَهَا عِنْدَ الله تَعالَى ، فَضَعْهَا يا رَسُول الله حَيْثُ أَرَاكَ الله ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((بَخ(٢)) ! ذلِكَ مَالٌ رَابحٌ ، ذلِكَ مَالٌ رَابحٌ ، وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ ، وَإِنِّي أَرى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الأَقْرَبِينَ)) ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَفْعَلُ يَا رَسُول الله ، فَقَسَّمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ ، وبَنِي عَمِّهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مالٌ رابحٌ)) ، رُوِيَ في الصحيحين ((رابحٌ)) و((رايحٌ)) بالباء الموحدة وبالياء المثناة ، أي : رايح عَلَيْكَ نفعه ، وَ((بَيرَحَاءُ)) : حديقة نخلٍ ، وروي بكسرِ الباء وَفتحِها .

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تمام انصار سے زیادہ کھجوروں کے باغ کے مالک تھے اور اپنے تمام مال سے ”بیر حاء“ باغ زیادہ محبوب تھا اور یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا عمدہ پانی بھی نوش فرماتے تھے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم کبھی نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے تو حضرت ابو طلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے کہ ”تم نیکی کے کامل درجہ کو حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے“ میرا یہ باغ بیر حاء سب سے زیادہ مجھے پسندیدہ ہے اور میں اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اس کے اجر وثواب کا اللہ سے امیدوار ہوں لہٰذا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس باغ کو تقسیم فرمائیں جیسے اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ واہ! یہ مال بہت مفید ہے تیرا یہ مال بہت مفید ہے میں نے تمہاری تمام بات سن لی۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم اسکو اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کو بانٹ دو۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اسی طرح کر لیتا ہوں۔ چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں کو تقسیم کر دیا۔“

مال رابح صحیح روایات میں باء موحدہ کے ساتھ ہے اور یاء مثناۃ کے ساتھ دونوں طرح مروی ہے یعنی اس کا فائدہ تم کو حاصل ہوگا۔

بیر حاء کھجوروں کو باغ کہتے ہیں با کے کسرہ اور فتح کے ساتھ مروی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دینی جذبات

حدیث کی تشریح: اس حدیث میں صحابہ کے دینی جذبات اور کمال ایمان کا ذکر ہے جو اللہ و رسول کی اطاعت اور قیامت کے دن اعلیٰ درجات حاصل کرنے کا ان کے اندر تھا۔ کہ صرف ایک آیت کے سننے کے بعد حضرت طلحہ نے اپنے محبوب و پسندیدہ باغ کو ایک دم خرچ کر دیا۔ یہ صرف حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں کیا بلکہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جس صحابی کو جو چیز محبوب تھی اس نے اس کو اللہ کے نام پر دے دی۔

مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مجھے اس آیت شریفہ کے نزول کا علم ہوا تو میں نے ان سب چیزوں پر غور کیا جو اللہ جل شانہ نے مجھے عطا فرمائی تھیں میں نے دیکھا کہ مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اپنی باندی تھی جس کا نام مرجانہ تھا میں نے فوراً اس کو آزاد کر دیا۔ میں آزاد کرنے کے بعد اس سے نکاح کر سکتا تھا مگر میں نے اس طرح کرنا بھی پسند نہیں کیا، اس کا نکاح اپنے غلام حضرت نافع رحمہ اللہ سے کر دیا۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جلولاء کی باندیوں میں سے ایک باندی میرے لئے خرید کر بھیجے۔ جب وہ باندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور پھر یہ آیت: لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ: پڑھی اور اس کو آزاد کر دیا۔

اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس سب سے زیادہ محبوب ان کا گھوڑا تھا اس آیت کے نزول کے بعد وہ اس گھوڑے کو آپ کے پاس لے کر حاضر ہوئے اور صدقہ کر دیا آپ نے یہ گھوڑا حضرت اسامہ کو دیدیا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما غرباء میں شکر تقسیم کیا کرتے تھے کسی خادم نے عرض کیا کہ شکر کے بجائے کھانا دیا کریں تو زیادہ اچھا ہے اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہے:

لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ: مجھے شکر زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ (در منثور)

اسی طرح صحابہ کے بہت سے واقعات ہیں جو اس آیت کے نزول کے بعد انہوں نے اس آیت پر عمل کرنے کیلئے کئے۔

باب وجوب أمره أهله وأولاده المميزين وسائر من في رعيته بطاعة الله تعالى ونهيهم عن المخالفة وتأديبهم ومنعهم عن ارتكاب منهي عنه

اپنے اہل وعیال اور دیگر تمام متعلقین کو اللہ کی اطاعت کرنے کا حکم دینا اور ان کو اللہ کی مخالفت سے روکنے انہیں سزا دینے اور اللہ کی منع کردہ چیزوں کے ارتکاب سے انہیں باز رکھنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طه : ۱۳].

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور خود اس پر قائم رہو۔"

تفسیر: "اَهْلَهٗ" اہل سے مراد بیوی، اولاد اور متعلقین ہیں بعض نے قوم قبیلہ، بعض کے نزدیک ہم مذہب (یعنی مسلمان) سب ہی داخل ہیں جس سے ماحول اور معاشرہ بنتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے آواز لگاتے الصلوٰۃ الصلوٰۃ (تفسیر قرطبی)

اسی طرح صاحب قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب امراء وسلاطین کی دولت وحشمت پر ان کی نظر پڑتی تو اپنے گھر لوٹ جاتے اور گھر والوں کو نماز کی دعوت دیتے اور پھر اس آیت بالا کی تلاوت فرماتے۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب رات کو تہجد کے لئے جاگتے تو اپنے گھر والوں کو بھی اٹھاتے اور آیت بالا ان کو سناتے۔ (تفسیر قرطبی ومعارف القرآن ۶/۱۶۵)

وَقَالَ تَعَالٰى: (يَا يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً) (التحریم:۶)

ترجمہ: اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "مؤمنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچاؤ۔"

تفسیر: اس آیت کے نزول کے بعد صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اہل وعیال کو کس طرح ہم جہنم سے بچائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ان کو ایسے کاموں کا حکم کرتے رہو جن سے اللہ جل شانہ راضی ہوں اور ایسی چیزوں سے روکتے رہو جو اللہ تعالیٰ شانہ کو ناپسند ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے اہل کو خیر کی باتوں کی تعلیم اور تنبیہ کرتے رہو۔ (در منثور)

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرات فقہاء نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال و حرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کرے۔ (معارف القرآن ۸/۵۰۳)

سید کیلئے صدقہ زکوۃ حرام ہے

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : أخذ الحسن بن علي رضي الله عنهما تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا في فِيهِ ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " كَخْ كَخْ إرْمِ بهَا ، أمَا عَلِمْتَ أنَّا لا نَأكُلُ الصَّدَقَةَ !؟ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي رواية : " أنَّا لا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ " .

وقوله : " كَخْ كَخْ " يقال : بإسكان الخاء ، ويقال : بكسرها مَعَ التنوين وهي كلمة زجر للصبي عن المستقذراتِ ، وكان الحسن رضي الله عنه صبياً .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقات کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھالی اور اسے اپنے منہ میں رکھ لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوک دو' تھوک دو' اسے پھینک دو' تمہیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے۔ کخ کخ: تنبیہی کلمہ ہے بچہ کو اس وقت بولا جاتا ہے جب اس نے کوئی گندی چیز منہ میں لے لی ہو' اس وقت حضرت حسن بچے تھے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں بیان ہوا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مال صدقہ حلال نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ حلال نہیں ہے اور آل محمد بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں اور چونکہ انہیں صدقہ حلال نہیں ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سہم ذوی القربی میں سے حصہ دیا' یہ عطیہ صدقہ کے حلال نہ ہونے کا بدل اور صلہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے احکام سے بچوں کو بچپن ہی سے واقف کرانا چاہیے۔ اگر وہ کہیں کوتاہی کریں تو انہیں تنبیہ کی جائے اور یاد دلایا جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی بچے ہی تھے' انہوں نے صدقہ کی کھجور منہ میں رکھ لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوک دو تھوک دو اسے پھینک دو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے اور تمہیں اس کا علم ہے اور جب تمہیں علم ہے تو تم نے کھجور منہ میں کیوں رکھ لی۔ (فتح الباری: ۱/ ۸۵۳' (حدیث ۱۴۹۱) روضۃ المتقین: ۱/ ۳۴۲)

کھانے کے آداب

وعن أبي حفص عمر بن أبي سلمة عبد الله بن عبد الأسدِ ربيبِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : كُنْتُ غلاماً في حجر رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ يَدي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ ، فَقَالَ لِي رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يا غُلامُ ، سَمِّ الله تَعالَى ، وَكُلْ بيَمِينكَ ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ " فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِي بَعْدُ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

" وَتَطِيشُ " : تدور في نواحِي الصحفة .

ترجمہ: حضرت ابو حفص عمرو بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش تھے' بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش ابھی بچہ تھا اور میرا ہاتھ کھانا کھاتے وقت پیالے میں اِدھر اُدھر چلا جاتا تھا' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکے بسم اللہ پڑھو' اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے بعد میرا ہمیشہ یہی طریقہ رہا۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو ان کے ابو سلمہ سے فرزند عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی چھوٹے تھے۔ اس لیے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تربیت تھے یعنی عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے۔ ربیب اس بچے کو کہتے ہیں جو کسی کی بیوی کا اس کے پہلے شوہر سے ہو اور دوسرے شوہر کے زیر پرورش رہا۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں چھوٹا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور پیالہ میں کبھی اِدھر ہاتھ ڈالتا اور کبھی اُدھر' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکے' بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ' سیدھے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

کھانے کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا باعث برکت ہے اور شیطان کھانے سے دور ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے گھر آتا ہے اور گھر میں آتے وقت اور کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان (اپنے ہم جنسوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہارے لیے نہ رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا کھانے کی اور اگر گھر میں آیا اور اللہ کا نام نہیں لیا تو شیطان کہتا ہے: آجاؤ تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی اور جب وہ کھانے کے وقت بھی اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے رات گزارنے کی جگہ بھی مل گئی اور رات کا کھانا بھی مل گیا۔

سیدھے ہاتھ سے کھانے کا حکم وجوب کے لیے ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھائے تو اپنے سیدھے ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو سیدھے ہاتھ سے پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی حدیث میں صریحاً ممانعت کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے اُلٹے ہاتھ سے مت کھاؤ کہ شیطان اُلٹے ہاتھ سے کھاتا ہے۔

اور فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ' کیوں کہ اِدھر اُدھر سے کھانا خلاف ادب ہے اور اس سے کھانے والے کو تکلیف ہوگی۔ خاص طور پر جبکہ کھانا شوربہ کی قسم کا ہو۔ البتہ اگر ایک ہی برتن میں مختلف النوع خشک اشیاء ہوں تب اجازت ہے کہ آدمی اس میں سے جس طرف سے چاہے لے لے۔

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی بچے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانا کھانے کے مذکورہ آداب ارشاد فرمائے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت سے ان آداب کی پابندی کر رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کس طرح احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے تھے اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ان کا معیار کس قدر بلند تھا۔ (فتح الباری: ۲/۴/۱۱۴۴ (حدیث ۵۳۷۶) روضۃ المتقین: ۱/۴۴۴ دلیل الفالحین: ۱/۱۰۷ صحیح مسلم بشرح النووی: ۳/۲/۱۷۲ عمدۃ القاری: ۲۱/۲۸)

ہر سرپرست سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : سمعت رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " كُلُّكُمْ رَاعٍ ، وَكُلُّكُمْ مسؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ : الإمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، والرَّجُلُ رَاعٍ في أهْلِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، وَالمَرْأةُ رَاعِيَةٌ في بيْتِ زَوْجِها وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا ، وَالخَادِمُ رَاعٍ في مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم سب نگران ہو اور تم سب سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا' امام راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا' اور آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا' عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور وہ اپنی رعیت کی جواب دہ ہے' خادم اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے' تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت پر مسئول ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: یہ حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے۔ دراصل محدثین کرام کا طریقہ یہی ہے کہ ایک حدیث جو مختلف فقہی احکام پر دلالت کرتی ہے اسے مختلف ابواب میں مکرر درج کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ میں مکرر کی یہی وجہ ہے۔

بچوں کو نماز سکھانے کا حکم

وعن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جدهِ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مُرُوا أوْلادَكُمْ بِالصَّلاةِ وَهُمْ أبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا ،

وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ " حديث حسن رواه أبُو داود بإسناد حسن .

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور انہیں مار کر نماز پڑھواؤ جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور ان کے بستر الگ کر دو۔ (یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد نے باسناد حسن روایت کیا ہے)

حدیث کی تشریح: بچوں کی تعلیم و تربیت کو بچپن ہی سے شروع کر دینا چاہیے تاکہ احکام شریعت ان کی طبیعتوں میں راسخ ہو جائیں اور پھر کبھی ان کے دل سے نہ نکلیں۔ اس کے ساتھ ہی بچوں کے ذہنوں میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈالنی چاہیے اور جیسا کہ مشہور ہے کہ "**العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر**" یہ سب امور ان کے دلوں میں نقش ہو جائیں۔

اسلامی احکام میں سب سے اہم حکم نماز ہے۔ بچوں کو شروع سے نماز کی اہمیت و عظمت دلنشیں کرانی چاہیے۔ سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم کرنا چاہیے اور دس برس کے ہو جائیں تو نماز مار کر پڑھوانا چاہیے۔

اس حدیث مبارک میں بچوں کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ وہ دس برس کے ہو جائیں تو ان کا بستر علیحدہ کر دیں۔ (روضۃ المتقین: ۱/۳۴۵)

بچوں کو نماز سکھلاؤ

وعن أبي ثُرَيَّةَ سَبْرَةَ بن معبدٍ الجُهَنِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"عَلِّمُوا الصَّبِيَّ الصَّلاةَ لِسَبْعِ سِنِينَ ، وَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ " حديث حسن رواه أبُو داود والترمذي ، وَقَالَ : " حديث حسن " .ولفظ أبي داود : " مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ " .

ترجمہ: حضرت ابو ثریہ سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی تعلیم دو' اور دس سال کا ہو جائے تو مار کر نماز پڑھواؤ۔ (یہ حدیث حسن ہے' اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے) اس حدیث میں ابوداؤد میں یہ الفاظ آئے ہیں' بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم کرو۔

راوی حدیث: حضرت سبرہ بن معبد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۵ ھ کے قریب اسلام لائے اور غزوہ خندق میں شرکت اور فتح مکہ میں بھی شرکت فرمائی۔ ان سے (۱۹) احادیث منقول ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں انتقال ہوا۔

حدیث کی تشریح: بچوں کو نماز سکھانے کا حکم ہے کہ ان کو نماز کا طریقہ اور نماز کے شروط و آداب کی تعلیم دی جائے اور ان سے نماز پڑھوائی جائے اور دس برس کے ہو جائیں تو مار کر نماز پڑھوائی جائے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲/۴۶۰)

باب حق الجار والوصية به

پڑوسی کا حق اور اس کے ساتھ حسن سلوک

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء : ۳۶].

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مساکین اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام، باندیوں کے ساتھ، سب کے ساتھ احسان کرو۔" (النساء:۳۶)

تفسیر: آیت کریمہ حقوق العباد کا ایک اجمالی بیان ہے اور اس بیان کا آغاز اللہ کی توحید اور اسی واحد ویکتا کی بندگی سے فرمایا ہے کیونکہ انسان کے اخلاق واعمال کو درست رکھنے میں کوئی امر اس قدر مؤثر نہیں ہے جس قدر اللہ پر ایمان اور اس کی خشیت اور خوف اللہ کا خوف ہی وہ واحد چیز ہے جو انسان کو انسانی حقوق کے احترام پر ہر حالت میں آمادہ کرنے والا ہے۔

اس کے بعد اہل تعلق کی تمام فہرست میں والدین سے حسن سلوک کو مقدم رکھا تاکہ یہ حقیقت اجاگر ہو جائے کہ حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو تمام احسانات اور انعامات اللہ ہی کی طرف سے ہیں لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد والدین ہیں جن کے احسانات آدمی پر سب سے زیادہ ہیں کہ وہی اس کی پرورش اور تربیت کی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اور راتوں کو جاگ کر بچوں کو آرام پہنچاتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وصیتیں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگرچہ وہ یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل وعیال اور مال کو چھوڑ دو۔

آیت میں والدین کے بعد تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے پھر یتیم اور مسکین کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد چوتھے نمبر پر "والجار ذی القربی" اور پانچویں نمبر "والجار الجنب" فرمایا۔ جار کے معنی پڑوسی کے ہیں اور اس کی مذکورہ دو قسمیں ہیں جن کی تفسیر و توضیح میں صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال ہیں۔

عام مفسرین نے فرمایا کہ جار ذی القربیٰ سے وہ پڑوسی مراد ہے جو تمہارے مکان سے متصل رہتا ہے اور جار الجنب سے وہ پڑوسی مراد ہے جو تمہارے مکان سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جار ذی القربیٰ سے مراد وہ شخص ہے جو پڑوسی بھی ہے اور رشتہ دار بھی۔ اس طرح اس میں دو حق جمع ہوگئے اور جار الجنب سے مراد وہ ہے جو صرف پڑوسی ہے، رشتہ دار نہیں ہے اس لیے اس کا درجہ پہلے سے مؤخر رکھا گیا۔

چھٹے نمبر پر ارشاد فرمایا "والصاحب بالجنب" اس کے لفظی معنی ہم پہلو ساتھی کے ہیں جس میں رفیق سفر بھی داخل ہے اور وہ بھی جو عام مجلس میں ساتھ بیٹھا ہو یعنی جس شخص کے لیے تھوڑی دیر کا ساتھ ہوا ہو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک ضروری ہے اس کے بعد ساتویں نمبر پر مسافر کا حق بیان فرمایا کہ اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو اور پھر آٹھویں نمبر پر ملازموں اور غلاموں کے حقوق ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ (معارف القرآن: ۴۰۹/۲)

وعن ابن عمر وعائشة رضي الله عنهما ، قالا : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورِّثُهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبرائیل امین علیہ السلام ہمسائے کے متعلق ہمیشہ ہی مجھے وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ وہ اس کو وارث ہی بنادیں گے۔" (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: مَازَالَ جِبْرَائِيلُ: اس جملہ سے کثرت کی طرف اشارہ ہے لفظ جبرائیل سے اشارہ ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔

بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ: پڑوسی کے بارے میں مجھ کو خیال ہوا کہ وہ اس کو وارث بنادیں گے۔

علماء نے لکھا ہے لفظ "جار" کا اطلاق کافر، مسلمان، نیک، فاسق، دشمن سب پر ہی ہوتا ہے۔ (فتح الباری)

ابن ماجہ کی روایت میں آتا ہے کہ ابن عمر کے گھر والوں نے ایک بکری ذبح کی تو انہوں نے غلام کو بار بار تاکید کی کہ یہودی پڑوسی کو دو۔ (ادب المفرد للبخاری)

"سَيُوَرِّثُهُ" بار بار اتنی تاکید کے ساتھ پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں حکم آیا ہے کہ صرف اس کو وارث بنانا ہی باقی رہ گیا ہے۔ باقی ہر طرح سے ان پر احسان کرنے کی تاکید آئی۔

پڑوسی کو ہدیہ دینے کی تاکید

(۲) وعن أبي ذر رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يَا أَبَا ذَرٍّ ، إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً ، فَأَكْثِرْ مَاءَهَا ، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ)) رواه مسلم . وفي رواية لَهُ عن أبي ذر ، قَالَ : إنّ خليلي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أوْصَانِي : ((إِذَا طَبَخْتَ مَرَقاً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ بَيْتٍ مِنْ جِيرَانِكَ ، فَأَصِبْهُمْ مِنْهَا بِمعرُوفٍ)) .

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اے ابوذر! جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ ڈال دیا کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ (مسلم)

ایک روایت میں ابوذر سے مروی ہے کہ میرے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تاکید فرمائی کہ جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی ڈال دو۔ پھر اپنے پڑوسیوں کے اہل بیت کا خیال کرو اور ان کو اس سے اچھے انداز کے ساتھ دیا کرو۔"

حدیث کی تشریح: یَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً:

اس سے معلوم ہوا کہ پڑوسیوں کو چاہیے کہ پڑوسیوں کو ہدیہ دیتے رہا کریں۔ اگر تم بھی غریب ہو اور تم پڑوسی کو ہدیہ پیش نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو ضرور کر سکتے ہو کہ جو کھانا گھر پر پک رہا ہے اسی میں کچھ پانی ڈال دو اور پھر اس میں سے کچھ پڑوسی کو دے دو اور پڑوسی خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو تب بھی اس کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم ہے۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ پڑوسی کو تکلیف نہ دی جائے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ :"والله لاَ يُؤْمِنُ، وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللهِ لاَ يُؤْمِنُ !" قِيلَ: مَنْ يَا رَسُول الله ؟ قَالَ: " الَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

وفي رواية لمسلم: " لا يَدْخُلُ الجَنَّةَ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ". " البَوائِقُ": الغَوَائِلُ والشُّرُورُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں ہے، اس کی قسم وہ مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں ہے، کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ کون؟ فرمایا جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ (متفق علیہ)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص جنت میں نہیں داخل ہوگا جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں۔ (البوائق شر)

حدیث کی تشریح: حکم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کا اکرام اور عزت کرو، اگر نہ ہو سکے تو کم تر درجہ یہ ہے کہ اسے اپنے شر سے محفوظ رکھو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم نے مکرر سہ کرر ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص مؤمن نہیں جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔

اگر کوئی شخص پڑوسیوں کو ایذاء پہنچاتا ہے اور اپنے شر اور فتنے سے انہیں تکلیف پہنچاتا ہے اور اپنی ان حرکتوں کو جائز اور درست سمجھتا ہے اور اس ایذاء رسانی کو حلال سمجھتا ہے تو گویا وہ دین کے احکام کو مذاق سمجھتا اور ان کا استخفاف کرتا ہے تو وہ کافر ہے وہ تو بلا شبہ جنت میں نہیں جائے گا۔ لیکن اگر یہ بات نہیں ہے بلکہ محض غفلت اور نادانی سے ایسی حرکت ہو جاتی ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ سیدھا جنت میں نہیں جائے گا جیسا کہ فائزین جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو جہنم میں اپنی سزا پوری کر کے پھر جنت میں جائے گا۔

یہ دونوں معنی اہل حق کے مسلک کے مطابق ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کی توحید پر ہو اور وہ کبائر پر مصر رہا ہو تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے اس کو معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے یا اسے جہنم کی سزا دے اور پھر جنت میں داخل فرمائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔ (فتح الباری: ۳/۱۸۳، (۲۰۱۶) صحیح مسلم للنووی: ۲/۱۵، روضۃ المتقین: ۱/۴۴۸)

پڑوسی کے ہدیہ کا حکم

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يَا نِساء المُسْلِمَاتِ ، لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةُ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاة)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمان عورتوں! اپنی پڑوسن کے لئے کوئی چیز حقیر نہ سمجھو اگرچہ بکری کا ایک کھر ہی ہدیہ بھیجے۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ: اصل میں " يَا أَيُّهَا النِّسَاءُ الْمُسْلِمَاتُ " ہے ایک دوسری روایت میں "یا نساء الْمُؤْمِنِيْنَ" بھی آتا ہے۔ (طبرانی)

لا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کو وقتاً فوقتاً اپنی حیثیت کے اعتبار سے ہدیہ دیتے رہنا چاہیے۔ امیر اپنے شایان شان ہدیہ دے۔ اور اگر غریب ہے تو یہ نہ سوچے کہ میں کیا ہدیہ دوں، مبالغہ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ بکری کا کھر ہی دے دو۔

اس حدیث سے محدثین فرماتے ہیں ایک طرف تو اس میں دینے والوں کو ترغیب ہے کہ کچھ نہ کچھ دیا کریں اور دوسری طرف لینے والوں کو بھی ترغیب دی جا رہی ہے کہ کوئی بھی ہدیہ پہنچائے اس کا انکار نہ کیا جائے قبول کر لیا جائے۔

يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ: اے مسلمان عورتو!

عورتوں میں عموماً یہ عادت زیادہ ہوتی ہے کہ ایسا ہدیہ کیوں دے دیا تو اس وجہ سے یہاں پر عورتوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے اگرچہ اس میں مرد بھی داخل ہیں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے "يَانِسَاءَ الْمُؤْمِنِيْنَ" اے مسلمانوں کی عورتو۔

وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ: اے مسلمان عورتو! ہدیہ دو اگرچہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

پڑوسی کو دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يَا نِساء المُسْلِمَاتِ ، لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةُ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاة " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار پر لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

نے فرمایا کہ میں محسوس کررہا ہوں کہ تم اس سے اعراض کررہے ہو۔ اللہ کی قسم میں اس مسئلہ کو تمہیں ضرور بتا کر رہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: یہ حکم برائے استحباب ہے کہ اگر گھر کی دیوار مشترک ہو اور پڑوسی کوئی شہتیر دیوار میں نصب کرنا چاہے یا کوئی بل رکھنا چاہے تو پڑوسی کو چاہیے کہ وہ اسے منع نہ کرے۔

حدیث مبارک کی جانب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلبہ کے التفات میں کمی پائی تو فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ اگر تم اس ارشاد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل کروگے تو میں اس حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نافذ کرکے رہوں گا۔

غرض حدیث مبارک کا مقصود پڑوسیوں کے درمیان حسن معاشرت اور حسن سلوک کی تاکید ہے تاکہ ان کے درمیان باہم الفت و مودت پروان چڑھے اور اختلاف و نزاع کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ (فتح الباری: ۱۹/۲ (۲۴۶۳))

ایمان والا پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے

وعنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بالله وَاليوم الآخر ، فَلاَ يُؤْذِ جارَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليومِ الآخِرِ ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليومِ الآخِرِ ، فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ " مُتفقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے' مراد ایمان کامل ہے اور ایمان میں صرف ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ ان ہر دو ایمان میں مبداء اور معاد دونوں آگئے کہ اللہ ہی نے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو جس کا یہ ایمان پختہ ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے بلکہ اس کا اکرام کرے' اس کی عزت کرے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اسی طرح مہمان کی مہمان نوازی کرے کہ مہمان نوازی مکارم اخلاق میں سے ہے اور انبیاء اور صالحین کی سیرت حسنہ ہے۔

اور جب بات کرے تو اول اس پر غور کرے کہ اگر کلمہ خیر ہو تو اس کو زبان سے ادا کرے ورنہ خاموش رہے کیونکہ بات یا تو خیر ہے یا شر ہے یا اس کا مآل خیر ہے یا اس کا مآل شر ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مفہوم حدیث یہ ہے کہ جب کوئی شخص بات کا ارادہ کرے تو دیکھ لے کہ فی الواقع خیر ہے' یعنی کوئی امر واجب یا مندوب پر مشتمل بات ہے' تب بات کرے ورنہ خاموش رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "مایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید"

(جب کوئی لفظ زبان سے نکالتا ہے تو ایک سخت نگران پاس موجود ہوتا ہے) علماء سلف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا فرشتے اس بات کو لکھ لیتا ہے جو انسان کی زبان سے نکلے؟ جیسا کہ آیت قرآنی کا عموم اس پر دلالت کرتا ہے یا صرف ان باتوں کو لکھتا ہے جن میں کوئی ثواب یا عتاب ہو۔ بہر حال اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ بولنے سے پہلے سوچ لے کہ اس کی بات کسی طرح کے شر یا مضرت پر تو مشتمل نہیں ہے، جب یہ اطمینان ہو جائے تو بات کرے ورنہ خاموش رہے۔(فتح الباری: ۱۸۵/۳، حدیث نمبر: ۶۰۱۸)

وعن أبي شُرَيْح الخُزَاعيِّ رضي الله عنه : أن النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَنْ كَانَ يُؤمِنُ باللهِ وَاليومِ الآخِرِ ، فَلْيُحْسِنْ إلَى جَارِهِ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليومِ الآخِرِ ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليومِ الآخِرِ ، فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَسْكُتْ)) رواه مسلم بهذا اللفظ ، وروى البخاري بعضه .

ترجمہ: ”حضرت ابو شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی خاطر و مدارت کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے (مسلم کے الفاظ یہی ہیں بخاری نے بعض حصہ کو نقل کیا ہے)

حدیث کی تشریح: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

اس حدیث میں ترغیب ہے کہ پڑوسی ایک دوسرے کا اکرام اور ان کے حقوق کو ادا کرتے رہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں پڑوسیوں کے چھ حقوق بیان کئے گئے ہیں۔

۱- بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو۔ ۲- انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے چلو۔
۳- اگر قرض مانگے تو اسے قرض دو۔ ۴- اگر کپڑے کی ضرورت ہو تو اسے کپڑے دو۔
۵- خوشی ہو تو اسے مبارکبادی دو۔ ۶- اس پر کوئی مصیبت و حوادث آجائے تو اس کی تعزیت کرو اپنا مکان ایسا نہ بناؤ کہ اس کی ہوا رک جائے اور اپنی ہانڈی سے اسے تکلیف نہ دو۔ اس کے برتن میں بھی ڈال دو۔

”فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ“ مہمان کا اکرام کرو۔

مہمان رحمت ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ رو رہے تھے کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ سات دن سے کوئی مہمان نہیں آیا ہے اس کا ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے میری اہانت کا ارادہ تو نہیں کر لیا۔ (احیاء العلوم)

پڑوسیوں میں ہدیہ کا زیادہ حق دار کون ہے؟

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَت : قُلْتُ : يَا رَسُول الله ، إنَّ لِي جارَيْنِ ، فإلى أَيِّهِمَا أُهْدِي ؟ قَالَ : " إلَى أقْرَبِهِمَا مِنكِ بَاباً " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔ بخاری)

حدیث کی تشریح: پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک عمل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لازم ہے کہ ہر آدمی جو اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور پڑوسیوں کا شمار چالیس گھروں تک ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ پڑوس ہر طرف سے چالیس گھر ہیں لیکن ان میں حسن سلوک کی ترتیب اس طرح ہے کہ جس کا دروازہ قریب تر ہو اس کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے اور اس کے ساتھ حسن سلوک میں پہل کرنی چاہیے کہ اگر کوئی شے بطور ہدیہ بھیجنا ہو تو سب سے پہلے اس کے یہاں بھیجے جس کا دروازہ سب سے قریب تر ہے۔ (فتح الباری: ۵/۱۱۳۲، حدیث نمبر: ۲۲۵۹)

بہترین پڑوسی وہ ہے جو خیر خواہ ہو

وعن عبدِ الله بن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((خَيْرُ الأَصْحَابِ عِنْدَ الله تَعَالَى خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ ، وَخَيرُ الجِيرَانِ عِنْدَ الله تَعَالَى خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ)) رواه الترمذي ، وَقالَ : ((حديث حسن)) .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے یہاں بہترین دوست وہ ہیں جو اپنے دوست کے ساتھ خیر خواہی کریں اور اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہیں جو اپنے ہمسایہ کے ساتھ خیر خواہی کریں۔ (ترمذی نے فرمایا حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ:

دوست کی خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ دوست اس کے دین کے کاموں میں مدد کرتا رہے اور غلط کاموں سے بچانے کی بھی کوشش کرتا رہے۔

وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللهِ تَعَالىٰ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ: اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہیں جو اپنے پڑوسی کے ساتھ خیر خواہی کرے۔ اچھا پڑوسی ہونا بھی خوش نصیبی کی بات ہے۔ ترغیب کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی خوش نصیبی میں سے یہ ہے کہ اس کا کشادہ گھر ہو اچھا پڑوسی ہو اور اچھی سواری ہو۔ (ترغیب) حدیث میں خیر خواہی سے مراد پڑوسی کے حقوق ادا کرنا ہے جس کا تذکرہ پہلے حدیث میں گذر چکا ہے۔

باب بر الوالدين وصلة الأرحام
والدین کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَاعْبُدُوا اللهَ وَلا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء : ٣٦]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:''اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کا کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافروں کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ۔'' (النساء:۳۶)

تفسیر: پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو' اللہ سبحانہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ اس کو ملا کر بیان فرمایا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی بندگی کے بعد سب سے پہلا فریضہ بحیثیت انسان جو انسان پر عائد ہوتا ہے وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ﴾ [النساء : ١]

ترجمہ اور فرمایا:''اور اللہ سے ڈرتے رہو جسکے واسطے سے سوال کرتے ہو' آپس میں اور خبر دار رہو قرابت والوں سے۔'' (النساء:۱)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ ہی انسان کا خالق مالک اور اس کا رب ہے۔ اس لیے اسی سے ڈرو اور اس لیے بھی اس سے ڈرو کہ تم خود آپس میں اس کے نام کا واسطہ دے دے کر اپنے حقوق طلب کرتے ہو اور اپنے معاملات اور حاجات ضروریہ میں اسی کا وسیلہ پکڑتے ہو یعنی تم اپنے وجود اور بقاء ہی میں اللہ کے محتاج نہیں ہو بلکہ تمام حاجتوں اور کاموں میں بھی اسی کے محتاج ہو۔ اس لیے بندگی صرف اللہ ہی کی کرو اور اسی سے ڈرو اور اسی واسطے اور تعلق سے صلہ رحمی کرو اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بد سلوکی سے اجتناب کرو کہ تم سب کا پیدا کرنے والا اور رشتوں کی لڑی میں جوڑنے والا وہی ایک اللہ ہے اور وہی سب کا مالک ہے اور وہی سب کا رازق ہے اور وہی سب کا خالق ہے جب سب کا خالق و مالک اور رازق ایک ہی ہے تو سب پر ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی بھی واجب ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ ﴾ [الرعد : ٢١]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''جس رشتہ داری کے جوڑ کا اللہ نے حکم دیا اس کو جوڑے رکھتے ہیں۔''

تفسیر: ایمان والوں کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اس کو قائم رکھتے ہیں اس آیت کی تفسیر جمہور مفسرین کے نزدیک رشتہ داری کے تعلقات قائم رکھنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا اللہ کی طرف سے جو حکم ہے اس کو پورا کرنا ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بھی جوڑتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان کے ساتھ پچھلے انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان کو جوڑتے ہیں۔ (معارف القرآن)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَوَصَّيْنَا الأنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً ﴾ [العنكبوت : ٨] .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔"

تفسیر: "وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ" وصیت کہتے ہیں کسی شخص کو کسی عمل کی طرف بلانا جس بلانے میں سراسر نصیحت اور خیر خواہی ہو۔

"بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً" "احساناً" یہ مصدر ہے بمعنی خوبی اس جگہ مراد خوبی والے طرز عمل کو مبالغۃً احسان سے تعبیر کیا گیا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ وصیت فرمائی کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے پھر ان کے آپس میں ماں کے ساتھ زیادہ اچھا معاملہ کرے جیسے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوا إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاهُمَا فَلا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً ﴾[الإسراء : ٢٣ ٢٤]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "حکم کر دیا تیرے رب نے کہ نہ پوجو اس کے سوا، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں، اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی، اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا۔"

تفسیر: امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیات بالا میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیات بالا کا مطلب یہ ہے کہ اگر والدین بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب و پاخانہ دھونا پڑ جائے تو کبھی اُف بھی نہ کرو جیسا کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر بے ادبی میں اُف کہنے سے کوئی کم درجہ ہوتا تو اللہ جل شانہ اس کو بھی حرام کر دیتے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ والدین کی نافرمانی کی حد کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے مال سے ان کو محروم رکھے اور ملنا چھوڑ دے اور ان کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے۔

"قَوْلاً كَرِيماً" حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ ان کو اچھے لقب کے ساتھ پکارے ابا، اماں کہے، ان کا نام نہ لے کہ جب وہ پکارے تو یہ کہے کہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، بقول حضرت قتادہ کہ نرمی سے بات کرے۔

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ [لقمان : ١٤] .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے، پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں میرا شکر ادا کر و اور ماں باپ کا۔"

تفسیر: مفسرین فرماتے ہیں آیت بالا میں والدین کے حقوق اور ان کی شکر گزاری کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی حکمت یہ بتائی گئی کہ اس کی ماں نے اس کے وجود کے لئے بڑی محنت اور مشقت برداشت کی ہے کہ نو مہینے تک اس کو اپنے پیٹ میں رکھ کر اس کی حفاظت کی، اس کی وجہ سے اس کی ماں کو ضعف پر ضعف اور تکلیف پر تکلیف بڑھتی گئی مگر ان سب کو اس نے برداشت کیا اور پھر اس کے پیدا ہونے کے بعد دو سال تک اس کو دودھ پلانے کی زحمت بھی برداشت کی۔ ماں کی مشقت زیادہ ہوتی ہے اس لئے شریعت نے ماں کا حق باپ سے مقدم رکھا ہے۔ (معارف القرآن ۷/ ۳۷)

وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے یہی بات احناف کے نزدیک بھی معتبر ہے۔

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ:

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس آیت کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پانچویں آیت پڑھنے سے اللہ کا شکر ادا کر دیا اور ماں باپ کے لئے دعا خیر کرنے سے اس نے ماں باپ کا حق ادا کر دیا۔ (تفسیر مظہری اردو ۹/ ۳۵۳)

اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل

وعن أبي عبد الرحمان عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : سألت النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أيُّ العَمَلِ أحَبُّ إلَى اللهِ تَعَالَى ؟ قَالَ : " الصَّلاَةُ عَلَى وَقْتِهَا " ، قُلْتُ : ثُمَّ أي ؟ قَالَ : " بِرُّ الوَالِدَيْنِ " ، قُلْتُ : ثُمَّ أيٌّ ؟ قَالَ : " الجِهَادُ في سبيلِ الله " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا عمل اللہ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: نماز اپنے وقت پر، میں نے

عرض کی کہ پھر کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے عرض کی کہ پھر کون سا؟ فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں بر بالوالدین یعنی والدین کے ساتھ نیک سلوک کی اس قدر اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اسے نماز کے فوراً بعد ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ میں اعلیٰ ترین اور بلند ترین درجہ نماز کا ہے اور حقوق العباد میں جو حق سب پر مقدم اور سب سے فائق ہے وہ والدین کا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "**وقضى ربّك ان لاتعبدوا الا اياه وبالوالدين احساناً**" یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا اور عبادت و بندگی میں نماز کا درجہ اعلیٰ اور بلند ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر فرمایا۔ (فتح الباری: ۱/۱۷۳' (۵۶۷) شرح مسلم للنووی: ۲/۶۶)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :((لا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِداً إلاَّ أنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكاً ، فَيَشْتَرِيهُ فَيُعْتِقَهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بیٹا اپنے والد کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتا۔ ہاں جب وہ اس کو غلام پائے تو اس کو خرید کر آزاد کر دے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اگر بیٹے نے باپ کو خریدا تو اب باپ خریدنے کے ساتھ آزاد ہو جائے گا یا اس کو آزاد کرنا پڑے گا اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: اصحاب ظواہر، ان کے نزدیک نفس خریدنے سے باپ آزاد نہیں ہوتا بلکہ آزاد کرنا ہوگا۔

دوسرا مذہب: جمہور علماء وفقہاء کا یہ ہے کہ بیٹے نے باپ (یعنی اصول اور فروع) کو خریدا، نفس خرید کے ساتھ باپ آزاد ہو جاتا ہے۔

پہلے مذہب کی دلیل:۔ حدیث بالا میں ہے جس میں آتا ہے " فَيَشْتَرِيَهُ ، فَيُعْتِقَهُ " کہ خریدے اور پھر اس کو آزاد کر دے۔

دوسرے مذہب کی دلیل:۔ (عن رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ قال: مَنْ لَكَ ذَارَحْمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَحُرٌّ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے ذی محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

فریق مخالف کی دلیل کا جواب:۔ حدیث بالا میں "فیعتقہ" میں فا سبب کے لئے ہے۔ اب حدیث بالا کا ترجمہ یہ ہوا کہ بیٹا باپ کو کسی کا غلام پائے تو اس کو آزاد کرنے کے لئے خریدے۔ مطلب یہ ہوا کہ خریدنے کے بعد بیٹے کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا۔ (مظاہر حق جدید ۲/ ۴۷۳)

مؤمن کو صلہ رحمی کرنا چاہیے

وعنه أيضاً رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَومِ الآخِرِ ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَومِ الآخِرِ ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَاليَومِ الآخِرِ ، فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ اور اخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں تین امور کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مہمان کا اکرام، صلہ رحمی اور کلمہ خیر کہنا کہ آدمی اپنے مہمان کی مہمان نوازی کرے اور اس کی تکریم کرے۔ تعلق والوں سے اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے اور اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے یہ حدیث ۳۱۰ میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری: ۱۱۴۵/۲)

جو صلہ رحمی کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّ اللهَ تَعَالَى خَلَقَ الخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ قَامَتِ الرَّحِمُ ، فَقَالَتْ : هَذَا مُقَامُ العَائِذِ بِكَ مِنَ القَطِيعَةِ ، قَالَ : نَعَمْ ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ ؟ قَالَتْ : بَلَى ، قَالَ : فَذَلِكَ لَكِ ، ثُمَّ قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اقْرَؤُوا إنْ شِئْتُمْ : ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ ﴾ [محمد : ۲۲ ۲۳] مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وفي رواية للبخاري : فَقَالَ اللهُ تَعَالَى : ((مَنْ وَصَلَكِ ، وَصَلْتُهُ ، وَمَنْ قَطَعَكِ ، قَطَعْتُهُ)) .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے جب ان سے فارغ ہوئے تو صلہ رحمی کھڑی ہوئی اور اس نے کہا یہ مقام اس شخص کا ہے جو تیرے ساتھ قطع رحمی سے پناہ چاہے۔ فرمایا ہاں کیا تو پسند نہیں کرتی کہ میں اس شخص کے ساتھ انصاف کروں گا جو تجھے قائم رکھے گا اور اس شخص سے قطع تعلق کروں گا جو تجھ سے تعلق منقطع کرے گا۔ صلہ رحمی نے کہا ہاں بالکل درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرا مقام ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ثبوت میں اس آیت کو پڑھو: "بہت ممکن ہے

کہ اگر تم حکومت کرو گے تو زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور قطع رحمی کرو گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ تو ان کو بہرا اور اندھا کر دیا۔"

بخاری کی روایت میں ہے "جس نے تجھے قائم رکھا اس کے ساتھ احسان کروں گا اور جس نے تجھے ختم کیا میں اس سے نظر رحمت پھیر دوں گا۔"

حدیث کی تشریح: (فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ)

اے منافقو! تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو علاقے میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تجھے ثابت رکھے گا میں اس کو ملاؤں گا اور جو تجھ سے قطع تعلق کرے گا میں اس سے قطع تعلق کروں گا۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث بالا کا یہ مطلب ہے کہ قطع رحمی یعنی رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی سے انکار اور ان سے تعلق برقرار رکھنے سے اعراض کرنا اللہ جل شانہٗ کی ناراضگی اور اس کے غضب کا باعث ہے۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں آتا ہے کہ قرابت کے حق میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرو اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور غلط سلوک بھی کرے تب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے۔

ام ولد کو فروخت کرنا حرام ہے

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا :اے منافقو! تم سے عجب نہیں کہ اگر حاکم بن جاؤ تو فساد پھیلاؤ۔

اس آیت میں بھی قطع رحمی کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے اس آیت کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام الولد (وہ باندی جس سے آقا کی اولاد ہو) کے فروخت کرنے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ جب اس کو فروخت کر دیا تو اس میں اور اس کی اولاد میں قطع رحمی ہو جائے گی جو موجب لعنت ہے۔ تو جہاں بھی قطع رحمی ہو وہ موجب لعنت ہے۔ (رواہ الحاکم)

احسان کی سب سے زیادہ مستحق والدہ ہے

وعنه رضي الله عنه ، قالَ: جاء رجل إلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ: يَا رَسُول الله ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي ؟ قَالَ : ((أُمُّكَ)) قَالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((أُمُّكَ)) ، قَالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((أُمُّكَ)) ، قَالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((أَبُوكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ. وفي رواية : يَا رَسُول الله ، مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ ؟ قَالَ : ((أُمُّكَ ، ثُمَّ أُمُّكَ ، ثُمَّ أُمُّكَ ، ثُمَّ أَبَاكَ ، ثُمَّ

أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ)) . ((وَالصَّحَابَةُ)) بمعنى : الصحبةِ . وقوله : ((ثُمَّ أَبَاكَ)) هكذا هُوَ منصوب بفعلٍ محذوفٍ ، أي : ثُمَّ بَرَّ أَبَاكَ . وفي رواية : ((ثُمَّ أبوك)) ، وهذا واضح .

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! کون زیادہ حق دار ہے کہ میری رفاقت اس کے ساتھ بہتر ہو؟ فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: پھر تیری والدہ، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: پھر تیری والدہ۔ اس نے پھر عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ۔“ (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے یا رسول اللہؐ! کون زیادہ حق دار ہے کہ میں اس کے ساتھ احسان کروں فرمایا تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرا باپ پھر تیرا اقریبی رشتہ دار۔

والدہ کا احسان والد سے تین درجہ زیادہ ہے

حدیث بالا سے بعض علماء رحمہ اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ احسان اور حسن سلوک میں ماں کا تین حصہ ہے اور باپ کا ایک حصہ کیونکہ حدیث بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ماں کو بتایا اور پھر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا۔

ماں کا تین گنا حق کیوں ہے

اس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ ماں تین ایسی مشقتیں برداشت کرتی ہے جو باپ نہیں کرتا۔ ۱۔ حمل کی مشقت۔ ۲۔ بچہ جننے کی مشقت۔ ۳۔ دودھ پلانے کی مشقت۔

اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری کی وجہ سے ماں باپ دونوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر سکتا تو وہ ماں کے ساتھ سلوک کرنے کو مقدم کرے۔ (مظاہر حق)

کنز العمال کی روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کی ابتداء کرو۔ اس کے بعد باپ کے ساتھ پھر بہن کے ساتھ پھر بھائی کے ساتھ. پھر الا قرب فالا قرب اور اپنے پڑوسیوں اور حاجت مندوں کو نہ بھولنا۔ (۲)

فرصت زندگی کم ہے محبتوں کے لئے لاتے ہیں کہاں سے وقت لوگ نفرتوں کیلئے

حدیث کی تشریح: حدیث بالا سے بعض علماء رحمہ اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ احسان اور حسن سلوک میں ماں کا تین حصہ ہے اور باپ کا ایک حصہ کیونکہ حدیث بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ماں کو بتایا اور پھر چوتھی مرتبہ باپ کو بتایا۔

ماں کا تین گنا حق کیوں ہے؟ اسکی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ ماں تین ایسی مشقتیں برداشت کرتی ہے جو باپ نہیں کرتا

(۱) حمل کی مشقت (۲) بچہ جننے کی مشقت (۳) دودھ پلانے کی مشقت

اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ناداری کی وجہ سے ماں باپ دونوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر سکتا تو وہ ماں کے ساتھ سلوک کرنے کو مقدم کرے۔ (مظاہر حق)

کنز العمال کی روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کی ابتداء کرو۔ اس کے بعد باپ کے ساتھ پھر بہن کے ساتھ پھر بھائی کے ساتھ پھر الاقرب فالاقرب اور اپنے پڑوسیوں اور حاجت مندوں کو نہ بھولنا۔

بڑھاپے والدین کی خدمت کرنے کا اجر

وعنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " رغِم أنفُ ، ثُمَّ رَغِمَ أنْفُ ، ثُمَّ رَغِمَ أنفُ مَنْ أدْرَكَ أبويهِ عِنْدَ الكِبَرِ ، أحَدهُما أوْ كِلَيهمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الجَنَّةَ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' اس شخص کی ناک خاک آلود ہو' ماں باپ کو یا ایک کو یا دونوں کو بوڑھا پایا اور جنت میں داخل نہیں ہوا۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں والدین کی خدمت گزاری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی جا رہی ہے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ان کی خدمت تو زندگی کے ہر حصہ میں لازم ہے مگر جب والدین بوڑھے ہو جائیں اور کمزور ناتواں ہو کر دوبارہ بچوں کی طرح ہو جائیں' اس وقت تو ان کی خدمت اسی طرح کرنی چاہیے جس طرح انہوں نے اس وقت کی تھی جب تم بچے تھے' یہی وقت ہے جس میں ان کے احسانات کا کسی درجہ میں صلہ دیا جا سکتا ہے۔

فرمایا: کس قدر کم نصیب ہے وہ انسان' کس قدر بد قسمت ہے' اس کی ناک' خاک آلود ہو' ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر بھی جنت میں نہ جا سکا حالانکہ اسے چاہیے تھا کہ ماں باپ کی خدمت کرتا اور ان کی دُعا حاصل کر کے رحمت الٰہی کا مستحق ہوتا اور جنت میں چلا جاتا۔ (دلیل الفالحین: ۲/۱۲۵' روضۃ المتقین: ۱/۳۵۹' شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۶/۸۸)

جو قطع رحمی کرے اس سے بھی صلہ رحمی کیا جائے

وعنه رضي الله عنه : أن رجلاً قَالَ : يَا رَسُول الله ، إنّ لِي قَرابةً أصِلُهُمْ وَيَقْطَعُوني ، وَأُحْسِنُ إلَيْهِمْ وَيُسيئُونَ إلَيَّ ، وَأَحْلَمُ عَنهُمْ وَيَجْهَلُونَ عَلَيَّ ، فَقَالَ :"لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ ، فَكأنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ ، وَلاَ يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ " رواه مسلم ."وَتُسِفُّهُمْ" بضم التاء وكسر السين المهملة وتشديد الفاء ، " وَالمَلُّ " بفتح الميم ، وتشديد اللام وَهُوَ الرَّمَادُ الحَارُّ : أيْ كَأنَّمَا تُطْعِمُهُمُ الرَّمَادَ الحَارَّ ، وَهُوَ تَشبيهٌ لِمَا يَلْحَقَهُمْ

من الإثم بما يلحقُ آكِلَ الرَّمَادِ الحَارِّ مِنَ الأَلَمِ ، وَلاَ شَيْءَ عَلَى هَذَا المُحْسِنِ إلَيهِمْ ، لكِنْ يَنَالُهُمْ إثمٌ عَظِيمٌ بتَقصيرهم في حَقِّهِ ، وَإدْخَالِهِمُ الأَذَى عَلَيهِ ، وَاللهُ أعلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے قریبی رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برا برتاؤ کرتے ہیں' میں ان سے بردباری کا رویہ اختیار کرتا ہوں وہ جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر فی الواقعہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہہ رہے ہو تو تم ان پر گرم خاک ڈال رہے ہو اور جب تک تمہارا یہ رویہ رہے گا اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک مددگار رہے گا جو ان کے مقابلے میں تیری مدد کرے گا۔ (مسلم)

تسِفُّهُم' تاء کے ضمہ سین کے زیر اور فاء کے شد کے ساتھ۔ مَلّ میم کے فتحہ اور لام کے شد کیساتھ گرم راکھ' (بھوبھل) جیسے کہ تم انہیں گرم راکھ کھلا رہے ہو' یہ تشبیہ ہے اس امر کی کہ وہ گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں جیسے اگر کوئی گرم راکھ ڈالے تو اسے اذیت و تکلیف ہوگی اور جو ان کے ساتھ احسان کر رہا ہے اسے کوئی تکلیف نہیں لیکن وہ سخت گناہ میں مبتلا ہیں کہ وہ اس کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں اور اسے ایذاء پہنچا رہے ہیں۔ واللہ اعلم

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث یہ ہے کہ آدمی اپنے اہل تعلق سے حسن تعلق رکھے خواہ ان کا رویہ کچھ بھی ہو اور رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آئے اور ان سے صلہ رحمی کرے اور اس میں ان کی طرف جو تکلیف وایذاء پیش آئے ہیں اس پر صبر کرے' تو اللہ کے یہاں اس کا اجر و ثواب زیادہ ہوگا اور وہ رشتہ دار جن کی حالت حدیث میں بیان ہوئی گرم راکھ پھانکنے پر مجبور ہوں گے اور اللہ اس شخص کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر فرمادیں گے جو اسے ان لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاء اور تکلیف سے محفوظ رکھے گا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۶/ ۹۳' دلیل الفالحین: ۲/ ۱۲۵)

صلہ رحمی کے فوائد

وعن أنس رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((من أَحَبَّ أنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ ، ويُنْسأَ لَهُ في أثرِهِ ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . ومعنى ((ينسأ لَهُ في أثرِهِ)) ، أي : يؤخر لَهُ في أجلِهِ وعمرِهِ .

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کو رزق میں فراخی حاصل ہو اور اس کو لمبی عمر عطا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: "فِيْ أَثَرِهِ" اثر پاؤں کے نشان کو کہتے ہیں۔ کہ وہ زندہ ہے تب ہی تو اس کے قدم نشان ہوں گے اسی وجہ سے اہل عرب کے نزدیک "اثر" یہ عمر سے کنایہ ہوتا ہے۔

يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ ، وَيُنْسَأَلَهُ: رزق میں فراخی حاصل ہو۔ اور اس کی عمر لمبی ہو جائے۔

اشکال: ہر شخص کی عمر اور روزی متعین ہے ہر ایک کو اتنی ہی ملے گی جو اس کے تقدیر میں لکھی ہوتی ہے اس میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی جیسے قرآن مجید میں موت کے بارے میں آتا ہے۔

(اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَایَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ) جب وہ میعاد ختم ہو گی اس وقت نہ ایک گھڑی پیچھے ہوں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

جواب: اوقات میں برکت کی طرف اشارہ ہے عمر تو اتنی ہی ہو گی جو مقرر ہے مگر اس میں اتنی برکت ہو جاتی ہے کہ جو کام لوگ سالوں میں کرتے ہیں وہ مہینوں میں کر لیتے ہیں جیسے کہ بزرگوں کی زندگی میں غور کیا جائے تو یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ کم عمر میں انہوں نے کتنا زیادہ کام کیا۔

ازالہ نمبر ۱: اس کے کارنامے اور ذکر خیر کافی دنوں تک چلتا رہتا ہے۔

ازالہ نمبر ۲: اس کی اولاد میں زیادتی ہوتی ہے جس سے اس کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی دیر تک چلتا رہتا ہے۔

بہر حال حدیث بالا کا مطلب یہ ہوا کہ جو صلہ رحمی کرتا ہے ایک تو اس کے رزق میں بھی برکت ہوتی ہے اور اس کی عمر میں بھی برکت ہوتی ہے۔ (کنز العمال)

کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص چار باتوں کا ذمہ لے لے میں اس کے لئے چار باتوں کا ذمہ لیتا ہوں (۱) جو شخص صلہ رحمی کرے اس کی عمر دراز ہوتی ہے (۲) اعزہ اس کی عزت اور اس سے محبت کرتے ہیں (۳) رزق میں فراخی ہوتی ہے (۴) جنت میں داخل ہو گا۔

(١) وعنه ، قَالَ : كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ الأَنْصَار بالمَدِينَةِ مَالاً مِنْ نَخل ، وَكَانَ أَحبُّ أَمْوَاله إلَيْهِ بَيْرَحاء ، وَكَانَتْ مستَقْبلَةَ المَسْجِدِ ، وكَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا ، وَيَشْرَبُ مِنْ مَاء فِيهَا طَيِّب ، فَلَمَّا نَزَلَتْ هذِهِ الآيَةُ : ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ [آل عمران : ٩٢] قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُول الله ، إنَّ الله تبارك وتعَالَى ، يقول : ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ وَإنَّ أَحبَّ مَالِي إلَيَّ بيْرَحاءُ ، وَإنَّهَا صَدَقَةٌ للهِ تَعَالَى ، أرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ الله تَعَالَى ، فَضَعْهَا يَا رَسُول الله ، حَيْثُ أرَاكَ الله . فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((بَخ ! ذلِكَ مَالٌ رَابحٌ ، ذلِكَ مَالٌ رَابحٌ ! وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ ، وَإنِّي أرَى أنْ تَجْعَلَهَا فِي الأَقْرَبِينَ)) ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَفْعَلُ يَا رَسُول الله ، فَقَسَّمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وبَنِي عَمِّهِ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وسبق بيان ألفاظِهِ في باب الإنْفَاق مِمَّا يحب .

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تمام انصار سے زیادہ کھجوروں کے باغ کے مالک تھے اور اپنے تمام مال سے "بیرحاء" باغ زیادہ محبوب تھا اور یہ باغ

مسجد نبوی کے سامنے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا عمدہ پانی بھی نوش فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم کبھی نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے تو حضرت ابو طلحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے کہ "تم نیکی کے کامل درجہ کو حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے" میرا یہ باغ بیر حاء میرے نزدیک سب سے زیادہ مجھے پسندیدہ ہے اور میں اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اس کے اجر و ثواب کا اللہ سے امیدوار ہوں لہٰذا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس باغ کو تقسیم فرمائیں جیسے اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ واہ! یہ مال بہت مفید ہے تیرا یہ مال بہت مفید ہے میں نے تمہاری تمام بات سن لی۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم اسکو اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کو بانٹ دو۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اسی طرح کر لیتا ہوں۔ چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں کو تقسیم کر دیا۔"

حدیث کی تشریح: (فَقَسَّمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ ، وَبَنِيْ عَمِّهِ) انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے۔

یہاں پر امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو پھر لے کر آئے ہیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ اللہ کے راستہ میں جب آدمی صدقہ و خیرات کرے تو پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیکھے۔ اگر وہ مستحق ہیں تو ان کو مقدم رکھے جیسے حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ نے اپنے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع تعلق کرنے والے سے صلہ رحمی کی جائے

وعنه، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَيسَ الوَاصِلُ بِالْمُكَافِىء ، وَلكِنَّ الوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا" رواه البخاري. وَ" قَطَعَتْ " بفَتح القَاف وَالطَّاء. وَ"رَحِمُهُ" مرفُوعٌ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے، اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو خود صلہ رحمی کرے لیکن لوگ اس سے قطع رحمی کریں۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: صلہ رحمی کی تاکید اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کی نصیحت ہے کہ رشتہ داروں اور قرابت داروں سے ہر حال میں صلہ رحمی کرے، خواہ ان کی طرف سے بھی اسی حسن سلوک کا اظہار ہو یا نہ ہو۔

حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا کہ صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ رشتہ داروں نے جو حسن سلوک کیا ان کے ساتھ ویسا ہی حسن سلوک کرلیا اور معاملہ برابر ہو گیا۔ یہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر رہا ہے اور وہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رہے ہوں بلکہ حقیقی صلہ رحمی یہ ہے کہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے جو قطع رحمی کریں۔ چنانچہ ابن العربی نے فرمایا کہ اس حدیث میں صلہ رحمی کرنے والے سے مراد وہ ہے جو واصل کامل ہو کیونکہ اگر رشتہ داروں کی طرف سے بھی صلہ رحمی ہو تو یہ معاملہ برابر سرابر ہو گیا لیکن اگر کوئی ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہو جو اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں تو یہ واصل کامل ہے کیونکہ اس کی صلہ رحمی اس صورت میں ہر طرح کی غرض سے پاک اور محض رضائے الٰہی کے لیے ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۵۷۱ (۵۹۹۱) تحفۃ الاحوذی: ۶/۲۰، دلیل الفالحین: ۲/۱۳۰، نزہۃ المتقین: ۱/۲۰۹۸)

وعن عائشة ، قَالَتْ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالعَرْشِ تَقُولُ : مَنْ وَصَلَنِي ، وَصَلَهُ اللهُ ، وَمَنْ قَطَعَنِي ، قَطَعَهُ اللهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: ”حضرت عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا روایت نقل کرتی ہیں کہ رحم (رشتہ داری اور قرابت داری) عرش سے لٹکا ہوا کہہ رہا ہے کہ جو مجھے ملائے گا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جو مجھے قطع کرے گا اللہ جل شانہ بھی اسے قطع کرے گا۔“

حدیث کی تشریح: الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ:

اس کا مطلب شراح حدیث یہ بیان کرتے ہیں کہ عرش رحمٰن کا رحم پکڑے ہوئے ہے اور توڑے جانے سے بارگاہ کبریائی سے پناہ مانگتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

اِنَّ الرَّحِمَ اَخَذَتْ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِیْ ، وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ ، قَطَعَهُ اللّٰهُ. (رواہ مسلم)

صلہ رحمی نے اپنے بارے میں جو اللہ تعالیٰ سے سنا وہ اس کو کہتی ہے کہ جو مجھ کو جوڑے گا کہ میرے حقوق کو ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے ساتھ منسلک کرے گا اور اگر کوئی مجھ کو توڑے گا یعنی میرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کرے گا۔ کیونکہ ناطے کو جوڑنا واجب ہے اور ناطے کو توڑنا حرام ہے۔ (مظاہر حق جدید ۴/۵۱۷)

سوال: صلہ رحمی کا مکالمہ یہ کیسے ہوا اس میں بولنے کی طاقت نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ اس نے اس میں ادراک و شعور اور گویائی کی قوت پیدا کر دی ہو اور اس نے یہ بات کرلی ہو۔

اگر تم اے میمونہ! وہ باندی اپنے ماموں کو دیدیتی تو زیادہ ثواب تھا

وعن أم المؤمنين ميمونة بنتِ الحارث رضي الله عنها : أنَّهَا أعْتَقَتْ وَليدَةً وَلَمْ تَستَأذِنِ

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُهَا الَّذِي يَدُورُ عَلَيْهَا فِيهِ ، قَالَتْ : أَشَعَرْتَ يَا رَسُولَ اللهِ ، أَنِّي أَعتَقْتُ وَلِيدَتِي ؟ قَالَ : ((أَوَ فَعَلْتِ ؟)) قَالَتْ : نَعَمْ . قَالَ : ((أَما إِنَّكِ لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لأَجْرِكِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: "اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کئے بغیر ایک لونڈی آزاد کردی تھی۔ جب حضرت میمونہ کی باری کا دن آیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا ہے۔ فرمایا کیا تم نے واقعی آزاد کر دیا؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا: اگر تم اس کو اپنے ماموں کو دے دیتیں تو اس سے تمہارے ثواب میں اضافہ ہوتا۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: وَلَمْ تَسْتَأْذِنِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں لی۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ اگر عورت کسی چیز کی مالکہ ہو تو وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی اس چیز میں تصرف کرنے کا حق رکھتی ہے۔ (روضۃ المتقین)

اسی طرح وہ چیز اگر خاوند کی ہو مگر اس نے اجازت دے رکھی ہو تب بھی عورت اس کو خرچ کر سکتی ہے۔

أَعْتَقْتُ وَلِدَتِي: کہ میں نے ایک باندی آزاد کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام اور باندی کو آزاد کرنا دوسری چیز کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جہنم سے آزاد کرنے والا عمل غلام یا باندی کو آزاد کرنا ہے۔

كَانَ أَعْظَمَ لأَجْرِكِ: تمہارے لئے زیادہ اجر کا باعث ہوتا کہ غیر رشتہ دار کو صدقہ دینا تو صرف صدقہ کا ثواب ملے گا اور رشتہ دار کو دینا اس میں دو اجر ہیں ایک صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

"اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَعَلٰى ذِي الرِّحِمِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ" (روضۃ المتقین)

کہ مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہیں۔

والدین کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک کرنا چاہیئے

وعن أسماءَ بنتِ أبي بكر الصديق رضي الله عنهما ، قَالَتْ : قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشركةٌ فِي عَهْدِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قُلْتُ : قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ رَاغِبَةٌ ، أَفَأَصِلُ أُمِّي ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ، صِلِي أُمَّكِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَقَوْلُهَا : ((رَاغِبَةٌ)) أَيْ : طَامِعَةٌ عِنْدِي تَسْأَلُنِي شَيْئاً ؛ قِيلَ : كَانَتْ أُمُّهَا مِنَ النَّسَبِ ، وَقِيلَ : مِنَ الرَّضَاعَةِ ، وَالصحيحُ الأول .

ترجمہ: "حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما روایت کرتی ہیں کہ عہد رسالت میں میری والدہ شرک کی حالت میں میرے پاس آئیں تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کرتے ہوئے عرض کیا کہ میری والدہ کسی کام کے لئے میرے پاس آئی ہیں کیا میں اس کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ معاملہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔" (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: قَدِمَتْ عَلَيَّ: میری پاس آئی۔ یہ صلح حدیبیہ کا زمانہ تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام

"امی" والدہ آئی۔ ان کا نام قُتَیلہ یا قُتَیلہ بنت عبد العزیٰ تھا۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں تھیں اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ یہ مکہ سے اپنی بیٹی اسماء کے لئے کچھ گھی، پنیر وغیرہ لے کر بھی آئی تھیں۔ جب یہ آئی تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو گھر میں آنے نہیں دیا۔ دوسری طرف اپنی علاتی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف مسئلہ دریافت کرنے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دو۔ (روضۃ المتقین)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے پر آیت قرآنی کا نزول

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی ضروری ہے جیسے کہ مسلمان رشتہ داروں کی۔ (فتح الباری)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آدمی بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

" لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے انہوں نے نہیں نکالا۔

قریبی رشتہ دار کو زکوۃ وصدقہ دینے سے دھرا اجر کا مستحق ہے

وعن زينب الثقفيةِ امرأةِ عبدِ الله بن مسعود رضي الله عَنْهُ وعنها ، قَالَتْ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " تَصدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ " ،

قَالَتْ : فَرَجَعْتُ إِلَى عبد الله بنِ مسعود ، فقلتُ لَهُ : إِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيفُ ذَاتِ اليَدِ ، وَإِنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَنَا بالصَّدَقَةِ فَأْتِهِ ، فَاسأَلهُ ، فَإِنْ كَانَ ذلِكَ يُجْزِيءُ عَنِّي وَإِلاَّ صَرَفْتُهَا إِلَى غَيْرِكُمْ . فَقَالَ عبدُ اللهِ : بَلِ ائْتِيهِ أَنتِ ، فَانْطَلَقتُ ، فَإِذَا امْرأَةٌ مِنَ

الأنصار ببَابِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتِي حَاجَتُها ، وَكَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُلْقِيَتْ عَلَيهِ المَهَابَةُ ، فَخرجَ عَلَيْنا بلالٌ ، فَقُلْنا لَهُ : ائتِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأخْبِرْهُ أنَّ امرأتَينِ بالبَابِ تَسألانِكَ : أَتجزىءُ الصَّدَقَةُ عَنْهُما عَلَى أزْواجهمَا وَعَلَى أيْتَام في حُجُورهما ؟ ، وَلاَ تُخبرْهُ مَنْ نحْنُ ، فَدخلَ بلالٌ عَلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فسأله ، فَقَالَ لَهُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ هُمَا ؟ " قَالَ : امرأةٌ مِنَ الأنصَار وَزَيْنَبُ . فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أيُّ الزَّيَانِبِ هِيَ ؟ " ، قَالَ : امْرَأةُ عبدِ الله ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لَهُمَا أجْرَانِ : أجْرُ القَرَابَةِ وَأجرُ الصَّدَقَةِ " مُتَّفقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت زینب ثقفیہ اہلیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جماعت خواتین! صدقہ کرو خواہ اپنے زیور سے صدقہ کرو' کہتی ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ آپ کا ہاتھ ہلکا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا ہے تم جاؤ اور پوچھو کہ اگر یہ میری طرف سے تمہارے لئے جائز ہے تو میں دیدوں ورنہ تمہارے علاوہ کسی کو دیدوں' عبداللہ نے کہا کہ تم ہی چلی جاؤ' میں گئی تو انصار کی ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر موجود تھی' وہ بھی وہی بات پوچھنے آئی تھی جو میں پوچھنے آئی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظمت وہیبت تھی' بلال آئے تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ دو عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آئی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ رہی ہیں کہ کیا ان کی طرف سے ان کے شوہروں پر اور ان یتیموں پر جو ان کی زیر کفالت ہیں صدقہ جائز ہے مگر یہ نہ بتانا کہ ہم کون ہیں' غرض بلال گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ دونوں کون ہیں' انہوں نے بتایا کہ ایک انصاری عورت اور زینب ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کون سی زینب؟ انہوں نے بتایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں کو دو اجر ملیں گے' قرابت داری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہاتھ سے دست کاری کرتی تھیں جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ ہلکا تھا' یعنی وہ تہی دست تھے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے عورتو! صدقہ کرو چاہے اپنے زیور میں سے کرو تو زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے گئیں اور دروازے ہی پر رک گئیں جہاں ایک انصاری عورت پہلے

سے کھڑی تھی اور اندر جانے کی ہمت نہیں تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت اور عظمت تھی، غرض حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم پوچھ کر آؤ کہ کیا میں اپنے شوہر اور ان یتیم بچوں پر صدقہ کر سکتی ہوں جو میری زیر پرورش ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی۔

بالاتفاق تمام علماء کی رائے یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے مگر عورت اپنے شوہر کو زکوٰۃ دینا چاہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہ دے کہ میاں بیوی عادۃً ایک دوسرے کے مال میں شریک ہوتے ہیں اور شوہر کو زکوٰۃ دینے کا مال یہ ہوگا کہ وہ مال زکوٰۃ لوٹ کر پھر بیوی کی طرف آجائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اسی طرح بیوی بھی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے البتہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفلی صدقہ بیوی اپنے شوہر کو دے سکتی ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۸۴۲، شرح مسلم للنووی: ۷/ ۷۵، مظاہر حق: ۲/ ۲۶۸)

ہرقل کے دربار میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی تقریر

وعن أبي سفيان صخر بن حرب رضي الله عنه في حديثِهِ الطويل في قِصَّةِ هِرَقْلَ : أنَّ هرقْلَ قَالَ لأبي سُفْيَانَ : فَمَاذَا يَأمُرُكُمْ بهِ ؟ يَعْنِي النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : قُلْتُ: يقول : " اعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهُ ، وَلاَ تُشرِكُوا بهِ شَيئاً ، واتْرُكُوا مَا يَقُولُ آباؤُكُمْ ، وَيَأمُرُنَا بالصَّلاةِ ، وَالصِّدْقِ ، والعَفَافِ ، والصِّلَةِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابوسفیان صخر بن حرب اپنی طویل حدیث میں جو ہرقل سے متعلق ہے بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ پیغمبر تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں، ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو باتیں تمہارے آباؤ اجداد کہتے ہیں انہیں چھوڑ دو، اور وہ ہمیں نماز کا حکم دیتے ہیں اور سچ بولنے، پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک کے اس حصے میں نماز کی، عفت کی اور صلہ رحمی کی تاکید ہے۔ اللہ کی بندگی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، غلط موروثی اور رواجی عادتوں کو ترک کر دینا اور دین حنیف کی اتباع کرنا اور نماز قائم کرنا، مکارم اخلاق کو اختیار کرنا اور صلہ رحمی کرنا، یہ مسلم اور مؤمن کے خصائص ہیں۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مصر کی پیشین گوئی

وعن أبي ذرٍّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ أرْضاً يُذْكَرُ فِيهَا القِيرَاطُ(۳))) . وفي رواية : ((سَتَفْتَحونَ مِصْرَ وَهِيَ أرْضٌ

يُسَمَّى فِيهَا القِيراطُ ، فَاسْتَوْصُوا بأهْلِهَا خَيْراً ؛ فَإنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِماً)) وفي رواية : ((فإذا افتتحتموها ، فأحسنوا إلى أهلها ؛ فإن لهم ذمة ورحمًا)) ، أَوْ قَالَ : ((ذِمَّةً وصِهْراً)) رواه مسلم . قَالَ العلماء : ((الرَّحِمُ)) : الَّتي لَهُمْ كَوْنُ هَاجَرَ أُمِّ إسْمَاعِيلَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ ، ((وَالصِّهْرُ)) : كَوْن مَارية أمِّ إبْراهيمَ ابن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنهُمْ .

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم جلد ہی ایک ایسی زمین کو فتح کروگے جس میں قیراط کا زیادہ چرچا ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم جلد ہی مصر کو فتح کروگے وہ ایسی زمین ہے جس میں قیراط کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ پس تم اس زمین کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اس لئے کہ ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ بھی ہے اور رشتہ داری بھی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم مصر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہو تو اس کے رہنے والوں کے ساتھ احسان کرنا اس لئے کہ ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ بھی ہے اور رشتہ داری بھی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے اور ہمارے سسرالی رشتہ دار ہیں۔"

علماء فرماتے ہیں کہ اہل مصر کے ساتھ رشتہ داری یہ تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر کی والدہ حضرت ہاجرہ ان میں سے تھیں اور سسرالی رشتہ یوں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا یہ مصر سے ہی تھیں۔"

حدیث کی تشریح: يُذْكَرُ فِيهَا الْقِيرَاطُ:

عرب میں جہاں پر درہم و دینار چلتا تھا اسی طرح قیراط بھی ایک سکہ ہے یہ دانق کا نصف ہے اور دانق درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں قیراط کا استعمال زیادہ تر مصر میں ہوتا تھا۔

" سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ " یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی تھی جو بہت جلدی پوری ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر فتح ہوگیا اور مصر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔

فَإنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَصِهْراً:

" ذِمَّةً " سے مراد حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کا ہونا ہے کیونکہ وہ بھی مصر سے تعلق رکھتی تھیں اور سسرالی تعلق کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا یہ بھی مصر کی تھیں۔

اہل قرابت کو جہنم کی آگ سے ڈرانا

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : لما نزلت هذِهِ الآية : ﴿ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ

الأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء : ٢١٤] دَعَا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشاً ، فَاجْتَمَعُوا فَعمَّ وَخَصَّ ، وَقَالَ : " يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ ، يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ ، أَنقِذُوا أَنفُسَكُمْ مِنَ النَّار ، يَا بَنِي مُرَّةَ بن كَعْبٍ ، أَنْقِذُوا أَنفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَاف ، أَنْقِذُوا أَنفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ، يَا بَنِي هَاشم ، أَنقذوا أنفسكم من النار ، يَا بنِي عبد المطلب ، انقذوا أنفسكم من النار ، يَا فَاطِمَةُ ، أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ . فَإِنِّي لا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئاً ، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِماً سَأَبُلُّهَا بِبِلالِهَا " رواه مسلم .

قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " بِبِلالِهَا " هُوَ بفتح الباء الثانيةِ وكسرها ، " وَالبلاَلُ " : الماءُ . ومعنى الحديث : سَأَصِلُهَا ، شَبَّه قَطِيعَتَهَا بالحَرارَةِ تُطْفَأُ بالماءِ وهذِهِ تُبَرَّدُ بالصِّلَةِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا' جب سب جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی خطاب بھی فرمایا اور خصوصی بھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنی عبد شمس' اے بنی کعب بن لوئی' اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ' اے بنو مرہ بن کعب اپنے اپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ' اے بنی عبد مناف اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ' اے بنی ہاشم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ' اے بنی عبد المطلب اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ' اے فاطمہ اپنے اپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کہ میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ تمہارے نسبی تعلق کی بناء پر صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔ (مسلم)

ببلالها باء ثانیہ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ 'اور بلال' پانی۔ اور حدیث کے معنی ہیں میں صلہ رحمی کروں گا' قطع رحمی کو حرارت سے تشبیہ دی جو پانی سے بجھائی جاتی ہے اور قطع رحمی صلہ رحمی سے ٹھنڈی کی جاتی ہے۔

اسی طرح یہاں یہ الفاظ: غیر أن لکم رحما سابلها ببلاها: یعنی میں تمہیں جہنم کی آگ سے تو نہیں بچا سکتا لیکن تمہارا مجھ سے جو نسبی تعلق ہے تو اس تعلق کی ٹھنڈک تمہیں پہنچ جائے گی' یعنی دنیا میں میں تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہوں گا اور قطع رحمی کی گرمی کو صلہ رحمی کی خنکی سے اور تری سے ٹھنڈا کرتا رہوں گا۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت مبارکہ "وانذر عشيرتك الاقربين" کے نزول کے بعد قریش کو جمع کیا اور ان سب سے عمومی اور خصوصی خطاب فرمایا اور انہیں جہنم کی آگ سے ڈرایا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ میں اللہ کے یہاں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ دنیا میں صلہ رحمی کرتا رہوں۔ (تحفۃ الاحوذی: ۹/۴۰)

مؤمنین کے دوست کون ہیں؟

وعن أبي عبد الله عمرو بن العاص رضي الله عنهما ، قَالَ : سمعت رَسُول الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جهاراً غَيْرَ سِرٍّ ، يَقُولُ : " إنَّ آل بَني فُلاَن لَيْسُوا بأولِيَائِي ، إنَّمَا وَلِيِّيَ الله وَصَالِحُ المُؤْمِنِينَ ، وَلَكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ أبُلُّهَا ببلاَلِهَا " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ، واللفظ للبخاري .

ترجمہ: حضرت ابو عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلے الفاظ میں بغیر کسی اخفاء کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں کی اولاد سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے' میرا ولی تو اللہ سے اور صالحہ مؤمنین ہیں۔ لیکن میرا اور ان کا قرابت کا تعلق ہے جس کو میں صلہ رحمی سے نمی پہچاؤں گا۔ (متفق علیہ) الفاظ حدیث بخاری کے ہیں۔

حدیث کی تشریح: محدثین کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس موقع پر ان لوگوں کا نام لیا تھا مگر راوی نے فتنہ کے خوف سے نام نہیں لیا لیکن بعض شارحین حدیث نے ابولہب کا نام ذکر کیا ہے اور بعض نے حکم بن ابی العاص کا نام ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی خاص شخص مراد نہیں ہے بلکہ قریش کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ بدستور اسلام کی دشمنی پر قائم رہے' اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ میرے اولیاء نہیں ہیں اور قرابت کی بناء پر ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور قطع رحمی کی گرمی کو صلہ رحمی کی نمی سے دور کرتا ہوں۔

ولكن لهم رحم أبلها ببلالها: ۔اہل عرب تری اور نمی کا صلہ رحمی پر اطلاق کرتے تھے اور اسی طرح قطع رحمی کو خشکی اور گرمی سے تعبیر کرتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نمی سے اشیاء باہم پیوست ہو جاتی اور جڑ جاتی ہیں جبکہ خشکی سے ٹوٹ جاتی اور جدا ہو جاتی ہیں۔ اس لیے قطع رحمی کے لیے استعارہ گرمی اور حدت کا ہوا او، رصلہ رحمی کے لیے استعارہ بلال اور نمی کا ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ میں قطع رحمی کی خشکی اور حدت کو صلہ رحمی کی نرمی اور نمی سے ٹھنڈا کر دیتا ہوں۔ (تحفۃ الاحوذی:۹/۴۰)

صلہ رحمی جنت کے اعمال میں سے ایک عمل ہے

أبي أيوب خالد بن زيد الأنصاري رضي الله عنه : أنَّ رجلاً قَالَ : يَا رَسُول الله ، أخْبِرْني بِعَمَلٍ يُدْخِلُني الجَنَّةَ ، وَيُبَاعِدُني مِنَ النَّارِ . فَقَالَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((تَعْبُدُ الله ، وَلاَ تُشْرِكُ بِهِ شَيئاً ، وَتُقِيمُ الصَّلاَةَ ، وتُؤتِي الزَّكَاةَ ، وتَصِلُ الرَّحِمَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول

اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کروادے اور جہنم سے دور کردے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔" (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: أَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُدْخِلُنِیَ الْجَنَّةَ:

اس صحابی کے سوال کرنے پر آپ نے ان کو چند اعمال کی طرف رہنمائی فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت صرف محض آرزوؤں اور تمناؤں سے بغیر ایمان واعمال کے نہیں ملے گی۔

تُقِیْمُ الصَّلَاةَ: خاص کر کے فرض نمازوں کو ان کے اوقات پر پڑھنے کا اہتمام کیا جائے کیونکہ جو نماز نہیں پڑھتا اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

وَتُؤْتِی الزَّکَاةَ: زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی فرض ہے اس کے انکار سے بھی کافر ہو جاتا ہے اور فرض ہونے کے بعد ادا نہ کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے۔

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر دوام اور استقلال سے اللہ جل شانہ کے یہاں ایسی نیکیاں ملتی ہیں جیسے کہ اونچے اونچے پہاڑ اور ان کی وجہ سے رزق میں بھی وسعت ہوتی ہے۔

۱- صدقہ کی مداومت اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ ۲- صلہ رحمی پر مداومت چاہے قلیل ہو۔
۳- اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ ۴- ہمیشہ باوضو رہنا۔
۵- والدین کی فرمانبرداری پر مداومت کرنا۔

کھجور سے افطاری کرنا سنت ہے

وعن سلمان بن عامر رضي الله عنه، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ، فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ؛ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ تَمْراً، فالمَاءُ؛ فَإِنَّهُ طَهُورٌ"، وَقالَ: "الصَّدَقَةُ عَلَى المِسكينِ صَدَقَةٌ، وعَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ" رواه الترمذي، وَقالَ: "حديث حسن"

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرے تو کھجور پر کرے کہ اس میں برکت ہے لیکن اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کرے کہ پانی پاکیزہ ہے' اور فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینا صدقہ ہے اور رشتہ داروں کو صدقہ دینے کا دگنا ثواب ہے صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے)

راوی کے حالات: حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ضبی یہ ایک ہی ہیں جو صحابی ہیں اور انکے علاوہ کوئی صحابی ضبی نہیں ہے ان سے تیرہ احادیث مروی ہیں۔ (دلیل الفالحین: ۲/۱۴۲)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں کھجور سے یا پانی سے روزہ کھولنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ کھجور سے روزہ کھولنا باعث ثواب اور باعث برکت ہے اور پانی طہور ہے کہ قرآن کریم میں ہے: "وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا" یعنی پانی پاک بھی ہے اور اس سے پیاس بھی بجھتی ہے چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی سے روزہ کھولا تو فرمایا کہ "ذهب الظماء" پیاس جاتی رہی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کھجور نہ ہو تو پانی ہی کافی ہے کہ اس سے بھی اصل سنت ادا ہو جائے گی کہ پانی طہور ہے یعنی منتہائے طہارت ہے اس لیے بہتر ہے کہ اس سے آغاز کیا جائے اور اس کو طہارت باطن اور طہارت ظاہر کی دلیل بنایا جائے۔

نیز فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ اور رشتہ دار کو صدقہ کا دہرا ثواب ہے یعنی رشتہ داروں کو صدقہ دینا افضل ہے کہ یہ دو خیر پر مشتمل ہے، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۳/۳۶۸)

والدین کی اطاعت کہاں تک جائز ہے

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ ، وَكُنْتُ أُحِبُّهَا ، وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا ، فَقَالَ لِي : طَلِّقْهَا ، فَأَبَيْتُ ، فَأَتَى عُمَرُ رضي الله عنه النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذلِكَ لَهُ ، فَقَالَ النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " طَلِّقْهَا " رواه أَبُو داود والترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن صحيح " .

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی، مجھے اس سے محبت تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے طلاق دیدو، میں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے طلاق دیدو۔ (ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے)

حدیث کی تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اہلیہ تھیں جنہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وجہ سے ناپسند فرماتے تھے یا کسی وجہ سے اسے اپنے صاحبزادے کے دین کے بارے میں مضر خیال کرتے تھے۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاحبزادے کو حکم دیا کہ اسے طلاق دو، انہیں تامل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ان سے سارا حال عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا حکم فرمایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دے دی۔

اگر والدین کسی معقول وجہ کی بناء پر بیٹے کو حکم دیا کہ بیوی کو طلاق دے دے تو ان کے حکم کو تسلیم کرنا چاہیے لیکن اگر کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو بلکہ محض ضد ہو تو طلاق دینا درست نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۴/۴۱۲)

والدین کی اطاعت

وعن أبي الدرداء رضي الله عنه : أن رجلاً أتاه ، قَالَ : إنّ لي امرأةً وإنّ أُمِّي تَأمُرُنِي بطَلاقِهَا ؟ فَقَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((الوَالِدُ أوْسَطُ أبْوَابِ الجَنَّةِ ، فَإنْ شِئْتَ ، فَأضِعْ ذلِكَ البَابَ ، أو احْفَظْهُ)) رواه الترمذي ، وَقَالَ : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: "حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری والدہ مجھے کہتی ہے کہ اس کو طلاق دے دو اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ باپ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے پس اگر تم چاہو تو اس دروازے کو ضائع کر دو یا اس کی حفاظت کرو۔" (ترمذی، صاحب ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: وَإِنَّ أُمِّي تَأْمُرُنِي بِطَلَاقِهَا:

علماء رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ جو امور شرعاً واجب ہوں تو والدین اس سے منع کریں تو اس صورت میں ان کی اطاعت جائز نہیں مثلاً والدین حج فرض یا طلب علم بقدر فرض کے لئے جانے نہ دیں تو اب اطاعت نہیں ہو گی۔

اسی طرح جو امور شرعاً ناجائز ہوں اور والدین اس کو کرنے کا حکم دیں تو اب اس میں بھی اطاعت نہیں ہو گی۔

بیوی کو طلاق دینا بلا عذر ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے اس لئے والدین کی صرف ضد کی بناء پر بیوی کو طلاق نہیں دی جاسکتی جب تک کہ شرعاً کوئی وجہ نہ ہو۔

يَقُوْلُ: اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ:

اس جملہ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ شرعی طور سے تمہاری بیوی کے اندر شرعاً وہ باتیں موجود ہیں جن کی بناء پر طلاق دی جاسکتی ہے تو اب اس کو طلاق دے دو اور اپنے والد کو بھی خوش کر دو۔ اگر تم طلاق نہیں دیتے تو اب والد بھی ناراض ہوتے ہیں اور والد کی ناراضگی سے تمہارا جنت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

اس حدیث میں علماء فرماتے ہیں بیوی کی محبت پر والدین کی اطاعت و رضامندی کو ترجیح دینے کی تاکید ہے۔

" يَقُوْلُ : اَلْوَالِدُ " یہاں پر والد میں والدہ بھی داخل ہے یہاں پر لغوی معنی مراد ہے بمعنی جننے والا، تو اب اس کے معنی کے اعتبار سے والد کا اطلاق ماں اور باپ دونوں پر ہوتا ہے۔ جس طرح والدین صیغہ تثنیہ سے ماں اور باپ دونوں مراد ہوتے ہیں اسی طرح والد کا اطلاق بھی دونوں پر ہوتا ہے۔

خالہ کا احترام کس قدر ہے

وعن البراء بن عازب رضي الله عنهما ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " الخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الأُمِّ " رواه الترمذي ، وَقَالَ : " حديث حسن صحيح " . وفي الباب أحاديث كثيرة

في الصحيح مشهورة ؛ مِنْهَا حديث أصحاب الغار ، وحديث جُرَيْجٍ وقد سبقا ، وأحاديث مشهورة في الصحيح حذفتها اختِصَاراً ، وَمِنْ أَهَمِّهَا حديث عَمْرو بن عَبَسَةَ رضي الله عنه الطَّويلُ المُشْتَمِلُ عَلَى جُمَلٍ كثيرةٍ مِنْ قَواعِدِ الإسْلام وآدابِهِ ، وَسَأَذْكُرُهُ بتمَامِهِ إنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى في باب الرَّجَاء ، قَالَ فِيهِ : دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ يَعْنِي : في أَوَّلِ النُّبُوَّةِ فقلتُ لَهُ : مَا أَنْتَ ؟ قَالَ : " نَبِيٌّ " ، فَقُلْتُ : وَمَا نَبِيٌّ ؟ قَالَ : " أَرْسَلَنِي اللهُ تَعَالَى " ، فقلت : بأيِّ شَيْءٍ أَرْسَلَكَ ؟ قَالَ : " أَرْسَلَنِي بِصِلَةِ الأَرْحَامِ وَكَسْرِ الأَوْثَانِ ، وَأَنْ يُوَحَّدَ اللهُ لاَ يُشْرَكَ بِهِ شَيْءٌ ... " وَذَكَرَ تَمَامَ الحَدِيث . والله أعلم .

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن صحیح ہے)

اس باب میں متعدد احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں جو مشہور ہیں' جیسے اصحاب غار کی حدیث اور حدیث جریج ہے اور یہ دونوں پہلے گزر چکی ہیں' اور میں نے کئی مشہور احادیث کو اختصار کی خاطر حذف کر دیا ہے' ان احادیث میں زیادہ اہم عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اسلام کے بہت سے احکام و آداب پر مشتمل ہے' یہ حدیث ان شاء اللہ باب الرجاء میں مکمل ذکر ہو گی۔ اس حدیث میں ہے کہ: میں مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اوائل نبوت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نبی ہوں میں نے دریافت کیا نبی کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے؟ میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا پیغام دے کر بھیجا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو صلہ رحمی کا اور بتوں کے توڑنے کا حکم دوں اور یہ کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کے بعد حدیث کو مکمل کیا۔ واللہ اعلم

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کا درجہ ماں کے برابر قرار دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں ہی کے درجہ میں ہے سو جس طرح ماں کی تکریم' اس کی خدمت' اس کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے احکام کی تعمیل اولاد پر لازم ہے اسی طرح خالہ کے ساتھ بھی حسن سلوک واجب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے' میری توبہ کا کیا طریقہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اس کے ساتھ نیکی کرو۔ (تحفۃ الاحوذی:۶/۱۴)

حدیث اصحاب الغار باب الاخلاص میں اور حدیث جریج باب فضل صعفۃ المسلمین میں گزر چکی ہے۔

باب تحريم العقوق وقطيعة الرحم

والدین کی نافرمانی اور قطع رحمی کی حرمت

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ﴾ [محمد : ٢٢٢٣]

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں۔ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، پھر کر دیاان کو بہرا اور اندھی کر دی ان کی آنکھیں۔" (محمد:۲۲،۲۳)

تفسیر: پہلی آیت میں "تَوَلَّيْتُمْ" آیا ہے۔اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ایک اعراض اور دوسرے کسی قوم یا جماعت پر حکومت۔ابو حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں پہلے معنی کو ترجیح دی ہے اور یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر تم احکام الٰہیہ سے روگردانی کرو گے جس میں جہاد بھی شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقے اختیار کر لو گے اور جس کے نتیجے میں زمین میں فساد پھیل جائے گا اور قطع رحمی عام ہو جائے گا۔

دوسرا مفہوم روح المعانی اور تفسیر القرطبی میں مذکور ہے یعنی یہ کہ اگر تمہیں اس حالت میں اقتدار حاصل ہو جائے تو اسکے سواء کچھ نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں اور قرابتوں کو توڑ ڈالو گے۔(معارف القرآن، تفسیر عثمانی)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴾ [الرعد : ٢٥]

ترجمہ۔اور اللہ نے فرمایا:"جو لوگ اللہ سے پختہ عہد کر کے اسے توڑتے ہیں اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں ایسے لوگوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔" (الرعد:۲۵)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں۔اس عہد میں عہد الست بھی شامل ہے اور وہ عہد بھی جو شہادتیں ادا کر کے ایک مسلمان عہد کر لیتا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے تمام احکام کا زندگی بھر پابند رہوں گا۔یہ لوگ ان تعلقات کو قطع کر دیتے ہیں جن کو قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔اس میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق بھی شامل ہے جس کا قطع کرنا ان کے احکام کی خلاف ورزی کرنا ہے اور اس میں وہ تمام تعلقات بھی شامل ہیں

جو انسانوں کے حقوق ادا کرنے کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے ہیں۔

مزید یہ کہ یہ لوگ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ زمین میں فساد پھیلانا در اصل نتیجہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کا۔ ایسے نافرمانوں اور سرکشوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے برا ٹھکانا ہے۔ (معارف القرآن، تفسیر مظہری)

وَقالَ تَعالَى : ﴿ وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوا إلاَّ إيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إحْسَاناً إمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاهُمَا فَلا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلاً كَرِيماً وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً ﴾ [الإسراء : ٢٣،٢٤]

ترجمہ۔ نیز فرمایا کہ "تمہارے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑ کو اور ان سے اچھی بات کرو اور تواضع اور نیاز مندی کے ساتھ اپنا پہلوان کے سامنے جھکا دو اور کہو اے رب العالمین! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے میری تربیت کی جب کہ میں چھوٹا تھا۔" (بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)

تفسیر: تیسری آیت کی توضیح باب بر الوالدین وصلۃ الارحام میں گزر چکی ہے۔

والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہے

وعن أبي بكرة نُفَيع بن الحارث رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " ألا أُنَبِّئُكُمْ بأكْبَرِ الكَبَائِرِ ؟ " ثلاثاً قُلْنَا : بَلَى ، يَا رَسُول الله ، قَالَ : "الإشْرَاكُ بالله ، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ " ، وكان مُتَّكِئاً فَجَلَسَ ، فَقَالَ : " ألاَ وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ " فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا : لَيْتَهُ سَكَتَ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کیا ہے، آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی ہم نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے بیٹھ گئے اور فرمایا خبردار جھوٹی گواہی، آپ یہ بات دھراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سوچا کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں مطلع نہ کردوں کہ بڑے گناہ کون سے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر مبعوث فرمایا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر اور ایک ایک لفظ واضح کر کے ادا فرماتے تا کہ سننے والے بخوبی سن بھی لیں اور کلمات مبارکہ کو یاد بھی کر لیں اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات کی اہمیت کو جتلانا چاہتے کہ سامعین کے بخوبی ذہن نشین ہو جائے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ ارشاد فرماتے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبائر کے تعین میں خاصا اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس گناہ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہنم کا ذکر فرمایا ہو یا غضب یا لعنت یا عذاب کا ذکر کیا ہو وہ کبیرہ ہے۔

اسی طرح کا قول حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جس گناہ پر آخرت میں جہنم کی سزا اور دنیا میں حد کی سزا رکھی ہو وہ کبیرہ گناہ ہے اور فقہائے شافعیہ میں سے الماوردی نے کہا ہے کہ "الكبيرة ما وجبت فيه الحدود أ توجه اليها الوعيد" (ہر معصیت جس کی حد بیان کی گئی ہو یا جس پر وعید آئی ہو کبیرہ ہے) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کبیرہ گناہ سات ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں ستر تک ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتائی ہے اور بعض نے سترہ تک تعداد بتائی ہے۔ حافظ ذہبی نے ستر گناہ بیان کیے ہیں۔

متعدد احادیث میں کبائر کا ذکر آیا ہے اور ایک حدیث میں سات مہلکات کا ذکر ہوا ہے۔ بہر کیف اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ذکر فرمائے 'شرک' والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی۔

شرک باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا' عقوق والدین' والدین کی نافرمانی یعنی ہر وہ کام جو والدین کی ناراضگی کا سبب بنے اور ان کو اس سے تکلیف پہنچے۔ کہا گیا ہے کہ ہر اس کام میں والدین کی اطاعت واجب ہے جو معصیت نہ ہو اور اس میں ان کی مخالفت اور نافرمانی ہو۔

اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سہارے کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو گئے۔ یعنی جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی باطل تک رسائی حاصل کرنا یا ناجائز مال حاصل کرنا یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنا' شرک باللہ کے بعد کسی گناہ کا نقصان اور اس کی مضرت جھوٹی گواہی سے زیادہ نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۳/ ۱۶۸' روضۃ المتقین: ۱/ ۳۷۵)

کبیرہ گناہ

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((الكَبَائِرُ: الإشْرَاكُ بالله، وَعُقُوقُ الوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْس، وَاليَمِينُ الغَمُوسُ)) رواه البخاري.

((اليمين الغموس)): التي يحلفها كاذباً عامداً، سميت غموساً؛ لأنها تغمس الحالِفَ في الإثم.

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور کسی نفس کو قتل کر دینا اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہوں سے ہے۔" (بخاری)

"الیمین الغموس" جو قسم آدمی جان بوجھ کر جھوٹی اٹھاتا ہے اس کا نام غموس اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ قسم کھانے والے کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے اور غموس کا معنی ڈبونا ہے۔

حدیث کی تشریح: اَلاِشْرَاكُ بِاللّٰه: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ اصول ایمانیات میں اصل اول ایمان باللہ ہے پھر اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک کرنے کو شرک کہتے ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے شرک کی دو قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) پہلا شرک اکبر: باطل معبودوں کو رب العالمین کے ساتھ برابر کرنا یہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ (۲) دوسرا شرک اصغر: ریاکاری، کسی کو دکھانے کے لئے عمل کرنا اللہ کے غیر کی قسم کھانا وغیرہ یہاں مراد پہلی قسم والا شرک ہے۔

"عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ" والدین کے ساتھ احسان اور اچھا معاملہ کرنے کی قرآن نے بار بار ترغیب دی ہے اس لئے والدین کی نافرمانی بالاتفاق کبیرہ گناہ میں سے ہے۔

وَقَتْلُ النَّفْس: کسی کو ناحق قتل کرنا۔ جب کسی کو ناحق قتل کیا جاتا ہے تو اللہ جل شانہ غضبناک ہو جاتے ہیں اور اس شخص پر لعنت ہوتی ہے قیامت کے دن مقتول، قاتل کو اللہ کے دربار میں لا کر پوچھے گا کہ اس سے پوچھو کہ اس نے مجھے کو کیوں قتل کیا تھا۔

یمین کی اقسام

فقہاء فرماتے ہیں کہ یمین کی تین قسمیں ہیں (۱) یمین لغو (۲) یمین منعقدہ (۳) یمین غموس۔

یمین لغو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ماضی کے کسی امر پر خلاف واقعہ قسم کھائے یہ سمجھ کر کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یمین لغو میں نہ کفارہ ہے اور نہ ہی گناہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لغو سے مراد وہ ہے جو بلا قصد منہ سے نکل جائے۔

یَمِیْن منعقدہ: مستقبل کے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس میں حانث ہونے کی صورت میں بالاتفاق کفارہ ہے۔

یمین غموس: ماضی کے کسی واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ غموس کے معنی غوطہ دینا یہ قسم کھانے والا بھی گناہ میں غوطہ لگاتا ہے دنیا و آخرت میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس قسم میں بھی کفارہ ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ نہیں۔ (کتب الفقہ)

والدین کو بُرا بھلا کبیرہ گناہ ہے

وعنه أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: " مِنَ الكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيهِ ! "، قالوا : يَا رَسُول الله ، وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ ؟! قَالَ : " نَعَمْ ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ ، فَيَسُبُّ أباه ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ ، فَيَسُبُّ أُمَّهُ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وفي رواية : " إنَّ مِنْ أَكْبَرِ الكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ ! " ، قِيلَ : يَا رَسُول الله ، كَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيهِ ؟! قَالَ: " يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ ، فَيَسُبُّ أباهُ ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ ، فَيَسُبُّ أُمَّهُ " .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے' صحابہ نے عرض کیا کہ کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ بہت بڑے کبیرہ گناہوں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو لعنت بھیجے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیسے کوئی شخص اپنے والدین کو لعنت کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ وہ کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اِس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

حدیث کی تشریح: قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کثرت سے اور بتاکید والدین کی خدمت' ان کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کی نافرمانی کرنے یا انہیں کسی طرح کی ایذاء پہنچانے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے بلکہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ ان کے سامنے اُف بھی نہ کہو' ان احکام کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہوگا کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے' والدین کو برا بھلا کہنا یا انہیں گالی دینا بہت گناہ اور برا کام ہے اور کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے کر اپنے ماں باپ کو گالی دلوانے کا سبب بن جانا بھی بہت گناہ اور بہت برا کام ہے یعنی جس طرح گناہ کا کرنا گناہ ہے اسی طرح گناہ کا سبب بنانا یا اس میں کسی طرح مددگار ہو جانا بھی گناہ اور معصیت ہے۔ (فتح الباری: ۳/۷۱۹۷، روضۃ المتقین: ۱/۳۷۸)

قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

وعن أبي محمد جبير بن مطعم رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لاَ يَدْخُلُ الجَنَّةَ قَاطِعٌ " قَالَ سفيان في روايته : يَعْنِي : قَاطِع رَحِم . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا' سفیان نے کہا کہ رشتوں کو توڑنے والا مراد ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد ہوا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی دو طرح تاویل کی جاسکتی ہے ایک یہ کہ یہ قطع رحمی کرنے والا وہ ہے جو اسے حلال سمجھ کر کرتا ہے اور جان بوجھ کر اور اس کی حرمت کا علم رکھتے ہوئے بلا تاویل اور بلاشبہ اس کو حلال سمجھتا ہے تو ایسا شخص جہنم میں جائے گا۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والا پہلے ہی مرحلے میں جنت میں نہیں جائے گا بلکہ جہنم میں سزا بھگت کر پھر جنت میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء

وعن أبي عيسى المغيرة بن شعبة رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: ((إنَّ اللهَ تَعَالَى حَرَّمَ عَلَيْكُمْ : عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ ، وَمَنْعاً وهاتِ ، وَوَأْد البَنَاتِ ، وكَرِهَ لَكُمْ: قِيلَ وَقالَ ، وَكَثْرَةَ السُّؤَال ، وَإضَاعَةَ المَال)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

قوله: "منعاً" معناه: منع ما وجب عليه، و "هات" طلب ما ليس له. و "وأدالبنات" معناه: دفنهن في الحياة، و "قيل وقال" معناه: الحديث بكلِّ ما يسمعه، فيقول: قيل كذا، وقال فلان كذا مما لا يعلم صحته، ولا يظنها، وكفى بالمرء كذباً ان يحدث بكل ما سمع و "إضاعة المال" تبذيره وصرفه في غير الوُجُوه المأذون فيها من مقاصد الآخرة والدنيا، وترك حفظه مع إمكانَ الحفظ. و "كثرة السوال" الإلحاح فيما لا حاجة إليه.

وفي الباب أحاديث سبقت في الباب قبله كحديث: "وأقطع من قطعك" وحديث: "من قطعني قطعه الله"

ترجمہ: "حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے تم پر (۱) ماں باپ کی نافرمانی کرنا (۲) اور اپنے مال کو روک کر رکھنا اور دوسروں کے مال کو ناجائز قبضے میں کرنا (۳) اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام قرار دیا ہے (۴) اور تمہارے لئے حرام کر دیا ہے بے مقصد گفتگو کرنا (۵) زیادہ سوال کرنا (۶) اور مال کو ضائع کرنا۔" (بخاری و مسلم)

"منعا" جو مال دینا ضروری ہے اس کو نہ دینا۔ "وھات" جس مال پر کچھ حق نہ ہو اس کو طلب کرنا۔

"ووأد البنات" لڑکیوں کو زندہ گاڑ دینا "قیل و قال" جس بات کو سنا اس کو بیان کر دینا کہ فلاں بات کہی گئی ہے اور فلاں نے فلاں بات کہی ہے۔ جب تک اس بات کی صحت کا علم نہیں ہو اور آدمی کے لئے اتنا جھوٹ ہی کافی ہے کہ وہ جو بات سنے اس کو بیان کر دے۔

اضاعۃ المال: فضول خرچی کرنا اور جن راستوں پر مال خرچ کرنے کی اجازت ہے ان راستوں میں خرچ کرنا

یعنی جن میں آخرت اور دنیا کے مقاصد موجود ہیں اس کے غیر میں مال کو خرچ کرنا اور مال کی حفاظت نہ کرنا جب کہ اس کیلئے حفاظت کرنا ممکن تھا یہ سب صورتیں مال کو ضائع کرنے کے مترادف ہیں۔

کثرۃ السؤال: بلاضرورت مبالغہ سے سوال کرنا۔

اس باب کی بہت سی حدیثیں اس سے پہلے باب میں گذر چکی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو تجھ کو قطع کرے گا اس سے میں تعلق منقطع کرلونگا اور یہ حدیث کہ صلہ رحمی کہتی ہے کہ جو مجھے قطع کرے گا اللہ اس کو قطع کرے گا۔

حدیث کی تشریح: ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اخلاق کے بارے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اور جوامع الکلم میں سے ہے۔ (مرقاۃ)

" إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْأُمَّهَاتِ." علماء فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں چھ کاموں سے روکا گیا ہے پہلا ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس میں ماں کے ساتھ باپ بھی داخل ہے ماں کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا کہ ماں، باپ سے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے اور وہ معمولی سی پریشانی بھی برداشت نہیں کرسکتی۔

دوسرا: "وَوَأْدُ الْبَنَاتِ" زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی جس کو شریعت نے حرام قرار دیا اور لڑکیوں کی پرورش پر جنت کا وعدہ کیا۔

تیسرا: "وَمنع وهات" ہر وہ چیز جس کو شریعت نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اس کو خرچ نہ کرنا خواہ وہ مال ہو یا علم ہو یا لوگوں کے حقوق ہوں سب اس میں داخل ہیں۔

چوتھا: "قیل و قال" عربی زبان میں قیل و قال لغو اور فضول بات کرنے کو کہتے ہیں جسکا نہ دنیا کا فائدہ ہو نہ آخرت کا۔

پانچواں: "كَثْرَةُ السُّوَالِ" کثرت سے سوال کرنا۔ اصل خطاب صحابہؓ کو تھا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوال مت کرو جس سے آپ کو تکلیف ہو اس کی ممانعت قرآن میں بھی کی گئی ہے۔ (مظاہر حق)

(يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ الخ)

اے ایمان والوں! مت پوچھو بہت سی ان چیزوں کے بارے میں اگر وہ تم پر کھول دی جائیں تو تم کو بری لگیں۔

چھٹا: "وَاِضَاعَةُ الْمَالِ" مال کو ضائع کرنا۔ خواہ آدمی مال کو آگ میں ڈال دے یا پانی میں ڈال کر ضائع کرے یا فضول خرچی کرے گناہوں کے کام میں لگائے سب ہی مراد ہو سکتا ہے۔ (مظاہر حق) ایک حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن آدمی سے اس بات کا بھی سوال ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔

باب فضل بر أصدقاء الأب والأم والأقارب والزوجة وسائر من يندب إكرامه

والد اور والدہ کے دوستوں اور رشتہ داروں اور بیوی اور وہ تمام لوگ جن کیساتھ حسن سلوک مستحب ہے ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی فضیلت کا بیان

عن ابن عمر رضي الله عنهما : أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إنَّ أبَرَّ البرِّ أنْ يَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أبيهِ)) .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بہت بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔"

حدیث کی تشریح: **أَنْ يَّصِلَ الرَّجُلُ وَدَّأَبِيْهِ:** مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس کے بعد " أن يولى " کا لفظ بھی ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد۔

مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کا بھی احترام واکرام کرے اور ساتھ ساتھ ان کی وجہ سے ان کے دوستوں کا بھی احترام واکرام کرے خاص کر کے جب وہ دنیا سے رخصت ہو جائیں تو اب ان کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس میں " ودّابيه " یعنی باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک میں ماں کی سہیلیاں بدرجہ اولیٰ داخل ہوں گی کہ ان کے ساتھ بھی آدمی حسن سلوک کرے۔ (مظاہر حق)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے والد کے دوست کیساتھ حسن سلوک کا واقعہ

وعن عبد الله بن دينار ، عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما : أنَّ رَجُلاً مِنَ الأعْرَابِ لَقِيَهُ بطَرِيق مَكَّةَ ، فَسَلَّمَ عَلَيهِ عبدُ الله بْنُ عُمَرَ ، وَحَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ كَانَ يَرْكَبُهُ ، وَأعْطَاهُ عِمَامَةً كَانَتْ عَلَى رَأسِهِ ، قَالَ ابنُ دِينَار : فَقُلْنَا لَهُ : أصْلَحَكَ الله ، إنَّهُمُ الأعْرَابُ وَهُم يَرْضَوْنَ باليَسير ، فَقَالَ عبد الله بن عمر : إن أبَا هَذَا كَانَ وُدّاً لِعُمَرَ بن الخطاب رضي الله عنه ، وإنِّي سَمِعتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " إنَّ أبرَّ البرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أهْلَ وُدِّ أبيهِ " .

وفي رواية عن ابن دينار ، عن ابن عمر : أنَّهُ كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَى مَكّةَ كَانَ لَهُ حِمَارٌ يَترَوَّحُ عَلَيهِ

إِذَا مَلَّ رُكُوبَ الرَّاحِلَةِ ، وَعِمَامَةٌ يَشُدُّ بِهَا رَأْسَهُ ، فَبَيْنَا هُوَ يَوماً عَلَى ذَلِكَ الحِمَارِ إِذْ مَرَّ بِهِ أَعْرَابِيٌّ ، فَقَالَ : أَلَسْتَ فُلاَنَ بْنَ فُلاَنٍ ؟ قَالَ : بَلَى . فَأَعْطَاهُ الحِمَارَ ، فَقَالَ : ارْكَبْ هَذَا ، وَأَعْطَاهُ العِمَامَةَ وَقَالَ : اشْدُدْ بِهَا رَأْسَكَ ، فَقَالَ لَهُ بعضُ أَصْحَابِهِ : غَفَرَ اللهُ لَكَ أَعْطَيْتَ هَذَا الأَعْرَابِيَّ حِمَاراً كُنْتَ تَرَوَّحُ عَلَيْهِ ، وعِمَامَةً كُنْتَ تَشُدُّ بِهَا رَأْسَكَ ؟ فَقَالَ : إِنِّي سَمِعتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَقُولُ : " إِنَّ مِنْ أَبَرِّ البِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ " وَإِنَّ أَبَاهُ كَانَ صَدِيقاً لِعُمَرَ رضي الله عنه .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے راستہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک اعرابی ملا' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سلام کیا اور جس گدھے پر سوار تھے اس پر اسے بٹھادیا اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر اسے پہنادیا۔

عبداللہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھلا کرے' یہ تو اعراب ہیں تھوڑے پر بھی خوش ہو جاتے ہیں' اس پر عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ اس شخص کا باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا' اور میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بہترین نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ (مسلم)

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک گدھا تھا' وہ جب مکہ مکرمہ جاتے اور اونٹ کی سواری سے تھک جاتے تو کچھ وقت کے لئے اس پر بیٹھ جاتے اور سر پر عمامہ باندھ لیتے تھے' ایک مرتبہ اسی طرح گدھے پر سوار تھے کہ ایک اعرابی سامنے آیا' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ کیا تم فلاں بن فلاں ہو' اس نے کہا کہ ہاں' تو انہوں نے اسے وہ گدھا عطا کر دیا اور فرمایا کہ اس پر سوار ہو جاؤ اور اپنا عمامہ بھی اتار کر دیدیا کہ اس کو سر پر باندھ لو' آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے آپ نے اس اعرابی کو اپنا گدھا دے دیا جس پر آپ سواری کرتے تھے اور عمامہ بھی دیدیا جس سے آپ سر باندھا کرتے تھے' آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بہترین نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے چلے جانے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے' اور اس کا باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا' یہ روایات امام مسلم نے نقل کی ہیں۔

حدیث کی تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے اور ان تمام اعمال و اخلاق پر عمل کرتے جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک ایک اسوۂ حسنہ کو یاد کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور ہر نصیحت کو روبہ عمل لاتے۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطور خاص سنن نبوی کا تتبع کرتے اور ان پر عمل کرتے حتیٰ کہ اگر کبھی راستہ میں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی درخت کے سائے میں رُکے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہتمام فرماتے کہ اس کے درخت کے سائے میں تھوڑی دیر رُک جائیں اور اس درخت کو پانی دیتے تاکہ وہ سرسبز و شاداب رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کے سفر میں اپنے ساتھ ایک گدھا بھی رکھتے تھے تاکہ اونٹ کی سواری سے تھک جائیں تو کچھ وقت اس گدھے پر بیٹھ کر سفر طے کر لیں۔ ایک موقع پر اسی طرح تشریف لے جا رہے تھے، سر پر عمامہ بندھا ہوا تھا، ایک اعرابی ملا آپ نے اسے اپنے گدھے پر سوار کرا دیا اور اپنا عمامہ بھی اس کو دیدیا کہ اس کو اپنے سر پر باندھ لو اور بتایا کہ یہ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوست ہے یا اس کا باپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوست تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بہترین نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں سے حسن سلوک کرے۔

اور اسی طرح روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لیے گئے اور فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں کیوں آیا ہوں، میں اس لیے آیا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص باپ کے مرنے کے بعد اس سے صلہ رحمی کرنا چاہے تو اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور میرے باپ اور تمہارے والد کے درمیان دوستی تھی۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۶/ ۸۸، روضۃ المتقین: ۱/ ۳۸۰، مظاہر حق جدید ۴/ ۵۱۳)

والدین کی وفات کے بعد ان کے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

وعن أبي أُسَيد بضم الهمزة وفتح السين مالك بن ربيعة الساعدي رضي الله عنه ، قَالَ : بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي سَلَمَةَ ، فَقَالَ : يَا رسولَ اللهِ ، هَلْ بَقِيَ مِنْ برِّ أَبَوَيَّ شَيء أبرُّهُما بِهِ بَعْدَ مَوتِهِمَا ؟ فَقَالَ : ((نَعَمْ ، الصَّلاَةُ((٢)) عَلَيْهِمَا ، والاسْتِغْفَارُ لَهُمَا ، وَإنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِما ، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لا تُوصَلُ إلاَّ بِهِمَا ، وَإكرامُ صَدِيقِهِمَا)) رواه أبُو داود

ترجمہ: ”حضرت ابو اسید (ہمزہ کے پیش اور سین کے زبر کے ساتھ) مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے کہ بنو سلمہ قبیلہ کا ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میرے والدین کے فوت ہو جانے کے بعد کوئی ایسی نیکی بھی باقی ہے کہ میں اس کے ساتھ کر سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں! اس کے لئے دعا مانگنا اور ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا اور ان کی وفات کے بعد ان کے وعدوں کو پورا کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔“ (ابوداؤد)

حدیث کی تشریح: امام سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی زندگی میں نافرمان ہو پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے لئے استغفار کرے اگر ان کے ذمہ قرض ہو تو اس کو ادا کرے اور ان کو برا نہ کہے تو وہ فرمانبرداروں میں شمار ہو جاتا ہے اور جو شخص والدین کی زندگی میں فرمانبردار تھا لیکن ان کے مرنے کے بعد ان کو برا بھلا کہتا ہے ان کا قرض بھی ادا نہیں کرتا ہے ان کے لئے استغفار بھی نہیں کرتا وہ نافرمان شمار ہو جاتا ہے۔ (در منثور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کیساتھ حسن سلوک

وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : مَا غِرْتُ عَلَى أحَدٍ مِنْ نِسَاء النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَة رضي الله عنها ، وَمَا رَأيْتُهَا قَطُّ ، وَلَكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا ، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ، ثُمَّ يقَطِّعُهَا أعْضَاء ، ثُمَّ يَبْعَثُهَا في صَدَائِق خَدِيجَةَ ، فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ : كَأنْ لَمْ يَكُنْ في الدُّنْيَا إلاَّ خَدِيجَةَ ! فَيَقُولُ : " إنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِي مِنْهَا وَلَدٌ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وفي رواية : وإنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاءَ ، فَيُهْدِي في خَلاَئِلِهَا مِنْهَا مَا يَسَعُهُنَّ .وفي رواية:كَانَ إذَا ذبح الشاة، يقولُ : " أرْسِلُوا بِهَا إِلَى أصْدِقَاء خَدِيجَةَ " .وفي رواية : قَالَت : اسْتَأذَنتْ هَالَةُ بِنْتُ خُوَيْلِد أُخْتُ خَدِيجَةَ عَلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَعرفَ اسْتِئذَانَ خَدِيجَةَ ، فَارتَاحَ لِذَلِكَ ، فَقَالَ : " اللَّهُمَّ هَالَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ " .قولُهَا : " فَارتَاحَ " هُوَ بالحاء ، وفي الجمعِ بَيْنَ الصحيحين للحُميدِي : " فارتاع " بالعين ومعناه : اهتم بِهِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے مجھے غیرت محسوس نہیں ہوتی تھی، مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محسوس ہوتی تھی، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہ تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور کبھی بکری ذبح فرما کر اس کے حصے بنا کر ان کی سہیلیوں کو بھیجتے، کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ دیتیں جیسا کہ دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی اور عورت ہی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ وہ تو وہی تھی اور میری اس سے اولاد ہے۔ (متفق علیہ) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ بکری ذبح فرما کر حضرت خدیجہ کی سہیلیوں میں گنجائش کے مطابق ہدیۃً بھجوا دیتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب بکری ذبح فرماتے تو کہتے کہ اس کو خدیجہ کی سہیلیوں میں بھیج دو، اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ بنت خویلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

آئیں اور اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدیجہ کا اجازت طلب کرنا یاد آگیا' جس سے آپ مسرور ہوئے اور فرمایا: اے اللہ! ہالہ بنت خویلد ہو۔

حدیث کی تشریح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج میں سب سے زیادہ تعلق خاطر رکھتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر خوش ہوتی تھیں۔ اسی لیے فرماتی ہیں کہ ازواج مطہرات میں سے کسی سے مجھے غیرت محسوس نہیں ہوئی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی سن تمیز کو نہیں پہنچیں تھیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا چکی تھیں۔ اس کی تائید صحیحین میں وارد ایک حدیث کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کو تین سال ہو چکے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یاد فرماتے' بکری ذبح کر کے ان کی دوستوں کے گھر بھجواتے' حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد آئیں' باہر سے ان کی آواز سن کر خوش ہو گئے اور حضرت خدیجہ یاد آگئیں اور فرمایا: اے اللہ! یہ ہالہ ہو۔

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ غیرت محسوس ہوئی جو سوکن کو سوکن پر ہوتی ہے اور کبھی فرمادیتیں کہ کیا دنیا میں خدیجہ ہی ایک عورت ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف فرماتے اور کہتے کہ وہ تو بس وہی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک موقع پر فرمایا کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدیجہ کے بدلے میں بہترین ازواج نہیں عطا فرمادیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' نہیں اللہ کی قسم! جب میری قوم نے مجھے جھٹلایا وہ مجھ پر ایمان لائی۔ جب میری قوم نے مجھے بے وقعت کیا اس نے میری مدد کی اور جب میری قوم نے مجھے تنگ دست رکھا' اس نے مجھے اپنا مال دیا' ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ اس سے میری اولاد بھی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی سوائے ابراہیم کے کہ وہ حضرت ماریہ سے ہوئے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۱۵۷' فتح الباری: ۲/۴۵۴)

ایک صحابی کا دوسرے صحابی کو پورے سفر میں خدمت کرنا

وعن أنس بن مالك رضي الله عنه ، قَالَ : خرجت مَعَ جرير بن عبد الله البَجَليّ رضي الله عنه في سَفَرٍ ، فَكَانَ يَخْدُمُني ، فَقُلْتُ لَهُ : لاَ تَفْعَل ، فَقَالَ : إنِّي قَدْ رَأيْتُ الأنْصَارَ تَصْنَعُ برسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شيئاً آلَيْتُ عَلَى نَفْسِي أنْ لا أصْحَبَ أحَداً مِنْهُمْ إلاَّ خَدَمْتُهُ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا وہ میری خدمت کیا کرتے تھے میں ان سے کہتا کہ ایسا نہ کرو، وہ جواب دیتا کہ میں نے دیکھا کہ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے تو میں نے قسم اٹھائی کہ میں انصار میں سے جس کی رفاقت میں جاؤں گا اس کی خدمت میں کیا کروں گا۔“ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: فَکَانَ یَخْدِمُنِیْ : حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ میری خدمت کرتے اگرچہ میں ان سے عمر میں چھوٹا تھا چاہئے یہ کہ میں ان کی خدمت کرتا۔

علماء نے لکھا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس قدر تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں کی خدمت کرنے کو بھی اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔

”**لاتفعل**“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ سے کہا کہ آپ میری خدمت نہ کریں، میں چھوٹا ہوں میں آپ کی خدمت کروں گا۔

اس جملہ میں صحابہؓ کے تواضع کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹے کی تعظیم وخدمت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ (روضۃ المتقین ۱/۳۸۳ نزھۃ المتقین ۱/۲۷۳)

....

باب إكرام أهل بيت رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وبيان فضلهم

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام اور ان کے فضائل

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ [الأحزاب: ٣٣]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمہیں بالکل پاک کردے۔“

تفسیر: پہلی آیت کریمہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو احکام الٰہی پر عمل کرا کے خوب پاک وصاف کردے اور ان کے مرتبہ کے مطابق ان کی ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی رفعت عطا فرمادے جو دوسرے تمام لوگوں سے ممتاز وفائق ہو۔ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ مراد ہے جو اولیاء کامل کو عطا ہوتا ہے جس کے بعد وہ معصوم تو نہیں بنتے البتہ محفوظ

ہو جاتے ہیں۔ نظم قرآنی میں غور کرنے والوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی تردد نہیں ہو سکتا کہ اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں بلکہ آیت کا خطاب اولاً انہی سے ہے لیکن اولاد اور داماد بھی اہل بیت میں داخل ہیں بلکہ بعض حیثیت سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں یعنی اگرچہ نزول آیت اولاً ازواج ہی کے حق میں ہے اور وہی اولین مخاطب ہیں مگر اولاد بھی اس فضیلت میں داخل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴾ [الحج : ٣٢]

ترجمہ نیز فرمایا: "جو شخص اللہ کے مقرر کردہ شعائر کی تعظیم کرے تو یہ اس کے قلب کا تقویٰ ہے۔" (الحج:۳۲)

تفسیر: دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ جس کے دل میں اللہ کی عظمت ہو گی اور اس کی ہیبت و خشیت ہو گی وہ اللہ کے مقرر کردہ احکام پر عمل کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی نشانیوں کی تعظیم کرے گا اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی اللہ ہی کی جانب ہے اس لیے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و تعظیم اور ان کے احکام کی فرمانبرداری بھی لازم ہے اور فرض ہے جو اہل بیت اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں ان کی تکریم و تعظیم بھی ضروری ہے۔

کتاب اللہ اور اہل بیت رسولؐ دونوں کا احترام ضروری ہے

وعن يزيد بن حَيَّانَ ، قَالَ : انْطَلَقْتُ أنَا وحُصَيْنُ بْنُ سَبْرَة ، وَعَمْرُو ابن مُسْلِم إلَى زَيْد بْنِ أرقَمَ رضي الله عنهم ، فَلَمَّا جلَسْنَا إلَيْهِ قَالَ لَهُ حُصَيْن : لَقَدْ لقِيتَ يَا زَيْدُ خَيْراً كَثِيراً ، رَأيْتَ رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وسمعتَ حديثَهُ ، وغزوْتَ معَهُ ، وَصَلَّيْتَ خَلْفَهُ : لَقَدْ لَقِيتَ يَا زَيْدُ خيْراً كثيراً ، حَدِّثْنَا يَا زَيْدُ مَا سَمِعْتَ مِنْ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَا ابْنَ أخِي ، وَاللهِ لقد كَبِرَتْ سِنِّي ، وَقَدُمَ عهدِي ، وَنَسيتُ بَعْضَ الَّذِي كُنْتُ أعِي مِنْ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فما حَدَّثْتُكُمْ ، فَاقْبَلُوا ، وَمَا لا فَلاَ تُكَلِّفُونيهِ . ثُمَّ قَالَ : قَام رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوماً فينا خَطِيباً بمَاء يُدْعَى خُمّاً بَيْنَ مَكَّةَ وَالمَدِينَةِ ، فَحمِدَ الله ، وَأثْنَى عَلَيْهِ ، وَوعظَ وَذَكَّرَ ، ثُمَّ قَالَ : " أمَّا بَعدُ ، ألاَ أَيُّهَا النَّاسُ ، فَإِنَّمَا أنَا بَشَرٌ يُوشِكَ أنْ يَأتِي رسولُ رَبِّي فَأُجِيبَ ، وَأنَا تارك فيكم ثَقَلَيْنِ : أَوَّلُهمَا كِتَابُ اللهِ ، فِيهِ الهُدَى وَالنُّورُ ، فَخُذُوا بكتَابِ الله ، وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ " ، فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ الله ، وَرَغَّبَ فِيهِ ، ثُمَّ قَالَ : " وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي ، أذكركُمُ اللهَ فِي أهل بيتِي " فَقَالَ لَهُ حُصَيْنٌ : وَمَنْ أَهْلُ بيتهِ يَا زَيْدُ ، أَلَيْسَ نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ ؟ قَالَ : نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بيتهِ ، وَلكِنْ أَهْلُ بيتِهِ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعدَهُ ، قَالَ : وَمَنْ هُمْ ؟ قَالَ : هُمْ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عقيل وَآلُ جعفَرَ وَآلُ عَبَّاسٍ . قَالَ : كُلُّ هؤلاء حُرِمَ الصَّدَقَةَ ؟ قَالَ : نَعَمْ .

رواه مسلم . وفي رواية : " ألاَ وَإنّي تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقلَيْن : أحَدُهُما كِتَابُ الله وَهُوَ حَبْلُ الله ، مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الهُدَى ، وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلَى ضَلالَة " .

ترجمہ: حضرت یزید بن حیان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرہ اور عمرو بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصین نے کہا کہ زید آپ کو بڑی خیر کثیر ملی' آپ نے اللہ کے رسول کو دیکھا' ان کی باتیں سنیں' ان کے ساتھ غزوات میں شرکت اور ان کی اقتداء میں نماز ادا کی' یقیناً زید آپ کو خیر کثیر ملی' اے زید ہمیں کوئی حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو' انہوں نے کہا کہ میرے بھتیجے میری عمر زیادہ ہو گئی اور زیادہ وقت گزر گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث یاد تھی ان میں سے بعض میں بھول بھی گیا' اب جو بیان کروں اسے قبول کر لو اور جو بیان نہ کروں اس کا تم مجھے مکلف نہ بناؤ' پھر کہنے لگے' کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان مکہ اور مدینہ کے درمیان خم نامی پانی کے چشمے پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے' حمد و ثناء اور وعظ و تذکیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اما بعد' اے لوگو! میں بھی بشر ہوں' قریب ہے کہ اللہ کا رسول میرے پاس موت کا پیام لے کر آ جائے اور میں اسے لبیک کہہ دوں' میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑنے والا ہوں ایک کتاب اللہ جو سراسر ہدایت اور نور ہے۔ اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور خوب مضبوطی سے تھام لو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ پر عمل کی تاکید کی اور ترغیب دلائی' پھر فرمایا' اور میرے اہل بیت اور میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں' میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں' حصین نے کہا کہ اے زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدقہ لینا حرام ہے' حصین نے کہا کہ وہ کون ہیں؟ زید نے فرمایا کہ آل علی آل عقیل آل جعفر اور آل عباس' حصین نے کہا کہ کیا ان پر صدقہ حرام ہے تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جی ہاں۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے خبردار میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب اور وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کی اتباع کی وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہے۔

راوی کے حالات: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

سترہ غزوات میں شرکت فرمائی اور احد کے موقع پر وہ چھوٹے تھے اس لیے جنگ میں شرکت نہ کر سکے۔ آپ سے ستر احادیث منقول ہیں جنمیں سے چار متفق علیہ ہیں۔ ۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ (دلیل الفالحین: ۲/ ۱۶۲)

حدیث کی تشریح: متعدد احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور سنت کو مضبوطی سے تھامنے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں' اللہ کی کتاب اور اہل بیت۔ اللہ کی کتاب سراسر ہدایت اور نور ہے کہ اس پر عمل کرنے سے راہ حق روشن ہوتی ہے اور انسان اس کتاب پر عمل کر کے دنیا کی زندگی سنوار سکتا ہے اور آخرت کی صلاح و فلاح حاصل کر سکتا ہے اور اہل بیت کے بارے میں میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل بیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور وہ سب اہل بیت ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ ہیں آل علی' آل عقیل' آل جعفر اور آل عباس۔ (شرح مسلم للنووی: ۱۶/ ۱۴۵)

اہل بیت کی عزت کرنے کا حکم

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه مَوقُوفاً عَلَيهِ أَنَّهُ قَالَ : ارْقَبُوا مُحَمداً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في أهْلِ بَيْتِهِ . رواه البخاري . معنى ((ارقبوه)) : راعوه واحترموه وأكرموه ، والله أعلم .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و احترام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت کی عزت کرو۔" (بخاری)

حدیث کی تشریح: اِرْقَبُوْا مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ أَھْلِ بَیْتِہٖ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا اکرام کرو۔

مطلب یہ ہے کہ میری نسبت کا خیال رکھتے ہوئے اہل بیت کے حقوق کا بھی خیال رکھنا اور جو اہل بیت کی عزت کرے گا وہ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کرنے والا شمار ہوگا۔ بعض علماء کے بقول مطلب یہی ہے جیسے کوئی شفیق باپ مرتے وقت اپنی اولاد کے بارے میں کسی کو وصیت کرتا ہے کہ میں اپنی اولاد چھوڑ کر جا رہا ہوں تم ان کی خوب دیکھ بھال کرنا اور ان کے حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا۔" (مظاہر حق جدید ۵/ ۴۷۶)

باب توقير العلماء والكبار وأهل الفضل وتقديمهم عَلَى غيرهم ورفع مجالسهم وإظهار مرتبتهم

علماء بزرگوں اور اہل فضل لوگوں کی عزت کرنا اور ان کو ان کے غیر پر مقدم کرنا اور ان کی مجالس کی قدر و مرتبت کو بڑھانے اور ان کے مرتبے کو نمایاں کرنے کا بیان

قَالَ الله تَعَالَى: ﴿ قُلْ هلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الأَلْبَابِ ﴾ [الزمر:۹]

ترجمہ: اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہوں اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل مند لوگ ہی پکڑتے ہیں۔"

تفسیر: علماء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس آیت میں استفہام انکاری ہے جیسے کوئی سچا آدمی یوں کہے کہ کیا میں جھوٹ بولتا ہوں؟ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرا جھوٹ نہ بولنا بالکل ظاہر ہے اسی لئے آیت بالا میں فرمایا جا رہا ہے کیا علم والے اور جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

بعض نے کہا "اَلَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ" سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مراد ہیں "اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ" سے ابو حذیفہ مخزومی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت اگرچہ کسی کے بارے میں نازل ہو مگر اس کا مفہوم عام ہوتا ہے۔

امامت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

وعن أبي مسعودٍ عقبةَ بن عمرو البدري الأنصاري رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يَؤُمُّ القَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ الله ، فَإِنْ كَانُوا في القِراءةِ سَوَاءً ، فَأَعْلَمُهُمْ بالسُّنَّةِ ، فَإِنْ كَانُوا في السُّنَّةِ سَوَاءً ، فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً ، فَإنْ كَانُوا في الهِجْرَةِ سَوَاءً ، فَأَقْدَمُهُمْ سِنّاً ، وَلاَ يُؤمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ في سُلْطَانِهِ ، وَلاَ يَقْعُدْ في بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إلاَّ بِإذْنِهِ)) رواه مسلم .

وفي رواية لَهُ : ((فَأَقْدَمُهُمْ سِلْماً)) بَدَلَ ((سِنّاً)) : أيْ إسْلاماً . وفي رواية : ((يَؤُمُّ القَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ ، وَأَقْدَمُهُمْ قِراءةً ، فَإنْ كَانَتْ قِرَاءتُهُمْ سَوَاءً فَيَؤُمُّهُمْ أَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً ، فَإنْ كَانُوا في الهِجْرَةِ سَوَاء ، فَلْيَؤُمُّهُمْ أكْبَرُهُمْ سِنّاً)) .

والمراد ((بِسلطانهِ)) : محل ولايتهِ ، أو الموضعِ الَّذِي يختص بهِ ((وتَكرِمتُهُ)) بفتح التاءِ وكسر الراءِ : وهي مَا ينفرد بهِ من فِراشٍ وسَرِيرٍ ونحوهِما .

ترجمہ: عقبہ بن عمرو بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کا امام وہ شخص بنے جو اللہ پاک کی کتاب کو سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو اگر پڑھنے میں تمام برابر ہوں تو وہ انسان جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ شخص جو ہجرت کرنے میں دوسروں سے مقدم ہو' اور کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی حکومت میں امامت نہ کرے اور نہ کسی آدمی کے گھر میں اس کی عزت والی مسند پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھے "۔(مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں "سنًّا" کے بدلے میں "سلمًا" کا لفظ مروی ہے یعنی وہ آدمی جس کا اسلام قدیم ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والا ہو اور قرأت میں زیادہ تجربہ رکھتا ہو اور اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرے جو ہجرت میں مقدم ہو اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو وہ امام بنے۔

"سلطانه" اس سے مراد کسی شخص کی حکومت کی جگہ یا وہ مقام جو اس کے ساتھ خاص ہے۔

"وتکرمته" تا کے زبر اور را کے زیر کے ساتھ بستر اور چارپائی اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو کہتے ہیں جو کسی کے ساتھ خاص ہوں۔

حدیث کی تشریح

يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ وَاِنْ كَانُوْا فِى الْقِرَاءَ ةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ.

سب سے زیادہ امامت کا کون مستحق ہے؟ اس میں دو مذہب ہیں۔

۱-امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول امام محمد، امام ابو یوسف، سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک قرآن کا قاری متقدم ہو گا قرآن کے عالم پر۔

۲-دوسرا مذہب: امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک روایت میں عالم بالسنۃ یہ مقدم ہو گا قاری سے بشرطیکہ وہ اتنا قرآن صحیح پڑھ سکتا ہو جس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

مذہب اول کی دلیل

حدیث میں آتا ہے "یؤم القوم اقرأهم لکتاب الله"۔

دوسرے مذہب کی دلیل

حدیث میں آتا ہے "یؤم القوم اقرأهم لکتاب الله" یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قرأت کی ضرورت تو ایک رکن میں ہے بخلاف علم کے اس کی ضرورت تمام ارکان میں ہوتی ہے اور نقلی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے فرمایا تھا جو اعلم بالسنۃ تھے۔ اگرچہ ان میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔

فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اس سے احادیث کا علم ہے۔ (طیبی شرح مشکوۃ)
دوسری بات یہ ہے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں جو قاری ہوتا تھا وہ عالم بھی ہوتا تھا آج کل معاملہ برعکس ہے کہ قاری ہوتے ہیں عالم نہیں ہوتے۔ (معارف السنن)

فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً: اگر سب برابر ہوں اب ہجرت میں جس نے پہل کی ہو اس کو مقدم کریں گے ابن مالک کے نزدیک یہ صحابہؓ کے دور میں تھا آج کل مراد ہجرت عن المعاصی ہوگا کہ جو گناہوں کو چھوڑ چکا ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو اب جو زیادہ عمر رسیدہ ہو وہ اولیٰ ہوگا جیسے کہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کروائے اور بعض روایات میں "سنا" کی جگہ پر "اسلاماً" ہے کہ اسلام جس کا پرانا ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہوگا۔

وَلَا يُؤَمَّنَّ الرَّجُلَ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ: کوئی شخص کسی دوسرے کی حکومت میں امامت نہ کرائے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر امام متعین ہے تو اب وہی مقدم ہوگا اگرچہ آنے والا اس سے اچھا ہو یا خراب ہو اگر اچھا ہوگا تو اب لوگوں کے دلوں میں اپنے پرانے امام کی نفرت آئے گی اگر آنے والا خراب ہے تو خراب کو امام بنانا اچھا نہیں ہے۔
علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے والے کو اختیار ہے کہ خود امامت کرے یا دوسرے سے کروائے اگر آنے والا زیادہ بڑا عالم ہے تو اب مستحب ہے کہ اس کو آگے کر دے۔

وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ اِلاَّ بِاِذْنِهِ: گھر میں اس کی مخصوص عزت والی جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی کے پاس جائے خواہ اس کے گھر میں یا ادارے میں تو اب اس کی مخصوص جگہ پر خود جا کر نہ بیٹھ جائے اِلّا یہ کہ وہ خود اجازت دے دے۔

وعنه ، قَالَ:كَانَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلاةِ ، ويَقُولُ : ((اسْتَوُوا وَلاَ تَخْتَلِفُوا ، فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ ، لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُوا الأَحْلاَمِ وَالنُّهَى ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ)) رواه مسلم .
وقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:((لِيَلِنِي))هُوَ بتخفيف النون وليس قبلها ياء، وَرُوِيَ بتشديد النُّونِ مَعَ يَاءٍ قَبْلَهَا.((وَالنُّهَى)):العُقُولُ.((وَأُولُوا الأَحْلاَم)):هُم البَالِغُونَ، وقِيلَ: أَهْلُ الحِلْمِ وَالفَضْلِ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں صفوں کو درست رکھنے کے لئے ہمارے شانوں پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے: سیدھے ہو جاؤ اور اختلاف نہ کرو کہ اس سے تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا' میرے قریب تم میں سے ان لوگوں کو ہونا چاہئے جو بالغ ہیں اور عقلمند ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی امامت کے لیے کھڑے ہوتے تو صفوں کی درستگی کا بطور خاص اہتمام فرماتے اور صفوں کے قریب جا کر نمازیوں کے شانوں پر دست مبارک رکھتے اور صفوں کو سیدھا رکھنے کی نصیحت فرماتے۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نماز کی صفیں درست نہ ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک صفوں کی درستگی اور ان کو سیدھا رکھنے کی تاکید متعدد احادیث میں وارد ہے اس لیے صفوں کا سیدھا اور درست رکھنا اقامت صلوٰۃ میں سے ہے۔ بہر حال صفوں کو سیدھا رکھنا چاہیے' قریب قریب ہو کر اور مل کر کھڑا ہونا چاہیے' صفوں کی برابری اور کندھوں کے برابر کرنے میں در حقیقت اُمت کی وحدت کی طرف اشارہ ہے اور اُمت کی بات کے ایک ہونے اور زندگی کے تمام میدانوں میں یکجہتی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے خاص کر جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ میں اُمت کی وحدت کی اشد ضرورت ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز کی صفوں میں افضل پھر اس سے کم اور پھر اس سے کم کو مقدم کرنے کا مقصود یہ ہے کہ اہل فضل کا اکرام کیا جائے اور نیز یہ کہ اگر امام کو اپنی جگہ کسی کو کھڑا کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو قریب ایسا شخص ہو جو اس کا نائب بننے کا زیادہ حق دار ہو کیونکہ وہ زیادہ بہتر طریقے پر امام کے سہو کو سمجھ سکے گا اور اس لیے بھی کہ اہل عقل و دانش قریب ہوں تاکہ نماز کے طریقے کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ لیں۔ (شرح مسلم للنووی. ۴/۱۲۹' نزہۃ المتقین: ۱/۲۲۸)

امام کے قریب کون لوگ رہیں

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لِيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُوا الأَحْلام وَالنُّهَى ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ)) ثلاثاً ((وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ((۳)) الأَسْوَاقِ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرے قریب تم میں سے وہ لوگ رہیں جو کہ بالغ ہو چکے ہیں اور عقل مند ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کو تین بار دہرایا اور کہا تم اپنے آپ کو بازار کے شور و شغب سے بچاؤ۔"

حدیث کی تشریح: لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى: احلام یہ حلم کی جمع ہے حا کے زبر اور پیش دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔

"النهی" عقل۔ نہی منع کرنے کو کہتے ہیں تو صاحب عقل بھی عقل کی وجہ سے غلط کاموں سے رک جاتا ہے جس کو غلط اور صحیح کی تمیز ہی نہ ہو تو اس کو پاگل کہا جاتا ہے۔ یہ آپ نے حکم کیوں دیا اس کی وجہ گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے۔

"وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ" تم اپنے آپ کو بازار کے شور و شغب سے بچاؤ۔
هيشات ، هيشة کی جمع ہے بمعنی شور و شغب، بعض محدثین کے نزدیک اس جملہ کا ما قبل سے کوئی ربط نہیں وہ الگ حکم تھا اور یہ الگ حکم فرمایا کہ کثرت سے بازار جانے سے روکا گیا ہے مگر بعض محدثین کے نزدیک یہ جملہ ما قبل کے ساتھ مربوط ہے مطلب یہ ہے کہ مسجد میں ایسا شور و شغب نہ کیا کرو جیسا شور بازار میں ہوتا ہے۔

مجلس میں گفتگو کرنے کا حق بڑے کو ہے

وعن أبي يَحيَى ، وقيل : أبي محمد سهلِ بن أبي حَثْمة بفتح الحاء المهملة وإسكان الثاء المثلثةِ الأنصاري رضي الله عنه ، قَالَ : انطَلَقَ عَبدُ اللهِ بنُ سهلٍ وَمُحَيِّصَة بن مَسْعُود إلَى خَيْبَرَ وَهِيَ يومَئذٍ صُلْحٌ ، فتفرَّقَا ، فَأتى مُحَيِّصَةُ إلى عبدِ اللهِ ابنِ سهلٍ وَهُوَ يَتشَحَّطُ في دَمِهِ قَتِيلاً ، فَدَفَنَهُ ، ثُمَّ قَدِمَ المَدِينَةَ فَانطَلَقَ عَبدُ الرحمان ابنُ سهلٍ وَمُحَيِّصَةُ وحوَيِّصَةُ ابْنا مَسْعُودٍ إلَى النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَذَهَبَ عَبدُ الرحمان يَتكَلَّمُ ، فَقَالَ : " كَبِّرْ كَبِّرْ " وَهُوَ أَحْدَثُ القوم ، فَسَكَتَ ، فتكَلَّمَا ، فقَالَ : " أتحلِفُونَ وتَستَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ ؟ نخ " وذكر تمام الحديث . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " كَبِّرْ كَبِّرْ " معناه : يتكلم الأكبر

ترجمہ: ابو یحیٰی سے روایت ہے کہ اور کہا گیا کہ ابو محمد سہیل بن خثمہ انصاری سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود خیبر گئے' اس وقت اہل خیبر کے ساتھ صلح تھی' راستے میں دونوں جدا ہو گئے' جب محیصہ عبداللہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ اپنے خون میں لت پت مقتول پڑے ہیں' انہوں نے ان کو دفن کر دیا' پھر وہ مدینہ منورہ واپس آ گئے' اور عبدالرحمٰن بن سہل اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے بیٹے محیصہ اور حویصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' عبدالرحمٰن نے گفتگو کا آغاز کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا آدمی بات کرے' کیونکہ وہ ان سب سے چھوٹے تھے' وہ خاموش ہو گئے پھر ان دونوں نے واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم قسم اٹھاتے ہو اور اپنے مقتول کے قاتل سے حق طلب کرتے ہو' اس کے بعد مکمل حدیث بیان کی۔ (متفق علیہ)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبر کبر یعنی تم میں سے بڑا آدمی بات کرے۔

حدیث کی تشریح: مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی محلے یا علاقے میں کوئی شخص مقتول پڑا ہوا ملے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل محلّہ سے پچاس لوگوں کی قسمیں لی جائیں گی۔ ہر ایک اس طرح قسم اُٹھائے گا کہ اللہ کی قسم نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ مجھے قاتل کا علم ہے۔ ان پچاس لوگوں کا انتخاب مقتول کے ولی کریں گے' اگر پچاس کے پچاس آدمیوں نے قسم کھالی تو اب اہل محلّہ پر دیت لازم ہو جائے گی اور قصاص نہیں ہو گا اور ان پچاس میں جو قسم کھانے سے انکار کرے تو اسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جیل میں بند کر دیا جائے گا۔ تاوقتیکہ وہ یا تو قتل کا اقرار کرے یا قسم کھائے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اولاً اولیاء مقتول قسم کھائیں گے اور کہیں گے کہ فلاں قاتل ہے۔ اگر مقتول کے اولیاء قسم کھانے سے انکار کر دیں تو پھر اہل محلہ میں سے پچاس آدمیوں سے قسمیں لی جائیں گی۔ اگر ان پچاس نے قسمیں کھالیں کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس کا علم ہے تو یہ سب بری ہو جائیں گے اور ان پر نہ دیت ہوگی اور نہ قصاص، البتہ اگر قسمیں کھانے سے انکار کریں تو ان پر دیت کی ادائیگی لازم آئے گی۔

حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ بڑا آدمی بات کرے، یہی حصہ حدیث کا باب سے متعلق ہے جس کی بناء پر اس حدیث کو یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ آداب مجلس کا تقاضا یہ ہے کہ بڑا آدمی بات کرے۔ (فتح الباری: ۲/۲۵۳، ہدایہ: ۴/۱۶۳۱، روضۃ المتقین: ۲/۲۰۷)

حافظ قرآن کی فضیلت

وعن جابر رضي الله عنه : أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُد يَعْنِي في القَبْرِ ، ثُمَّ يَقُولُ : ((أيُّهما أكْثَرُ أخذاً للقُرآنِ ؟)) فَإذَا أُشيرَ لَهُ إلَى أحَدِهِمَا قَدَّمَهُ في اللَّحْدِ . رواه البخاري .

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے شہداء میں سے دو دو آدمیوں کو ایک ایک قبر میں اکٹھا دفن فرمایا۔ اس وقت پوچھتے کہ ان میں سے کس کو قرآن زیادہ یاد تھا؟ جب آپ کو ان میں سے کسی ایک طرف اشارہ کر کے بتایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں پہلے اس کو اتارتے۔“

حدیث کی تشریح: قَدَّمَهُ فِي اللَّحدِ: قبر بنانے میں دو قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) ”لحد“ قبر کھودنے کے بعد پھر مغربی جانب اندر کی طرف مزید کھودی جاتی ہے۔

(۲) شق قبر کھودلی جائے کسی جانب اندر کی طرف مزید نہ کھودی جائے۔

اس حدیث میں حافظ قرآن کی ترجیح اور فضیلت کو بیان کیا جا رہا ہے اسی پر اہل علم، اہل زہد و تقویٰ اور دوسرے صاحب فضیلت کو مقدم رکھنے پر قیاس کیا جاتا ہے۔ یہی قرآن کی خدمت دنیا میں بھی کام آئے گی اور آخرت میں بھی اور قبر میں بھی۔ مرنے کے بعد دنیاوی کوئی چیز نفع نہیں دے گی۔ (فتح الباری شرح بخاری)

ہر معاملہ میں بڑے کو مقدم کرے

وعن ابن عمر رضي الله عنهما : أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " أرَانِي فِي المَنَامِ أتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ ، فَجَاءنِي رَجُلان ، أحَدُهُمَا أكبر مِنَ الآخرِ ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الأصْغَرَ ، فَقِيلَ لِي : كَبِّرْ ، فَدَفَعْتهُ إِلَى الأكْبَرِ مِنْهُمَا " رواه مسلم مسنداً والبخاري تعليقاً .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں کہ میرے پاس دو آدمی آئے' ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا' میں نے مسواک چھوٹے کو دیدی تو مجھ سے کہا کہ بڑے کو دیجئے' تو میں نے وہ ان دونوں میں سے بڑے کو دیدی۔ (مسلم مسند اوالبخاری)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا اور پھر دیکھا کہ میرے پاس دو افراد آئے اور میں نے مسواک چھوٹے کو دے دی تو مجھے کہا گیا کہ بڑے کو دیجئے تو میں نے بڑے کو دے دی۔

بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ راوی نے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرمارہے تھے' فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس کھڑے ہوئے لوگوں میں سے بڑے کو دے دی اور ارشاد فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بڑے کو دوں۔

یعنی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو مسواک کرتے ہوئے اور حاضرین میں سے بڑے کو دیتے ہوئے دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں عمل فرما کر دکھایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کو اس بارے میں بذریعہ وحی مطلع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرمارہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی گئی کہ مسواک ان میں سے بڑے کو دیدیں۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصود حدیث یہ ہے کہ ہر بات اور ہر معاملے میں اس کو مقدم کیا جائے جو عمر میں بڑا ہو' کھانے پینے اور ہر بات میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے۔ مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جب ہے کہ جب لوگوں کے درمیان کوئی خاص ترتیب نہ ہو۔ اگر لوگ کسی ترتیب سے بیٹھے ہوں تو سیدھے ہاتھ پر بیٹھا ہوا شخص مقدم ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کی مسواک کا استعمال مکروہ نہیں ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ استعمال سے پہلے دھو لیا جائے مگر سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی مسواک دھونے کے لیے دیتے تو میں دھونے سے پہلے خود کر لیتی پھر دھو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتیں۔ یہ دراصل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذہانت اور فطانت ہے کہ وہ اس طرح مسواک کے استعمال سے ریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفا حاصل کرتی تھیں اور پھر دھو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتیں تھیں۔ (فتح الباری: ۱/۳۶۹)

حافظ قرآن، بوڑھا مسلمان اور سلطان عادل کی عزت کا حکم

وعن أبي موسى رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّ مِنْ

إجْلال اللهِ تَعَالَى : إكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ((٣)) المُسْلِم ، وَحَامِلِ القُرآنِ غَيْرِ الغَالِي((٤)) فِيهِ ، وَالجَافِي عَنْهُ ، وَإكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ المُقْسِطِ((٥)))) حديث حسن رواه أبُو داود.

ترجمہ:"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) بوڑھا مسلمان (۲) اور حافظ قرآن۔ جو قرآن میں حد سے تجاوز نہ کرنے والا ہو (۳) اور منصف بادشاہ کی عزت کرنا، اللہ کی تعظیم اور بزرگی میں سے ہے۔ ابوداؤد یہ حدیث حسن ہے۔"

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں تین اشخاص کی عزت کو اللہ نے اپنی عزت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

" ذِیْ الشَّیْبَةِ الْمُسْلِمِ" بعض کہتے ہیں کہ وہ بوڑھا مسلمان مراد ہے جو جوانی سے عبادت اور پاک دامنی والی زندگی گزارتے گزارتے بوڑھا ہو گیا ہے۔ بعض نے اس کو عام رکھا ہے۔

" حَامِلِ الْقُرْآنِ"اس میں قرآن کا حافظ، عالم سب داخل ہیں، بشرطیکہ وہ قرآن سے اعراض وگریز کرنے والا نہ ہو تلاوت کے اعتبار سے یا عمل کے اعتبار سے۔

" ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ" کہ آدمی کے پاس جب مال یا عہدہ آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے تو فرمایا گیا کہ بادشاہ بننے کے بعد بھی وہ صحیح فیصلہ کرے تو اس کی عزت کرو۔

چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت کا حکم

وعن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده رضي الله عنهم ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:((لَيسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغيرَنَا ، وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبيرِنَا))حديث صحيح رواه أبُو داود والترمذي، وَقَالَ الترمذي:((حديث حسن صحيح)).وفي رواية أبي داود: ((حَقَّ كَبيرِنَا)).

ترجمہ:"حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے شرف و فضل کو نہیں پہچانتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے ہمارے بڑے کے حق کو نہیں پہچانتا۔"

(ابوداؤد اور ترمذی، یہ حدیث صحیح ہے امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔)

حدیث کی تشریح: مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا: ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی صحابی موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بچے کو پیار کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ میرے اتنے بچے ہیں میں تو پیار نہیں کرتا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم کو نکال دیا۔

وَلَمْ يَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا: شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا اکرام و احترام کرنے کو بتایا

ہے چھوٹوں کو کہا گیا ہے کہ بڑوں کا اکرام کرو اور بڑوں کو کہا گیا ہے کہ تم چھوٹوں پر شفقت کرو ہر ایک دوسرے کا خیال رکھے گا تو اس سے ایک پاکیزہ معاشرہ بنتا ہے۔

لَیسَ مِنَّا: کہ مسلمان کے طریقے پر یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کا طریقہ چھوٹوں پر شفقت کرنا اور بڑوں کا ادب کرنا ہے یہ اس کے خلاف کرتا ہے۔

لوگوں کے مرتبہ کے موافق ان کے ساتھ معاملہ کرو

وعن ميمون بن أبي شَبيب رحمه الله : أنَّ عائشة رَضي الله عنها مَرَّ بهَا سَائِلٌ ، فَأعْطَتْهُ كِسْرَةً ، وَمَرَّ بهَا رَجُلٌ عَلَيهِ ثِيَابٌ وَهَيْئَةٌ ، فَأقْعَدَتهُ ، فَأكَلَ ، فقِيلَ لَهَا في ذَلِكَ ؟ فقَالتْ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ " رواه أبو داود . لكن قال : ميمون لم يدرك عائشة . وقد ذكره مسلم في أول صحيحه تعليقاً فقال : وذكر عن عائشة رضي الله عنها قالت : أمرنا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أن ننزل الناس منازلهم ، وَذَكَرَهُ الحَاكِمُ أبُو عبد الله في كتابه " مَعرِفَة عُلُومِ الحَديث " وَقالَ : " هُوَ حديث صحيح "

ترجمہ: حضرت میمون بن ابی شبیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا' آپ نے اسے روٹی کا ٹکڑا دیدیا' اور ایک شخص آیا جو اچھے کپڑوں اور اچھی حالت میں تھا' آپ نے اسے بٹھایا اور اسے کھلایا۔ کسی نے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے مراتب کے مطابق برتاؤ کرو' (ابوداؤد، لیکن ابوداؤد نے کہا کہ میمون راوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ نہیں پایا) امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح کے شروع میں معلق روایت کیا ہے اور ذکر کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبے کے مطابق برتاؤ کریں' اور حاکم نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی متعدد احادیث میں تاکید فرمائی کہ لوگوں سے معاملات میں ان کے مراتب کا خیال رکھا جائے' نماز کی صفوف میں ارباب عقل و علم کو مقدم رکھا جائے۔ گفتگو میں بڑی عمر کے آدمی کو مقدم رکھا جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام نے متوجہ فرمایا کہ مسواک بڑے کو دیدیں اور یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ ان کے مراتب کے مطابق معاملہ کرو۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: "وَمَا مِنَّآ اِلاَّ لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" (ہم میں سے ہر ایک کا وہاں ایک مقرر مقام ہے) اور اسی طرح قرآن کریم

میں فرمایا ہے: "وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ" (اور ہم نے ان میں سے بعض کے درجات بعض پر بلند کیے)۔ یہی حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کے مرتبے کے مطابق کیا جائے۔(مرقات:۹/۲۳۹، روضۃ المتقین:۱/۳۹۱، دلیل الفالحین:۲/۱۷۶)

مجلس شوریٰ کے ارکان اہل علم والے ہوں

وعن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قَدِمَ عُيَيْنَةُ بنُ حِصْن ، فَنزَلَ عَلَى ابْنِ أخِيهِ الحُرِّ بنِ قَيسٍ ، وكَانَ مِنَ النَّفرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ رضي الله عنه ، وكَانَ القُرَّاءُ أصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ وَمُشاوَرَتِهِ ، كُهُولاً كَانُوا أوْ شُبَّاناً ، فَقَالَ عُيَيْنَةُ لابْنِ أخيهِ : يَا ابْنَ أخِي ، لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الأمِيرِ ، فَاسْتَأذِنْ لِي عَلَيهِ ، فاسْتَأذَنَ له ، فَأذِنَ لَهُ عُمَرُ رضي الله عنه ، فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ : هِي يَا ابنَ الخَطَّابِ ، فَواللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ ، وَلا تَحْكُمُ فِينَا بالعَدْلِ ، فَغَضِبَ عُمَرُ رضي الله عنه حَتَّى هَمَّ أنْ يُوقِعَ بِهِ ، فَقَالَ لَهُ الحُرُّ : يَا أمِيرَ المُؤْمِنِينَ ، إنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴾ وَإنَّ هَذَا مِنَ الجَاهِلِينَ . واللهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلاهَا عليه ، وكَانَ وَقَّافاً عِنْدَ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى . رواه البخاري .

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ (مدینہ) آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس ٹھہرے اور حر ان لوگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمر اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔ قراء حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس اور ان کی مشاورتی کمیٹی کے ارکان تھے وہ بوڑھے ہوں یا جوان۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا اے برادر زادے! تمہیں امیر المومنین کے ہاں خاص مقام حاصل ہے مجھے ان سے ملنے کی اجازت لے دیں، انہوں نے اس کے لئے اجازت مانگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دے دی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو کہنے لگے اے عمر بن الخطاب! اللہ کی قسم، تم ہمیں زیادہ عطیے نہیں دیتے اور نہ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غضب ناک ہوگئے حتیٰ کہ انہوں نے دست درازی کا ارادہ کیا۔ تو حر بن قیس نے کہا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے "عفو اختیار کرو، نیکی کا حکم دو اور جہالت کا کام کرنے والوں سے روگردانی کرو اور یہ شخص تو جاہلوں میں سے ہے۔

(ابن عباس کہتے ہیں) کہ جب اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر آیت خداوندی کو پڑھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے آگے نہیں بڑھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کے سننے کے بعد بہت زیادہ رک جانے والے تھے۔" (بخاری)

حدیث کی تشریح: وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ایک طرف یہ سبق ملتا ہے کہ اہل اقتدار اور ارباب اختیار کو چاہیے کہ وہ اپنے مشیر اور معاون ایسے لوگوں کو بنائیں جو علم و فضل، زہد و تقویٰ میں ممتاز ہوں۔

"فَغَضِبَ عُمَرُ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا مگر جب حر بن قیس نے قرآن کی آیت (خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ) کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پڑھا تو ان کا غصہ ختم ہو گیا۔

علماء نے فرمایا کہ یہ آیت مکارم اخلاق کی جامع آیت ہے کیونکہ آدمیوں کی دو قسمیں ہیں

(۱) ایک محسن یعنی اچھے کام کرنے والے (۲) دوسرے بدکار، ظالم۔ اس آیت میں دونوں طبقوں کے ساتھ کریمانہ اخلاق برتنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ نیک لوگ جو نیک کام کر رہے ہیں اس کی ظاہری نیکی کو قبول کرلو زیادہ تفتیش و تجسس میں نہ پڑو۔ اور بدکار کے معاملہ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان کو نیک کام سکھاؤ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو بہت اچھا اگر قبول نہ کریں تو اب ان سے جاہلانہ گفتگو نہ کرو۔ بلکہ ان سے الگ ہو جائے۔ (معارف القرآن) ان کی برائی کا بدلہ برائی کے بجائے اچھائی کا ساتھ دو۔

بڑے عالم کو ہی مسائل بیان کرنا چاہئیں

وعن أبي سعيد سَمُرة بنِ جُندب رضي الله عنه، قَالَ: لقد كنت عَلَى عَهْدِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلاماً، فَكُنْتُ أَحفَظُ عَنْهُ، فَمَا يَمْنَعُنِي مِنَ القَوْلِ إلاَّ أنَّ هاهُنَا رِجالاً هُمْ أَسَنُّ مِنِّي. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں لڑکا تھا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کر لیتا تھا، مگر مجھے ان کے بیان کرنے میں مانع صرف یہ ہے کہ یہاں کچھ لوگ ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ (بخاری)

راوی کے مختصر حالات: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر میں صغر سن کی بناء پر شرکت نہ کر سکے۔ احد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اجازت دی تو سمرہ نے کہا کہ میں کشتی میں اسے ہرا سکتا ہوں چنانچہ اس کو ہرا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ کو اجازت دیدی۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ سے (۱۲۳) احادیث مروی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ ہیں۔ ۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ (اسد الغابۃ: ۲/۳۵۵)

حدیث کی تشریح: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بیس سال تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو غلام کبار صحابہؓ کی مناسبت سے کہا ہے۔ بہر حال انہوں نے علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کیا۔ قرآن اور حدیث نبوی کے علوم سے استفادہ

کیا اور احادیث یاد کیں لیکن وہ اس علم کو بیان کرنے میں بعض اوقات متامل ہوتے تھے کہ ان سے بڑی عمر کے صحابہ کرامؓ کی جماعت موجود تھی۔ ان کے احترام میں وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان نہ فرماتے۔ (دلیل الفالحین: ۱۷۹/۲)

بوڑھوں کی عزت کرنے والوں کا انعام

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :" مَا أكْرَمَ شَابٌّ شَيْخاً لِسِنِّهِ إلاَّ قَيَّضَ الله لَهُ مَنْ يُكرِمُهُ عِنْدَ سِنِّه " رواه الترمذي ، وَقَالَ :" حديث غريب ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی نوجوان بوڑھے انسان کی بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو پیدا فرمادیتے ہیں جو اس کی عمر کی وجہ سے اس کی عزت کرے۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک کا مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی انسان اپنی جوانی کے زمانے میں کسی بوڑھے کی تکریم اور تعظیم کرے کہ بوڑھا آدمی ایمان میں بھی مقدم ہے اور اس کی عمر کی زیادتی کیساتھ اس کے اعمال صالحہ میں بھی اضافہ ہوچکا ہے یہ جوان بوڑھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خدمت اس کی توقیر اور اس کی تکریم کے لیے کسی جوان کو مقرر فرمادیتے ہیں۔ حدیث مبارک کے یہ الفاظ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کے اس عمل کو قبول فرماتے ہوئے اس کی عمر میں اور اس کے علم و عمل میں برکت عطا فرمادیتے ہیں اور اس کے لیے کسی جوان کو مقرر فرمادیتے ہیں جو اسی طرح توقیر کرے جیسے اس نے کی تھی۔ (تحفۃ الاحوذی: ۱۵۷/۶، دلیل الفالحین: ۱۷۹/۲)

....

باب زيارة أهل الخير ومجالستهم وصحبتهم ومحبتهم وطلب زيارتهم والدعاء منهم وزيارة المواضع الفاضلة

زیارت اہل خیر ان کے ساتھ مجالست ان کی صحبت اور ان سے محبت ان سے ملاقات کر کے درخواست دعاء اور متبرک مقامات کی زیارت

قَالَ الله تَعَالَى:﴿ وَإذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لا أبْرَحُ حَتَّى أبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أوْ أمْضِيَ حُقُباً﴾

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں میں ہٹوں گا نہیں خواہ میں برسوں چلتا رہوں۔" (الکہف: ٦٠)

إلَى قوله تعَالَى:﴿ قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أتَّبِعُكَ عَلَى أنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً ؟ ﴾

ترجمہ۔اس آیت تک کہ "جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ چلوں کہ آپ بھلائی کی وہ باتیں جو اللہ نے آپ کو سکھلائی ہیں مجھے بھی سکھا دیں۔" (الکھف:۶۶)

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کا بیان ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ فرمارہے تھے اور نہایت مؤثر اور بیش بہا نصیحتیں فرمارہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ اے موسیٰ! کیا آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نفی میں جواب دیا جس پر اللہ سبحانہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت ہوئی کہ مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے علم عطا فرمایا ہے تم ان کے پاس جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی یوشع بن نون کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے اور فرمایا کہ میں اس وقت چلتا رہوں گا جب تک میں مجمع البحر تک نہ پہنچ جاؤں۔ بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان سے مدعا بیان کیا کہ جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھلا دیجئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی تربیت فرمائی۔ بات یہ ہے کہ مجھے جزئیات کونیہ کا علم عطا ہوا ہے جس میں تمہیں کم حصہ ملا ہے اور تمہیں علم شریعت عطا ہوا جس میں میرا علم تم سے کم ہے اور تمہارا اور میرا علم اللہ کے علم کے سامنے اتنا بھی نہیں ہے جتنا دریا سے چڑیا اپنے منہ میں پانی لیتی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہنے کی یہ شرط عائد کی کہ وہ کوئی بات نہیں پوچھیں گے۔ جب تک وہ خود اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرلیا لیکن جو واقعات پیش آئے وہ بہت ہی عجیب و غریب تھے اور شریعت کے ظاہری احکام کے برخلاف تھے جن کے بعد میں حضرت خضر علیہ السلام نے وضاحت کی اور انہیں بیان کیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کا ادب یہی ہے کہ شاگرد اپنے استاد کی تعظیم و تکریم کرے اور اس کی اتباع کرے اگرچہ فی نفسہ شاگرد استاد سے افضل و اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ طلب علم کے لیے سفر اور علماء اور فضلاء کی صحبت سے مستفید ہونے کے لیے دور دراز کا سفر کرنا ہمیشہ سلف صالح کی سنت رہی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث کے سننے کے لیے ایک ماہ کا سفر کر کے حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ (تفسیر عثمانی، معارف القرآن، روضۃ المتقین:۱/۳۹۴)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ﴾

ترجمہ اور فرمایا: "اپنے نفس کو ان کے ساتھ وابستہ رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ان کی رضا طلب کرتے ہیں۔" (الکھف:۲۸)

تفسیر: دوسری آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ عیینہ بن حصن جیسے

بڑے اور مالدار لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی رغبت میں ان فقراء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دوری نہ اختیار کریں جو صبح وشام اللہ کی رضا کے لیے اسے پکارتے رہتے ہیں بلکہ انہی اصحاب کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھئے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے اس آیت کریمہ کو اس باب میں لانے کا مقصود یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنا زیادہ وقت اہل تقویٰ اور اہل فضل وکمال کی صحبت میں گزاریں اور مالداروں اور اہل دنیا سے دور رہیں۔

(تفسیر عثمانی، روضۃ المتقین: ۱/ ۳۹۴، معارف القرآن: ۵/ ۵۷۵)

آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کا ام ایمن کی زیارت کیلئے سفر کرنا

(۱)- وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ أَبُو بكر لِعُمَرَ رضي الله عنهما بَعْدَ وَفَاةِ رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : انْطَلِقْ بنَا إِلَى أُمِّ أَيْمَنَ رضي الله عنها نَزُورُهَا كَمَا كَانَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُورُهَا ، فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَيْهَا ، بَكَتْ ، فَقَالاَ لَهَا : مَا يُبْكِيكِ؟ أَمَا تَعْلَمِينَ أَنَّ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ لرَسُولِ الله صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ : مَا أَبْكِي أَنْ لاَ أَكُونَ أَعْلَم أَنَّ مَا عِنْدَ الله تَعَالَى خَيْرٌ لرسول الله صلى الله عليه وسلم، ولَكِنْ أبكي أَنَّ الوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّماء ، فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى البُكَاءِ ، فَجَعَلا يَبْكِيَانِ مَعَهَا . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آؤ ہم ام ایمن کی زیارت کے لئے چلیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے جایا کرتے تھے' یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں' ان دونوں حضرات نے کہا کہ کیوں روتی ہو؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہتر مقام ہے' انہوں نے کہا کہ میں اس لئے نہیں روتی کہ مجھے یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے لئے بہتر مقام ہے' میں اس لئے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا' حضرت ام ایمن کی اس بات نے ان دونوں حضرات کو بھی آمادہ گریہ کر دیا' اور یہ بھی ام ایمن کے ساتھ رونے لگے۔ (مسلم)

حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت حضرت اُم ایمن حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھیں۔ یہ حبشہ کی ایک باندی تھیں جو حضرت عبداللہ کو وراثت میں ملی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لیتیں اور کھلاتی تھیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا اور ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے کر دیا اور انہی کے بطن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھے۔ حضرت اُم ایمن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بالکل ماں جیسا برتاؤ کرتیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں ماں ہی کے درجے میں سمجھتے اور کثرت سے ملنے جایا کرتے تھے۔ حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف پانچ ماہ زندہ رہیں اور انتقال فرما گئیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایک روز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آؤ ہم اُم ایمن کے گھر چلیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ حضرات ان کے پاس پہنچے تو حضرت اُم ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر کے رونے لگیں۔ ان حضرات نے کہا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ اللہ کے یہاں بہت بلند اور عظیم ہے۔ اُم ایمن بولیں کہ یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں لیکن میں اس لیے روتی ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف رکھتے تھے تو جبریل امین آتے رہتے اور وحی کا سلسلہ مستقل قائم تھا۔ اب تو آسمان سے کوئی نامہ و پیام نہیں آتا۔ اُم ایمن کی یہ بات سن کر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آبدیدہ ہو گئے۔

اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ بزرگوں اور محترم لوگوں سے ملاقات کے لیے جانا چاہیے اور جن محترم لوگوں سے تعلق ہو ان کی وفات کے بعد ان کے متعلقین سے تعلق رکھنا چاہیے اور صالحین کے دنیا سے رخصت ہو جانے پر ان کی یاد میں آبدیدہ ہو جانا بھی ان سے اپنے تعلق کا اظہار ہے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۱۸۲، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۶/۸)

جو کسی سے اللہ کی رضا کیلئے محبت کرے تو اللہ بھی اس سے محبت کرتے ہیں

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أنَّ رَجُلاً زَارَ أخاً لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى ، فَأرْصَدَ اللهُ تَعَالَى عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكاً ، فَلَمَّا أتَى عَلَيْهِ ، قَالَ : أيْنَ تُرِيدُ ؟ قَالَ : أُرِيدُ أخاً لِي فِي هذِهِ القَرْيَةِ . قَالَ : هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا عَلَيْهِ ؟ قَالَ : لا ، غَيْرَ أنِّي أحْبَبْتُهُ فِي اللهِ تَعَالَى ، قَالَ : فَإنِّي رَسُولُ اللهِ إلَيْكَ بِأنَّ اللهَ قَدْ أحَبَّكَ كَمَا أحْبَبْتَهُ فِيهِ)) رواه مسلم . يقال : ((أرْصَدَهُ)) لِكَذَا : إِذَا وَكَّلَهُ بِحِفْظِهِ ، وَ((المَدْرَجَةُ)) بِفَتْحِ المِيمِ وَالرَّاءِ : الطَّرِيقُ ، ومعنى (تَرُبُّهَا) : تَقُومُ بِهَا ، وَتَسْعَى فِي صَلاحِهَا .

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کیلئے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں

ایک فرشتہ بٹھادیا جو اس کا انتظار کر رہا تھا جب وہ شخص اس فرشتے کے پاس سے گذرا تو فرشتے نے پوچھا تم کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے اس کے پاس جارہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے؟ اس کی وجہ سے تم یہ تکلیف اٹھارہے ہو؟ اور اس کا بدلہ اتارنے جارہے ہو؟ اس نے کہا نہیں صرف اس لئے جارہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا میں تیری طرف اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے بھی ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسے کہ تو اپنے دوست کو محبوب جانتا ہے۔"

ارصد لکذا۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اسکی حفاظت کیلئے کسی کو مقرر کرے مدرجہ میم اور راء پر زبر بمعنی راستہ۔

حدیث کی تشریح: اِنَّ رَجُلاً زَارَ اَخاً لَهُ فِيْ قَرْيَةٍ اُخْرٰى: ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے گیا۔

ایک دوسری روایت میں "خَرَجَ رَجُلٌ يَزُوْرُ اَخاً لَهُ فِي اللهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ قَرْيَةٍ اُخْرىٰ" (مسند احمد) کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ ایک آدمی اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے نکلا جو دوسری بستی میں رہتا تھا اللہ جل جلالہٗ کی محبت میں۔

اس میں محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کی ملاقات کے لئے جانے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ (روضۃ المتقین) اسی سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

فَاَرْصَدَ اللّٰهُ فِيْ مَدْرَجَتِهٖ مَلَكاً: اللہ جل شانہ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ کو بٹھادیا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کبھی کبھار اللہ اپنے نیک اور صالح بندے کے پاس فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس سے کلام بھی کرتا ہے جیسے کہ اس فرشتے نے بات کی۔

بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ یا اس قسم کے کلام کا واقعہ پچھلی امتوں کے ساتھ مخصوص تھا اب فرشتوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوگیا کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

مسلمان بھائی کی زیارت کرنیوالے کیلئے جنت کی بشارت

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ عَادَ مَرِيضاً أَوْ زَارَ أخاً لَهُ فِي الله ، نَادَاهُ مُنَادٍ : بِأنْ طِبْتَ ، وَطَابَ مَمْشَاكَ ، وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الجَنَّةِ مَنْزِلاً)) رواه الترمذي ، وَقَالَ : ((حديث حسن)) ، وفي بعض النسخ : ((غريب)) .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی بیمار کی بیمار پرسی کرے یا محض اللہ کے لئے اپنے بھائی کی زیارت کرے تو ایک پکارنے والا یہ

آواز بلند کرتا ہے کہ تجھے مبارک ہو اور تیرا چلنا خوشگوار ہو تجھے جنت میں ٹھکانا نصیب ہو۔ ترمذی اور صاحب ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور بعض نسخوں میں غریب ہے۔"

حدیث کی تشریح: مَنْ عَادَ مَرِيضاً أَوْ زَارَ أَخاً لَهُ فِي اللهِ : جو شخص کسی بیمار کی عیادت یا اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے جائے اس جملہ میں "او" شک کے لئے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عَادَ مَرِيضاً" فرمایا یا "زَارَ أَخاً لَهُ فِي اللهِ" فرمایا تھا راوی کو شک ہو گیا۔ محدثین فرماتے ہیں اس حدیث میں مسلمان بھائی کی ملاقات کے لئے جانا بشرطیکہ خاص اللہ کی رضا کے لئے ہو کوئی دوسرا مقصد نہ ہو اس کی فضیلت کا ذکر ہے کہ اس کو ہر قدم پر نیکی ملتی ہے۔(روضۃ المتقین)

یہ جملہ دعائیہ یا خبریہ دونوں احتمال ہیں

طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلاً:

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تجھے مبارک ہو تیرا چلنا خوشگوار ہو اور جنت میں ٹھکانہ نصیب ہو ان تینوں جملوں کے بارے میں یہ بطور خبر کے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ چیزوں کے حاصل ہو جانے کی خوش خبری دی جاتی ہے اور بعض کے نزدیک یہ تینوں جملے بطور دعائیہ کے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تیری زندگی کو خوشی وراحت اور چلنا مبارک ثابت ہو اور اللہ تجھے جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔(مرقاۃ)

نیک لوگوں کی مجلس کی مثال مشک کی طرح ہے

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : "إِنَّمَا مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَجَلِيسِ السُّوءِ ، كَحَامِلِ المِسْكِ ، وَنَافِخِ الْكِيرِ ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ :إمَّا أنْ يُحْذِيَكَ ، وَإمَّا أنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ ، وَإمَّا أنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً طَيِّبَةً ، وَنَافِخُ الكِيرِ : إمَّا أنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ ، وَإمَّا أنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً مُنْتِنَةً " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . (يُحْذِيكَ) : يُعْطِيكَ .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے مشک رکھنے والا اور آگ کی بھٹی پھونکنے والا' مشک والا یا تو تمہیں مشک دیدے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم اس کی لطیف خوشبو سونگھ لو گے' اور بھٹی پھونکنے والا ہو سکتا ہے تمہارے کپڑے جلادے یا تم اس کی بدبو سونگھ لو۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: انسان کے لیے لازم ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ رہے اور برے لوگوں سے دور رہے اور ان سے اجتناب کرے کیونکہ انسان پر ان لوگوں کا اثر پڑتا ہے جن کی صحبت میں رہتا ہے۔ اس بات کو حدیث مبارک میں بہت دلنشین اور عمدہ مثال سے واضح فرمایا ہے کہ ایک شخص ہے جو مشک فروخت کرتا ہے' مشک بہت لطیف خوشبودار اور بہت قیمتی چیز ہے۔ اگر کسی کی دوستی اور رفاقت مشک کے تاجر کے ساتھ ہو تو اس شخص کی اس

تاجر سے دوستی کا کوئی نقصان نہیں، البتہ فائدے کی تین صورتیں ہیں تاجر اسے ہدیۃً مشک دے دے یا یہ اس سے مشک خرید لے یا کم از کم جتنی دیر اس کے پاس بیٹھا ہے اتنی دیر مشک کی خوشبو سے تو ضرور لطف اندوز ہو رہا ہے ایسے ہی اگر کسی عالم باعمل کی صحبت ہو تو وہ عالم تمہیں از خود کوئی دین کی بات بتا دے گا یا تم اس سے سوال کر کے اس سے کوئی بات معلوم کر لو گے یا کم از کم جتنی دیر اس کے پاس رہوں گے اس کے دینی اور روحانی فیض سے مستفید ہو گے۔

اور برے آدمی کی صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اس لوہار سے دوستی کر لے جس نے بھٹی لگا رکھی ہے اب اگر کوئی اس کے پاس جا کر بیٹھے تو اس سے کیا حاصل ہو گا یہی کہ کپڑے جل جائیں گے یا کم از کم بھٹی کی بدبو تو ضرور ناک میں داخل ہو گی۔ (فتح الباری: ۱/ ۱۰۹۸، مرقاۃ: ۹/ ۲۵۱، روضۃ المتقین: ۱/ ۳۹۷، مظاہر حق: ۴/ ۵۶۷)

چار خصلتوں والی عورت سے نکاح کا حکم

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: " تُنْكَحُ المَرْأةُ لأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بذاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

ومعناه : أنَّ النَّاسَ يَقْصدونَ في العَادَةِ مِنَ المَرْأةِ هذِهِ الخِصَالَ الأرْبَعَ ، فَاحْرَصْ أنتَ عَلَى ذَاتِ الدِّينِ ، وَاظْفَرْ بِهَا ، وَاحْرِصْ عَلَى صُحْبَتِهَا .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی چار خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے اس سے نکاح کیا جاتا ہے، مال، نسب، جمال اور دین، پس تو دین دار عورت کو حاصل کر تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں فرمایا گیا کہ آدمی نکاح کرتے وقت عورت کے چار پہلوؤں پر نظر کرتا ہے اس کا حسن اور مال یا اس کا حسب اور اس کا دین، لیکن بہتر یہ ہے کہ آدمی دین کو ترجیح دے کہ عورت کی رفاقت اور اس کا ساتھ عمر بھر کا ہے۔ جب وقتی رفاقت اور دوستی میں ضروری ہے کہ دین والے سے دوستی کی جائے تو نکاح کے وقت یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ عورت کے دین کے پہلو کو ترجیح دی جائے۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے ان کے حسن کی خاطر نکاح نہ کرو کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا حسن باعث ہلاکت بن جائے، عورتوں سے ان کے مال کی خاطر نکاح نہ کرو، ہو سکتا ہے کہ مال ان کی طبیعت میں سرکشی پیدا کر دے، عورتوں سے نکاح ان کے دین کی خاطر کرو، اگر کوئی عورت کالی ہو مگر دین دار ہو تو وہ دوسری عورتوں سے افضل ہے۔

مقصود یہ ہے کہ دین کے پہلو کو ترجیح دی جائے لیکن اگر دیگر خوبیاں بھی موجود ہوں اور دین دار بھی ہو تو بہت ہی خوب ہے۔ (فتح الباری: ۲/ ۹۸۴، صحیح مسلم للنووی: ۱۰/ ۴۴، روضۃ المتقین: ۱/ ۳۹۸)

حضرت جبرائیل بھی اللہ کے حکم کے پابند ہیں

وعن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجبريل : ((مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أكثر مِمَّا تَزُورُنَا ؟)) فَنَزَلَتْ : ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ إلاَّ بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ﴾ [مريم : ٦٤] رواه البخاري .

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سے فرمایا: تمہیں کیا رکاوٹ ہے کہ تم ہماری ملاقات کے لئے زیادہ نہیں آتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلاَّ بِاَمْرِ رَبِّكَ“ کہ ہم تمہارے رب کے حکم سے ہی اترتے ہیں۔ اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے۔“

حدیث کی تشریح: ایک مرتبہ چالیس دن تک حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں آئے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبرائیل! بہت دن کر دیئے جلدی آیا کرو۔ اس پر اللہ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی ” وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلاَّ بِاَمْرِ رَبِّكَ “ اے جبرائیل! نبی سے کہہ دو کہ میرا اترنا یہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اللہ کے حکم کے بغیر میں نہیں آسکتا۔ (قرطبی)

”مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا“ جو ہمارے سامنے ہیں۔ اس سے مراد آخرت اور ”وَمَا خَلْفَنَا“ سے مراد دنیا ہے اور ”وَمَا بَيْنَ ذَالِكَ“ سے مراد دونوں نفخوں کی درمیانی حالت ہے۔ (روضۃ المتقین)

مؤمن سے دوستی رکھو اور کھانا متقی کو کھلاؤ

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، عن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لا تُصَاحِبْ إلاَّ مُؤْمِناً ، وَلاَ يَأْكُلْ طَعَامَكَ إلاَّ تَقِيٌّ " . رواه أبُو داود والترمذي بإسناد لا بأس بهِ .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف مؤمن ہی سے دوستی کرو اور تمہارا کھانا صرف متقی لوگ ہی کھائیں۔ (ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے روایت کیا اور سند میں کوئی کمی نہیں ہے)

حدیث کی تشریح: انسان کا تعلق اچھے انسانوں سے ہونا چاہیے اور برے انسانوں سے تعلق رکھنا اپنے اعمال و اخلاق کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا قلبی تعلق اور اس کی مستقل مصاحبت اللہ کے نیک بندوں سے ہو، تاکہ ان کی نیک صحبت سے اسے فائدہ پہنچے۔

اسی طرح جب خلوص و محبت سے اپنے کھانے میں کسی کو شریک کرے وہ تقی اور پرہیز گار اللہ کا بندہ ہو۔

مقصود حدیث یہ ہے کہ ایک مسلمان کی قلبی وابستگی اہل تقویٰ اور اہل ایمان کے ساتھ ہو اور اس کا اٹھنا بیٹھنا

ایسے لوگوں ہی کی معیت میں ہو' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان سب سے تعلق توڑ لے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اصل قلبی اور مستقل تعلق اور صحبت نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔اسی طرح کھانا کھلانے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف متقی ہی کو کھلائے بلکہ غیر متقی کو بھی کھلا سکتا ہے بلکہ کافر کو بھی کھلا سکتا ہے۔(معالم السنن: ۴/۱۱۵' المرقاۃ: ۸/۷۵۱)

دوستی دیکھ کر نیک لوگوں سے رکھے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ " رواه أَبُو داود والترمذي بإسناد صحيح ، وَقَالَ الترمذي : " حديث حسن "

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے' اس لئے آدمی کو دیکھنا چاہئے کہ کس سے دوستی کرے' (ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد ہوا دوستی اور رفاقت کے تعلق سے پہلے دیکھنا چاہیے کہ کس سے دوستی کا رشتہ استوار کر رہے ہیں کیونکہ اس کی دوستی اور رفاقت کا اثر تمہارے اوپر ہوگا' اگر اچھا آدمی ہوگا تو اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور برا آدمی ہوگا تو برے اثرات ہوں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوستی سے پہلے پانچ اُمور دیکھنے چاہئیں۔

(۱)...... صاحب عقل و ہوش مند ہو۔ (۲)...... اخلاق حسنہ کا مالک ہو۔ (۳)...... فاسق نہ ہو۔

(۴)...... بدعتی نہ ہو۔ (۵)...... اور دنیا کا حریص نہ ہو۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ حریص آدمی کے پاس بیٹھنے سے آدمی کی حرص کی سرشت جاگتی ہے اور زاہد کے پاس بیٹھنے سے طبیعت زہد کی طرف مائل ہوتی ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ اہل تقویٰ کی مجلس کو اختیار کرے۔(تحفۃ الاحوذی: ۷/۹۴' روضۃ المتقین: ۱/۴۰۰)

جس سے آدمی محبت کرتا ہے قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه : أن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((المَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وفي رواية : قيل للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الرَّجُلُ يُحبُّ القَومَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ ؟ قَالَ : ((المَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ)) .

ترجمہ: "حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی اس کے ساتھ (قیامت کے دن) ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ایک اور روایت میں ہے کہ پوچھا گیا

کہ آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے نہیں ملا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی (قیامت کے دن) ان کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"

حدیث کی تشریح: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ: علماء فرماتے ہیں کہ حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی عالم یا بزرگ سے عقیدت و محبت رکھتا ہے تو وہ آخرت میں بھی اسی عالم اور بزرگ کے ساتھ ہوگا اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بشارت ہے جو علماء، صلحاء اور بزرگان دین سے مخلصانہ عقیدت و محبت اور دوستی رکھتے ہیں ان شاء اللہ قیامت میں بھی ان کو ان کی معیت حاصل ہو جائے گی جیسے کہ حدیث بالا سے مفہوم ہوتا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث کا ظاہری مفہوم عمومیت پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کی تائید اس دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں ارشاد ہے کہ: "اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ" کہ دنیا میں بھی ان کے مذہب پر آدمی آجائے اور قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ حشر ہوگا۔ (مظاہر حق)

نیز اس حدیث میں ایک بڑی بشارت یہ بھی ہے کہ جو نیک اور صالح لوگوں سے محبت کرتے ہیں ان کا ایمان پر خاتمہ ہوگا کہ ان کے ساتھ حشر تو اسی وقت ممکن ہے کہ جب کہ ایمان پر خاتمہ ہو۔

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرنیوالے کیلئے بشارت

وعن أنس رضي الله عنه : أنَّ أعرابياً قَالَ لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَتَى السَّاعَةُ ؟ قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَا أَعْدَدْتَ لَهَا ؟ " قَالَ : حُبَّ الله ورسولِهِ ، قَالَ : " أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ، وهذا لفظ مسلم . وفي رواية لهما : مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيرِ صَوْمٍ ، وَلاَ صَلاَةٍ ، وَلاَ صَدَقَةٍ ، وَلَكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ کسی اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے'اس نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ (متفق علیہ) الفاظ حدیث مسلم کی روایت کردہ ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے بکثرت روزوں' نماز اور صدقہ سے تیاری تو نہیں کی ہے لیکن مجھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک بڑی روح پرور اور ایمان افروز ہے۔ کسی اعرابی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا حکیمانہ استفسار فرمایا کہ تو نے اس کی کیا تیاری

کرر کھی ہے؟ کیوں کہ قیامت تو یقیناً آئے گی اور حساب کتاب بھی یقیناً ہوگا لیکن قیامت کا وقت معلوم ہو جانا انسان کے لیے کوئی بھی فائدہ اپنے اندر نہیں رکھتا بلکہ ایک موقعہ پر فرمایا کہ "من مات قامت قیامته" (جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی) تو قیامت کے واقعات و حوادث کا سلسلہ تو آدمی کی اپنی موت سے شروع ہو جاتا ہے اس لیے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہوئی ہے۔ اعرابی بھی سچا عاشق تھا' اس نے کہا کہ میں نے کوئی بڑی تیاری نہیں کی ہے نہ روزوں اور نمازوں کی کثرت ہے اور نہ صدقات کی بہتات' بس اتنا ہے کہ اللہ سے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں' فرمایا کہ تم انہی کے ساتھ ہو گے جن سے تم محبت رکھتے ہو۔

محبت ہو تو اطاعت ساتھ آتی ہے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان کا فرمان بردار نہ ہو' کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی نہ کرے۔ اسی لیے فرمایا: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا)۔

محبت اور اتباع باہم گر لازم ہیں کبھی بات اتباع سے شروع ہوتی ہے اور پھر محبت بھی آجاتی ہے اور کبھی آغاز محبت سے ہوتا ہے جو کشاں کشاں در محبوب کی دریوزہ گری کی طرف کھینچ لیتی ہے۔

(فتح الباری: ۳/۲۳۰' صحیح مسلم بشرح للنووی: ۱۶/۱۵۴' روضۃ المتقین: ۱/۴۰۲' دلیل الفالحین: ۲/۱۹۰)

آخرت میں بندہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا

وعن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : جاء رجلٌ إلى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ: يَا رَسُول الله ، كَيْفَ تقَولُ في رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْماً وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ ؟ فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " المَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کچھ لوگوں سے محبت رکھتا اور عمل میں ان تک نہیں پہنچتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی انہی کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت میں ساتھ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ جنت کے اعلیٰ حصوں میں مقامات بلند پر فائز ہوں گے وہ جنت کے نچلے درجوں میں آکر ان لوگوں سے ملاقات کریں گے اور کبھی یہ ہوگا کہ جنت کے باغات میں کہیں ملاقات ہو جائے یعنی محبّ اور محبوب جنت ہی میں ہوں گے اور باہم ملاقات بھی ہوگی اور یہ مطلب نہیں کہ مرتبہ اور درجہ بھی یکساں ہوگا بلکہ درجات اور مراتب مختلف ہوں گے۔ (روضۃ المتقین: ۱/۴۰۲' فتح الباری: ۳/۲۳۰)

روحیں مختلف لشکر ہیں

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ ، خِيَارُهُمْ في الجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ في الإسْلاَمِ إذَا فقهوا ، وَالأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ ، فَمَا تَعَارَفَ مِنهَا ائْتَلَفَ ، ومَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ)) رواه مسلم .
وروى البخاري قوله: ((الأَرْوَاحُ تخ)) إلخ مِنْ رواية عائشة رضي الله عنها .

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ سونے چاندی کی طرح کانیں ہیں ان میں سے جو زمانہ جاہلیت کے بہتر لوگ تھے وہ اسلام کے زمانے میں بہتر ہوں گے جب وہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں اور روحیں مختلف قسم کے لشکر ہیں پس ان روحوں میں سے جن روحوں میں ایک دوسرے سے (عالم ارواح) جان پہچان ہوگی وہ دنیا میں بھی آپس میں مانوس ہیں اور جو وہاں ایک دوسرے سے انجان رہے تو وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے انجان ہیں۔ مسلم، اور بخاری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان الارواح تا آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔''

حدیث کی تشریح: اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ:

معادن زمین کے اندر سے نکلنے والی چیز کو کہتے ہیں تو جس طرح زمین کے اندر سے بعض اچھی اور صاف چیزیں ہوتی ہیں اور بعض گندی اور خراب۔ اسی طرح دنیا میں بعض لوگ اخلاق واعمال کے اعتبار سے بہت اچھے اور بعض اخلاق واعمال کے اعتبار سے برے ہوتے ہیں۔ (روضۃ المتقین)

خِيَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِی الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا''

زمانہ جاہلیت کے بہتر لوگ اسلام میں بھی اچھے شمار ہوں گے جب کہ وہ دنیا کی سمجھ حاصل کر لیں۔

اس کے اندر کفار اور مشرکین کے سرداروں کو خطاب ہے وہ یہ نہ سمجھیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہماری سرداری ختم ہو جائے گی ان کا شرف وفضیلت اسلامی معاشرے میں بھی چلے گا بشرطیکہ وہ دین کو سیکھ لیں۔ (دلیل الطالبین)

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ: ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ عالم ارواح میں اللہ جل شانہ نے اقرار ربوبیت کے لئے جب تمام انسانی روحوں کو چیونٹیوں کی صورت میں جمع کیا تو اب وہاں پر جن روحوں کا تعارف ہوا اور موانست ومناسبت ہوئی تھی تو اب دنیا میں وہ ارواح اجسام میں آنے کے بعد بھی ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں اور وہاں جن ارواح کی اجنبیت اور انجانیت رہی تو دنیا میں بھی ان کی اجنبیت رہتی ہے۔

بالالفاظ دیگر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں جن لوگوں کی آپس میں تعلق ومحبت ہے یہ علامت

اس بات کی ہے کہ ان کی روحوں کا عالم ارواح میں تعلق ہوا تھا اور دنیا میں جن لوگوں کی آپس میں دشمنی اور عناد ہے یہ علامت ہے کہ عالم ارواح میں بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ

وعن أُسَيْر بن عمرو ، ويقال : ابن جابر وَهُوَ بضم الهمزة وفتح السين المهملة قَالَ : كَانَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ رضي الله عنه إِذَا أَتَى عَلَيهِ أَمْدَادُ أَهْلِ اليَمَنِ سَأَلَهُمْ : أَفِيكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ ؟ حَتَّى أَتَى عَلَى أُوَيْسٍ رضي الله عنه ، فَقَالَ لَهُ : أَنْتَ أُوَيْسُ ابْنُ عَامِرٍ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : فَكَانَ بِكَ بَرَصٌ ، فَبَرَأْتَ مِنْهُ إِلاَّ مَوْضِعَ دِرْهَمٍ ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : لَكَ وَالِدَةٌ ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ اليَمَنِ مِنْ مُرَادٍ ، ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ كَانَ بِهِ بَرَصٌ ، فَبَرَأَ مِنْهُ إِلاَّ مَوْضِعَ دِرْهَمٍ ، لَهُ وَالِدةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ " فَاسْتَغْفِرْ لي فَاسْتَغْفَرَ لَهُ ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ : أَيْنَ تُرِيدُ ؟ قَالَ : الكُوفَةَ ، قَالَ : أَلاَ أَكْتُبُ لَكَ إِلَى عَامِلِهَا ؟ قَالَ : أَكُونُ فِي غَبْرَاءِ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيَّ . فَلَمَّا كَانَ مِنَ العَامِ المُقْبِلِ حَجَّ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِهِمْ ، فَوافَقَ عُمَرَ ، فَسَأَلَهُ عَنْ أُوَيْسٍ ، فَقَالَ : تَرَكْتُهُ رَثَّ البَيْتِ قَلِيلَ المَتَاعِ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقولُ : " يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادٍ مِنْ أَهْلِ اليَمَنِ مِنْ مُرَادٍ ، ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلاَّ مَوضعَ دِرْهَمٍ ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ ، فَافْعَلْ " فَأَتَى أُوَيساً ، فَقَالَ : اسْتَغْفِرْ لِي . قَالَ : أَنْتَ أَحْدَثُ عَهْداً بسَفَرٍ صَالِحٍ ، فَاسْتَغْفِرْ لي . قَالَ : لَقِيتَ عُمَرَ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، فاسْتَغْفَرَ لَهُ ، فَفَطِنَ لَهُ النَّاسُ ، فَانْطَلَقَ عَلَى وَجْهِهِ . رواه مسلم .

وفي رواية لمسلم أيضاً عن أُسَيْر بن جابر رضي الله عنه : أَنَّ أَهْلَ الكُوفَةِ وَفَدُوا عَلَى عُمَرَ رضي الله عنه ، وَفِيهِمْ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ يَسْخَرُ بِأُوَيْسٍ ، فَقَالَ عُمَرُ : هَلْ هاهُنَا أَحَدٌ مِنَ القَرَنِيِّينَ ؟ فَجاءَ ذلِكَ الرَّجُلُ ، فَقَالَ عمرُ : إِنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ : " إِنَّ رَجُلاً يَأْتِيكُمْ مِنَ اليَمَنِ يُقَالُ لَهُ : أُوَيْسٌ ، لاَ يَدَعُ باليَمَنِ غَيْرَ أُمٍّ لَهُ ، قَدْ كَانَ بِهِ بَيَاضٌ فَدَعَا اللهَ تَعَالَى ، فَأَذْهَبَهُ إِلاَّ مَوضِعَ الدِّينَارِ أَو الدِّرْهَمِ ، فَمَنْ لَقِيَهُ مِنْكُمْ ، فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ " . وفي رواية لَهُ : عن عمر رضي الله عنه ، قَالَ : إِنِّي سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِينَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ : أُوَيْسٌ ، وَلَهُ وَالِدَةٌ وَكَانَ بِهِ بَيَاضٌ

، فَمُرُوهُ ، فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ " . قوله : " غَبْرَاء النَّاسِ " بفتح الغين المعجمة ، وإسكان الباء وبالمد : وهم فُقَرَاؤُهُمْ وَصَعَالِيكُهُمْ وَمَنْ لا يُعْرَفُ عَيْنُهُ مِنْ أخلاطِهِمْ " وَالأَمْدَادُ " جَمْعُ مَدَدٍ : وَهُمُ الأَعْوَانُ وَالنَّاصِرُونَ الَّذِينَ كَانُوا يُمدُّونَ المُسْلِمِينَ فِي الجهَاد .

ترجمہ: اسیر بن عمرو سے روایت ہے انہیں ابن جابر بھی کہا جاتا ہے 'اُسیر کا لفظ الف کے پیش اور سین کے زبر کے ساتھ ہے 'کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی اہل یمن کا لشکر آتا تو آپ دریافت فرماتے کہ کیا تم میں اویس بن عامر ہیں' یہاں تک کہ اویس بن عامر آگئے 'حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم اویس بن عامر ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں' آپ نے پوچھا تمہارا تعلق مراد کے قرن قبیلے سے ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے جسم پر برص کے داغ تھے وہ صحیح ہوگئے سوائے ایک درہم کے برابر حصے کے 'جواب دیا ہاں پوچھا کیا تمہاری والدہ ہیں؟ کہا جی ہاں! اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے پاس مراد کے قرن قبیلے کا اویس بن عامر اہل یمن کے غازیوں کے ساتھ آئے گا جو جہاد میں لشکر اسلام کی مدد کرتے ہیں ان کے جسم پر برص کے نشان ہوں گے جو درہم کے حصے کے برابر کے علاوہ صحیح ہوگئے ہوں گے' وہ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنیوالا ہوگا' اگر وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھالے تو یقیناً اللہ اس کی قسم کو پورا فرمادیں گے 'اے عمر اگر تم ان سے مغفرت کی دعا کرواسکو تو ضرور کروانا' اس لئے تم میرے لئے بخشش کی دعا کردو چنانچہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بخشش کی دعا کی۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اب کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا کہ کوفہ 'حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کوفہ کے گورنر کے پاس تمہارے لئے خط لکھ دوں۔ فرمایا کہ مجھے عام لوگوں میں رہنا زیادہ پسند ہے 'اگلے سال یمن کے معزز لوگوں میں سے ایک شخص حج کو آیا اور اس کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو آپ نے اس سے اویس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں ان کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کی زندگی بہت سادہ ہے اور دنیا کا سامان بہت کم رکھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے پاس مراد قبیلے کی شاخ قرن کا اویس بن عامر یمن کے رہنے والے امدادی گروہ کے ساتھ آئے گا' اس کو برص کی تکلیف ہوگی جو دور ہو چکی ہوگی سوائے ایک درہم کی مقدار کے 'وہ اپنی والدہ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنے والا ہوگا' اگر وہ اللہ کے نام کی قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو پوری فرمادیں گے' اگر تم ان سے مغفرت کی دعا کرواسکو تو ضرور کروانا۔

یہ شخص حج سے فراغت کے بعد حضرت اویس کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ میری بخشش کی دعا فرمائیں' انہوں نے فرمایا تم خود ابھی ابھی ایک نیک سفر سے آئے ہو تو تم میرے لئے طلب مغفرت کرو' پھر انہوں نے پوچھا کیا تم عمر سے ملے' اس نے کہا کہ ہاں' اس پر اویس نے اس کے لئے مغفرت کی دُعا فرمائی' اس طرح لوگوں کو ان کے بارے میں علم ہو گیا' اور وہ اپنے راستہ پر چل پڑے۔ (مسلم)

مسلم کی دوسری روایت میں اسیر بن جابر سے مروی ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان میں سے ایک شخص حضرت اویس کا مذاق اڑاتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا یہاں قبیلہ قرن والوں میں سے کوئی ہے' یہ شخص آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس یمن سے ایک آدمی آئے گا اسے اویس کہا جاتا ہو گا وہ یمن میں اپنی والدہ کو چھوڑ کر آئے گا' اس کو برص کی بیماری تھی' اس نے اللہ سے دعا کی اللہ نے اس کی بیماری دور کر دی' اب برص کا داغ ایک درہم یا دینار کے برابر رہ گیا ہے تم میں سے جو ملے اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرائے۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تابعین میں سب سے بہتر وہ ہے جسے اویس کہا جاتا ہے' ان کی والدہ ہیں ان کے جسم میں برص کے داغ تھے' تم اس سے کہنا کہ وہ تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرے۔

غبراء الناس: غریب و مفلس' غیر معروف لوگ۔ **الامداد**: جہاد میں مدد دینے والے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سید التابعین تھے ان کے فضل و کمال کے بیان پر مشتمل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی جو پوری ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ ان سے اپنے حق میں دعا کرانا' حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ماں کی خدمت میں مصروف رہے اور ان کی خدمت میں مصروف رہنے کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔

غرض حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولی تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے دعاء کرانے کے لیے ارشاد فرمایا' حضرت اویس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو چھپانے کے لیے عام لوگوں کے درمیان رہتے تھے اور یہی طریقہ ان اولیاء عارفین کا ہے جن کو اگر کوئی روحانی کمال حاصل ہو تو وہ اس کا اظہار کرنے کے بجائے اسے چھپاتے ہیں۔ واللہ اعلم

(صحیح مسلم' بشرح النووی: ۱۶/۸۷' روضۃ المتقین: ۱/۴۰۴' دلیل الفالحین: ۲/۱۹۲)

سفر میں جانے والے سے دعا کی درخواست کرنا

(۱) وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قَالَ : اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِي العُمْرَةِ ، فَأَذِنَ لِي ، وَقَالَ : ((لاَ تَنْسَنا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ)) فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَاوفِي رواية : وَقَالَ : ((أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ)) .حديث صحيح رواه أَبُو داود والترمذي، وَقَالَ: ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: "حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرے پر جانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت عنایت فرمادی اور ارشاد فرمایا: اے میرے بھائی ہمیں بھی اپنی دُعا میں فراموش نہ کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بدلے میں پوری دنیا مل جائے تب بھی مجھے پسند نہیں۔ اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک رکھنا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔" (ابوداؤد و ترمذی یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: لَاتَنْسَانَا يَاأُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ:

اس سے معلوم ہوتا ہے حج یا دینی سفر میں جانے والے سے دعا کی درخواست کرنا مستحب ہے کیونکہ اب وہ غائبانہ طور سے دعا کرے گا اور غائبانہ دعا جلدی قبول ہوتی ہے اور خاص کر کے اگر حج یا عمرہ کا سفر ہو تو اب مقامات اجابت پر تو صرف اپنی ذات کے لئے نہ مانگے بلکہ دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی اپنی دعاؤں میں شریک کرے۔

مسجد قباء کی فضیلت

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يزور قُبَاءَ رَاكِباً وَمَاشِياً ، فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي رواية : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأتِي مَسْجِد قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ رَاكِباً ، وَمَاشِياً وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لے جاتے تھے، کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل، اور وہاں دو رکعت پڑھتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر یوم السبت کو قباء تشریف لے جاتے سوار ہو کر یا پیدل اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو قباء کے مقام پر قیام فرمایا اور یہیں اسلام کی اولین مسجد تعمیر فرمائی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۝

"جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوں۔" (التوبۃ:۱۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر یا پیدل مسجد قباء جاتے اور وہاں دو رکعت پڑھتے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے روز جاتے اور مسجد قباء میں دو رکعت پڑھتے' مسجد قباء میں نماز کے بارے میں ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے گھر میں وضوء کیا پھر وہ مسجد قباء آیا اور اس نے یہاں آکر نماز پڑھی تو اس کو عمرہ ادا کرنے کا اجر ملے گا۔

حضرات شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد قباء آکر دوگانہ ادا کر لیا کرتے تھے۔ (فتح الباری:۱/۳۷۷' روضۃ المتقین:۱/۴۰۶)

....

باب فضل الحب في الله والحث عَلَيهِ وإعلام الرجل من يحبه ، أنه يحبه، وماذا يقول لَهُ إذَا أعلمه

اللہ کیلئے محبت اور اس کی فضیلت جس شخص سے محبت ہو اسے بتا دینا اور اسکا جواب

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ﴾

ترجمہ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا: "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔" (الفتح:۲۹)

تفسیر: قرآن کریم میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کے اوصاف و خصائص کے ساتھ ہوا یعنی **"یاایھا الرسول یاایھا المزمل"** البتہ چار مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد بھی آیا ہے جن میں سے ایک مقام یہ ہے:

اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ صلح حدیبیہ کے صلح نامہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا تو کفار قریش نے اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھنے پر اصرار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ حکم ربانی محمد بن عبد اللہ لکھا جانا قبول فرمایا۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے آپ کا نام قرآن کریم میں ثبت فرما دیا۔

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل کا بیان ہوا اور خصوصیت کے ساتھ دو اوصاف بیان کیے گئے۔

پہلا وصف یہ ہے کہ وہ کافروں پر سخت اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ خلوص اور ایثار کے ساتھ پیش آتے ہیں اور جو مدینہ منورہ میں مقیم ہیں وہ اپنے ان بھائیوں سے محبت کرتے

ہیں جو وطن چھوڑ کر یہاں آگئے ہیں یعنی ان کی دوستی اور دشمنی' محبت و عداوت کوئی چیز اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ سب اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور یہی کمال ایمان ہے۔

دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا کہ وہ رکوع و سجود اور نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ پہلا وصف کمال ایمان کی علامت تھی اور دوسرا وصف کمال عبودیت کی مثال ہے' نماز انکا ایسا وظیفہ حیات ہے کہ اس کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں بالخصوص نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی رات کی نماز بکثرت ہو' دن میں اس کا چہرہ منور نظر آتا ہے۔ (معارف القرآن' تفسیر عثمانی' تفسیر مظہری)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ وَالَّذِينَ تَبَوَّأُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ ﴾

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے' وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آتے ہیں ان کے پاس۔" (الحشر:۹)

تفسیر: دوسری آیت میں انصار صحابہؓ کی فضیلت بیان کی گئی کہ وہ ان مہاجر صحابہ سے محبت کرتے ہیں جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے' ان انصار صحابہؓ نے مہاجرین کا ایسا اکرام اور استقبال کیا کہ ایک مہاجر کو اپنے پاس جگہ دینے کے لیے کئی کئی انصاری صحابہؓ نے درخواست کی اور نوبت یہاں تک آئی کہ بعض اوقات قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا گیا۔

تین چیزیں حلاوت ایمان کا سبب ہوگا

وعن أنس رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بهنَّ حَلاوَةَ الإيمان : أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَأَنْ يُحِبَّ المَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إلاَّ للهِ ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت کو محسوس کرے گا۔ (۱) یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔ (۲) اور یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لئے محبت رکھے۔ (۳) اور یہ کہ وہ دوبارہ کفر میں لوٹنے کو اتنا ہی ناپسند سمجھے جتنا کہ آگ میں جانے کو وہ ناپسند سمجھتا ہے۔"

حدیث کی تشریح: حَلَاوَةَ الْإِيْمَان: حلاوت سے مراد طاعات میں لذت محسوس ہونا اور اللہ اور رسول کی رضامندی کے لئے بڑی سے بڑی تکالیف کو برداشت کرنا (انوار الباری) اور بعض کے نزدیک اغراض دنیا پر دینی معاملہ کو ترجیح دینا اور پھر یہ حلاوت حسی ہے یا معنوی دونوں طرف علماء رحمہ اللہ تعالیٰ گئے ہیں۔

(اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا) اللہ جل شانہ کی محبت تو اس لئے کہ وہ رب الارباب اور منعم حقیقی ہے ساری نعمتیں اسی کے فضل و کرم سے وابستہ ہیں۔ (تعلیق الصبیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اس لئے کہ وہ روحانی انعامات علوم الٰہیہ کے لئے واسطہ ہیں۔

عرش کے سایہ کی جگہ پانے والے خوش نصیبوں کا تذکرہ

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ في ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إلاَّ ظِلُّهُ : إمَامٌ عَادِلٌ ، وَشَابٌّ نَشَأ في عِبَادَةِ الله عز وجل ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بالمَسَاجِدِ ، وَرَجُلاَنِ تَحَابّا في اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيهِ وتَفَرَّقَا عَلَيهِ ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأةٌ ذَاتُ حُسْنٍ وَجَمَال ، فَقَالَ : إنِّي أخَافُ الله ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ، فَأخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِياً فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا اس دن جب اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہو گا' امام عادل' نوجوان جو اللہ کی محبت میں پلا بڑھا' وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو' وہ دو آدمی جن کی آپس میں محبت اللہ کے لئے ہو' جب ملتے ہوں تو اسی پر ملتے ہوں اور جب جدا ہوتے ہوں تو اسی پر جدا ہوتے ہوں اور وہ آدمی جسے کوئی حسین و جمیل عورت بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو صدقہ کرے اور اس کو چھپائے یہاں تک کہ بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے اور وہ آدمی جس نے اپنی خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے آنسو بہہ نکلے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: سات اللہ کے بندے ایسے ہوں گے جو اس روز اللہ کے سائے میں ہوں گے جب اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اللہ کے سایہ سے مراد اللہ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کا سایہ ہے یا عرش کا سایہ مراد ہے جیسا کہ ایک روایت میں ظل عرشہ کے الفاظ آئے ہیں یا پھر جنت اور اس کی نعمتوں کا سایہ مراد ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: "وندخلھم ظلاً ظلیلاً" (اور ہم انہیں گہرے سائے میں داخل کریں گے)۔

یہ سات اللہ کے بندے یہ ہیں:

(۱) امام عادل جو عدل و انصاف کے ساتھ مسلمانوں کے مصالح بروئے کار لائے۔

(۲) نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پلا بڑھا ہو۔ یعنی جس نے جوانی میں بھی ہوائے نفس سے کنارہ کر کے اللہ کی بندگی کو اپنا شیوہ بنائے رکھا ہو۔

(۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے' یعنی ہر وقت منتظر رہے کہ نماز کا یا کسی عبادت کا وقت ہو اور مسجد میں جاؤں۔

(۴) ایسے دو آدمی جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہوں جب باہم ملیں تو اللہ کے لیے ملیں جب جدا ہوں تو اسی تعلق پر جدا ہوں یعنی ان کی باہمی محبت کا کوئی دنیاوی سبب نہیں تھا صرف اللہ کی محبت میں دونوں جمع ہوئے تھے اور موت نے ان کو جب جدا کیا تو وہ اسی تعلق پر قائم تھے۔

(۵) وہ شخص جسے کوئی حسین و جمیل اور باحیثیت عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(۶) وہ شخص جس نے اللہ کے راستہ میں اس قدر چھپا کر صدقہ دیا کہ بائیں ہاتھ کو علم نہ ہوا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔ یہ بات نفلی صدقہ کے بارے میں ہے اور اس میں اخفاء اور سر کی فضیلت اس لیے ہے کہ اس صورت میں ریاء کاری کا امکان نہیں ہے لیکن فرض زکوٰۃ میں علی الاعلان زکوٰۃ دینا بہتر ہے جیسا کہ فرض نماز مسجد میں سب کے سامنے افضل ہے اور نفلی نماز کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ افضل نماز آدمی کی اپنے گھر میں نماز ہے سوائے فرض کے۔

(۷) اور وہ شخص جس نے اپنی خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے آنسو بہہ نکلے۔

(فتح الباری: ۱/۵۲۷، شرح مسلم للنووی: ۷/۱۰۷، روضۃ المتقین: ۱/۴۰۸، دلیل الفالحین: ۱/۲۰۲)

اللہ کے محبوبین کیلئے انعام

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنّ الله تَعَالَى يقول يَوْمَ القِيَامَةِ : أيْنَ المُتَحَابُّونَ بجَلالِي ؟ اليَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لاَ ظِلَّ إلاَّ ظِلِّي)) رواه مسلم.

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ قیامت کے دن فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال کے پیش نظر آپس میں محبت کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ عطا کروں گا جب کہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔“ (مسلم)

حدیث کی تشریح: أُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلاَّ ظِلِّیْ: آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ عطا کروں گا جب کہ میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

محدثین نے یہاں بحث کی ہے کہ ”ظل“ سایہ سے کیا مراد ہے۔

اس سایہ کے بارے میں تین اقوال مشہور ہیں:

(۱) ”ظل“ سے اللہ کے عرش کا سایہ مراد ہے جیسے کہ بعض روایت میں عرش کا ذکر بھی ہے۔

”اللہ کا سایہ“ اللہ کی طرف سے سایہ کی نسبت بطور عظمت و تکریم کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

(۲) دوسرا قول سایہ سے مراد حفاظت خداوندی اور رحمت الٰہی ہے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں آتا ہے:

اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سایہ سلطان ہوتا ہے یعنی بادشاہ کے ذریعہ سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ کنایہ ہے راحتوں اور نعمتوں سے جیسے کہ عربی زبان میں " عَیْشٌ ظَلِیْلٌ" خوشی راحت کے ساتھ گذارنے والی زندگی کو کہتے ہیں تو اسی طرح یہاں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو وہاں کی راحتیں و نعمتیں بھرپور ملیں گی۔ (مظاہر حق)

اللہ تعالیٰ کی خاطر مسلمان بھائی کی زیارت کرنے والے کیلئے فرشتے کی دعا

(۲) وعنه ، عن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أَنَّ رَجُلاً زَارَ أَخاً لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى ، فَأَرصَدَ اللهُ لَهُ عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكاً تخ)) وذكر الحديث إِلَى قوله : ((إِنَّ اللهَ قَدْ أَحبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيهِ)) رواه مسلم ، وقد سبق بالباب قبله .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے دوسری بستی میں پہنچا' اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ مقرر فرمادیا' اس کے بعد اس قول تک حدیث بیان کی "کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے محبوب بنالیا جیسا کہ تو نے اس سے اللہ کی خاطر محبت کی۔ (مسلم)

یہ حدیث اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے رشتہ محبت استوار رکھنا بہت عظیم عمل خیر ہے اور صرف اللہ کی رضا کی خاطر کسی سے ملنے کے لیے سفر کرنا دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں باعث خیر اور اجر و برکت ہے۔

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے زیارۃ اہل الخیر میں گزر چکی ہے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۲۰۷)

انصار سے مؤمن ہی محبت کرے گا

(۳) وعن البَرَاء بن عازب رضي الله عنهما ، عن النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ في الأنصار : ((لاَ يُحِبُّهُمْ إِلاَّ مُؤمِنٌ ، وَلاَ يُبْغِضُهُمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ ، مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ الله ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ الله)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان سے محبت مؤمن ہی کرے گا اور ان سے بغض منافق ہی رکھے گا جو انصار سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ ان سے بغض رکھے گا۔"

تشریح: ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے۔ بہر حال حدیث بالا کی طرح اور کتب احادیث میں بھی متعدد روایات میں انصار سے محبت کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

انصار کا اطلاق مدینہ کے رہنے والوں پر کیا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں دو مشہور قبیلے آباد تھے ایک کے مورث اعلیٰ کا نام اوس اور دوسرے کا نام خزرج تھا۔ اوس اور خزرج دونوں بھائی تھے ان دونوں کی نسلوں نے بعد میں بڑے بڑے قبیلوں کی صورت اختیار کرلی۔ مدینہ میں یہی دو قبیلے آباد تھے اس لئے عموماً انصار کا اطلاق ان پر کیا جاتا ہے۔

انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اور دین اسلام کی معاونت کر کے تمام عرب وعجم کے دشمنان دین کی عداوت مول لی اس میں ایسا اخلاص تھا جو اللہ کو بہت پسند ہوا اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ ضروری ہوا کہ ان کی محبت کو ایمان کی محبت اور ان کی عداوت کو کفر ونفاق کی علامت کہا گیا ہے۔(مرقات)

اور ان سے محبت کرنے والے سے اللہ محبت کریں گے اور ان سے بغض رکھنے والے سے اللہ بغض رکھیں گے۔

اللہ کی رضا سے محبت کرنے والوں کے انعام

وعن معاذ رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((قَالَ الله عز وجل : المُتَحَابُّونَ فِي جَلالِي ، لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغْبِطُهُمُ((٥)) النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ)) . رواه الترمذي ، وَقالَ : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: "حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے جلال وعظمت کی خاطر باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔"

حدیث کی تشریح: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ:

اس حدیث میں بھی اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کی فضیلت کا بیان ہے اللہ کے لئے محبت کا مطلب علماء یہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی بندے کے ساتھ تعلق ومحبت کا جو رشتہ قائم کیا جائے وہ محض اللہ ہی کی خاطر ہو اس میں کوئی دنیاوی غرض اور لالچ کی وجہ نہ ہو صرف اللہ کی رضا وخوشنودی مقصود ہو۔(مظاہر حق)

لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے: (اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ اللّٰہِ عَلٰی کَرَاسِیِّ مِنْ یَاقُوْتٍ حَوْلَ الْعَرْشِ) اللہ کے لئے محبت کرنے والے عرش کے کنارے یاقوت کی کرسیوں پر ہوں گے بقول ملا علی قاری رحمہ اللہ کے یہ ممکن ہے کہ یہ نعمت ان کو میدان محشر میں ہی نصیب ہو۔

یَغْبِطُهُمُ النَّبِیُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ:

شبہ: انبیاء تو علی الاطلاق سب لوگوں سے افضل ہیں ان کا مقام تو بہت اونچا ہوگا تو ان پر رشک کرنے کا کیا مطلب ہے؟

ازالہ نمبر ا: مقصود رشک کرنے سے انبیاء کا ان لوگوں کے اجر وانعام پر خوشی ومسرت کا اظہار کرنا ہے حقیقی رشک مراد نہیں ہے، مراد خوشی ہے۔

ازالہ نمبر ۲: بالفرض و تقدیر اگر انبیاء و شہداء کو کسی مرتبہ و مقام پر رشک آتا تو یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر ان کو رشک آتا۔

ازالہ نمبر ۳: انبیاء اور شہداء تو تمام صفات میں افضل ہوں گے اور ان کو اعلیٰ مقامات ملیں گے اس کے باوجود وہ اس بڑی فضیلت پر رشک کریں گے۔ (مظاہر حق)

اللہ تعالیٰ کیلئے آپس میں محبت کرنیوالوں کیلئے ایک اور انعام

وعن أبي إدريس الخولاني رحمه الله ، قَالَ :دخَلْتُ مَسْجدَ دِمَشْقَ ، فَإذَا فَتىً بَرَّاق الثَّنَايَا((٢)) وَإذَا النَّاسُ مَعَهُ ، فَإذَا اخْتَلَفُوا في شَيْءٍ ، أَسْنَدُوهُ إلَيْه ، وَصَدَرُوا عَنْ رَأيِهِ ، فَسَأَلْتُ عَنْهُ ، فَقيلَ : هَذَا مُعَاذُ بْنُ جَبَل رضي الله عنه . فَلَمَّا كَانَ مِنَ الغَدِ ، هَجَّرْتُ ، فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي بالتَّهْجِيرِ ، ووَجَدْتُهُ يُصَلِّي ، فانْتَظَرتُهُ حَتَّى قَضَى صَلاتَهُ ، ثُمَّ جِئْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيهِ ، ثُمَّ قُلْتُ : وَاللهِ إنّي لأَحِبُّكَ لِله ، فَقَالَ : آلله ؟ فَقُلْتُ : اللهِ ، فَقَالَ : آللهِ ؟ فَقُلْتُ : اللهِ ، فَأَخَذَنِي بِحَبْوَةِ رِدَائِي ، فجبذني إلَيْهِ ، فَقَالَ : أَبْشِرْ ! فإنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((قَالَ الله تَعَالَى : وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحابين فيَّ ، وَالمُتَجَالِسينَ فيَّ ، وَالمُتَزَاورِينَ فيَّ ، وَالمُتَبَاذِلِينَ((٣)) فِيَّ)) حديث صحيح رواه مالك في الموطأ بإسناده الصحيح . قوله : ((هَجَّرْتُ)) أيْ بَكَّرْتُ ، وَهُوَ بتشديد الجيم قوله : ((آلله فَقُلْت : الله)) الأول بهمزة ممدودة للاستفهام ، والثاني بلا مد .

ترجمہ: حضرت ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جس کے دانت چمکدار ہیں اور لوگ اس کے ساتھ ہیں جب کسی معاملے میں ان کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو اس کی رائے پر سب متفق ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اگلے دن میں صبح سویرے ہی مسجد پہنچ گیا' میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے ہی آچکے ہیں' میں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا' میں نے انتظار کیا' یہاں تک کہ ان کی نماز پوری ہو گئی۔ میں سامنے کی طرف سے ان کے پاس آیا۔ انہیں سلام کیا اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم میں آپ سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں' انہوں نے کہا کیا واقعی؟ میں نے کہا کہ ہاں اللہ کی قسم' انہوں نے کہا کہ کیا واقعی؟ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم' انہوں نے مجھے میری چادر کے کنارے سے پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا خوش ہو جاؤ' کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری محبت واجب ہو گئی ان کے لئے جو میرے واسطے سے آپس میں محبت کرتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے

ہیں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔(یہ حدیث صحیح ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے اسے اپنی المؤطا میں روایت کیا ہے)

حدیث کی تشریح: اللہ کے نیک بندے جو اللہ کے دین پر عمل کرتے ہیں اور شب و روز دین کے سیکھنے سکھانے اور اس پر عمل کرنے میں لگے رہتے ہیں وہ ایک ایسے عالم میں ہوتے ہیں کہ دنیا اور اہل دنیا سے ان کا قلبی تعلق ختم ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے وہی آدمی محبوب ہوتا ہے جو اس حب دین میں اس کا شریک ہو، اسے وہی اچھا لگتا ہے جو اس دین کی بات کرے، اسی کے لیے اپنی جان اپنا وقت اور اپنا مال خرچ کرے۔

اللہ کے دین سے محبت اور تعلق کی یہ کیفیت اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعمال و احوال پر عمل کی یہ شیفتگی جس کی خاطر ہے وہ کیوں کر اس سے غافل ہو سکتا ہے وہ بھی یہی کہتا ہے کہ ان لوگوں کو بشارت دیدو میری محبت بھی ان کے لیے ہے اور میرا تعلق بھی ان کے ساتھ ہے۔(شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک: ۴/۴۴۵)

جس سے محبت ہو اس کو بتا دینا چاہئے

وعن أبي كَرِيمَةَ المقداد((٢)) بن معديكرب رضي الله عنه، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((إِذَا أَحَبَّ الرَّجُلُ أَخَاهُ، فَلْيُخْبِرْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ)) رواه أبو داود والترمذي، وَقالَ: ((حديث صحيح))

ترجمہ: "حضرت ابو کریمہ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بتادے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔" (اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: فَلْيُخْبِرْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ:

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اطلاع کرنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اس شخص کو یہ معلوم ہوگا کہ فلاں آدمی مجھ سے دوستی یا محبت رکھتا ہے تو وہ بھی اس سے دوستی و محبت رکھے گا اور وہ اس کے بعد وہ دوستی کے حقوق کو بھی ادا کر سکے گا اور اس کے حق میں دعا گو اور خیر خواہ بھی رہے گا۔(مظاہر حق)

اور اس کی دینی راہنمائی کا بھی اہتمام کرے گا اور پھر دونوں ایک دوسرے کی دینی اعتبار سے مدد کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو محبت کی اطلاع دینا

وعن معاذ رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أخذ بيدِهِ ، وَقَالَ : ((يَا مُعَاذُ ، وَاللهِ ، إنِّي لأُحِبُّكَ ، ثُمَّ أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لاَ تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاَةٍ تَقُولُ : اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ ، وَشُكْرِكَ ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) حديث صحيح ، رواه أبُو داود والنسائي بإسناد صحيح .

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ تھاما اور کہا کہ اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں' پھر اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ضرور یہ کہنا کہ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ.

یہ حدیث صحیح ہے اس کو روایت کیا ہے ابوداؤد نسائی' اسناد صحیح کے ساتھ۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے نام سے پکارا اور فرمایا کہ معاذ مجھے تم سے محبت ہے تم ضرور ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھا کرو:

"اللّٰهُمَّ أعنی علیٰ ذکرك و شکرك وحسن عبادتك"

حدیث مبارک سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل اور ان کے مقام کی وضاحت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت رکھتے تھے اور محبت کا صلہ اور انعام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کی صورت میں عطا فرمایا۔ ظاہر ہے کہ شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام اتنا ہی عظیم الشان ہونا چاہیے تھا جس قدر کہ یہ دعا عظیم الشان ہے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۲۱۱)

محبت کی اطلاع دینے والے کے حق میں دعا

وعن أنس رضي الله عنه : أنَّ رَجُلاً كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَمَرَّ رَجُلٌ بِهِ ، فَقَالَ : يَا رَسُول الله ، أنِّي لأُحِبُّ هَذَا ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أأعْلَمْتَهُ ؟)) قَالَ : لا . قَالَ : ((أعْلِمْهُ)) فَلَحِقَهُ ، فَقَالَ : إنِّي أُحِبُّكَ في الله ، فَقَالَ : أَحَبَّكَ الَّذِي أحْبَبْتَنِي لَهُ . رواه أبُو داود بإسناد صحيح .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا' ایک شخص گزرا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں اس شخص سے محبت کرتا ہوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تو نے اسے بتلا دیا۔ اس نے کہا کہ نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بتادو۔ اس پر وہ شخص اس کے پاس گیا اور کہا کہ میں اللہ کیلئے تجھے محبوب رکھتا ہوں' اس نے اس کے جواب میں کہا کہ اللہ تجھے محبوب رکھے جس کی رضا کی خاطر تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ (ابوداؤد نے بسند صحیح روایت کیا)

حدیث کی تشریح: حدیث سابق میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ جب کسی سے دین کے حوالے سے محبت ہو تو اسے بتادینا چاہیے تاکہ وہ اپنی دعوات صالحات میں یاد رکھے اور محبت و تعلق میں اضافہ ہو اور اس اضافے سے دونوں کو دینی اور روحانی فائدہ ہو۔ اس حدیث مبارک میں وہ جواب دیا گیا جو اس شخص کو دینا چاہیے جس سے کہا جائے کہ میں تجھ سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں تو وہ جواب میں کہے کہ جس اللہ کی خاطر تو مجھ سے محبت کرتا ہے میری دعا ہے کہ وہ تجھے اپنا محبوب بنالے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۲۱۲)

باب علامات حب الله تَعَالَى للعبد والحث عَلَى التخلق بهَا والسعي في تحصيلها

اللہ جل شانہ کے بندے کے ساتھ محبت کرنے کی علامت اور اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی رغبت دلانے اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کے بیان میں

قَالَ الله تَعالَى : ﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾ [آل عمران : ۳۱

ترجمہ: "ارشاد خداوندی ہے: اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا بھی تم کو اپنا دوست بنالے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔"

شان نزول

کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ خدا کی قسم ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری ۲/۲۱۸)

تفسیر: مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محبت ایک پوشیدہ چیز ہے اس کا کوئی پیمانہ نہیں جس سے اندازہ لگایا جائے کہ اس میں کتنی محبت ہے۔ مگر محبت کے کچھ آثار و علامات ہوتے ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کو کتنی محبت ہے تو اب جو لوگ حق تعالیٰ شانہ سے محبت کے دعویدار ہیں ان کو اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر آزما کر دیکھا جائے گا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور محبت کا کس قدر اہتمام ہے وہ اپنے دعویٰ میں جتنا سچا ہوگا اتنا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا زیادہ اہتمام ہوگا اور جتنا اپنے دعویٰ میں کمزور ہوگا اسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں سستی اور کمزوری دیکھی جائے گی۔ (تفسیر معارف القرآن ۲/۵۵)

وَقالَ تَعالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلا يَخافُونَ لَوْمَةَ لائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشاءُ وَاللهُ واسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ [المائدة : ٥٤] .

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: "اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر گیا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ لائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہوں گے' وہ مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے' اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت

کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے' اللہ تعالیٰ وسعت والے اور جاننے والے ہیں۔" (المائدہ:۵۴)

تفسیر: آیت کے مخاطب اہل ایمان ہیں۔ ان سے کہا جارہا ہے کہ وہ سب مرتد ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ ایک جماعت اُٹھائیں گے جو دین کی حفاظت اور اس کی اشاعت کا فریضہ انجام دے گی اور ان کے حسب ذیل اوصاف ہوں گے۔

ان کی ایک عظیم صفت یہ ہوگی کہ اللہ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے۔ دوسری صفت اس جماعت کی یہ بیان کی گئی کہ یہ مسلمانوں کے سامنے نرم دل اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے۔ یعنی ان کی محبت وعداوت اور دوستی اور دشمنی اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ کے دین کی خاطر ہوگی۔ ان کی لڑائی کا رُخ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبرداروں کی طرف نہیں بلکہ اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف ہوگا۔ تیسری صفت اس جماعت کی یہ بیان کی گئی کہ یہ لوگ دین حق کی برتری اور غلبہ اور اشاعت کے لیے جہاد کرتے رہیں گے اور چوتھی صفت ان میں یہ ہوگی کہ وہ اقامت دین کلمہ حق کی سربلندی کی کوشش میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔ (معارف القرآن)

جو ولی کے ساتھ دشمنی کرے اس کیلئے وعید

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّ الله تَعالَى قَالَ : مَنْ عَادَى لِي وَلِيّاً ، فَقَدْ آذَنْتُهُ بالحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ إلَيَّ عَبْدِي بشَيءٍ أَحَبَّ إلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيهِ ، وَمَا يَزالُ عَبْدِي يَتَقرَّبُ إلَيَّ بالنَّوافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ ، فَإذَا أَحْبَبْتُهُ ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ ، ويَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ((٢)) بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإنْ سَأَلَنِي أَعْطَيْتُهُ ، وَلَئِن اسْتَعَاذَنِي لأُعِيذَنَّهُ)) رواه البخاري .معنى ((آذنته)) : أعلمته بأني محارِب لَهُ . وقوله : ((استعاذني)) روي بالباء وروي بالنون .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو شخص میرے دوست سے دشمنی کرے یقیناً میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور میرے بندے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے کسی عمل کے ساتھ جو مجھے زیادہ محبوب ہو اس عمل سے جس کے ادا کرنے کو میں نے ان پر فرض کیا ہے۔ میرا بندہ ہمیشہ میرا قرب نوافل کے ساتھ حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں

جس سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور جب وہ مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پناہ چاہے تو میں اس کو پناہ دے دیتا ہوں۔"

اذنتہ: یعنی میں اس کو بتلا دیتا ہوں کہ میں اس کی وجہ سے لڑائی کرنے والا ہوں۔

استعاذنی:۔ باء کے ساتھ یا نون کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

تشریح: فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ: میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں اس جملہ کے کئی مطالب بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ ولی کو تکلیف پہنچانا اللہ جل شانہ کو اتنا بُرا لگتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ اعلان جنگ فرماتے ہیں۔

۲۔ بعض علماء فرماتے ہیں اسلام میں دو مقام ایسے ہیں جہاں پر اللہ کی طرف سے اعلان جنگ فرمایا گیا ہے ایک ولی کو ایذا دینے والے سے اللہ اعلان جنگ کرتے ہیں، دوسرا سود کھانے والے کے بارے میں "فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ."

اللہ کا کان، آنکھ، ہاتھ بن جانے کے سلسلہ میں محدثین کے تین اقوال

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ: شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب آدمی فرائض کے علاوہ نوافل کا اہتمام کرے تو رحمت الٰہی اور نور الٰہی اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ تو اس کے تمام اعمال اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں اور پھر اعمال کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے جیسے کہ حدیث بالا میں اور قرآن میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو کیا گیا۔ "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى." (حجۃ اللہ البالغۃ)

اس حدیث کے بارے میں حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نوافل کے ذریعہ سے اس کے دل میں اللہ کی ایسی محبت آجاتی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے سوا کوئی نہیں رہتا اس کے بعد وہ جو چیز اللہ کے نزدیک محبوب ہے وہ اسی کو دیکھتا ہے، اسی کو سنتا ہے، پھر اس دیکھنے اور سننے کو اللہ جل شانہ نے اس کے ہاتھ کان اور آنکھ بن جانے سے تعبیر کیا ہے۔ (مرقاۃ، التعلیق الصبیح)

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نوافل کے ذریعہ بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتے کرتے اتنا اللہ سے تعلق و محبت ہو جاتی ہے کہ گویا کہ وہ اللہ کی آنکھ، کان اور ہاتھ سے دیکھتا، سنتا اور عمل کرتا ہے۔ (التعلیق الصبیح)

اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ محبت کرنا

وعنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إِذَا أَحَبَّ اللهُ تَعالَى العَبْدَ ، نَادَى جِبْرِيلَ : إنَّ الله تَعالَى يُحِبُّ فُلاناً ، فَأَحْبِبْهُ ، فَيُحِبُّهُ جبريلُ ، فَيُنَادِي في أَهْلِ السَّمَاءِ : إنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلاناً ، فَأَحِبُّوهُ ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ القَبُولُ في الأَرْضِ)) متفق عليه . وفي رواية لمسلم : قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّ الله تعالى إذا أحب عبداً دعا جبريلَ ، فقال : إنّي أُحِبُّ فلاناً فأحببهُ ، فيحبُّهُ جبريلُ ، ثمَّ ينادي في السماء ،

فيقول : إنَّ اللهَ يحبُّ فلاناً فأحبوهُ ، فيحبُّهُ أهلُ السماء ، ثمَّ يوضعُ لهُ القبولُ في الأرض ، وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْداً دَعَا جبْريلَ ، فَيَقُولُ : إنّي أُبْغِضُ فُلاناً فَأَبْغِضْهُ . فَيُبْغِضُهُ جبريلُ ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّماء : إنَّ الله يُبْغِضُ فُلاناً فَأَبْغِضُوهُ ، ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ البَغْضَاءُ فِي الأَرْضِ)).

ترجمہ. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تو بھی اس سے محبت کر' اس پر جبرائیل آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تم بھی محبت کرو' آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اس کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (متفق علیہ)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بنالیتے ہیں تو جبرئیل کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو' جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمانوں سے نداء دیتے ہیں کہ اللہ نے فلاں بندے کو اپنا محبوب بنالیا ہے تو تم اس سے محبت کرو تو آسمان والے اسے محبوب بنالیتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے' اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند فرماتے ہیں تو جبرئیل کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے کو ناپسند کرتا ہوں تم بھی اسے ناپسند کرو' جبرئیل اسے ناپسند کرتے ہیں' آسمان والوں میں اعلان کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو ناپسند کرتے ہیں تم اسے ناپسند کرو' اس پر آسمان والے اسے ناپسند کرنے لگتے ہیں اور پھر یہ ناپسندیدگی زمین میں رکھ دی جاتی ہے۔

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ کی محبت سے مراد اس کی رحمت کا فضل وکرم اور اس کا اپنے بندے پر انعام واحسان ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ دیکھ میرا فلاں بندہ میری رضا کا متلاشی ہے۔ دیکھو! میں اس پر اپنی رحمت بھیج رہا ہوں۔ اس پر جبریل علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ کے فلاں بندے پر اللہ کی رحمت اور حملۃ العرش کہتے ہیں کہ اللہ کے فلاں بندے پر رحمت اور ہر طرف کے فرشتے یہی کہتے ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں میں یہی پکار اور صدا ہوتی ہے اور پھر زمین پر اس بندے کے لیے رحمت نازل ہوتی ہے' محبت کی تین قسمیں ہیں۔ حب الٰہی' حب روحانی اور حب طبعی۔ اللہ کی اپنے بندوں سے محبت حب الٰہی' فرشتوں کی بندوں سے محبت حب روحانی اور بندوں کی اللہ کے اس بندے سے محبت حب طبعی ہے اور اس حدیث میں یہ تینوں موجود ہیں۔

زمین میں مقبولیت رکھے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کے قلوب اللہ کے اس بندے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔ (فتح الباری: ۲/ ۲۶۴' روضۃ المتقین: ۱/ ۴۱۶)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی سورہ اخلاص سے محبت پر انعام

وعن عائشة رضي الله عنها : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بعث رجلاً عَلَى سَرِيَّة فَكَانَ يَقْرَأُ لأَصْحَابِهِ فِي صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بـ ﴿ قُل هُوَ الله أَحَدٌ ﴾ ، فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا ذٰلِكَ لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : ((سَلُوهُ لأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ)) ؟ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ : لأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمان فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا . فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللهَ تَعَالَى يُحِبُّهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو لشکر پر (امیر بنا کر) بھیجا وہ شخص جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو وہ اپنی قراءت کو "قل ھو اللہ احد" پر ختم کرتے۔ جب وہ لشکر واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا بھی ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے دریافت کرو کہ وہ اس طرح کیوں کرتا تھا؟ لوگوں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سورت میں اللہ کی صفت ہے پس میں اس کے پڑھنے کو محبوب جانتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو بتادو کہ اللہ پاک بھی اس کو محبوب جانتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ: کہ وہ اپنی قرأت کو" قل ھو اللہ احد" پر ختم کرتے۔ اس جملہ کے محدثین نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔

۱- ہر نماز کی آخری رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ " قل ھو اللہ احد" پڑھا کرتے تھے۔

۲- اور دوسرا مطلب ابن جریر کے نزدیک یہ ہے کہ وہ شخص ہر رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد" قل ھو اللہ احد" پڑھا کرتے تھے۔

اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُحِبُّهُ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سورت سے محبت کرنے کی وجہ سے اللہ جل شانہ بھی اس سے محبت فرماتے ہیں کیونکہ اس سورت میں توحید باری تعالیٰ ہے جو اللہ جل شانہٗ کو بہت پسند ہے۔

....

باب التحذير من إيذاء الصالحين والضعفة والمساكين

نیک لوگوں، کمزوروں اور مسکینوں کو ایذا پہنچانے سے ڈرانے کا بیان

قَالَ الله تَعَالَى : ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُبِيناً ﴾

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اور جو لوگ مؤمن مردوں، مؤمن عورتوں کو ایسے کام کی نسبت سے جو انہوں نے نہ کیا ہو ایذاء دیں تو انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔" (الاحزاب:۵۸)

تفسیر: اہل ایمان جو ہر تہمت سے بری ہوں اور انہوں نے کوئی برا کام نہ کیا ہو ان کی جانب کسی برائی کو منسوب کرنا بہتان کبیر اور گناہ عظیم ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی کے بارے میں اس طرح کی کوئی بات نقل کرنا جو ان کے مقام و مرتبہ کے شایان شان نہ ہو اور جو کام انہوں نے نہ کیا ہو وہ ان کی طرف منسوب کرنا یا کسی طرح کے عیب کی نسبت ان کی جانب کرنا گناہ ہے اور ایسا شخص اس وعید شدید میں داخل ہے۔ رافضی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وہ عیوب اور نقائص بیان کرتے ہیں جن سے اللہ نے ان کو بری قرار دیا ہے یعنی وہ ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن کرتے ہیں جو اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ ان سے راضی ہوا اور جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں برے کلمات کہتے ہیں وہ ان اہل ایمان پر تہمت عائد کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بری فرمایا ہے اور ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ (روضۃ المتقین: ۱/۴۱۹)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلا تَنْهَرْ ﴾

ترجمہ:۔ اور فرمایا کہ: ”یتیم پر ظلم نہ کرو اور مانگنے والے کو نہ جھڑکو۔“ (الضحیٰ: ۱۰)

وأما الأحاديث ، فكثيرة مِنْهَا :حديث أبي هريرة رضي الله عنه في الباب قبل هَذَا : " مَنْ عَادَى لِي وَلِيّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ " .ومنها حديث سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه السابق في باب ملاطفة اليتيم ، وقوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يَا أَبَا بَكْرٍ ، لَئِنْ كُنْتَ أَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ أَغْضَبْتَ رَبَّكَ " .

ترجمہ:۔ اس موضوع سے متعلق بکثرت احادیث ہیں جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی وہ حدیث جو اس سے پہلے باب میں گزری ہے کہ جس نے میرے دوست سے دشمنی رکھی میں نے اس سے جنگ کا اعلان کر دیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو اس سے پہلے باب ملاطفۃ الیتیم میں گزر چکی ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر! اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔

تفسیر: دوسری آیت میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی اور بتلایا گیا کہ یتیم کو کمزور اور لاوارث سمجھ کر اس کے مال پر مسلط نہ ہو جاؤ اور ان کے حقوق نہ دباؤ بلکہ اس کے مال کی حفاظت کرو اور جب وہ سن رشد کو پہنچے تو اس کا مال دیانت و امانت کے ساتھ اس کے سپرد کر دو اور اس کے حقوق کے پورا کرنے کا اہتمام کرو' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے گھروں میں وہ گھر بہتر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ احسان اور محبت کا سلوک کیا جاتا ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔ (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

سائل کو جھڑکنے کی ممانعت کی گئی خواہ وہ مال کا سائل ہو یا کوئی علمی بات پوچھنے والا ہو' بہتر یہ ہے کہ سائل کو کچھ دے کر رخصت کرے یا نرمی سے عذر کرے اور زجر اور ڈانٹنے اور جھڑکنے کا رویہ ہرگز اختیار نہ کرے۔ اسی طرح طالب

علم جو علمی سوال کرے یا دین کی کوئی بات دریافت کرے تو اس سے شفقت اور محبت کے ساتھ دینی یا علمی بات بتانا چاہیے کہ بات اس کے دلنشین ہو جائے اور اس کے دل میں اس پر عمل کی خواہش اور جذبہ بیدار ہو جائے۔ (معارف القرآن)

فجر کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں آجاتا ہے

وعن جندب بن عبد الله رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "مَنْ صَلَّى صَلاَةَ الصُّبْحِ ، فَهُوَ فِي ذِمَّةِ الله ، فَلاَ يَطْلُبَنَّكُمُ الله مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ ، فَإِنَّهُ مَنْ يَطْلُبُهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ، ثُمَّ يَكُبُّهُ عَلَى وَجْهِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ" رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جندبؓ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کی ضمانت میں ہے' دیکھو اللہ تم سے اپنی ضمانت کے بارے میں کوئی مطالبہ نہ کرے' اس لئے اگر وہ کسی سے اپنی ضمانت کے بارے میں کوئی بات طلب کرے گا تو وہ اسے گرفت میں لے آئے گا اور اس کو منہ کے بل جہنم کی آگ میں پھینک دے گا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اس کے ذمہ میں آجانے کے تین مطالب بیان کئے ہیں۔ نماز فجر پڑھ کر آدمی اللہ کے ذمہ میں آجاتا ہے اب اس آدمی پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے بندگی کے اس عہد کو سارا دن نبھائے اور کوئی ایسی بات یا کام نہ کرے جو اللہ کی رضا کے خلاف ہو۔ غرض حدیث مبارک میں ان لوگوں کی فضیلت اور ان کے درجات کی بلندی کا بیان ہے جو اہتمام اور پابندی کے ساتھ صلوٰۃ الفجر ادا کرتے ہیں' ایسا شخص اللہ کی حفظ وامان میں ہوتا ہے اس لیے اسے چاہیے کہ وہ ان نمازیوں کو ایذاء دے کر جنہوں نے صبح کی نماز پڑھی اللہ کی ذمہ داری کو نہ توڑے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اسے سزا کے لیے طلب کریں گے اور جس کو اللہ طلب کریں وہ اسے ضرور پالیں گے۔ اس کی گرفت سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس حدیث کی تشریح باب تعظیم حرمات المسلمین میں گزر چکی ہے۔ (نزہۃ المتقین: ۱/۳۴۴)

....

باب إجراء أحكام الناس عَلَى الظاهر وسرائرهم إلَى الله تَعَالَى

لوگوں کے ظاہری حالات پر احکام نافذ کرنا اور ان کے باطنی احوال کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا بیان

قَالَ الله تَعَالَى : ﴿ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُم ﴾ [التوبة : ٥] .

تفسیر: آیت بالا کا مطلب مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور پھر ظاہری لحاظ سے احکام و فرائض اسلام نماز، زکوۃ وغیرہ کی پابندی کرے تو اب اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ نفاق کے طور ہی سے کر رہا ہو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا کیونکہ دلوں کے حالات سے اللہ ہی واقف ہے مسلمانوں کو تو ظاہر کے دیکھنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔

ہاں اگر وہ ضروریات دین کا انکار کریں اور ان میں کوئی علامت اسلام کی بھی نہ پائی جائے تو ان کو مسلمان نہیں کہا جائے گا۔

غلبہ دین تک قتال جاری رکھنے کا حکم

وعن ابنِ عمر رضي الله عنهما : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " أُمِرْتُ أنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أنْ لاَ إلهَ إلاَّ الله ، وَأنَّ مُحَمَّداً رَسُول الله ، وَيُقيمُوا الصَّلاَةَ ، وَيُؤتُوا الزَّكَاةَ ، فَإذَا فَعَلُوا ذلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِماءهُمْ وَأمْوالَهُمْ إلاَّ بحَقِّ الإسْلاَمِ ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى الله تَعَالَى " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرتا رہوں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں جب وہ ایسا کرلیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال کو محفوظ کرلیں گے سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کی غرض وغایت یہی ہوتی ہے کہ وہ اللہ سے بھٹکے ہوئے اللہ کے بندوں کو سیدھا راستہ دکھائیں اور انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سنائیں ان کا تزکیہ کر کے انہیں پوری طرح احکام الٰہی کا پابند بنائیں۔ اگر اس راہ میں رکاوٹ پیش آئے تو جہاد و قتال سے یہ رکاوٹ دور کی جائے تاکہ سب کے سب اللہ کو معبود برحق تسلیم کرلیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوۃ دینے والے بن جائیں یعنی اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔

حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ شہادتین کا اقرار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام لے کر آئے ان سب کو تسلیم کرنا شرط ایمان ہے اور کلمہ توحید کے اقرار اور اعمال ظاہرہ کے بروئے کار لانے کے بعد انسان کے جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں اور سرائر کا معاملہ اللہ کے ذمے ہے۔ (فتح الباری: ۱/۱۵۱، روضۃ المتقین: ۱/۴۲۱، مظاہر حق جدید: ۱/۱۰۱)

جو کلمہ توحید پڑھ لے اس کی حفاظت ضروری ہے

وعن أَبي عبدِ الله طارق بن أشَيْم رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((مَنْ قالَ لاَ إلهَ إلاَّ الله ، وَكَفَرَ بما يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللهِ ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ ، وَحِسَابُهُ عَلَى الله تَعَالَى)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت ابو عبداللہ طارق بن اشیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون حرام ہو گیا اور اس کے باطن کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (مسلم)

حدیث کی تشریح: جن مشرکین و کفار نے جب کلمہ اسلام کو پڑھ لیا تو وہ اب مسلمان بھائی بن گئے اب ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے (امداد الباری)

جو بھی ان کا مال لے گا تو اس سے مال کو واپس دلایا جائے گا یا قتل کرے گا تو اس کے بدلہ میں اس سے قصاص لیا جائے گا اور اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔

حِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالَى: اس کے باطن کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے کلمہ پڑھ کر اسلام کو ظاہر کیا اس پر وہ مخلص ہے یا نہیں اس کی تحقیق نہیں کی جائے گی۔ (طیبی شرح مشکوۃ)

میدان جنگ میں بھی کلمہ پڑھنے والا مسلمان سمجھا جائے گا

وعن أبي معبد المقداد بن الأسْود رضي الله عنه ، قَالَ : قُلْتُ لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَرَأَيْتَ إنْ لَقِيتُ رَجُلاً مِنَ الكُفَّار ، فَاقْتَتَلْنَا ، فَضَرَبَ إحْدَى يَدَيَّ بالسَّيفِ ، فقَطَعَها ، ثُمَّ لاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ ، فَقَالَ : أسْلَمْتُ لِلهِ ، أأَقْتُلُهُ يَا رَسُول الله بَعْدَ أنْ قَالَهَا ؟ فَقَالَ : ((لا تَقْتُلهُ)) فَقُلْتُ : يَا رَسُول الله ، قَطَعَ إحْدَى يَدَيَّ ، ثُمَّ قَالَ ذلِكَ بَعْدَ مَا قَطَعَهَا ؟! فَقَالَ : ((لا تَقْتُلْهُ ، فإنْ قَتَلْتَهُ فَإنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أنْ تَقْتُلَهُ ، وَإنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ التي قَالَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . ومعنى ((أنه بمنزلتك)) أي : معصوم الدم محكوم بإسلامه . ومعنى ((أنك بمنزلته)) أي : مباح الدم بالقصاص لورثتهِ لا أنه بمنزلته في الكفر ، والله أعلم .

ترجمہ: "حضرت ابو معبد مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ فرمائیں اگر میری ملاقات کسی کافر سے ہو جائے اور ہم آپس میں لڑیں وہ میرے ہاتھ کو تلوار سے کاٹ دے پھر وہ میرے وار سے بچنے کے لئے ایک درخت کی پناہ لے لے اور کہے میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں۔ یارسول اللہ اس کے اس لفظ کہنے کے بعد میں اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اسے نہ قتل کر۔ اس پر میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اور اس کے بعد اس نے اسلام لانے کے کلمات کہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اسے قتل نہیں کر سکتا اگر اس کو قتل کرے گا تو وہ تیرے اس مرتبے پر ہو جائے گا جس پر تم اس کے قتل سے پہلے تھے اور تم اس کے مرتبے پر ہو جاؤ گے جس پر وہ اس کلمے کے کہنے سے پہلے تھا جو اس نے کہا۔"

"أَنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ" یعنی اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کا خون محفوظ ہو گیا۔

"اِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ" یعنی قصاصاً اس کے وارثوں کے لئے تجھے قتل کرنا درست ہو گا۔ یہ مطلب نہیں کہ تم کافر ہو جاؤ گے۔ (واللہ اعلم)

حدیث کی تشریح: لَقِيْتُ رَجُلاً مِنَ الْكُفَّارِ: اگر میری کافروں میں سے کسی سے لڑائی ہو جائے اور وہ میرے ہاتھ کو کاٹ دے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اسلام جو ایک بلند اخلاق مذہب ہے اس کی فیاضی میدان جنگ میں بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی کسی کو مار کر میدان جنگ میں کلمہ پڑھ لیتا ہے تو اب اسلام اس کو مسلمان تسلیم کرلے گا۔

فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ: یعنی اس کو قتل کرنے سے پہلے تم ایک معصوم الدم مسلمان تھے تم کو قتل کرنا جائز نہیں تھا مگر جب تم نے اس کو قتل کر دیا تو اب تم مباح الدم بن گئے جیسے کہ وہ کلمہ اسلام سے پہلے ایک مباح الدم کافر تھا، اس کا قتل کرنا جائز تھا کلمہ کے بعد وہ ایک معصوم الدم مسلمان بن گیا تھا۔ (مرقاۃ)

قاضی عیاض رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ حق کی ممانعت اور گناہ کے ارتکاب میں تم اس کے مثل ہو گے اگرچہ دونوں کے گناہ کی توحیثیت الگ ہے اسلام لانے سے قبل اس آدمی کا گناہ کفر کا تھا اسلام قبول کرنے کے بعد قتل کرنے کی وجہ سے تمہارا گناہ کفر والا نہیں بلکہ فسق والا ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خاص واقعہ

وعن أُسامة بن زيدٍ رضي الله عنهما، قَالَ: بعثنا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَصَبَّحْنَا القَوْمَ عَلَى مِيَاهِهِمْ، وَلَحِقْتُ أنَا وَرَجُلٌ مِنَ الأَنْصَار رَجُلاً مِنْهُمْ، فَلَمَّا غَشَيْنَاهُ، قَالَ: لاَ إلهَ إلاَّ الله، فَكفَّ عَنْهُ الأَنْصَارِي، وطَعَنْتُهُ برُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ، فَلَمَّا قَدِمْنَا المَدِينَةَ، بَلَغَ ذلِكَ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي: " يَا أُسَامَة، أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لا إلهَ إلاَّ اللهُ ؟! " قُلْتُ: يَا رَسُول الله، إنَّمَا كَانَ متعوِّذاً، فَقَالَ: " أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لا إلهَ إلاَّ اللهُ ؟! " فما زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ أنِّي لَمْ أكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذلِكَ اليَوْمِ. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ.

وفي رواية: فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَقَالَ: لا إلهَ إلاَّ اللهُ وقَتَلْتَهُ ؟! " قُلْتُ: يَا رَسُول الله، إنَّمَا قَالَهَا خَوْفاً مِنَ السِّلاحِ، قَالَ: " أَفَلاَ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أمْ لا ؟! " فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى تَمَنَّيْتُ أنِّي أسْلَمْتُ يَوْمَئذٍ.

" الحُرَقَةُ " بضم الحاء المهملة وفتح الراء: بَطْنٌ مِنْ جُهَيْنَةَ: القَبِيلَةُ المَعْرُوفَةُ. وقوله: " مُتَعَوِّذاً ": أيْ مُعْتَصِماً بِهَا مِنَ القَتْلِ لاَ مُعْتَقِداً لَهَا.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہینہ کی ایک شاخ حرقہ کی طرف بھیجا تو ہم صبح کے وقت ان کے پانی کے چشموں پر حملہ آور ہو گئے' میری اور انصاری کی دشمن قوم کے ایک شخص سے مڈبھیڑ ہو گئی جب ہم اس پر غالب آگئے تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا' انصاری نے تو اس سے ہاتھ روک لیا لیکن میں نے نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا' جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو

یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسامہ تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ، وہ تو جان بچانے کیلئے کہہ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور تم نے اسے قتل کر دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے یہ بات ہتھیار کے خوف سے کہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا کہ تم جان لو کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جملہ دھراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ میں اسی روز اسلام لاتا۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا جس میں حضرت اسامہ بن زید بھی تھے جب یہ جماعت جہینہ قبیلے کی ایک شاخ حرقہ کے قریب پہنچی تو انہوں نے صبح کے وقت ان مشرکین پر حملہ کر دیا۔ حضرت اسامہ نے میدان جنگ میں ایک ایسے کافر کو قتل کر دیا جس نے **لا الہ الا اللہ** کہہ لیا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے **لا الہ الا اللہ** کہنے کے باوجود قتل کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار یہی جملہ کہا۔ ابن التین کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ملامت کا یہ انداز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم اور موعظت کا ایک اسلوب تھا تاکہ کوئی شخص آئندہ ایسے کسی شخص کو قتل کرنے کی جرأت نہ کرے جو یہ کلمہ کہہ لے، خواہ قتل کرنے والے کی نظر میں اس نے جان بچانے ہی کے لیے کہا ہو، اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے تمنا کی کہ میں آج ہی کے روز مسلمان ہوتا کہ اسلام سے ماسبق کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، میں آج اسلام لاتا تو میری یہ خطا بھی اسلام سے درگزر ہو جاتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ پتہ چلتا کہ اس نے یہ کلمہ دل سے کہا تھا یا نہیں؟ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ظاہر کے مکلف ہیں باطن کے مکلف نہیں کیونکہ کسی کے دل کا حال جاننے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم زبانی اعتراف و اقرار پر ہی اکتفاء کریں۔ (فتح الباری: ۲/۶۱۶، روضۃ المتقین: ۱/۴۲۳، دلیل الفالحین: ۲/۲۲۶)

کلمہ گو مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے

وعن جندب بن عبد الله رضي الله عنه : أَنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثاً مِنَ المُسْلِمينَ إِلَى قَومٍ مِنَ المُشرِكِينَ ، وَأَنَّهُمْ التَقَوْا ، فَكَانَ رَجُلٌ مِنَ المُشْرِكِينَ إِذَا شَاءَ

أنْ يَقْصِدَ إلَى رَجُلٍ مِنَ المُسْلِمِينَ قَصَدَ لَهُ فَقَتَلَهُ ، وَأنَّ رَجُلاً مِنَ المُسْلِمِينَ قَصَدَ غَفْلَتَهُ . وَكُنَّا نتحدَّثُ أنَّهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ ، فَلَمَّا رَفَعَ عَلَيهِ السَّيفَ ، قَالَ : لا إلهَ إلاَّ اللهُ ، فقتلهُ ، فَجَاءَ البَشِيرُ إلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ وَأخبرَهُ ، حَتَّى أخْبَرَهُ خَبَرَ الرَّجُلِ كَيْفَ صَنَعَ ، فَدَعَاهُ فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : " لِمَ قَتَلْتَهُ ؟ " فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، أوْجَعَ فِي المُسلِمِينَ ، وَقَتَلَ فُلاناً وفلاناً ، وسمى لَهُ نفراً ، وَإنِّي حَمَلْتُ عَلَيهِ ، فَلَمَّا رَأى السَّيفَ ، قَالَ : لا إلهَ إلاَّ اللهُ . قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أقَتَلْتَهُ ؟ " قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : " فَكَيفَ تَصْنَعُ بلاَ إلهَ إلاَّ اللهُ ، إذَا جَاءتْ يَوْمَ القِيَامَةِ ؟ " قَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، اسْتَغْفِرْ لِي . قَالَ : " وكَيفَ تَصْنَعُ بِلا إلهَ إلاَّ اللهُ إذَا جَاءتْ يَوْمَ القِيَامَةِ ؟ " فَجَعَلَ لاَ يَزِيدُ عَلَى أنْ يَقُولَ : " كَيفَ تَصْنَعُ بِلا إلهَ إلاَّ اللهُ إذَا جَاءتْ يَوْمَ القِيَامَةِ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی ایک جماعت کی طرف مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ فرمایا' دونوں کا مقابلہ ہوا کافروں میں ایک شخص تھا وہ جس مسلمان کو قتل کرنا چاہتا قتل کر دیتا' مسلمانوں میں سے بھی ایک شخص اس کی غفلت کو تاڑنے لگا ہم آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ اسامہ بن زید ہیں جب انہوں نے کافر پر تلوار اٹھائی تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا لیکن انہوں نے اسے قتل کر دیا' خوشخبری دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حالات دریافت کئے اس نے بتائے یہاں تک کہ اس نے اس آدمی کا واقعہ بھی بیان کیا کہ اس نے کس طرح قتل کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ تم نے اس کو کیوں قتل کیا؟ اس نے عرض کی یارسول اللہ اس نے مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچائی اور فلاں فلاں کو قتل کر دیا' اور کئی لوگوں کے نام لے کر بتایا' میں نے اس پر حملہ کیا' جب اس نے تلوار دیکھی تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اسے قتل کر دیا اس نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت کیا کرو گے جب روز قیامت لا الہ الا اللہ آئے گا' اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ میرے لئے استغفار فرمادیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل یہی فرماتے جاتے تھے کہ تم اس وقت کیا کرو گے جب روز قیامت لا الہ الا اللہ آئے گا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اس کافر کے قتل کیے جانے پر جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ اس روز تم کیا کرو گے جب یہ کلمہ لاالہ الااللہ اس شخص کے حق میں شفیع بن کر آئے گا اور کہے گا کہ تم نے اس شخص کو کیوں قتل کر دیا جس نے لاالہ الااللہ کہہ لیا تھا۔(فتح الباری: ۲/۶۱۶، روضۃ المتقین: ۱/۴۲۴، شرح مسلم للنووی: ۲/۸۸)

شریعت ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے

وعن عبد الله بن عتبة بن مسعود، قَالَ : سَمِعْتُ عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، يقولُ : إنَّ نَاساً كَانُوا يُؤْخَذُونَ بالوَحْيِ في عَهْدِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَإنَّ الوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ ، وإنَّمَا نَأخُذُكُمُ الآن بما ظَهَرَ لَنَا مِنْ أعمَالِكُمْ ، فَمَنْ أظْهَرَ لَنا خَيْراً أمَّنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ ، وَلَيْسَ لَنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ ، اللهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ ، وَمَنْ أظْهَرَ لَنَا سُوءاً لَمْ نَأمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَإنْ قَالَ : إنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ . رواه البخاري .

ترجمہ:"حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ لوگوں کا مواخذہ وحی کے ذریعے ہو جاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اب تو ہم تمہارے ظاہری اعمال پر مواخذہ کریں گے جس آدمی کے ہمارے سامنے اچھے اعمال ہوں گے تو ہم اس کو امن دیں گے اور اپنے قریب کریں گے اور ہمیں اس کے پوشیدہ اعمال سے کچھ واسطہ نہیں ہے اس کے پوشیدہ اعمال کا محاسبہ اس سے اللہ کرے گا اور جو شخص ہمارے سامنے ظاہر برے اعمال کرے گا تو ہم اسے امن نہیں دیں گے اور نہ اس کی بات مانیں گے اگرچہ وہ کہے کہ اس کی باطنی کیفیت اچھی ہے۔"(بخاری)

حدیث کی تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اب دو ہی صورتیں باقی ہیں جو اسلام کو قبول کرتا ہے وہ مسلمان اور جو قبول نہ کرے وہ کافر ہے نفاق کی پہچان تو وحی کے ذریعہ ہوتی تھی کہ وحی کے ذریعہ سے اطلاع ہو جاتی تھی کہ فلاں کے دل میں نفاق اور کفر ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے جانے کے بعد انقطاع وحی کے سبب نہیں جانا جاسکتا کہ اس کے دل میں کیا ہے کیونکہ غیب کا علم تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

اَللّٰہُ یُحَاسِبُہٗ فِیْ سَرِیْرَتِہٖ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کا محاسبہ اللہ تعالیٰ ہی ان سے کرے گا کہ اگر وہ اسلام کو زبان سے ظاہر کر رہا ہے دل میں ہے یا نہیں، ہم اس کی تحقیق و تفتیش نہیں کریں گے اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیں گے۔

باب الخوف
اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا بیان

قَالَ اللہ تَعَالَی : ﴿ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴾

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اور مجھ ہی سے ڈرو۔'' (البقرہ:۴۰)

تفسیر:اس آیت میں فرمایا کہ اگر تم ڈرتے ہو تو پھر مجھ سے ہی ڈرو یعنی مجھ سے عہد شکنی اور تمام اوامر ونواہی کے معاملے میں ڈرو' رہبۃ ایسا خوف ہے جس میں پرہیز اور بچاؤ ہو جس میں کسی برے کام کے انجام کا خوف ہو' حدیث میں ہے کہ مؤمن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ تَعَالَی : ﴿ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴾

ترجمہ اور فرمایا کہ: ''بیشک تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔'' (البروج:۱۲)

تفسیر:اس آیت میں فرمایا کہ تیرے رب کی پکڑ بڑی شدید ہے اور وہ جب کسی عاصی نافرمان اور ظالم کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ بہت سخت بڑی دردناک اور بہت شدید ہوتی ہے۔ (روضۃ المتقین:۱/۴۲۶)

وَقَالَ تَعَالَی : ﴿ وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِمَنْ خَافَ عَذَابَ الآخِرَةِ ذَلِكَ يَوْمٌ مَجْمُوعٌ لَهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَشْهُودٌ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلاَّ لأَجَلٍ مَعْدُودٍ يَوْمَ يَأْتِ لا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلاَّ بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴾

ترجمہ اور فرمایا کہ: ''اور اسی طرح ہوتی ہے تمہارے رب کی پکڑ جب وہ نافرمان بستیوں کو پکڑتا ہے' اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور شدید ہے۔ ان واقعات میں اس شخص کے لیے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے عبرت کی نشانی ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں سب اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں اللہ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے اور ہم نے اسے ایک وقت مقرر تک مؤخر کیا ہوا ہے' جب وہ دن آئے گا کوئی جاندار اس کے حکم کے بغیر بول بھی نہیں سکے گا ان میں کچھ شقی ہوں اور کچھ سعید' شقی جہنم میں ہوں گے جہاں وہ چلائیں گے اور دھاڑیں ماریں گے۔'' (ھود:۱۰۲)

تفسیر:اس آیت میں فرمایا کہ گزشتہ اقوام پر عذاب اس وجہ سے ہوا کہ وہ مستحق عذاب تھے اور وہ ظالم تھے اس لیے انہیں ظلم کی سزا ملی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل

دیتا رہتا ہے آخر جب اس کی گرفت کرتا ہے تو ایسی کرتا ہے کہ وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ گزشتہ اقوام کے واقعات میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے ہی آخرت کے عذاب کی ہولناکی کا پورا پورا اندازہ کر سکتے ہیں جبکہ منکرین آخرت تو جانوروں کی طرح فہم و بصیرت سے عاری ہیں وہ کہاں اس عذاب کی شدت کو سمجھ سکتے ہیں' قیامت کا دن ایسا دن ہو گا جس میں تمام انسان جمع ہوں گے اور سب حاضر کیے جائیں گے اور مدت مقررہ پوری ہو جائے گی' کوئی انسان بغیر اجازت بات نہیں کر سکے گا' ان میں کچھ شقی ہوں گے اور کچھ سعید۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ کے ساتھ نکلے۔ بقیع میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چھڑی ہاتھ میں لیے تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر چھڑی سے زمین کریدتے رہے اور فرمایا کہ کوئی جان کسی بدن میں پھونکی ہوئی ایسی نہیں کہ جنت یا دوزخ میں اس کے لیے جگہ لکھ نہ دی گئی ہو یا اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ نہ دیا گیا ہو۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے مقدر میں لکھے ہوئے پر بھروسہ کروں اور عمل ترک کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کیے جاؤ ہر ایک کو تقدیر میں لکھے ہوئے عمل کی توفیق دی جاتی ہے شقاوت والوں کو اہل شقاوت کے عمل کی اور اہل سعادت کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝

(سو جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ اس میں چیخ و پکار کر رہے ہوں گے)

آیت میں زفیر و شہیق کے الفاظ ہیں' زفیر گدھے کی ابتدائی آواز اور شہیق گدھے کی آخری آواز کے لیے ہوتا ہے۔

(معارف القرآن' تفسیر مظہری)

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾

ترجمہ اور فرمایا کہ: "اور اللہ تم کو اپنے غضب سے ڈراتا ہے۔" (آل عمران: ۲۸)

تفسیر: اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور یہ بھی اللہ کا کرم ہے اور اس کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو پہلے ہی سے عذاب آخرت پر متنبہ کر دیا کہ انسان اگر چاہے تو ابھی سے اس کے بچنے کی تدبیر کر لے۔

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴾

ترجمہ اور فرمایا کہ: "اس دن آدمی دور بھاگے گا اپنے بھائی ماں سے' اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے' اس روز ہر شخص اپنی فکر میں ہو گا جو دوسرے سے غافل بنا دے گی۔" (عبس: ۳۸)

تفسیر: اس آیت میں فرمایا کہ روز قیامت اتنا سخت ہو گا کہ آدمی اپنے بھائی سے' اپنی ماں سے' اپنے باپ سے' اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے دور بھاگے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا اور نہ کوئی کسی کو جانتا پہچانتا ہو گا۔

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ﴾ [الحج : ١٢]،

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے جس دن تو اس کو دیکھے گا کہ تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تم کو نشہ میں نظر آئیں گے مگر وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ وہ اللہ کے سخت عذاب میں ہوں گے۔

تفسیر: یَآیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ: فرمایا اس آیت میں

صحابہؓ کہتے ہیں ان آیات بالا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے دوران باآواز بلند پڑھا اس کو سن کر صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جمع ہوگئے پھر آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس آیت میں جو زلزلہ قیامت کا تذکرہ ہے تم جانتے بھی ہو یہ کون سا دن ہوگا۔ صحابہ نے فوراً ''اللہ ورسولہ اعلم'' کہا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ وقت ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمائیں گے کہ لوگوں کو جہنم میں جانے کو بھیجے۔ حضرت آدم علیہ السلام دریافت کریں گے جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں۔ تو اللہ جل شانہ فرمائیں گے کہ ہر ایک ہزار میں نو سو ننانوے یہ وہ پریشانی کا وقت ہوگا جب کہ سارے بچے خوف سے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ صحابہ یہ سن کر سہم گئے پھر صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم میں سے پھر کون بچے گا فرمایا تم بے فکر رہو جہنم میں جانے والے یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار اور تم میں سے ایک ہوگا۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ مسلم شریف)

اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) قیامت سے پہلے اسی دنیا میں ہوگا قیامت کی آخری علامات میں سے ہوگا جیسے قرآن میں آتا ہے۔ (اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا اور اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا) بعض کہتے ہیں کہ قیامت قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد یہ ہوگا۔

سوال: ''کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا'' حمل والی عورت حمل ساقط کر دے گی۔ قیامت کے دن حمل کیا ہوگا؟

جواب: یہ جس حالت میں مریں گے اسی حالت میں اٹھایا جائے گا اگر حمل والی دنیا میں تھی تو اسی حال میں اٹھایا جائے گا اور جس کا دودھ پلانے کے زمانے میں انتقال ہوا تو وہ اسی طرح بچے کے ساتھ اٹھائی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی)

اور اگر پہلی توجیہ مراد لی جائے کہ قیامت سے پہلے کا واقعہ ہے تو کوئی اشکال بھی وارد نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ) (الرحمٰن:۴۶)

ترجمہ: اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہیں۔

تشریح: ''مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ'': اس آیت میں جمہور صحابہ مفسرین فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے حساب کتاب کے لئے حاضر ہونا ہے مسلمان اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ کے سامنے ہر ایک چیز کا حساب ہوگا تو وہاں میرا کیا بنے گا۔ اس خوف کی وجہ سے وہ گناہ سے بچتے ہیں۔ (معارف القرآن ۲۶۱/۷)

بعض مفسرین جن میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں وہ فرماتے ہیں ”مقام ربہ“ دنیاوی اعتبار سے ہے کہ دنیامیں مسلمان ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل وقول کو دیکھ رہاہے اس خوف سے وہ گناہوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

”جنتان“ دو جنتیں ملیں گی حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ڈرنے والے کو ایک جنت عدن اور دوسری جنت نعیم ملیں گی۔ (مظہری ۳۴۱/۱۱)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: (وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَاءَ لُوْنَ ○ قَالُوْا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ أَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ○ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ○ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ إِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ) (الطور ۲۵،۲۸)

(وَالْآيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيْرَةٌ جِدًّا مَعْلُوْمَاتٌ وَالْغَرْضُ الْإِشَارَةُ إِلٰى بَعْضِهَا وَقَدْ حَصَلَ)

ترجمہ: اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ”ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات کریں گے کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر میں خدا سے ڈرتے تھے تو خدا نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیا۔ اس سے پہلے ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے بے شک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔“

اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں، مشہور ہیں، ہمارا مقصد بعض آیات کی طرف اشارہ کرنا ہے سو ہم نے وہ اشارہ کردیا۔

تفسیر: (وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَاءَ لُوْنَ) ”اقبل“ صیغہ ماضی کا ہے مگر مراد مستقبل کے معنی ہیں کہ ایک دوسرے سے گذشتہ دنیوی احوال اور واقعات پوچھیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیامیں جو خوف اور دکھ برداشت کیا تھا باہم اس کا تذکرہ کریں گے۔

إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ أَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ: کہ ہم اپنے گھر میں خدا سے ڈرتے تھے کہ دنیامیں اللہ کے خوف کے ساتھ زندگی گذارتے تھے اس لئے قیامت میں اللہ نے ان کو راحت دی کیونکہ اللہ دو خوف اور دو امن ایک آدمی پر جمع نہیں کرتے اگر دنیامیں خوف کے ساتھ زندگی گزاری ہے تو آخرت میں خوف نہیں ہوگا بلکہ امن ہوگا۔ اگر دنیا میں امن کے ساتھ رہا تو اب قیامت کے دن اس کو خوف ہوگا۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ: ”سموم“ پوری طرح مسامات کے اندر گھسنے والی آگ۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ’سموم‘ یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ (تفسیر مظہری ۱۳۱/۱۱)

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ: دنیامیں دعا کرتے تھے۔ دعا سے مراد عبادت بھی ہوسکتی ہے کہ دنیامیں ہم نے اللہ کی عبادت کے ساتھ وقت گذارا، یا دعا کے معنی میں لیاجائے کہ دنیامیں ہم عذاب جہنم سے بچنے کی دعا کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ: ”البر“ احسان کرنے والا۔ ابن عباس نے مہربانی کا ترجمہ کیا ہے۔ علامہ ضحاک رحمہ اللہ نے وعدہ پورا کرنے والا کا ترجمہ کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

(وَأَمَّا الْأَحَادِيْثُ فَكَثِيْرَةٌ جِدًّا ، فَنَذْكُرُ مِنْهَا طَرَفاً وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ)

ترجمہ: اس موضوع پر احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند بیان کی جاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

انسان کو عمل کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے

عن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : حدثنا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصادق المصدوق : " إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ في بَطْنِ أُمِّهِ أربعِينَ يوماً نُطْفَةً ، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذلِكَ ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذلِكَ ، ثُمَّ يُرْسَلُ المَلَكُ ، فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ : بكَتْبِ رِزْقِهِ وأَجلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ . فَوالَّذِي لا إلهَ غَيْرُهُ إنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بعَمَلِ أَهْلِ الجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وبيْنَهَا إلاَّ ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيهِ الكِتَابُ ، فَيَعْمَلُ بعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيدْخُلُهَا ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إلاَّ ذراعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيهِ الكِتَابُ فيعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم سے جو کہ صادق و مصدوق ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفے کی شکل میں رہتا ہے پھر اسی قدر مدت علقہ ہوتا ہے' پھر اتنی ہی مدت مضغہ ہوتا ہے پھر اللہ فرشتے کو بھیجتا ہے جو روح پھونکتا ہے اور اسے چار باتیں لکھ دینے کا حکم دیا جاتا ہے اس کی روزی اس کی موت اس کا عمل اور یہ کہ شقی ہے یا سعید' قسم ہے اس ذات کی جس کے سواء اور کوئی الٰہ نہیں' تم میں سے ایک آدمی عمل جنت کرتا رہتا ہے حتی کہ اس میں اور جنت میں ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے گا کہ لکھا ہوا غالب آجائے گا اور وہ اہل جہنم کے کام کرنے لگے گا اور جہنم میں پہنچ جائے گا' اور تم میں سے کوئی جہنمیوں کے کام کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس میں اور جہنم میں ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے گا کہ لکھا ہوا غالب آجائے گا اور وہ اہل جنت کے کام شروع کردے گا اور جنت میں پہنچ جائے گا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے نطفہ کو رحم مادر میں استقرار عطا فرماتا ہے پھر جمے ہوئے بستہ خون کی شکل اختیار کرتا ہے (علقہ) پھر گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے (مضغہ) پھر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اس کی موت کا وقت اس کا عمل جو وہ زندگی میں کرے گا اور یہ کہ وہ شقی ہوگا یا سعید۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے ایک شخص برابر اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے لیکن وہ کنارے پر رہتا ہے' ایمان و یقین پر جمتا نہیں ہے اور اس کے دل میں زیغ (کجروی) چھپا رہتا ہے جب وہ انجام کے قریب ہوگا تو تقدیر کا لکھا ہوا غالب آجائے گا اور وہ کوئی عمل جہنم کرکے جہنمی ہوجائے گا۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ وہ جو عمل کررہا ہوگا وہ

لوگوں کی نظروں میں اہل جنت کے اعمال ہوں گے ورنہ فی الحقیقت منافق ہوگا اور جو شخص اہل جہنم کے اعمال کر رہا ہوگا اللہ کی توفیق اور اس کی رحمت سے وہ آخر میں اعمال جنت کی طرف متوجہ ہوگا اور اہل جنت میں سے ہو جائے گا۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے انسانوں کی طبیعت میں برائی سے اچھائی کی طرف انقلاب تو بکثرت ہوتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ نیک آدمی برا آدمی بن جائے کیونکہ حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ میری رحمت ہر شے کو محیط ہے۔

حدیث مبارک تقدیر پر واضح دلیل ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کا رزق، اس کا عمل اور اس کی موت کا وقت لکھ دیا جاتا ہے اور لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید، سعادت دراصل اسباب کو نیہ کا انسان کے اعمال خیر میں اس کا معاون اور مددگار ہونا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک کے لیے وہ راستہ سہل اور آسان بنا دیا جائے گا۔ (فتح الباری: ۳/۲۲۴، شرح مسلم النووی: ۱۶/۱۵۶، روضۃ المتقین: ۱/۲۲۸، دلیل الفالحین: ۱/۲۳۴)

قیامت کے دن جہنمی آدمی کی حالت

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يُؤتَى بِجَهَنَّم يومَئذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلفَ زِمَامٍ ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجرُّونَهَا)) رواه مسلم .

ترجمہ: ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس دن (قیامت والے دن) جہنم کو اس حالت میں لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔'' (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا کو محدثین نے متشابہات میں شمار کیا ہے کہ اس کا تعلق امور غیب سے ہے ایمان رکھنا ضروری ہے اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے۔ بظاہر حدیث بالا کا یہ مطلب بیان کیا جاتا ہے کہ قیامت کے دن لاکھوں فرشتے جہنم کو کھینچ کر میدان محشر میں لائیں گے اور پھر جہنم کو اسی جگہ پر رکھ دیں گے کہ اہل محشر اور جنت کے درمیان یہ حائل ہو جائے اور پھر جنت تک جانے کے لئے پل صراط کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔ پل صراط کو جہنم پر رکھ دیا جائے گا اس سے گذر کر ہی آدمی جنت میں پہنچ سکے گا۔

سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا: ستر ہزار فرشتے اس کو کھینچ رہے ہوں گے۔

بعض محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب جہنم کو لایا جائے گا تو وہ انتہائی غضب ناک حالت میں ہوگی اور وہ یہ چاہے گی کہ میں سب کو نگل جاؤں مگر فرشتے اس کو اس کی باگوں کے ذریعے روکیں گے اگر فرشتے اس کو چھوڑ دیں تو وہ خواہ مؤمن ہو یا کافر سب کو چٹ کر جائے۔ (مرقاۃ)

سب سے ہلکا عذاب

وعن النعمان بن بشير رضي الله عنهما ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

يقول : " إنَّ أهْوَنَ أهْلِ النَّار عَذَاباً يَوْمَ القِيامَةِ لَرَجُلٌ يوضعُ في أخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ . مَا يَرَى أنَّ أحَداً أشَدُّ مِنْهُ عَذَاباً ، وَأنَّهُ لأهْوَنُهُمْ عَذَاباً " مُتفقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ روز قیامت سب سے ہلکا عذاب جہنم کا اس شخص کو ہوگا جس کے تلووں میں دو انگارے رکھدیئے جائیں گے، جن سے اس کا دماغ کھولتا رہے گا اور وہ یہ سمجھے گا کہ اس سے زیادہ شدید عذاب والا کوئی نہیں حالانکہ وہ اہل جہنم میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: جو شخص جنت کے سب سے نچلے درجے میں ہوگا وہ کہے گا کہ سب سے زیادہ راحت میں میں ہی ہوں اور جو جہنم کے ہلکے ترین عذاب میں مبتلا ہوگا وہ کہے گا کہ میں جہنم کے شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوں' جہنم کا سب سے ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ آگ کے دو انگارے دونوں پاؤں کے نیچے رکھ دیئے جائیں گے جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔(فتح الباری: ۳ر ۴۲۴' روضۃ المتقین: ۱ر ۴۳۰' دلیل الفالحین: ۲ر ۲۳۷)

جہنم کی پکڑ

وعن سمرة بن جندب رضي الله عنه : أنَّ نبيَّ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مِنْهُمْ مَنْ تَأخُذُهُ النَّارُ إلَى كَعْبَيهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ تَأخُذُهُ إلَى رُكْبَتَيهِ ، وَمِنهُمْ مَنْ تَأخُذُهُ إلَى حُجزَتِهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ تَأخُذُهُ إلَى تَرْقُوَتِهِ)) رواه مسلم . ((الحُجْزَةُ)) : مَعْقِدُ الإزار تَحْتَ السُّرَّةِ ، وَ((التَّرْقُوَةُ)) بفتح التاء وضم القاف : هي العَظْمُ الَّذِي عِنْدَ ثُغْرَةِ النَّحْرِ ، وَللإنْسَانِ تَرقُوتَانِ في جَانبَي النَّحْرِ .

ترجمہ:"حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنمیوں میں سے بعض وہ ہوں گے جن کو آگ نے ان کے ٹخنوں تک، بعض کو ان کے گھٹنوں تک اور بعض کو ان کی کمر تک اور بعض کو ان کی گردن تک پکڑے ہوئے گا۔"

"الحجزة" ناف سے نیچے تہہ بند باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

"ترقوة" تا پر زبر اور قاف پر پیش وہ ہڈی جو سینے کے گڑھے کے پاس ہے جسے اردو میں ہنسلی کہتے ہیں ہر انسان کے سینہ کے دونوں کناروں پر دو ہڈیاں ہوتی ہیں۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں جہنم کے عذاب کے مراتب اور درجات کو بیان کیا جارہا ہے کہ جس طرح اہل جنت شرف وفضل اور درجات کے اعتبار سے کم وزیادہ ہوں گے بعینہ اسی طرح اہل جہنم گناہوں کے اعتبار سے عذاب کی شدت کے درجات میں مختلف ہوں گے۔ بعض ایسے ہوں گے جن کو آگ نے ٹخنوں تک پکڑا ہوگا اور بعض کو آگ نے گھٹنے تک اور بعض کو کمر اور بعض کو گردن تک پکڑا ہوا ہوگا۔

مِنهُمْ مَنْ تَأخُذُهُ النّعارُ إِلى كَعْبَيْهِ: (بعض ایسے ہوں گے جن کو آگ نے ٹخنوں تک کپڑا ہوا ہوگا) دوسری روایت میں:" ان منهم من تأخذه النار إلى كعبيه" کے الفاظ بھی آتے ہیں دونوں کے الفاظ مختلف ہیں مگر معنی ایک ہی ہوں گے۔

قیامت کے دن لوگوں کے پسینے کی مقدار

وعن ابن عمر رضي الله عنهما : أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((يَقُومُ النَّاس لِرَبِّ العَالَمِينَ حَتَّى يَغِيبَ أحَدُهُمْ في رَشْحِهِ إلَى أنْصَافِ أُذُنَيهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .
وَ((الرَّشْحُ)) : العَرَقُ .

ترجمہ:"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"روز قیامت لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ نصف کانوں تک اپنے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔" (بخاری) "الرشح" بمعنی: پسینہ۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں میدان محشر کی ہولناکی کا منظر بیان کیا جارہا ہے کہ جب لوگ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے تو ان کو پسینہ آئے گا۔ یہ پسینہ بعض کہتے ہیں پریشان کی وجہ سے یا سورج کے قریب ہونے کی وجہ سے یا (رواہ مسلم) لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے ہوگا۔

إلى أنْصَافِ أُذُنَيهِ: لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے پسینہ میں ہوں گے بعض کو کم اور بعض کو زیادہ ہوگا بعض کو یہ پسینہ ٹخنوں تک اور بعض کو گھٹنوں تک اور بعض کا پورا جسم ہی پسینہ میں ہوگا۔ (اعاذنا اللہ)

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ میدان محشر کا پسینہ دنیا کے پسینے کی طرح اوپر سے نیچے کی طرف نہیں پہنچے گا بلکہ یہ نیچے سے اوپر کی طرف جائے گا شروع میں صرف ٹخنوں کو پکڑے گا پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف چڑھے گا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْهُ وَجَعَلَنَا تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت و جہنم کے حالات دکھلائے گئے

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : خطبنا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خطبة مَا سَمِعْتُ مِثلها قطّ ، فَقَالَ : " لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أعْلَمُ ، لَضحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيتُمْ كَثِيراً " فَغطَّى أصْحَابُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجُوهَهُمْ ، وَلَهُمْ خَنينٌ . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .وفي رواية : بَلَغَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أصْحَابهِ شَيْءٌ فَخَطَبَ ، فَقَالَ : "عُرِضَتْ عَلَيَّ الجَنَّةُ وَالنَّارُ ، فَلَمْ أرَ كَاليَومِ في الخَيرِ وَالشَّرِّ ، وَلَوْ تَعْلَمونَ مَا أعلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً " فَمَا أتَى عَلَى أصْحَابِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمٌ أشَدُّ مِنْهُ ، غَطَّوْا رُؤُسَهُمْ وَلَهُمْ خَنِينٌ ." الخَنِينُ " بالخاء المعجمة : هُوَ البُكَاءُ مَعَ غُنَّة

وانتِشَاق الصَّوْتِ مِنَ الأنْفِ . وفي رواية : بَلَغَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَصْحَابِهِ شَيْءٌ فَخطَبَ ، فَقَالَ : ((عُرِضَتْ عَلَيَّ الجَنَّةُ وَالنَّارُ ، فَلَمْ أَرَ كَاليَومِ فِي الخَيرِ وَالشَّرِّ ، وَلَوْ تَعلَمونَ مَا أعلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً)) فَمَا أَتَى عَلَى أَصْحَابِ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمٌ أَشَدُّ مِنْهُ ، غَطَّوْا رُؤُسَهُمْ وَلَهُمْ خَنِينٌ . ((الخَنِينُ)) بالخاء المعجمة : هُوَ البُكَاءُ مَعَ غُنَّة وانتِشَاق الصَّوْتِ مِنَ الأنْفِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا' میں نے ایسا خطبہ پہلے نہیں سنا تھا' آپ نے فرمایا کہ اگر تمہیں وہ بات معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو اور زیادہ روؤ' یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے چہرے ڈھانپ لئے اور سسکیاں لے کر رونے لگے۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کے بارے میں کوئی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اوپر جنت اور جہنم کو پیش کیا گیا' میں نے آج کے دن کی طرح کی بھلائی اور برائی نہیں دیکھی' اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ' اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے زیادہ سخت دن کوئی نہیں آیا انہوں نے اپنے سر ڈھانپ لئے اور آہ و بکا کرنے لگے۔

الخنین۔ خاء معجمہ کے ساتھ 'ناک سے آواز نکالتے ہوئے رونا۔

حدیث کی تشریح: اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کہ ان کے لیے جنت میں انواع و اقسام کی نعمتیں موجود ہیں اور انداز تنبیہ ہے کافروں اور مشرکوں اور گنہگاروں کے لیے کہ جہنم کے عذاب کی ہولناکیاں بہت ہی شدید ہیں۔

صحیح بخاری کی حدیث میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ سامنے باغ میں میرے سامنے جنت اور جہنم دونوں لائے گئے جو خیر کثیر میں نے جنت میں دیکھی میں نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی اور جو شر عظیم میں نے آج جہنم میں دیکھا وہ میں نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا جو میں جانتا ہوں اگر تمہیں اس کا علم ہو جائے تو تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ' اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں رقت طاری ہو گئی اور سب کے رونے کی آواز سنی جانے لگی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اخلاق حسنہ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے اور ان میں گداز اور نرمی اعلیٰ درجہ کی تھی اور احوال قیامت کو سن کر ان پر رقت طاری ہو جاتی اور یہ بات بجائے خود کمال ایمان کی علامت ہے کیونکہ رقت کا تعلق تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خشیت سے ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کی خشیت زیادہ ہو گی اتنا ہی آدمی رقیق القلب ہو گا اور جس قدر انسان ایمان و تقویٰ اور خشیت الٰہی سے دور ہو گا اتنا ہی سخت دل ہو گا۔

رونا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کی آنکھ سے مکھی کے سر کے برابر بھی آنسو نکل آئے اس کا جہنم میں جانا اس قدر دشوار ہے جیسا کہ تھنوں میں سے دودھ نکالنے کے بعد دوبارہ تھنوں میں ڈالنے کی کوشش کرنا۔ (روضۃ المتقین: ۱/۴۳۱، دلیل الفالحین: ۲/۳۳۸)

قیامت کے دن ہر آدمی پسینہ میں ہوگا

وعن المقداد رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنَ الخَلْقِ حَتَّى تَكُونَ مِنهُمْ كَمِقْدَارِ مِيلٍ)) قَالَ سُلَيْم بنُ عَامِرِ الراوي عن المقداد : فَوَاللهِ مَا أَدْرِي مَا يعني بالمِيلِ ، أَمَسَافَةَ الأرضِ أَمِ المِيلَ الَّذِي تُكْتَحَلُ بِهِ العَيْنُ ؟ قَالَ : ((فَيكُونُ النَّاسُ عَلَى قَدْرِ أعْمَالِهِمْ فِي العَرَق ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى كَعْبَيْهِ ، ومنهم من يكون إِلَى ركبتيه ، ومنهم مَنْ يَكُونُ إِلَى حِقْوَيْهِ((٢)) ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ العَرَقُ إلْجَاماً)) . قَالَ : وَأَشَارَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بيدِهِ إِلَى فِيهِ . رواه مسلم .

ترجمہ: ”حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا قیامت والے دن سورج کو مخلوق کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان سے ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے (تابعی یعنی حضرت سلیم بن عامر) فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد تھی؟ کیا زمین کی مسافت یا سرمہ دانی کی وہ سلائی جس سے آنکھ میں سرمہ لگایا جاتا ہے (کیونکہ عربی زبان میں اس کو بھی میل کہا جاتا ہے) پس لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے۔ بعض ان میں سے وہ ہوں گے جو اپنے ٹخنوں تک اور بعض اپنے گھٹنوں تک اور بعض اپنی کمر تک پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اور بعض ایسے ہوں کہ انہیں پسینے کی لگام ڈالی ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی جس طرح جانور کے منہ میں لگام ڈالی جاتی ہے اسی طرح پسینہ ان کے لئے لگام بنا ہوا ہوگا۔“

حدیث تشریح: كَمِقْدَارِ مِيلٍ: میل کی مقدار۔

حدیث میں میل کی وضاحت نہیں کی گئی اس لئے محدثین میں اختلاف ہو گیا کہ یہاں مسافت والا میل مراد ہے یا سرمہ دانی کا میل۔ مسافت والا میل تقریباً ۸ فرلانگ کا ہوتا ہے ذراع میں چھ ہزار یا چار ہزار ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بارہ ہزار انسانی قدم کے برابر قرار دیا ہے۔ یا سرمہ دانی والا میل یعنی سلائی مراد ہے۔

اس حدیث میں انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ سورج جب قریب ہوگا تو اس کی حرارت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جب کہ آج سائنسی تحقیق کے اعتبار سے سورج تقریباً زمین سے ۹ کروڑ میل کے فاصلہ پر ہے اتنی حرارت ہوتی ہے تو قریب ہوگا تو کتنی زیادہ حرارت ہوگی۔ (اخرجہ مسلم)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " يَعْرَقُ النَّاسُ يَومَ القِيَامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الأرضِ سَبْعِينَ ذِرَاعاً ، وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ " مُتَّفقٌ عَلَيهِ .ومعنى " يَذْهَبُ فِي الأرض " : ينزل ويغوص .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت لوگوں کو پسینہ آئے گا یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر ہاتھ تک پہنچ جائے گا اور ان کو پسینہ کی لگام لگی ہوگی جو ان کے کانوں تک پہنچ جائے گی۔ (متفق علیہ)

ینزل ویغوص: زمین میں اترے گا اور سرایت کرے گا۔

حدیث کی تشریح: حدیث کے الفاظ بظاہر عام ہیں لیکن متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث کا تعلق کافروں اور کبیرہ گناہوں میں مبتلا انسانوں کے ساتھ ہے اور انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور شہداء اور وہ اہل ایمان جن پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرمائیں گے ان احوال سے مستثنیٰ ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کے منہ میں پسینہ کی لگام ہوگی وہ کافر ہوگا۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ روز قیامت کی مصیبت بڑی کٹھن ہوگی' یہاں تک کہ کافر کے منہ میں پسینہ کی لگام لگی ہوگی کسی نے کہا کہ اس وقت مؤمنین کہاں ہوں گے؟ فرمایا کہ سونے کی کرسیوں پر جن پر بادل سایہ فگن ہوں گے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں بسند صحیح روایت کیا ہے کہ سورج کو دس برس کی حرارت دیدی جائے گی اور اسے لوگوں کی کھوپڑیوں کے قریب کر دیا جائے گا یہاں تک کہ سروں سے اس کا فاصلہ دو قوس کا رہ جائے گا' لوگوں کو پسینہ آئے گا اور زمین پر پسینہ کا چڑھاؤ قد آدم ہو جائے گا پھر اور چڑھے گا یہاں تک کہ حلق میں آجائے گا' ابن المبارک نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی کہے کہ اس دن مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اس دن کی گرمی سے محفوظ ہوں گے۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد کامل ایمان ہے اور سب لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے باہم متفاوت ہوں گے۔ (فتح الباری: ۳/۴۱۴' روضۃ المتقین: ۱/۴۳۳' دلیل الفالحین: ۲/۲۴۰)

جہنم کی گہرائی

وعنه ، قَالَ : كُنَّا مَعَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إذْ سمع وجبة ، فَقَالَ : " هَلْ تَدْرُونَ مَا هَذَا ؟ " قُلْنَا : اللهُ وَرَسُولُهُ أعْلَمُ . قَالَ : " هذَا حَجَرٌ رُمِيَ بِهِ فِي النَّارِ مُنْذُ سَبْعِينَ خَرِيفاً، فَهُوَ يَهْوِي فِي النَّارِ الآنَ حَتَّى انْتَهَى إلَى قَعْرِها فَسَمِعْتُمْ وَجْبَتَهَا " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے گزرنے کی آواز سنی' آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ پتھر ہے جو ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا' وہ گرتا رہا اور آج اس کی تہہ میں پہنچا ہے اور تم نے اس کے گرنے کی آواز سنی ہے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور بڑے اور عظیم پتھر اوپر سے لڑھکائے جاتے ہیں تو ایک پتھر کو تہ تک پہنچنے میں ستر برس لگتے ہیں اور جہنم کی آگ سے اُٹھنے والی ایک ایک چنگاری اتنی بڑی ہوتی ہے جیسے کوئی قصر ہو اور جیسے وہ زرد اونٹ ہیں۔ اہل عرب کالے اونٹوں کو زرد کہہ دیا کرتے تھے جہنم کی آگ سیاہ اور تاریک ہوگی۔ پتھر کے گرنے کی آواز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بہتر جانتے ہیں' یہ صحابہ کرامؓ کا ادب تھا اور وہ ہمیشہ اسی طرح کہا کرتے تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پتھر کے گرنے کی آواز بطور کرامت صحابہ کرامؓ نے بھی سنی۔ جیسا کہ صحابہ حنین جذع (لکڑی کے اس ٹکڑے کے رونے کی آواز جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے) اور دست مبارک میں کنکریوں کے تسبیح کی آواز سنی۔ (روضۃ المتقین: ۱/۴۳۵' شرح مسلم النووی: ۱۷/۱۴۸' دلیل الفالحین: ۲/۲۴۰)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حجاب ختم ہو جائے گا

وعن عدي بن حاتم رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إلاَّ سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيس بَيْنَهُ وبَيْنَهُ تَرجُمَانٌ ، فَيَنْظُرُ أيْمَنَ مِنْهُ فَلاَ يَرى إلاَّ مَا قَدَّمَ ، وَيَنْظُرُ أشْأَمَ مِنْهُ فَلاَ يَرَى إلاَّ مَا قَدَّمَ ، وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلاَ يَرَى إلاَّ النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بشِقِّ تَمْرَةٍ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تم میں سے ہر ایک سے اس کا رب ہم کلام ہوگا اور اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا' آدمی دائیں طرف دیکھے گا تو اس کے بھیجے ہوئے اعمال ہوں گے اور اپنے بائیں طرف دیکھے گا تو اس کے بھیجے ہوئے اعمال ہوں گے اور اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کی آگ ہوگی' تو جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ساتھ ہو۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: انسان اپنے دائیں بائیں اپنے اعمال دیکھے گا اور سامنے دھکتا ہوا جہنم ہوگا۔ اگر تم جہنم کی آگ سے بچنا چاہتے ہو تو اس کے لیے ہر تدبیر کرو چاہے وہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ میں دینا ہو یعنی حسن نیت اور اخلاص سے ہر عمل خیر کرو' یہی طریقہ ہے جہنم سے نجات حاصل کرنے کا۔ (نزہۃ المتقین: ۱/۳۵۷)

ولو بشق تمرۃ کے دو مطلب ہیں۔ (۱) جہنم کی آگ سے بچاؤ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اگرچہ وہ ظلم کھجور کے ٹکڑے کے برابر ہو۔ (۲) جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ ایک کھجور کا صدقہ ہی دیکر کیوں نہ ہو۔

اس حدیث کی تشریح باب فی کثرۃ طرق الخیر میں گزر چکی ہے۔

فرشتوں کے بوجھ سے آسمان چرچراتا ہے

وعن أَبي ذر رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنِّي أرَى مَا لا تَرَوْنَ ، أطَّتِ السَّماءُ وَحُقَّ لَهَا أنْ تَئِطَّ ، مَا فِيهَا مَوضِعُ أرْبَعِ أصَابعَ إلاَّ وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِداً للهِ تَعَالَى . والله لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أعْلَمُ ، لَضَحِكْتُمْ قَليلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً ، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بالنِّساءِ عَلَى الفُرُشِ ، وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُونَ إِلَى اللهِ تَعَالَى)) رواه الترمذي ، وَقَالَ : ((حديث حسن)) . وَ((أطَّت)) بفتح الهمزة وتشديد الطاء و((تئط)) بفتح التاء وبعدها همزة مكسورة ، وَالأطيط : صوتُ الرَّحْلِ وَالقَتَبِ وَشِبْههمَا، ومعناه : أنَّ كَثرَةَ مَنْ في السَّماءِ مِنَ المَلائِكَةِ العَابِدِينَ قَدْ أثْقَلَتْهَا حَتَّى أطَّتْ . وَ((الصُّعُدات)) بضم الصاد والعين : الطُّرُقات : ومعنى : ((تَجأرُون)) : تَستَغيثُونَ .

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ، آسمان چرچراتا ہے اور اس کے یہی لائق ہے کہ وہ چرچرائے۔ اس میں چار انگلیوں کے مقدار کوئی جگہ بھی خالی نہیں کہ کوئی فرشتہ پیشانی زمین پر رکھے ہوئے سجدہ میں نہ ہو۔ اللہ کی قسم اگر تم ان باتوں کو معلوم کرلو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو تھوڑا اور روؤ زیادہ اور اپنی عورتوں سے لذت حاصل نہ کرسکو اور تم اللہ سے پناہ چاہتے ہوئے جنگلوں کے راستے کی طرف نکل جاؤ۔ ترمذی اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔“

”أطت“: ہمزہ پر زبر اور طا پر تشدید۔

”تئط“ تا پر زبر اس کے بعد ہمزہ پر زیر۔

”اطیط“ بمعنی پالان، کجاوہ اور ان جیسی چیزوں کی آواز۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان پر عبادت گذار فرشتوں کی کثرت نے آسمان کو اتنا بوجھل کردیا ہے کہ وہ بوجھ سے چرچراتا ہے۔

”صعدات“ صاد اور عین دونوں پر پیش، معنی ہے راستے۔

”تجارون“: کے معنی پناہ اور مدد طلب کروگے۔

تشریح: حدیث بالا میں بھی خوف الٰہی کو بیان کیا جارہا ہے کہ ایک مؤمن کے دل میں اللہ جل شانہ کی جتنی عظمت وجلالت ہوگی اسی کے بقدر اسکے دل میں اللہ جل شانہ کے عذاب کا خوف اور اس کی رحمت کی امید ہوگی۔

﴿أطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أنْ تَئِطَّ﴾ آسمان چرچراتا ہے اور اس کیلئے حق ہے کہ وہ چرچرائے۔

آسمان اللہ کے خوف سے چرچراتا ہے مثلاً جیسے کہ کوئی چارپائی ہو اس پر زیادہ لوگ بیٹھ جائیں تو وہ چرچرانے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے خوف سے آسمان بھی چرچرانے اور نالہ وفریاد کرنے لگتا ہے۔

اس بات کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ آسمان بے جان ہے اور منجمد چیز ہے مگر یہ بھی اللہ کے خوف سے چرچراتا ہے۔ توانسان جو کہ جاندار ہے اور گناہ و معصیت میں مبتلا بھی رہتا ہے اس کو آسمان سے کہیں زیادہ یہ لائق تھا کہ وہ خوف الٰہی سے گریہ وزاری کرے۔(۱)

﴿وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلّٰهِ تَعَالٰى﴾ فرشتے اپنی پیشانی زمین میں رکھے ہوئے سجدہ میں ہوں گے۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ آسمان پر کوئی فرشتہ قیام میں ہے، کوئی رکوع میں، کوئی سجدہ میں اور یہاں حدیث بالا میں ہے کہ سارے ہی فرشتے سجدہ میں ہیں؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص آسمان کا ذکر فرمایا جہاں مختلف حالات میں فرشتے ہیں اور یہاں کسی دوسرے آسمان کا ذکر ہے جہاں تمام ہی فرشتے سجدہ کی حالت میں ہیں۔(۲)

﴿اَلصُّعُدَاتُ تَجْأَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ﴾ صعدات یہ جمع ہیں صعد کی بمعنی راستہ مراد جنگل ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں بھی خوف الٰہی کو بیان کیا جارہا ہے کہ ایک مؤمن کے دل میں اللہ جل شانہ کی جتنی عظمت وجلالت ہوگی اسی کے بقدر اس کے دل میں اللہ جل شانہ کے عذاب کا خوف اور اسکی رحمت کی اُمید ہوگی۔

(أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ) آسمان چرچراتا ہے اور اس کے لئے حق ہے کہ وہ چرچرائے۔

آسمان اللہ کے خوف سے چرچراتا ہے مثلاً جیسے کہ کوئی چارپائی ہو اس پر زیادہ لوگ بیٹھ جائیں تو وہ چرچرانے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے خوف سے آسمان بھی چرچرانے اور نالہ و فریاد کرنے لگتا ہے۔

اس بات کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ آسمان بے جان اور منجمد چیز ہے مگر یہ بھی اللہ کے خوف سے چرچراتا ہے۔ توانسان جو کہ جاندار ہے اور گناہ و معصیت میں مبتلا بھی رہتا ہے اس کو آسمان سے کہیں زیادہ یہ لائق تھا کہ وہ خوف الٰہی سے گریہ وزاری کرے۔

(وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِداً لِلّٰهِ تَعَالٰى) فرشتے اپنی پیشانی زمین میں رکھے ہوئے سجدہ میں ہوں گے۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ آسمان پر کوئی فرشتہ قیام میں ہے، کوئی رکوع میں، کوئی سجدہ میں اور یہاں حدیث بالا میں ہے کہ سارے ہی فرشتے سجدہ میں ہیں؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص آسمان کا ذکر فرمایا جہاں مختلف حالات میں فرشتے ہیں اور یہاں کسی دوسرے آسمان کا ذکر ہے جہاں تمام ہی فرشتے سجدہ کی حالت میں ہیں۔(مظاہر حق)

(اَلصُّعُدَاتُ تَجْأَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ) صعدات یہ جمع ہے صعد کی بمعنی راستہ مراد جنگل ہے۔

قیامت کے دن ہر شخص سے مندرجہ ذیل سوال ہونگے

وعن أبي برزة براء ثُمَّ زاي نَضْلَةَ بن عبيد الأسلمي رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَومَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفنَاهُ ؟ وَعَنْ عِلمِهِ فِيمَ فَعَلَ فِيهِ ؟ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ ؟ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ ؟ وَعَنْ جِسمِهِ فِيمَ أَبلاهُ ؟ " رواه الترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن صحيح ".

ترجمہ: حضرت ابو برزہ نضلہ بن عبید اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کسی بندے کے قدم نہیں ہٹیں گے' جب تک اس سے اس کی عمر کے بارے میں نہ پوچھ لیا جائے کہ اس نے کن کاموں میں صرف کیا' علم کے بارے میں کہ اس کے مطابق کس قدر عمل کیا' اس کے مال کے بارے میں کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا اور جسم کے متعلق کہ اسے کن کاموں میں کمزور کیا۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: جنت یا جہنم کا اس وقت تک حکم نہیں ہوگا جب تک ہر اللہ کا بندہ چار سوال کا جواب نہ دے دے' اگر ان چاروں سوالوں کا جواب اللہ کی رضا کے مطابق ہے تو جنتی ہے اور اگر اس کے برخلاف ہے تو جہنمی ہے۔ سب سے پہلے عمر کے بارے میں سوال ہوگا کہ زندگانی کن کاموں میں بسر کی؟ علم کے بارے میں سوال ہوگا کہ علم کے مطابق عمل کیا یا نہیں؟ مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے حاصل کیا اور کہاں صرف کیا؟ اور جسم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس سے کیا کام لیے' اللہ کی بندگی کی یا معصیتوں کا ارتکاب کیا؟ (روضة المتقين: ۲/ ۴۳۲' دليل الفالحين: ۲/ ۲۴۴)

قیامت کے دن زمین اپنے اوپر کیے جانے والے اعمال کی گواہی دے گی

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قرأ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴾ [الزلزلة : ٤] ثُمَّ قَالَ : " أَتَدْرونَ مَا أَخْبَارُهَا " ؟ قالوا : الله وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ . قَالَ : " فإنَّ أَخْبَارَهَا أنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بما عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا تَقُولُ : عَمِلْتَ كَذَا وكَذَا في يَومِ كَذَا وكَذَا فَهذِهِ أَخْبارُهَا " رواه الترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن صحيح ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "یومئذ تحدث اخبارھا" اور دریافت فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی خبریں کیا ہوں گی؟ صحابہؓ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی خبریں یہ ہوں گی کہ وہ اللہ کے ہر بندے مرد اور عورت کے خلاف گواہی دے گی ان اعمال کی جو اس کی پشت پر انہوں نے کئے ہوں گے وہ کہے گی تو نے فلاں دن فلاں کام کیا' یہی زمین کی خبریں ہیں۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: سطح زمین ایک ریکارڈ کی طرح ہے اس پر انسان کے تمام اچھے برے اعمال نقش ہو رہے ہیں اور ہر اُٹھنے والا قدم یہاں اپنا دائمی نشان ثبت کر رہا ہے' روزِ قیامت جہاں مجرموں کے کان' ان کی

آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی وہاں ایک عینی گواہ زمین ہوگی جس کے پاس ہر انسان کی چلت پھرت کا مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ یہ طاعات اور معاصی جو اس کی سطح پر ہوئی ہیں سب کی تفصیل بیان کردے گی۔ (تحفۃ الاحوذی:۹/ ۲۶۴، روضۃ المتقین:۱/ ۴۳۷، دلیل الفالحین:۲/ ۲۴۵)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خوف

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كَيْفَ أنْعَمُ ! وَصَاحِبُ القَرْنِ قَدِ التَقَمَ القَرْنَ ، وَاسْتَمَعَ الإذْنَ مَتَى يُؤْمَرُ بالنَّفْخِ فَيَنْفُخُ " فَكَأنَّ ذَلِكَ ثَقُلَ عَلَى أصْحَابِ رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ : " قُولُوا : حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الوَكِيلُ " رواه الترمذي ، وَقَالَ : " حديث حسنٌ " .

" القَرْنُ " : هُوَ الصُّورُ الَّذِي قَالَ الله تَعَالَى : ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ﴾ كذا فسَّره رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیسے خوش ہوں جبکہ صور پھونکنے والا صور اپنے منہ میں لے چکا ہے' اس کا کان اللہ کے حکم پر لگا ہوا ہے کہ کب اسے صور پھونکنے کا حکم ہو اور وہ پھونک دے' یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہو گئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل (اللہ کافی ہے اور اللہ بہترین کارساز ہے) (اسے ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث شریف یہ ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے اور قرب قیامت کے بیان سے غرض یہ ہے کہ لوگ متنبہ ہو جائیں کہ مہلت کا وقت ختم ہو چکا اور تیاری کے لیے بہت کم وقت رہ گیا ہے اس لیے چاہیے کہ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور قیامت کی پیشی کے لیے تیاری کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کیسے زندگی خوشگوار محسوس ہو سکتی ہے جبکہ اسرافیل علیہ السلام صور کو منہ میں لے چکے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ مجھے حکم ملے اور اس میں پھونک ماروں' یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ پر پریشانی کی ایک کیفیت طاری ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو آپ نے فرمایا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل" اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کفار مکہ نے آپ کے مقابلے کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کر لیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل" (روضۃ المتقین:۱/ ۴۳۸)

اللہ تعالیٰ کا سودا جنت ہے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ خَافَ أَدْلَجَ ، وَمَنْ أَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ . ألا إنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ ، ألاَ إنَّ سِلْعَةَ الله الْجَنَّةُ " رواه الترمذي ، وَقالَ : " حديث حسن " .

وَ"أدْلَجَ ": بإسكان الدال ومعناه سار من أول الليلِ . والمراد التشمير في الطاعة ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دشمن کے حملے سے ڈرا اور رات کے ابتدائی حصے میں نکل گیا اور جو رات کے ابتدائی حصہ میں نکل گیا وہ منزل کو پہنچ گیا۔ اللہ کا سودا مہنگا ہے اور اللہ کا سودا جنت ہے۔ (ترمذی نے اسے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے) واللہ اعلم

اَدْلَجَ۔ دال کے سکون کے ساتھ یعنی رات کے پہلے حصے میں نکل کھڑا ہوا۔ اس سے مراد اللہ کی اطاعت میں سرگرم رہتا ہے۔ واللہ اعلم

حدیث کی تشریح: امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر آخرت پر روانہ ہونے والے کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کسی مسافر کو راستے میں کسی دشمن کا خوف ہو اور وہ رات کے پہلے ہی حصے میں سفر چل نکلے کہ دشمن سے بھی بچ جائے اور منزل پر بھی بعافیت پہنچ جائے۔

اگر سالک آخرت بھی بیدار ہو' اسے اپنے سفر کی اہمیت کا اندازہ ہو اور اس نے اس کی پوری تیاری کی ہو' اسے معلوم ہو کہ اس کے راستے میں اس کا دشمن شیطان گھات لگائے بیٹھا ہے اور اس کا نفس بھی اس کا راستہ کھوٹا کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ جلد از جلد سفر پر چلنے کی تیاری شروع کردے' آج کل پر نہ ٹالتا رہے' اخلاص نیت کے ساتھ شیطان کے مکائد اور نفس کے غوائل سے بچتا ہوا جلد از جلد سفر شروع کردے' سفر لمبا بھی ہے کٹھن بھی ہے' پتہ نہیں رات رات میں پورا بھی ہو یا نہ ہو' اس لیے لازمی ہے کہ اول شب (اول عمر) میں سفر شروع کرے تاکہ اختتام شب (موت) تک سفر پورا ہو جائے اور منزل مقصود پر پہنچ جاؤ اور یاد رکھو کہ منزل مقصود یعنی جنت نہ تو کم قیمت ہے اور نہ اس کا حصول آسان' اس کی اللہ نے ایک بڑی قیمت لگادی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

"اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں کہ انہیں اس کے بدلے میں جنت ملے گی۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خشیت اور اس کا تقویٰ' نفس کو اطاعت الٰہی پر آمادہ کرنا اور جملہ احکام شریعت پر عمل کر کے اللہ کی رضا کا حصول یہی مؤمن کا مقصود ہے اور اسی کا صلہ جنت ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۱۹۰' روضۃ المتقین: ۱/۴۳۹)

قیامت کے دن لوگوں کے خوف کی حالت

(۳) وعن عائشة رضي الله عنها ، قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ القِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً)) قُلْتُ : يَا رَسُول الله ، الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيعاً يَنْظُرُ بَعضُهُمْ إِلَى بَعْض ؟! قَالَ : ((يَا عائِشَةُ ، الأمرُ أشدُّ مِنْ أنْ يُهِمَّهُمْ ذلِكَ)) . وفي رواية : ((الأَمْرُ أهمُّ مِنْ أنْ يَنْظُرَ بَعضُهُمْ إِلَى بَعض)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . ((غُرلاً)) بِضَمِّ الغَينِ المعجمة ، أيْ : غَيرَ مَختُونينَ .

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت والے دن لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنے کئے ہوئے اٹھائے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ دوسری روایت میں ہے معاملہ اس سے کہیں زیادہ اہم ہوگا کہ ان کا بعض بعض کی طرف نظر اٹھائے۔“ (متفق علیہ)

غزہ غین کے ضمہ کے ساتھ۔ یعنی جن کے ختنے نہ ہوئے ہوں۔

حدیث کی تشریح: يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً

اسی حدیث میں میدان محشر کی ہولناکیوں کا بیان ہے اور میدان محشر کی ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے دنیا میں اس کی تیاری کرنا چاہیے اس کے لئے ایمان واعمال والی زندگی گزارنی چاہئے اور اگر اللہ کے حدود کے توڑنے اور نافرمانی کے ساتھ زندگی گزری تو وہاں پر ذلت و رسوائی ہوگی۔ (دلیل الفالحین)

”غرلاً“: بغیر ختنے کے ہوں گے! اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن جب مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو جسم کا تمام حصہ مکمل ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ ختنہ میں جو کھال کاٹ کر پھینک دی جاتی ہے تو قیامت کے دن وہ بھی انسان کے جسم کے ساتھ مل جائے گی۔ اس میں اللہ جل شانہ کے کمال قدرت اور کمال علم کا بیان ہے۔ (مظاہر حق) قرآن میں بھی آتا ہے۔

(وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ)

أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهِمَّهُمْ ذٰلِكَ: کہ معاملہ اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔

میدان محشر کی ہولناکی کا تصور اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آدمی برہنہ ہونے کے باوجود کسی کی طرف توجہ نہیں کرے گا، ہر ایک کو اپنی ہی فکر لگی ہوئی ہوگی۔

باب الرجاء

اللہ پر اُمید رہنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾ [الزمر : ۵۳]

ترجمہ: "اے نبی! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں کو معاف کر دینے والا ہے اور وہی تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

شانِ نزول

بعض لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم نے ناحق لوگوں کو قتل بھی کیا ہے، زنا بھی کیا ہے اور بڑے بڑے گناہ کئے ہیں کیا ہم دین اسلام قبول کرلیں، تو ہماری توبہ قبول ہو جائے گی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔(تفسیر قرطبی)

تفسیر:۔اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ: علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ اسراف سے کبیرہ گناہ مراد ہے۔

لَاتَقْنَطُوْا: مایوس نہ ہوں۔ جن لوگوں نے کبیرہ گناہ کر لیا اگر وہ اسلام لے آئیں اور توبہ کرلیں اللہ ان کے گناہوں کو معاف کر دیں گے۔

اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ: اسلام اپنے ماقبل تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پورے قرآن میں اس سے زیادہ اُمید افزا کوئی دوسری آیت نہیں ہے۔ دوسرے مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سب سے زیادہ اُمید افزا آیت "اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْا مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ "کو بتایا ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اس آیت کے مقابلہ میں مجھے پسند نہیں وہ آیت: "يَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ" والی ہے۔(مسند احمد بحوالہ تفسیر مظہری)

" قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: وَهَلْ نُجَازِىْ اِلاَّ الْكَفُوْرَ ، الآية." (سبا:۱۷)

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ہم ناشکرے اور نافرمان ہی کو بدلہ دیتے ہیں۔"

تفسیر: "كَفُوْرٌ": کافر کا مبالغہ ہے تو اب معنی یہ ہوگا کہ بہت زیادہ کفر کرنے والا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم سب سے زیادہ کفر کرنے والے کے علاوہ کسی اور کو سزا نہیں دیتے۔

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار مسلمان اور عام کافر کو عذاب نہیں ہوگا حالانکہ یہ عام قرآنی آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔

جواب: یہاں پر سیاق و سباق سے قوم سبا والا عذاب مراد ہے جو کافروں کے ساتھ مخصوص ہوگا مسلمانوں کو اگرچہ عذاب دیا جائے گا مگر وہ ایسا عذاب نہیں ہوگا وہ تو صرف تطہیر کے لئے ہوگا۔ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ لَايُعَاقِبُ بِمِثْلِ فِعْلِهٖ اِلاَّ الْكَفُوْرَ" کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ برے عمل کی سزا اس کے برابر بجز "کَفُوْر" کے کسی کو نہیں دی جاتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافر کو تو سزا بطور سزا کے دی جائے گی اور جہاں تک مسلمانوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا وہ بطور سزا کے نہیں ہوگا بلکہ وہ بطور پاکی کے ہوگا جیسے کہ سونے کو بھٹی میں ڈال کر اس کا میل دور کیا جاتا ہے۔ (روح المعانی)

" وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّا قَدْ أُوْحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى. " (طٰہٰ:۴۸)

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے یقیناً ہماری طرف وحی آئی ہے کہ جو جھٹلائے اور منہ پھیرے اس کے لئے عذاب ہے۔"

تفسیر: "العذاب": اس سے دنیا اور آخرت دونوں کا عذاب مراد ہے۔ "من کذب" سے مراد پیغمبروں کو جنہوں نے جھٹلایا "تولی" اللہ کی اطاعت سے پشت پھیری یعنی انکار کیا۔

اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ کی طرف سے حکم پہنچا ہے کہ اللہ کا عذاب دنیا اور آخرت میں اس شخص پر ہوگا جو حق سے روگردانی کرے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کی دلیل بھی ہے۔ (تفسیر مظہری ۳۸۸/۷)

موت کے وقت کلمہ توحید جہنم کی آگ کو حرام کرتی ہے

وعن عبادة بن الصامتِ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ شَهِدَ أَنَّ لا إلهَ إلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ ، وَأَنَّ مُحَمداً عَبْدهُ ورَسُولُهُ ، وَأَنَّ عِيسى عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إلَى مَرْيَمَ ورُوحٌ مِنْهُ ، وَأَنَّ الجَنَّةَ حَقٌّ ، وَالنَّارَ حَقٌّ ، أدْخَلَهُ اللهُ الجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنَ العَمَلِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وفي رواية لمسلم : " مَنْ شَهِدَ أنْ لا إلَهَ إلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ ، حَرَّمَ اللهُ عَلَيهِ النَّارَ " .

ترجمہ: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی روح ہیں' اور جنت اور جہنم حق ہیں' اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے خواہ اس کی اعمال کیسے ہی ہوں۔ (متفق علیہ)

اور مسلم کی روایت میں ہے۔ جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ تو اللہ پاک اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

حدیث کی تشریح: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت اہم ہے اور بڑی جامع ہے کہ اس میں ایسے الفاظ و کلمات یکجا ہو گئے ہیں جن سے اہل ایمان تمام ملتوں اور جملہ عقائد باطلہ سے ممتاز ہو گئے۔

اہل ایمان کے اعمال خواہ جیسے بھی ہوں ایمان کی بدولت اللہ تعالیٰ انہیں ان کے برے اعمال کی سزا دے کر یا اگر وہ چاہے تو بغیر سزا دیئے ان کے گناہوں کو معاف فرما کر جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہیں داخل فرما دیں گے۔

حدیث مبارک میں اللہ کی توحید اور انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت اور عبدیت کا بیان ہے کہ تمام انبیاء کرام اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بندے ہیں:

"لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ"

خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ وہ کلمہ کن سے ہوئے اور وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل اور ان کی عبدیت کے منکر ہیں اور یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے منکر ہیں۔ عبدالله ورسوله فرما کر دونوں کی تردید فرمادی۔

امت محمدیہ کی خصوصیات

وعن أبي ذر رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يقول الله عز وجل : مَنْ جَاء بالحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا أَوْ أَزْيَد ، وَمَنْ جَاءَ بالسَّيِّئَةِ فَجزاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ . وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْراً تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعاً ، وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعاً تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعاً ، وَمَنْ أتَانِي يَمْشِي أتَيْتُهُ هَرْوَلَةً ، وَمَنْ لَقِيَنِي بِقُرَابِ الأَرْض خَطِيئَةً لا يُشْرِكُ بِي شَيئاً ، لَقِيتُهُ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً)) رواه مسلم .معنى الحديث : ((مَنْ تَقَرَّبَ)) إلَيَّ بطَاعَتِي ((تَقَرَّبْتُ)) إلَيْهِ بِرَحْمَتِي وَإنْ زَادَ زِدْتُ ((فَإنْ أتَانِي يَمْشِي)) وَأسرَعَ في طَاعَتِي ((أتَيْتُهُ هَرْوَلَةً)) أيْ : صَبَبْتُ عَلَيهِ الرَّحْمَةَ وَسَبَقْتُهُ بِهَا وَلَمْ أحْوِجْهُ إِلَى المَشْيِ الكَثِيرِ في الوُصُولِ إِلَى المَقْصُودِ ((وقُرَابُ الأَرضِ)) بضم القافِ ، ويقال : بكسرها والضم أصح وأشهر ومعناه : مَا يُقَارِبُ مِلأَهَا ، والله أعلم .

ترجمہ: ”حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے جس نے ایک نیکی کی اس کے لئے دس گنا اجر ہے یا اس سے بھی زیادہ دوں گا اور جس نے برائی کی اس کا بدلہ اس کی مثل ہوگا۔ یا میں معاف کردوں گا اور جو شخص مجھ سے ایک بالشت کے برابر قریب ہوگا میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوں گا۔ اور جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوگا میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوں گا اور جو شخص میرے پاس پیدل چلتا ہوا آئے گا تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آؤں گا اور جو مجھ سے زمین کے بھرنے کے برابر گناہ لے کر ملے گا بشرطیکہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو میں اس کے گناہوں کے برابر مغفرت کے ساتھ اس سے ملوں گا۔“

ایک روایت میں ہے خبردار میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب اور وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کی اتباع کی وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اس کو چھوڑ یا وہ گمراہی پر ہے۔

حدیث کی تشریح: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ ، فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اَوْ أَزِيْدَ الخ.

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ جس نے ایک نیکی کی اس کے لئے دس گنا اجر ہے یا اس سے بھی زیادہ میں دوں گا۔

یہی مضمون قرآن میں بھی آتا ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اور دوسری آیت میں ”مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ ، فَلَهٗ خَيْرٌ مِنْهَا“ آتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دس یا اس سے بھی زائد ملتا ہے پہلی امتیں اس اضافی اجر سے محروم تھیں۔

مَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِثْلُهَا أَوْأَغْفِرُ.

جس نے برائی کی اس کا بدلہ اس کے مثل ہوگا یا میں اس کو معاف کردوں گا۔

یہی مضمون قرآن کی یہ آیت ”وجزاء سيئة سيئة مثلها۔“ اسی طرح ”وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔“ میں بھی پایا جاتا ہے۔

ومن تقرب من شبرا الخ

مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں ایک ذراع قریب ہوتا ہوں۔

یہاں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو بیان کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے اور اس کی شان عفو کس قدر بے پایاں ہے اس کا اندازہ اس حدیث بالا سے لگایا جاسکتا ہے کہ بندہ اللہ جل شانہ کی طرف تھوڑی سی توجہ و رجوع کرتا ہے تو اس کی طرف بارگاہ الٰہی اس سے کہیں زیادہ توجہ اور التفات کرتی ہے۔ (مرقاۃ)

اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے والے کا انعام

وعن جابر رضي الله عنه ، قَالَ : جاء أعرابي إِلَى النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُول الله ، مَا الموجِبَتَان ؟ قَالَ : " مَنْ مَاتَ لاَ يُشْرِكُ بالله شَيئاً دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً دَخَلَ النَّار " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا کہ یارسول اللہ! دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی اس حال میں مر جائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کوئی شرک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں جائے گا اور جو اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: جس شخص نے زندگی بھر کبھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا اور اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے ہوئے مر گیا وہ جنتی ہے اور سارے مسلمان اسی طرح ہیں کہ سب اللہ کے ایک معبود ہونے کے قائل اور اس کے یکتا ہونے پر ایمان رکھتے ہیں بشرطیکہ کبائر پر اصرار نہ ہو تو اللہ کی رحمت سے سب جنت میں جائیں گے اور جو مصر علی الکبائر ہو اور اسی حالت میں مر جائے تو اسکا معاملہ اللہ کی مشیت کے تابع ہوگا اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو جنت میں داخل فرمادے۔ اور جو حالت شرک باللہ میں مر گیا وہ جہنمی ہے ہمیشہ جہنم میں رہیگا۔(روضۃ المتقین: ۱/۴۴۴، دلیل الفالحین ص: ۲/۲۵۴)

کلمہ کی تصدیق کرنے والے کیلئے خوشخبری

وعن أنس رضي الله عنه : أن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ومعاذ رديفه عَلَى الرَّحْل ، قَالَ : ((يَا مُعَاذُ)) قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُول الله وَسَعْدَيْكَ ، قَالَ : ((يَا مُعَاذُ)) قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُول الله وَسَعْدَيْكَ ، قَالَ : ((يَا مُعَاذُ)) قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُول الله سَعْدَيْكَ ، ثَلاثاً ، قَالَ : ((مَا مِنْ عَبْدٍ يَشْهَدُ أن لا إلهَ إلاَّ الله ، وَأنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صِدْقاً مِنْ قَلْبِهِ إلاَّ حَرَّمَهُ الله عَلَى النَّار)) قَالَ : يَا رَسُول الله ، أفَلاَ أُخْبِرُ بِهَا النَّاس فَيَسْتَبْشِروا ؟ قَالَ : ((إذاً يَتَّكِلُوا)) فأخبر بِهَا مُعاذٌ عِنْدَ موتِه تَأثُّماً . مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وقوله : ((تأثُّماً)) أي خوفاً مِنَ الإثم في كَتْم هَذَا العلم .

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہؐ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! انہوں نے جواب دیا میں حاضر ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! انہوں نے جواب دیا "لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ" تین

مرتبہ یوں ہی جواب دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بندہ جو صدق دل سے اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں مگر اللہ جل شانہ اس پر دوزخ کو حرام کر دیتے ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا میں اس بات کی لوگوں کو خبر نہ دوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ورنہ لوگ بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کے وقت کتمان علم کے گناہ سے بچتے ہوئے اس حدیث کو بیان کیا۔" (متفق علیہ)

تاثماً۔ کتمان علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے۔

حدیث کی تشریح: "رَدِیْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ" سواری پر بیٹھے تھے۔ اس بات کو کہنے کی کیا ضرورت ہے اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا متوجہ کرنا ان سب کو بیان کرنے کا حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد بقول محدثین یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ اس سے معمولی سا بھی نہیں بھولا۔ عارفین کے بقول حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اس ہیئت اور قرب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار متوجہ کرنے کی لذت کو تازہ کرنا چاہتے ہیں۔

فَبَشِّرْهُمْ قَالَ: اِذًا يَتَّكِلُوْا: کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں فرمایا اس صورت میں وہ صرف اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔

شبہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کو بیان کرنے سے منع فرمایا تھا تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں بیان کی؟

ازالہ نمبر ۱: شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ اس بشارت کو دوسرے کو بتانا مطلقاً ممنوع ہے مگر جب معلوم ہوا کہ بشارت سنانا اس وقت تک ممنوع تھا جب تک کہ لوگوں میں اعمال کا شوق پیدا نہ ہو جائے جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ اعمال کا شوق لوگوں میں پیدا ہو گیا تو اب انہوں نے اس کو بتادیا۔

ازالہ نمبر ۲: ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی تحریم کے لئے نہیں تھی بلکہ بطور شفقت تھی اس لئے کتمان علم سے بچنے کے لئے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بیان کر دیا اگر نہی تحریم کے لئے ہوتی تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بیان نہ کرتے۔

ازالہ نمبر ۳: حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام الناس کے سامنے اس روایت کو بیان کرنے سے منع فرمایا ہے خواص کے سامنے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں تو مرنے کے وقت خواص کے سامنے انہوں نے بیان کر دیا۔

شبہ: موت کیوقت کیوں سنائی، پہلے کیوں نہیں سنائی؟

ازالہ: کلمہ شہادت کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے سنائی کیونکہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے: "مَنْ قَالَ فِيْ آخِرِ كَلَامِهِ: لَاإِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ."

کئی صحابہؓ اور بہت سے اکابر امت نے اس حدیث کو آخری وقت میں سنانے کا اہتمام کیا ہے مشہور محدث ابوذرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی موت کے وقت اسی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو بیان کرنا شروع کیا اور ابھی "لا الله الا الله" پر پہنچے تھے کہ روح پرواز کر گئی۔ "دخل الجنة" کا عملی مظاہرہ ہو گیا۔ (فتح الملہم)

ایک سوال اور اس کے مختلف جوابات

"مَنْ شَهِدَ اَنْ لاَّ اِلٰهَ الخ": جو صدق دل سے کلمہ توحید کا اقرار کرے تو وہ جنت میں داخل ہو گا اور اس پر جہنم حرام ہو جائے گی۔

شبہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی ضرورت نہیں اور بدعملی کرنے والے کو عذاب بھی نہیں ہونا چاہیے اس حدیث کی بنیاد پر؟

ازالہ: اس بات کے مختلف علماء نے مختلف انداز سے جوابات دیئے ہیں:

۱- جن حدیثوں میں ہے کہ صرف کلمہ پڑھنے سے آدمی جنت میں جائے گا یہاں مطلق دخول جنت کا وعدہ ہے دخول اول کا وعدہ نہیں، دخول اول کا وعدہ اس وقت ہے جب اعمال بھی ٹھیک ہوں۔

۲- حدیث میں "النار": الف لام عہدی ہے کہ کافروں کے لئے بھی جہنم کا مخصوص طبقہ ہے وہ حرام ہو جائے گا اگرچہ مسلمان بداعمالی سے جہنم میں جائے گا مگر اس مخصوص جہنم جس میں کافر ہوں گے اس میں نہیں جائے گا۔

۳- بداعمال مسلمان جہنم میں داخل کیا جائے گا تو یہ بطور تطہیر کے (پاک کرنے کیلئے) ہوگا نہ کہ تعذیب (عذاب کیلئے)

۴- کلمہ پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کلمہ کے حقوق بھی ادا کرے اس کے حقوق اعمال ہیں۔

۵- یا یہ بشارت اس کیلئے ہے جو نیا مسلمان ہو پھر عمل کرنے سے پہلے اس کی موت آ گئی۔

۶- شروع زمانے کی بات ہے جب کہ اعمال و احکام کا نزول نہیں ہوا تھا۔

۷- ہمیشہ کی جہنم حرام ہے کلمہ پڑھنے والا ہمیشہ جہنم میں نہیں ہو گا۔

غزوہ تبوک میں معجزہ نبوی کا ظہور

وعن أبي هريرة أَوْ أَبي سعيد الخدري رضي الله عنهما شك الراوي ولا يَضُرُّ الشَّكُّ في عَينِ الصَّحَابيّ ؛ لأَنَّهُمْ كُلُّهُمْ عُدُولٌ قالَ : لَمَّا كَانَ غَزوَةُ تَبوكَ ، أَصابَ النَّاسَ مَجاعَةٌ ، فقالوا : يَا رَسُول الله ، لَوْ أذِنْتَ لَنا فَنحرْنا نَواضِحَنا فَأكَلْنا وَادَّهَنَّا ؟ فَقالَ رَسُول الله

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " افعَلُوا " فَجاء عُمَرُ رضي الله عنه ، فَقَالَ : يَا رَسُول الله ، إِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ ، وَلَكِن ادعُهُمْ بفَضلِ أَزْوَادِهِمْ ، ثُمَّ ادعُ الله لَهُمْ عَلَيْهَا بالبَرَكَةِ ، لَعَلَّ الله أَنْ يَجْعَلَ فِي ذَلِكَ البَرَكَةَ . فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " نَعَمْ " فَدَعَا بنِطْع فَبَسَطَهُ ، ثُمَّ دَعَا بفَضلِ أَزْوَادِهِمْ ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيءُ بكَفِّ ذُرَة وَيَجِيءُ بكَفِّ تمر وَيَجِيءُ الآخرُ بكِسرَة حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَى النطعِ مِنْ ذَلِكَ شَيء يَسِيرٌ ، فَدَعَا رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالبَرَكَةِ ، ثُمَّ قَالَ : " خُذُوا فِي أوعِيَتِكُمْ " فَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَتهم حَتَّى مَا تَركُوا فِي العَسْكَرِ وِعَاء إِلاَّ مَلأُوهُ وَأَكَلُوا حَتَّى شَبعُوا وَفَضلَ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ الله ، لا يَلْقَى الله بِهِما عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الجَنَّةِ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ کے نام میں راوی کو شک ہوا ہے اور صحابی کی تعیین میں شک ہونا کوئی مضر نہیں ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں' بہر حال روایت ہے کہ جب غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدت بھوک سے تنگ ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور ان کی چربی حاصل کریں' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا ہی کر لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ آپ اونٹوں کو ذبح کریں گے تو سواریاں کم ہو جائیں گی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بچے ہوئے کھانے منگوا لیجئے پھر ان پر اللہ سے برکت کی دعا فرما دیجئے' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں برکت عطا فرما دے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درست ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چمڑے کا دستر خوان منگوایا اور اسے بچھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ان کے بچے ہوئے کھانے منگوائے تو کوئی مٹھی بھر مکئی لایا کوئی مٹھی بھر کھجور لایا اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا حتی کہ دستر خوان پر تھوڑی سی اشیاء جمع ہو گئیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا کہ اس سے اپنے برتنوں کو بھر لو' انہوں نے اپنے برتنوں کو بھر لیا یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن نہیں رہا جس کو انہوں نے نہ بھر لیا ہو۔ سب نے کھایا اور سیر ہو گئے اور کچھ بچ رہا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں' جو شخص ان دونوں کے اقرار کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا' اس طرح کہ اسے کوئی شک وشبہ نہ ہو تو اس کو جنت سے نہیں روکا جائے گا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں مذکورہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے۔ غزوہ تبوک میں صحابہ کرامؓ کی تعداد بہت تھی اور غذائی اشیاء کی شدید قلت پیدا ہو گئی تھی اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس کھانے کو کچھ نہ بچا تھا اس لیے سوچا گیا کہ کچھ اونٹ ذبح کر لیے جائیں اور ان کے گوشت سے غذائی قلت کا مسئلہ حل کیا جائے لیکن اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اونٹ ذبح کرنا مناسب نہیں ہے جس کے پاس جو کھانے کی اشیاء بچ رہی ہیں وہ لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستر خوان بچھوایا، اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تمام خوردنی اشیاء لاکر رکھ دیں۔ تب بھی وہ تھوڑی سی ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور فرمایا کہ اپنے برتن بھر لو، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے برتن بھر لیے حتیٰ کہ لشکر میں کوئی برتن ایسا نہیں بچا جو خالی رہ گیا اور سب نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا۔

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ اب اللہ کے یہاں جو بندہ اس حال میں جائے گا کہ اسے ان دونوں باتوں کے بارے میں ذرا بھی شک نہ ہو وہ جنت سے محروم نہ ہوگا۔ (شرح مسلم النووی: ۱/۱۹۶، دلیل الفالحین: ۲/۲۵۶، روضۃ المتقین: ۱/۴۴۶)

بدگمانی جائز نہیں

وعن عِتْبَانَ بن مالك رضي الله عنه وَهُوَ مِمَّن شَهِدَ بَدراً ، قَالَ : كنت أُصَلِّي لِقَوْمِي بَنِي سَالِم ، وكَانَ يَحُولُ بَيْنِي وبَيْنَهُمْ وَادٍ إذَا جَاءتِ الأَمْطَار ، فَيشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ قِبَلَ مَسْجِدِهِم ، فَجِئتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقلت لَهُ : إنّي أنْكَرْتُ بَصَرِي وَإنَّ الوَادِي الَّذِي بَيْنِي وبَيْنَ قَومِي يَسيلُ إذَا جَاءتِ الأَمْطَارُ فَيشُقُّ عَلَيَّ اجْتِيَازُهُ فَوَدِدْتُ أنَّكَ تَأتِي فَتُصَلِّي فِي بَيْتِي مَكَاناً أتَّخِذُهُ مُصَلّى ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سَأفْعَلُ" فَغَدَا رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بكر رضي الله عنه بَعْدَ مَا اشْتَدَّ النَّهَارُ ، وَاسْتَأْذَنَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأذِنْتُ لَهُ ، فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى قَالَ : "أيْنَ تُحِبُّ أنْ أُصَلِّي مِنْ بَيْتِكَ ؟ " فَأشَرْتُ لَهُ إلَى المَكَان الَّذِي أُحبُّ أنْ يُصَلِّيَ فِيهِ ، فَقَامَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ فَصَلَّى رَكعَتَين ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا حِينَ سَلَّمَ فَحَبَسْتُهُ عَلَى خَزيرَةٍ تُصْنَعُ لَهُ ، فَسَمِعَ أهلُ الدَّار أنَّ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِي فَثَابَ رِجَالٌ مِنْهُمْ حَتَّى كَثُرَ الرِّجَالُ فِي البَيْتِ ، فَقَالَ رَجُلٌ : مَا فَعَلَ مَالِكٌ لا أرَاهُ ! فَقَالَ رَجُلٌ : ذلِكَ مُنَافِقٌ لا يُحِبُّ اللهَ ورَسُولَهُ ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لا تَقُلْ ذلِكَ ، ألاَ تَرَاهُ قَالَ : لا إلهَ إلاَّ الله يَبْتَغِي بذلِكَ وَجهَ الله تَعَالَى " فَقَالَ: اللهُ ورسُولُهُ أعْلَمُ أمَّا نَحْنُ فَوَاللهِ مَا نَرى وُدَّهُ وَلاَ حَدِيثَهُ إلاَّ إلَى المُنَافِقِينَ ! فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " فإنَّ الله قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ : لا إلهَ إلاَّ الله يَبْتَغِي بذَلِكَ وَجْهَ الله " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وَ" عِتْبَان " : بكسر العين المهملة وإسكان التاء المثناةِ فَوق وبعدها باءٌ موحدة . وَ" الخَزِيرَةُ " بالخاء المعجمةِ والزاي : هِيَ دَقِيقٌ يُطْبَخُ بِشَحم . وقوله :" ثَابَ رِجَالٌ " بالثاء المثلثةِ : أيْ جَاؤُوا وَاجْتَمَعُوا .

ترجمہ: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو اُن لوگوں میں سے تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم بنی سالم کو نماز پڑھایا کرتا تھا' ان کے اور میرے درمیان ایک برساتی نالہ پڑتا تھا' جب بارشیں ہوتیں تو میرے لئے اسے عبور کر کے مسجد تک پہنچنا دشوار ہوتا' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری بینائی کمزور ہو گئی ہے اور جو وادی میرے اور میری قوم کے درمیان ہے اس میں بارش کا پانی بہتا ہے اور مجھے اسے عبور کرنا دشوار ہوتا ہے' میں چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ لیتے تاکہ میں اسے نماز کے لئے مقرر کر لوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا میں آؤں گا۔ اگلے روز دن چڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی' میں نے اجازت دیدی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے نہیں بلکہ فرمایا کہ تم اپنے گھر کی کونسی جگہ میں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں۔ میں نے جگہ بتائی جہاں میں چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھیں' غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بنالی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے بعد ہم نے بھی سلام پھیر دیا' میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزیرہ تیار کیا جا رہا تھا' قریب کے گھر والوں کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما ہیں تو ان میں سے بہت سے لوگ آ گئے اور گھر میں کافی لوگ جمع ہو گئے۔

کسی نے کہا کہ مالک کو کیا ہوا' میں اسے نہیں دیکھ رہا' اس پر ایک شخص نے کہا کہ منافق ہے اسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے صرف رضائے الٰہی کے لئے لا الہ الا اللہ کہا' اس شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں مگر ہم تو بظاہر دیکھتے ہیں کہ اسے منافقین سے محبت ہے اور انہیں سے اس کی بات چیت ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے اس شخص پر جہنم کی آگ حرام کر دی ہے جو اقرار کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا مقصود صرف رضائے الٰہی ہو۔ (متفق علیہ)

عتبان۔ عین کے زیر تا کے سکون اور اسکے بعد باد ہے۔ الخزیرۃ۔ حاء اور زاء کے ساتھ۔ باریک آٹے اور چربی سے بنایا ہوا کھانا۔ ثاب الرجال۔ ثاء کے ساتھ۔ یعنی لوگ آئے اور جمع ہو گئے۔

حدیث کی تشریح: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قباء میں قیام تھا' وہاں سے نماز پڑھانے بنو سالم کی مسجد میں جایا کرتے تھے' راستے میں ایک نالہ پڑتا تھا جس میں بسا اوقات بارش کا پانی آجاتا' حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بینائی بھی کمزور ہو گئی' مختلف روایات میں جو الفاظ آئے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بالکل نابینا نہیں ہوئے تھے بلکہ بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لا کر میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ لیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں دو رکعت نماز پڑھی۔

بعد ازاں حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خزیرہ تیار کرایا۔ اسی اثناء میں آس پاس سے کافی لوگ جمع ہو گئے اور کسی نے حضرت مالک بن دخشم کے بارے میں کہا کہ وہ منافق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بارے میں ایسی بات نہ کہو اس نے لا الہ الا اللہ کہا ہے اور اس کی غرض صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

حضرت مالک بن دخشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے غزوہ بدر اور بعد کے غزوات میں شرکت فرمائی۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان کی تصدیق فرمائی۔ (فتح الباری: ۱/۵۳۳' شرح مسلم النووی: ۱/۲۱۳' روضۃ المتقین: ۱/۷۴۴)

اللہ کی محبت اپنے بندوں پر

وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، قَالَ : قدِم رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بسَبْيٍ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَسْعَى ، إِذْ وَجَدَتْ صَبياً في السَّبْيِ أخَذَتْهُ فَألْزَقَتْهُ ببَطْنِهَا فَأرضَعَتْهُ ، فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أتَرَوْنَ هذِهِ المَرْأةَ طَارِحَةً وَلَدَها في النَّارِ ؟)) قُلْنَا : لاَ وَاللهِ . فَقَالَ : ((للهُ أرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هذِهِ بوَلَدِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے ان میں سے ایک قیدی عورت دوڑتی پھرتی تھی، جب وہ کسی بچے کو دیکھتی تو اس کو اٹھا کر اپنی چھاتی سے لگالیتی اور دودھ پلانے لگتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ ہم نے عرض کیا خدا کی قسم!

نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس عورت سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جس قدر کہ یہ اپنے بچے پر مہربانی کر رہی ہے۔" (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: "اِمْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَسْعٰی": محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے اور وہ قبیلہ ہوازن کی عورت تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کو بچہ مل گیا تھا۔

"فَاَرْضَعَتْهُ": ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس عورت کا بچہ گم ہو گیا، اور اس کے پستانوں میں دودھ جمع ہونے کی وجہ سے تکلیف ہو رہی تھی، اس وجہ سے ہر ایک بچہ کو وہ سینہ سے لگا کر دودھ پلانے لگ جاتی تھی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیدی عورتوں کی طرف بقدر ضرورت دیکھنا جائز بھی ہے۔

"لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا": اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچہ پر ہے۔

"بِعِبَادِهٖ": اس میں کافر اور مؤمن دونوں داخل ہیں مگر قرآن اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت دنیا میں کافر اور مؤمن سب کو شامل ہے مگر آخرت میں یہ رحمت ایمان والوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ (فتح الباری)

میری رحمت میرے غصہ پر غالب رہے گی

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لَمَّا خَلَقَ اللهُ الخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابٍ ، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوقَ العَرْشِ : إنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي".

وفي رواية : " غَلَبَتْ غَضَبِي " وفي رواية : " سَبَقَتْ غَضَبِي " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرما چکا تو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ (میری رحمت) میرے غضب پر غالب ہے ایک اور روایت میں ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

حدیث کی تشریح: اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رحمت کائنات کی ہر شے کو محیط ہے اور رحمت غضب پر غالب ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمت الٰہی کے غضب پر سابق اور غالب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اس کی رحمت سے حصہ وافر ملتا ہے جو اس سے کہیں زیادہ ہے جو اس کے بندوں کو اس کی ناراضگی اور غضب سے ملتا ہے کیونکہ رحمت بلا استحقاق بھی ملتی ہے، رحمت کا وہ بھی مستحق ہے جس نے کوئی حق بندگی بھی ادا نہ کیا ہو جبکہ غضب اور ناراضگی صرف اس وقت اور اس عمل تک محدود ہے جو انسان نے اللہ کی ناراضگی کا عمل کیا ہو۔ (فتح الباری: ۲/ ۲۵۸، روضۃ المتقین: ۱/ ۴۵۰)

اللہ تعالیٰ کی سو رحمتوں میں سے ایک زمین پر نازل کی

وعنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " جَعَلَ الله الرَّحْمَةَ مِئَةَ جُزْء، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ، وَأَنْزَلَ في الأَرْضِ جُزْءاً وَاحِداً، فَمِنْ ذلِكَ الجُزء يَتَرَاحَمُ الخَلائِقُ، حَتَّى تَرْفَعَ الدَّابَّةُ حَافِرهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيبَهُ " .وفي رواية : " إنَّ للهِ تَعَالَى مئَةَ رَحمَةٍ ، أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الجنِّ وَالإنس وَالبهائِمِ وَالهَوامِّ ، فبها يَتَعاطَفُونَ ، وبهَا يَتَرَاحَمُونَ ، وبهَا تَعْطِفُ الوَحْشُ عَلَى وَلَدِهَا ، وَأَخَّرَ اللهُ تَعَالَى تِسْعاً وَتِسْعِينَ رَحْمَةً يرْحَمُ بهَا عِبَادَهُ يَوْمَ القِيَامَة " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . ورواه مسلم أيضاً مِنْ رواية سَلْمَانَ الفارسيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إنَّ للهِ تَعَالَى مِئَة رَحْمَةٍ فَمِنْهَا رَحْمَةٌ يَتَرَاحمُ بهَا الخَلْقُ بَيْنَهُمْ ، وَتِسْعٌ وَتِسعُونَ لِيوم القِيَامَةِ " .
وفي رواية:"إنَّ الله تَعَالَى خَلَقَ يَوْمَ خَلَقَ السَّماواتِ وَالأَرْضَ مئَةَ رَحْمَةٍ كُلُّ رَحمَةٍ طِبَاقُ مَا بَيْنَ السَّماء إلَى الأَرْض ، فَجَعَلَ مِنْهَا في الأَرض رَحْمَةً فبهَا تَعْطفُ الوَالِدَةُ عَلَى وَلَدِهَا ، وَالوَحْشُ وَالطَّيْرُ بَعْضُهَا عَلَى بَعْض ، فَإذا كَانَ يَوْمُ القِيَامَةِ أكملَهَا بهذِهِ الرَّحمَةِ "

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو جزء بنائے' ننانوے اپنے پاس رکھے اور ایک جزء زمین پر اتارا' تمام مخلوقات اسی ایک جزء کے طفیل باہم ایک دوسرے سے رحم کا برتاؤ کرتے ہیں' یہاں تک کہ جانور اپنے بچے کے پاس سے اپنا کھر موڑ لیتا ہے کہ کہیں اسے نہ لگ جائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس رحمت کے سو درجے ہیں' اس میں سے اس نے ایک رحمت نازل فرما کر جن وانس بہائم اور ہوام کو عطا فرمائی جس سے وہ باہم رحمت وعطف سے پیش آتے ہیں اور اسی سے وحشی جانور اپنے بچے سے مہربانی سے پیش آتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ننانوے حصے جو اپنے پاس رکھ لئے ہیں ان سے اللہ روز قیامت اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس رحمت کے سو اجزاء ہیں' رحمت کا ایک حصہ وہ ہے جس سے تمام مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور ننانوے حصے روز قیامت کے لئے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تو رحمت کے سو حصے پیدا فرمائے' ہر ایک رحمت کی وسعت آسمان سے زمین تک کے برابر ہے' اس میں سے ایک حصہ زمین میں رکھ دیا جس سے ماں اپنے بچے سے محبت کرتی ہے اور وحشی جانور اور پرندے آپس میں محبت کرتے ہیں' جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس ایک حصے کو بھی ملا کر پوری سو رحمتیں فرمائے گا۔

حدیث کی تشریح: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے رحمت کو پیدا فرمایااور اس کے سوحصے کیے اور ہر حصہ ایساہے کہ آسمان سے زمین تک ساری فضاء بھر جائے۔اس حدیث کا مقتضاء یہ ہے کہ وہ تمام نعمتیں وہ جملہ انعام واکرام اور وہ سارے احسان جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر فرمائے گاان کی سواقسام ہیں۔ایک قسم تمام کائنات کواور جملہ مخلوقات کو فی الوقت دیدی گئی جس سے تمام کائنات کا نظام چل رہاہے اور جملہ مخلوقات کی مصالح کی تکمیل ہورہی ہے اور سارے انسان بہرہ مند ہورہے ہیں' روز قیامت اللہ تعالیٰ اس حصہ رحمت کو ان ننانوے حصوں کے ساتھ ملادیں گے جواس کے پاس ہیں اوران جملہ رحمتوں سے اپنے عباد مؤمنین پر فضل وکرم فرمائیں گےاور یہ وہ بات ہوگی جیسے فرمایاہے: "وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا" "اور وہ مؤمنوں پر بہت رحم کرنے والاہے۔" (فتح الباری:۱۷۹/۳)

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے سے خوش ہوتے ہیں

وعنه ، عن النَّبيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فيما يحكِي عن ربهِ تبارك وتعالى ، قَالَ : " أَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْباً ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي ، فَقَالَ الله تَبارَكَ وَتَعالَى : أذنبَ عبدي ذَنباً ، فَعَلِمَ أنَّ لَهُ رَبّاً يَغْفِرُ الذَّنْبَ ، وَيَأْخُذُ بالذَّنْبِ ، ثُمَّ عَادَ فَأَذْنَبَ ، فَقَالَ : أيْ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي ، فَقَالَ تبارك وتعالى : أذنَبَ عبدِي ذَنباً ، فَعَلِمَ أنَّ لَهُ رَبّاً ، يَغْفِرُ الذَّنْبَ ، وَيَأْخُذُ بالذَّنبِ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

وقوله تَعَالَى : " فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ " أيْ : مَا دَامَ يَفْعَلُ هكذا ، يُذْنِبُ وَيَتُوبُ أغفِرُ لَهُ ، فَإنَّ التَّوْبَةَ تَهْدِمُ مَا قَبْلَهَا .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ کوئی بندہ گناہ کرتاہے اور کہتاہے کہ اے اللہ میرا گناہ معاف فرما' اللہ تعالیٰ فرماتاہے میرے بندے نے گناہ کیااور اسے علم ہے کہ اس کارب ہے جو گناہ معاف کردیتاہے اور گناہ پر مؤاخذہ کرتاہے' اس نے پھر دوبارہ گناہ کیااور کہاکہ اے میرے رب میرا گناہ معاف فرما' اللہ تعالیٰ فرماتاہے میرے بندے نے گناہ کیااور اسے معلوم ہے کہ اس کارب ہے جو گناہ معاف کردیتاہے اور اس پر مؤاخذہ کرتاہے' پھر دوبارہ گناہ کرتاہے اور کہتاہے کہ اے میرے رب میرا گناہ معاف فرمااللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ میرے بندے نے گناہ کیااور اسے علم ہے کہ س کارب ہے جو گناہ معاف کردیتاہےاور اس پر مواخذہ کرتاہے' یقیناً میں نے اپنے بندے کو معاف کردیااب وہ جو چاہے کرے۔(بخاری ومسلم)

اور اللہ تعالیٰ کافرمان: پس جو چاہے کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اس طرح کرے گاکہ گناہ کرے توبہ کرتاہے تومیں اسے معاف کرتارہوں گا۔اس لئے کہ توبہ اپنے ماقبل کے گناہ کو ختم کردیتی ہے۔

حدیث کی تشریح: ابن بطال فرماتے ہیں کہ جو شخص گناہوں پر مصر ہو کہ بار بار گناہ کرتا اور بار بار استغفار کرتا ہو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے' چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف فرمادے اور اس کی یہ نیکی کہ وہ ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اسی کو غالب قوت والا سمجھتا ہے کہ جس کا چاہے مواخذہ کرے اور جس کو چاہے معاف فرمادے' تمام گناہوں پر غالب آجائے کہ ہر نیکی کا اجر و ثواب دس گنا ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت پر ایمان کامل یہ سب سے بڑی نیکی ہے۔

حدیث مبارک میں توبہ اور استغفار کی فضیلت کا بیان ہے لیکن توبہ کے لیے ضروری ہے کہ پچھلے گناہوں پر شرمندگی اور ندامت ہو اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم صمیم ہو اور اگر بالفعل گناہ میں مبتلا ہے تو اسی وقت چھوڑ دے توبہ کی قبولیت کا قرآن کریم میں وعدہ فرمایا گیا ہے:

"وهو الذی یقبل التوبة عن عباده ویعفوا عن السیئات"

"وہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے برے کاموں سے درگزر فرمادیتا ہے۔" (فتح الباری: ۱۳/۸۸۷ عمدۃ القاری)

گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " والَّذِي نَفْسِي بيَدِهِ ، لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا ، لَذَهَبَ الله بِكُمْ ، وَجَاءَ بقَوم يُذْنِبُونَ ، فَيَسْتَغْفِرُونَ الله تَعَالَى ، فَيَغْفِرُ لَهُمْ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' اگر تم گناہ نہیں کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ سے مغفرت طلب کریں گے اور اللہ انہیں معاف کردے گا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح حسن عمل کرنے والوں کو جزا اور صلہ عطا فرماتے ہیں اسی طرح خطاکاروں سے درگزر فرماتے ہیں وہ غفار ہیں حلیم ہیں تواب ہیں اور اپنے گنہگار بندوں کو بہت معاف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ ایک ایسی مخلوق جو اپنے اختیار اور ارادے سے احکام الٰہی پر عمل کرے اور اس کے وجود میں خیر و شر کے ہر دو پہلو موجود ہوں وہ ایسی مخلوق ہو جو فجور کی طرف مائل ہو سکتی ہو اور تقویٰ کی طرف بھی ملتفت ہو سکتی ہے' گناہ کرے اور طالب مغفرت ہو اور توبہ اور رجوع کرے اور یہ اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفات غفار ستار اور غفور اور رحیم کا اظہار ہو ورنہ اگر خالص نیک اعمال بغیر گناہ اور خطاء کے مقصود ہوتے تو اس کے لیے فرشتے پہلے ہی موجود تھے۔ (شرح صحیح مسلم النووی: ۱۷/۵۵، روضۃ المتقین: ۱/۴۵۴)

وعن أبي أيوب خالد بن زيد رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((لَوْلاَ أنَّكُمْ تُذْنِبُونَ ، لَخَلَقَ الله خَلْقاً يُذْنِبُونَ ، فَيَسْتَغْفِرونَ ، فَيَغْفِرُ لَهُمْ)) رواه مسلم .

ترجمہ: ''حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو گناہ کریں گے اور استغفار کریں گے اللہ ان کو معاف فرمائے گا۔'' (مسلم)

تشریح: اللہ جل شانہ اپنی متعدد صفات میں سے صفت غفاریت اور ستاریت رحمت وغیرہ کے ساتھ متصف ہیں ان صفات کے اظہار کے لئے پھر اللہ جل شانہ نے انسان کو پیدا فرمایا جن میں خیر اور شر دونوں قسم کے مادے رکھے تاکہ اس میں جب شر کا مادہ خیر پر غالب آئے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو تو اللہ اپنی صفت غفاریت و ستاریت کا مظاہرہ فرمائیں، انسان اول تو یہی کوشش کرے کہ شر والے مادے کو مغلوب رکھے اور اس کے لئے مجاہدہ کرے مگر بالفرض اگر یہ مادہ شر غالب آجائے تو فوراً اللہ کی ذات کی طرف متوجہ ہو کہ اللہ نے اس شر والے مادے کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اپنی صفت مغفرت کا مظاہرہ کرے۔ (اشرف التوضیح)

بشرطیکہ گناہ کے بعد دل میں افسوس ہو کہ میں نے حق تعالیٰ شانہ کی نافرمانی کرلی ہے فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے جب دل میں کیفیت پیدا ہو جائے گی تو یہ دل دل بن جائے گا۔

لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے کیلئے جنت کی خوشخبری

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : كُنَّا قُعُوداً مَعَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، مَعَنَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رضي الله عنهما ، في نَفَرٍ فَقَامَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا ، فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا فَخَشِينَا أَنْ يُقتطَعَ دُونَنَا ، فَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، حَتَّى أَتَيْتُ حَائِطاً للأنْصَار ... وَذَكَرَ الحَدِيثَ بِطُولِهِ إِلَى قوله : فَقَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " اذهَبْ فَمَن لَقِيتَ وَرَاءَ هَذَا الحَائِطِ يَشْهَدُ أنْ لا إله إلاَّ الله ، مُسْتَيقِناً بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور چند اصحاب بھی تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں سے اٹھے اور تشریف لے گئے' خاصی دیر ہو گئی ہمیں اندیشہ ہوا کہ ہماری غیر موجودگی میں دشمن آپ کو نقصان نہ پہنچائے' اس پر ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور میں سب سے پہلے خوف زدہ ہوا' سو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا' یہاں تک کہ میں انصار کے ایک باغ میں پہنچا' اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث بیان کی اور اس کے بعد کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور جو اس باغ کے باہر ملے جو اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیتا ہو اور دل سے یقین رکھتا ہو اس کو جنت کی خوشخبری دیدو۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: ایسا شخص جس نے اپنے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کی وحدانیت وربوبیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ہے اور اسی اقرار واعتراف پر موت واقع ہو وہ جنت میں جائے گا۔ اگر اس نے اسلام کے بعد کوئی کبیرہ گناہ نہیں کیا اور اس کا انتقال ہو گیا تو وہ ابتداءً ہی جنت میں جائے گا اور اگر اسلام کے بعد زندہ رہا اور اس نے کچھ صغیرہ گناہ بھی کیے لیکن اس کی نیکیاں اس کی حسنات پر غالب آگئیں یا اس نے سرے سے کوئی معصیت نہیں کی تو وہ بھی جنتی ہے اور اگر اس کی حسنات اتنی نہیں ہیں جو اس کے برائیوں پر غالب آجائیں یا اس نے کوئی کبیرہ گناہ بھی کیا ہے لیکن اس نے اس سے توبہ کرلی تو وہ بھی جنتی ہے اور اگر صغیرہ گناہ حسنات سے زیادہ ہوں یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو اور بغیر توبہ مر جائے تو وہ جہنم میں کچھ وقت گناہوں کی سزا پاکر جنت میں پہنچ جائے گا یا محض فضل الٰہی سے جنت میں پہنچ جائے گا اور اللہ اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔ جیسے فرمایا: "وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" (علاوہ شرک کے اللہ جس کو چاہے گا معاف کردے گا)۔ (شرح مسلم النووی: ۱/۲۰۷)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور عیسیٰ روح اللہ علیہما السلام کی دعا

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما : أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تلا قَولَ الله عز وجل في إبراهيم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ﴾ [إبراهيم : ٣٦] الآية ، وقولَ عِيسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ [المائدة : ١١٨] فَرَفَعَ يَدَيهِ وَقالَ : ((اللَّهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي)) وبَكَى ، فَقَالَ الله عز وجل : ((يَا جِبْرِيلُ ، اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ فَسَلْهُ مَا يُبْكِيهِ ؟)) فَأَتَاهُ جبريلُ ، فَأَخْبَرَهُ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، بِمَا قَالَ وَهُوَ أَعْلَمُ فَقَالَ اللهُ تَعَالَى : ((يَا جِبرِيلُ ، اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ ، فَقُلْ : إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلاَ نَسُوءكَ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ الخ. اے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا پس جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول پڑھا اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ اگر ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو یقیناً غالب اور حکمت والا ہے۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ (دعا کے لئے) اٹھائے اور فرمایا اے اللہ! میری امت، میری امت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، اللہ جل شانہ نے ارشاد

فرمایا اے جبرائیل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ پوچھو کہ آپ کس لئے رو رہے ہیں؟ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے" پس حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی حالانکہ اللہ تو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے اور ہم آپ کو ناراض نہیں کریں گے۔" (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی " رب انھن اضللن الآیۃ" کے ساتھ "اضللن" سے مفسرین فرماتے ہیں کہ مراد بت ہیں کہ یہ بت ضلالت کا سبب بنتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کے الفاظ " اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الخ " کے ساتھ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کی دعاؤں میں غور کیا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے آخر میں "اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا میں " فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ میں ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے " العزیز الحکیم " کہا اور یہ دعا میدان حشر میں ہوگی اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ ان گناہ گاروں کو بخش دیں تو یہ بخشش انتہائی عزت و کمال و قدرت اور مملکت کے تحت ہو گی، مگر آپ ان کے بخشنے پر مجبور نہیں ہیں۔ تو ادب کا تقاضا یہی ہے کہ مغفرت کو اللہ کے علم و قدرت کے حوالے کیا جائے کہ آپ جس کو بھی معاف فرمائیں گے معاف فرما سکتے ہیں اور حکمت کیساتھ ہی معافی ہو گی۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے " انت الغفور الرحیم " کہا ہے کہ اس میں اللہ کے علم و قدرت کا ذکر نہیں بلکہ اللہ کی غفاریت و رحیمیت کا ذکر ہے کیونکہ یہ دنیا کی دعا ہے کہ سب ہی کو معاف فرمادیں مسلمانوں پر تو رحم یہ ہوگا کہ آپ مسلمانوں کی مغفرت فرمادیں اور مشرکین پر یہ رحم ہے کہ آپ ان کو شرک سے توبہ کی توفیق دیں ظاہر ہے کہ یہ دنیا میں ممکن ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کی دعائیں اپنی اپنی جگہ بر محل ہیں اور اس میں انتہائی کمال بلاغت ہے۔

اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے معاملہ میں غمزدہ نہیں ہونے دیں گے رضا کے بعد " لا نسوءك " یہ رضا کی تاکید کے لئے ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ " سنرضیك " میں ایک شبہ تھا کہ اللہ جل شانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض امت کے بارے میں راضی کر دیں اور بعض کے بارے میں راضی نہ کریں۔ "نسوءك" سے ظاہر کر دیا گیا کہ پوری امت کی طرف سے آپ کو راضی کریں گے۔ (نفع المسلم)

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیل

وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه ، قَالَ : كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ ، فَقَالَ : " يَا مُعَاذُ ، هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ ؟ وَمَا حَقُّ العِبَادِ عَلَى اللهِ ؟ " قُلْتُ : اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ . قَالَ : " فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى العِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ ، وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً ، وَحَقَّ العِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً " فقلتُ : يَا رَسُولَ الله ، أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ ؟ قَالَ : " لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا " مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گدھے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں فرمایا کہ اللہ کا حق اپنے بندوں پر یہ ہے کہ اس کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ شریک نہ کرے اس کو عذاب نہ دے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں لوگوں کو بشارت دیدوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں بشارت نہ دو کہ کہیں بھروسہ کر کے بیٹھے رہیں۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق اور رازق ہے اس لیے انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کو پہنچانیں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔ اس کی وحدانیت کا اقرار کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اس کی اطاعت وبندگی میں لگے رہیں۔ اگر اللہ کے بندے اللہ کا حق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ کا بھی وعدہ ہے کہ وہ انہیں قیامت کے عذاب سے بچائے اور ان کو آخرت کی نعمتوں سے نوازے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیک عمل کرنے پر بندوں کے لیے اپنے خاص فضل سے جس اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے اس کا پورا ہونا یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وعدہ خلافی نہیں ہے۔ ''ان اللہ لایخلف المیعاد'' (فتح الباری: ۲/ ۱۶۶)

قبر میں سوال اور ثابت قدمی

وعن البراء بن عازب رضي الله عنهما ، عن النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((الْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ ، فذلك قوله تعالَى : ﴿ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ ﴾ [إبراهيم: ۲۷])) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اور یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور یہی مطلب اللہ جل شانہ کے اس قول کا ہے یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ الخ اللہ تعالیٰ اہل دین کو دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا۔" (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: اَلْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِی الْقَبْرِ: حدیث بالا دراصل قرآن کی آیت "یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" کی تفسیر میں ہے۔ نیز حدیث بالا میں کلمہ توحید کے دونوں جزا کٹھے بیان ہوئے ہیں یعنی" لا الہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہ" اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ہر ایک سے قبر میں سوال ہوگا۔ ان شاء اللہ العزیز مؤمن کی مدد اللہ کی طرف سے ہوگی اور وہ سوالات کے صحیح جوابات دے گا، جب کہ کفار سے ان سوالات کی جواب دہی نہیں ہوگی۔

کافر کو اچھے کام کا بدلہ دنیا میں دیا جاتا ہے

وعن أنس رضي الله عنه ، عن رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إنّ الكَافِرَ إِذَا عَمِلَ حَسَنَةً ، أُطعِمَ بهَا طُعْمَةً مِنَ الدُّنْيَا ، وَأَمَّا المُؤْمِنُ فَإِنَّ الله تَعَالَى يَدَّخِرُ لَهُ حَسَنَاتِهِ فِي الآخِرَةِ ، وَيُعْقِبُهُ رِزْقاً فِي الدُّنْيَا عَلَى طَاعَتِهِ)) . وفي رواية : ((إنَّ الله لاَ يَظْلِمُ مُؤْمِناً حَسَنَةً يُعْطَى بهَا فِي الدُّنْيَا ، وَيُجْزَى بِهَا فِي الآخِرَةِ . وَأَمَّا الكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ للهِ تَعَالَى فِي الدُّنْيَا ، حَتَّى إِذَا أَفْضَى إِلَى الآخرَةِ ، لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَةٌ يُجْزَى بِهَا)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کو دنیا میں ہی مزا چکھا دیا جاتا ہے اور مؤمن آدمی کے لئے اللہ جل شانہ اس کی نیکیوں کو آخرت میں ذخیرہ بناتے ہیں اور اس کی فرمان برداری کی وجہ سے دنیا میں بھی رزق دیتے ہیں۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ بے شک اللہ کسی مؤمن کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا، دنیا میں بھی اس کو بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں بھی اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ لیکن کافر کو ان نیکیوں کی وجہ سے جو اس نے اللہ کے لئے کی تھیں دنیا میں رزق دیا جاتا ہے اور جب وہ آخرت کی طرف جائے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی ایسی نہیں ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: اِنَّ الْکَافِرَ اِذَا عَمِلَ حَسَنَةً: دنیا میں بہت سے کافر اچھے اعمال کرتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوتے تو اس کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا اور آخرت میں بھی ملتا، مگر کفر کی وجہ سے اللہ جل شانہ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ ان کو دنیا میں دیتا ہے۔ کیونکہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جو کفر کی حالت میں مرے گا اس کو آخرت میں نیک اعمال کا بدلہ نہیں ملے گا۔

اس حدیث سے علماء استدلال کرتے ہیں کہ ایمان پر عمل کی بنیاد اور اعمال کی قبولیت کیلئے شرط اور دار ومدار ہے۔ (روضۃ المتقین)

پانچوں نمازوں کی مثال

وعن جابر رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الخَمْسِ كَمَثَلِ نَهرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلَى بَابِ أحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ " رواه مسلم . " الغَمْرُ " : الكَثِيرُ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے ایک گہری نہر بہہ رہی ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: جس طرح کسی انسان کو اگر ظاہری گندگی لگ جائے تو وہ اس کو دور کرنے کے لیے اسے پانی سے دھوتا ہے اور دھونے سے ظاہری اور حسی نجاستیں جسم سے اور لباس سے دور ہو جاتی ہیں۔ یہ تو حال ظاہری اور حسی نجاستوں کا ہے باطنی نجاستوں کی گندگی حسی نجاستوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں۔ ظاہری نجاست کو دور کرنے کا طریقہ وضو اور نماز ہے اب اگر کسی کے گھر کے سامنے گہرے پانی کی نہر بہہ رہی ہو اور وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو اس کا جسم کس قدر صاف ستھرا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی مؤمن ایمان اور حسن نیت اور خلوص کے ساتھ روزانہ پانچ مرتبہ وضو کرے اور نماز کو اس کے جملہ آداب کے ساتھ ادا کرے، اس کی باطنی طہارت کا کیا عالم ہوگا یہی کہ اس کے اعضاء وضو روز قیامت چمک رہے ہوں گے اور اس کا چہرہ ترو تازہ ہوگا اور وہ خوش ہو کر اپنے رب کی طرف دیکھ رہا ہوگا۔(شرح صحیح مسلم النووی:۶ / ۱۴۴، روضۃ المتقین:۱ / ۴۶۰)

کسی شخص کی نماز جنازہ چالیس مؤحد ادا کریں تو اس کی بخشش کی جاتی ہے

وعن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ ، فَيقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أرْبَعونَ رَجُلاً لاَ يُشْرِكُونَ بِاللهِ شَيئاً ، إلاَّ شَفَّعَهُمُ اللهُ فِيهِ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان آدمی مر جائے اور اس کے جنازے میں چالیس آدمی ایسے شریک ہوں جو اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ قرار دیتے ہوں تو اللہ تعالیٰ میت کے بارے میں ان کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔"(مسلم)

حدیث کی تشریح: اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً: چالیس آدمی موحد شریک ہوئے جنازے میں تو ان کی سفارش اس میت کے بارے میں مغفرت کی قبول ہو جاتی ہے۔

تعارض روایات اور ان کے جوابات

تعارض: ذخیرہ احادیث میں اس موضوع پر تین قسم کی احادیث ملتی ہیں:

(۱) وعن عائشة انه علیه السلام قال ما من میت تصلی علیه جماعة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون الا شفعوا فیه. (مسلم)

اگر کسی مسلمان میت پر مسلمانوں کی ایک جماعت نماز جنازہ پڑھے جن کی تعداد سو ہو اور وہ اس کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت بہر حال قبول کی جاتی ہے۔

(۲) قال النبی صلی اللہ علیه وسلم ما من مؤمن یموت فیصلی علیه امة من المسلمین یبلغون ان یکونوا ثلاثة صفوف الاغفرله.

کسی مسلمان میت پر مسلمانوں کی تعداد جو تین صف کے برابر ہو نماز جنازہ پڑھے تو میت کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

(۳) حدیث بالا: " اربعون لا یشرکون باللہ شیئا الا شفعهم اللہ فیه."

ان تینوں روایات کا آپس میں تعارض ہے ایک میں سو آدمیوں کی قید ہے اور دوسری میں تین صفوں کا ہونا اور حدیث بالا میں چالیس آدمیوں کے عدد کی سفارش کے لئے شرط لگائی گئی ہے۔

پہلا جواب: قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سائلین کے مختلف سوالات کے جواب میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر سو آدمی نماز جنازہ پڑھ لیں تو کیا اس میت کی مغفرت ہو گی یا نہیں؟ تو آپ نے اس کے اعتبار سے سو والی بات فرمادی۔ اسی طرح کسی نے تین صف کی بات پوچھی تو آپ نے تین کی قید لگائی۔ اسی طرح چالیس آدمیوں کی قید کا واقعہ ہے۔

دوسرا جواب: علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کی شرح میں دیا ہے جو زیادہ اچھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس میں آہستہ آہستہ تخفیف آتی گئی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سو آدمیوں کے نماز جنازہ پڑھنے پر مغفرت کا بتایا گیا ۔پھر تین صف کی، اس طرح آخر میں صرف چالیس آدمیوں کے نماز جنازہ پڑھنے پر خوشخبری سنائی گئی۔

تیسرا جواب: بعض محدثین نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں مراد عدد نہیں ہے بلکہ تکثر مراد ہے۔ (شرح مسلم للنووی)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جتنے نیک آدمیوں کی شرکت ہو گی اتنا ہی اللہ جل شانہ کی طرف سے میت کی سفارش اور مغفرت کی امید ہے۔

جنت میں سب سے زیادہ تعداد اُمت محمدیہؐ کی ہو گی

وعن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : كُنَّا مَعَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في قُبَّة نَحواً مِنْ أربَعِينَ ، فَقَالَ : " أتَرْضَونَ أنْ تَكُونُوا رُبُعَ أهْلِ الجَنَّةِ ؟ " قُلْنَا : نَعَمْ . قَالَ : " أتَرْضَوْنَ أنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أهلِ الجَنَّةِ ؟ " قُلْنَا : نَعَمْ ، قَالَ : " وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بيَدِهِ ، إنِّي لأَرْجُو أنْ تَكُونُوا نِصْفَ أهْلِ الجَنَّةِ وذلك أنَّ الجنَّةَ لاَ يَدْخُلُهَا إلاَّ نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ ، وَمَا أنْتُم في أهْلِ الشرْكِ إلاَّ كَالشَّعْرَةِ البَيْضَاءِ في جلدِ الثَّورِ الأَسْوَدِ ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوداءِ في جلدِ الثَّورِ الأَحْمَرِ " مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چالیس کے قریب افراد ایک خیمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھائی حصہ ہو، ہم نے کہا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کا تہائی حصہ ہو، ہم نے کہا کہ ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میں تو اُمید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت کا آدھا ہو، اور یہ اس لئے جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے اور مشرکین کے مقابلے میں تم ایسے ہو جیسے کالے بیل کی کھال میں سفید بال یا سرخ بیل کی کھال میں سیاہ بال۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے بنے ہوئے قبہ سے ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش ہو گے کہ جنت میں تمام اُمتوں اور ملتوں کی مجموعی تعداد کے بالمقابل تمہاری تعداد چوتھائی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اللہ اکبر اور سبحان اللہ کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں پسند ہے کہ تم ایک تہائی ہو، صحابہ نے پھر خوشی کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ تمہاری تعداد نصف ہو۔

جامع ترمذی میں بروایت صحیحہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں اسی صفیں میری اُمت کی ہوں گی۔

(فتح الباری: ۴۱۲/۱۳، شرح مسلم النووی: ۸۰/۳، دلیل الفالحین: ۲۷/۲)

پہاڑوں کے مثل گناہوں کی بخشش

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إذَا كَانَ يَوْمُ القِيَامَةِ دَفَعَ اللهُ إلَى كُلِّ مُسْلِمٍ يَهُودياً أَوْ نَصْرانِياً ، فَيَقُولُ : هَذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ " .

وفي رواية عَنْهُ ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " يَجِيءُ يَوْمَ القِيَامَةِ نَاسٌ مِنَ المُسْلِمينَ بذُنُوبٍ أَمْثَالِ الجِبَالِ يَغْفِرُهَا اللهُ لَهُمْ " رواه مسلم .

قوله : " دَفَعَ إلَى كُلِّ مُسْلِمٍ يَهُودياً أَوْ نَصْرَانِيّاً ، فَيقُولُ : هَذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ " مَعنَاهُ مَا جَاءَ في حديث أبي هريرة رضي الله عنه : " لِكُلِّ أَحَدٍ مَنْزِلٌ في الجَنَّةِ ، وَمَنْزِلٌ فِي النَّارِ ، فَالْمُؤْمِنُ إذَا دَخَلَ الجَنَّةَ خَلَفَهُ الكَافِرُ فِي النَّارِ ؛ لأَنَّهُ مُسْتَحِقٌّ لِذَلِكَ بكفرِهِ " ومعنى " فِكَاكُكَ " : أنَّكَ كُنْتَ مَعْرَّضاً لِدُخُولِ النَّارِ ، وَهَذَا فِكَاكُكَ ؛ لأنَّ اللهَ تَعَالَى ، قَدَّرَ لِلنَّارِ عَدَداً يَمْلَؤُهَا ، فَإذَا دَخَلَهَا الكُفَّارُ بذُنُوبِهِمْ وَكُفْرِهِمْ ، صَارُوا في مَعنَى الفِكَاكِ لِلمُسْلِمِينَ ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا نصرانی سپرد فرمادے گا اور کہے گا کہ یہ تیرا جہنم سے فدیہ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ مسلمان ایسے آئیں گے جن کے گناہ پہاڑوں کے مثل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادیں گے۔ (مسلم)

دَفَعَ اِلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ: اس کا مطلب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو واضح کرنا ہے کہ ہر ایک آدمی کیلئے جنت میں ایک مقام ہے اور جہنم میں بھی ہے، پس ایمان دار آدمی جب جنت میں داخل ہو جائے گا تو کافر اس کی جگہ دوزخ میں جائے گا اس لئے کہ وہ کفر کی وجہ سے اس کا مستحق ہے۔

فکاکک: اس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک تو دوزخ میں داخلے کیلئے پیش کیا جانے والا تھا مگر یہ تیرے لئے دوزخ سے فدیہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے لئے ایک تعداد مقرر فرمائی ہے کہ جن سے اس کو بھرے گا۔ تو جب کفار اپنے گناہوں اور کفر کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے تو وہ مسلمانوں کے لئے ایک طرح کا فدیہ بن جائیں گے۔ واللہ اعلم

حدیث کی تشریح: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر مکلّف انسان کا ایک ٹھکانہ جنت میں ہے اور ایک ٹھکانہ جہنم میں ہے۔ اب ان مکلفین میں سے جو شخص ایمان لے آیا اور اس کا ایمان خالص ہوا تو اس کا جو ٹھکانہ جہنم میں ہے اس کی جگہ اس کو جنت میں مل جائے گی اور اگر ایمان نہ لایا تو اس کے برعکس ہو جائے گا گویا کافر جہنم میں مؤمنین کی جگہ ہیں اور چونکہ تقدیر الٰہی میں جہنم کا بھرا جانا ہے اور وہ بھری جائے گی کافروں سے تو گویا کفار مؤمنین کا کفارہ ہو گئے۔

بعض مسلمان ایسے آئیں گے جن کے گناہوں کا انبار پہاڑوں کی طرح بلند ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف فرمادیں گے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں جنہیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں کیا کہ یہ گناہ یہود و نصاریٰ پر ڈال دیئے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کے گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے مثل وہ گناہ جو یہود و نصاریٰ نے کیے ہوں گے ان پر ڈال دے گا یعنی جتنے گناہ مسلمانوں کے معاف کیے جائیں گے اسی قدر کافروں پر ان کے گناہوں کا بوجھ ڈال دیا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ گناہ جن کا طریقہ کافروں نے جاری کیا ہو اور مسلمانوں نے ان کا ارتکاب کر لیا ہو وہ مسلمانوں سے معاف کر دیئے جائیں گے اور کافر ان گناہوں پر اس لیے ماخوذ ہوں گے کہ انہوں نے ان کا طریقہ جاری کیا ہو گا اور حدیث میں ہے کہ جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا اس کو اس کا گناہ ہو گا اور ان کا بھی گناہ ہو گا جو بعد میں اس پر عمل کریں گے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۲۷۱)

قیامت کے دن گناہوں کی پردہ پوشی اور نیکیوں کا بدلہ

(۱) وعن ابن عمر رضي الله عنهما، قَالَ: سَمِعْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يقول: ((يُدْنَى الْمُؤْمِنُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيهِ، فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ، فيقولُ: أتعرفُ ذَنْبَ كَذَا؟ أتعرفُ ذَنْبَ كَذَا؟ فيقول: رَبِّ أعْرِفُ، قَالَ: فَإنِّي قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ في الدُّنيا، وَأنَا أغْفِرُهَا لَكَ اليَومَ، فَيُعْطَى صَحِيفَةَ حَسَنَاتِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ. ((كَنَفَهُ)): سَتْرُهُ وَرَحْمَتُهُ.

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن مؤمن اپنے پروردگار کے قریب ہو گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور حفاظت میں لے لے گا پھر وہ اس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم اپنے فلاں گناہ کو پہچانتے ہو وہ کہے گا اے میرے پروردگار میں پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ

فرمائے گا میں نے تیرے ان گناہوں پر دنیا میں پردہ ڈالا اور میں آج بھی تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ پس اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: یُدْنَی الْمُؤْمِنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ:

قیامت کے دن مؤمن اللہ جل شانہ کے قریب ہوگا

اس میں محدثین کے تین اقوال ہیں

(۱): بعض محدثین فرماتے ہیں غیر متعین طور پر کسی بھی مؤمن کے بارے میں یہ بشارت دی گئی ہے۔

(۲): بعض محدثین فرماتے ہیں مراد جنس مؤمن ہے تمام ہی مسلمانوں کے ساتھ اللہ یہی معاملہ فرمائیں گے۔

(۳): بعض فرماتے ہیں کہ یہ بشارت ان مؤمنوں کے بارے میں ہے جو اس دنیا میں کسی کی غیبت نہیں کرتے۔ اور نہ کسی پر عیب لگاتے ہیں اور کسی کو ذلیل و رسوا نہیں کرتے۔ تو اس طرح اس نے دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو اللہ جل شانہ قیامت کے دن اس کے ساتھ یہی معاملہ فرمائیں گے۔

(تعلیق الصبیح و مظاہر حق ۵/۳۶ او هکذا فی نزہۃ المتقین ۱/۳۳۰ و دلیل الفالحین ۲/۳۴۳)

نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں

وعن ابن مسعود رضي الله عنه : أنَّ رَجُلاً أصَابَ مِنِ امْرَأة قُبْلَةً ، فَأتَى النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأخْبَرَهُ ، فَأنْزَلَ الله تَعَالَى : ﴿ وَأقِمِ الصَّلاةَ طَرَفَيِ النَّهَار وَزُلَفاً مِنَ اللَّيْلِ إنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَات ﴾ [هود : ١١٤] فَقَالَ الرجل: أَلِيَ هَذَا يَا رَسُول الله ؟ قَالَ : "لجميع أُمَّتِي كُلِّهِمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا اور اس نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' نماز قائم کرو صبح و شام' اور رات کے کچھ حصہ میں' بیشک اچھائیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں' اس شخص نے عرض کیا کہ کیا یا رسول اللہ یہ میرے ساتھ خاص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں' بلکہ میری تمام امت کے لئے ہے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ قصہ قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس ایک عورت آئی جس کا شوہر جہاد پر گیا ہوا تھا اس نے کہا کہ مجھے ایک درہم کی کھجوریں دیدو' اس شخص نے کہا کہ مجھے وہ عورت اچھی لگی' میں نے اس سے کہا کہ گھر میں آجاؤ' وہاں میرے پاس زیادہ اچھی کھجوریں ہیں' میں اسے لے کر اندر آیا اسے چمٹایا اور بوسہ لیا' وہ عورت بولی اللہ سے ڈر' اس پر وہ شخص خوف زدہ ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

توبہ کرلو اور دوبارہ نہ کرنا' پھر وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اچھائیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ نماز دوسری نماز تک کفارہ ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ مجاہد نے کہا کہ "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ" میں حسنات سے مراد یہ کلمات ہیں۔ سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اکبر.

اس شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ حکم میرے لیے خاص ہے۔ یعنی یہ حکم کہ نماز سے میرا یہ گناہ معاف ہو گیا' خاص میرے لیے ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کا انعام ایک شخص کے لیے نہیں ہوتا بلکہ عام ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر نے ٹھیک کہا اور یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان اجتہادات میں سے ہے جن کی لسان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصدیق کی گئی اور صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ سوال کرنے والے حضرت معاذ بن جبل تھے۔

بوسہ دینے والے شخص کا نام۔ محدثین نے ان کی کنیت ابوالیسر رضی اللہ عنہ اور ان کا نام کعب بن عمرو بتایا ہے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اصول کہ حسنات سے سیئات مٹا دی جاتی ہیں میری تمام اُمت کے لیے ہے۔ (فتح الباری: ۲/ ۶۳۷' دلیل الفالحین: ۲/ ۷۳' نزہۃ المتقین: ۱/ ۳۷۷)

نماز سے بھی صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ: جاء رجل إلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : يَا رَسُول الله، أَصَبْتُ حَدّاً ، فَأَقِمْهُ عَلَيَّ ، وَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ ، فَصلَّى مَعَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلاَةَ ، قَالَ : يَا رَسُول الله ، إنِّي أَصَبْتُ حَدّاً فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ الله . قَالَ : ((هَلْ حَضَرْتَ مَعَنَا الصَّلاَةَ)) ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : ((قَدْ غُفِرَ لَكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيهِ . وقوله : ((أَصَبْتُ حَدّاً)) مَعناهُ : مَعْصِيَةً تُوجِبُ التَّعْزِيرَ ، وَلَيْسَ المُرَادُ الحدّ الشَّرعِيَّ الحَقِيقيَّ كَحَدِّ الزِّنَا وَالخمر وَغَيرِهِمَا ، فإنَّ هذِهِ الحُدودَ لا تَسْقُطُ بالصَّلاةِ ، وَلاَ يَجُوزُ للإمَامِ تَرْكُهَا .

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ! مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس پر میں سزا کا مستحق ہو گیا ہوں۔ آپ وہ سزا مجھ پر نافذ فرمائیں اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اس آدمی نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی، جب نماز ختم ہو چکی تو اسی آدمی نے (پھر) کہا یا رسول اللہؐ! مجھ سے قابل سزا جرم ہو گیا ہے مجھ پر اللہ کی کتاب کا فیصلہ نافذ فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اس نماز کی وجہ سے) تمہارا جرم معاف کر دیا گیا۔" (بخاری ومسلم)

اَصَبْتُ حَدًّا: اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جو قابل تعزیر ہے اس سے مراد حقیقی حد شرعی نہیں ہے جیسے زنا اور شراب نوشی وغیرہ کی حد کیونکہ وہ حدیں نماز سے معاف نہیں ہوتیں نہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ اس کی حد کو چھوڑ دے۔

حدیث کی تشریح

اَصَبْتُ حَدًّا: علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی بیان فرمایا ہے کہ اس صحابی نے ایسا گناہ نہیں کیا جس پر حد واجب ہوتی ہو اگر حد واجب ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حد ضرور جاری فرماتے۔ دراصل بات یہ تھی کہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گناہ صغیرہ ہی سرزد ہوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے صحابہؓ معمولی سے گناہ کو اپنے لئے ہلاکت کا سبب سمجھتے تھے ان کا دل لرز جاتا تھا یہی معاملہ ان صحابی کے ساتھ بھی ہوا ان سے کوئی معمولی سا گناہ ہوا تھا مگر وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس گناہ کو اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ واقعی کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے اسکے گناہ کے بارے میں سوال کیوں نہیں کیا؟

وَلَمْ یَسْأَلْهُ عَنْهُ: آپؐ نے اس سے گناہ کے بارے میں سوال نہیں فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے ان کے گناہ کے بارے میں کچھ دریافت نہیں فرمایا۔ محدثین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعے اس کے گناہ کی اطلاع کر دی گئی ہو ۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس گناہ کے بارے میں کوئی سوال نہیں فرمایا کہ وہ گناہ صغیرہ ہوگا جو نماز سے معاف ہو جاتا ہے اسی وجہ سے ختم نماز پر آپ نے اس کی معافی کی خوشخبری دی۔ (مرقاۃ)

کھانے پینے کے بعد اللہ کی تعریف کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں

وعنه، قَالَ: قَالَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إنَّ الله لَيَرْضَى عَنِ العَبْدِ أنْ يَأكُلَ الأَكْلَةَ ، فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا ، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ ، فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا " رواه مسلم .

" الأَكْلَة " : بفتح الهمزة وهي المرةُ الواحدةُ مِنَ الأكلِ كَالغَدوَةِ وَالعَشْوَةِ ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی اس ادا سے خوش ہوتے ہیں کہ جو کھائے اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو پیئے اس پر اللہ کی حمد کرے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حساب ہیں اور منعم کا شکر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ حمد و شکر پر خوش بھی ہوتے ہیں اور نعمتوں میں اضافہ بھی فرماتے ہیں: "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ" (اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا۔)

احادیث میں مختلف مواقع کے لیے مختلف کلمات شکر اور حمد بیان ہوئے ہیں ان کو یاد کرنا اور ان کو ان مواقع پر ادا کرنا بڑے ثواب اور اجر کی بات ہے ورنہ صرف الحمد للہ یا الحمد للہ رب العالمین کہنا بھی کافی ہے۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر یہ دُعا پڑھنی چاہیے:

"الحمدللہ حمداً کثیراً طیبا مبارکا فیه غیر مکفی ولا مودع ولا مستغن عنه ربّنا"

"اے اللہ! ہر طرح کی حمد تیرے لیے ہے، بہت حمد پاکیزہ حمد ایسی حمد جس سے اس کھانے میں برکت ہو جس سے ہمیں کفایت نہیں ہے اور جسے ہم نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ مستغنی ہو سکتے ہیں اے ہمارے رب!" (روضۃ المتقین:۱/۴۶۵)

اللہ تعالیٰ ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ لوگ توبہ کریں

وعن أبي موسى رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " إنَّ الله تَعَالَى يَبْسُطُ يَدَهُ بالليلِ ليَتُوبَ مُسِيءُ النَّهارِ ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بالنَّهارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيلِ ، حَتَّى تَطلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ دن کو گناہ کرنے والے توبہ کرلیں اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات کو گناہ کرنے والے توبہ کرلیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک رہے گا جب تک سورج مغرب سے نکل آئے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ شب وروز دامان رحمت ومغفرت دراز کرتے ہیں کہ جو گنہگار بندے ہیں وہ توبہ وانابت کریں اور اللہ کی طرف رجوع کریں اور اللہ تعالیٰ ان پر مہربانیاں فرماتے ہیں اور ان کے گناہ معاف اور خطائیں درگزر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے رہیں گے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے کہ اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ (روضۃ المتقین:۱/۴۶۶)

اس حدیث کی توضیح اس سے قبل باب التوبہ میں بھی گزر چکی ہے۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ

وعن أبي نجيح عمرو بن عَبَسَةَ بفتح العين والباء السُّلَمِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : كُنْتُ وأنَا في الجاهِلِيَّةِ أظُنُّ أنَّ النَّاسَ عَلَى ضَلاَلَةٍ ، وَأنَّهُمْ لَيسُوا عَلَى شَيْءٍ ، وَهُمْ يَعْبُدُونَ الأَوْثَانَ ، فَسَمِعْتُ بِرَجُلٍ بمَكَّةَ يُخْبِرُ أخْبَاراً ، فَقَعَدْتُ عَلَى رَاحِلَتِي ، فَقَدِمْتُ عَلَيهِ ، فإذَا رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَخْفِياً ، جُرَءاءُ عَلَيهِ قَومُهُ ، فَتَلَطَّفْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَيهِ بمَكَّةَ ، فَقُلْتُ لَهُ : مَا أنْتَ ؟ قَالَ : " أنا نَبيٌّ " قُلْتُ : وما نبيٌّ ؟ قَالَ : " أرْسَلَنِي الله " قُلْتُ : وبأيِّ شَيْءٍ أرْسَلَكَ ؟ قَالَ : " أرْسَلَنِي بِصِلَةِ الأرْحَامِ ، وَكَسْرِ الأَوْثَانِ ، وَأنْ يُوَحَّدَ اللهُ لاَ يُشْرَكُ بِهِ شَيْءٌ " قُلْتُ : فَمَنْ مَعَكَ عَلَى هَذَا ؟ قَالَ : " حُرٌّ وَعَبْدٌ " ومعه يَوْمَئذٍ أبُو بكرٍ وبلالٌ رضي الله عنهما

، قُلْتُ : إنّي مُتَّبِعُكَ ، قَالَ : " إنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ ذَلِكَ يومَكَ هَذَا ، ألا ترَى حَالِي وحالَ النَّاسِ ؟ وَلَكِنِ ارْجِعْ إلَى أهْلِكَ فإذَا سَمِعْتَ بي قَدْ ظَهرْتُ فَأتِنِي " قَالَ : فَذَهَبْتُ إلَى أهْلِي وقَدِمَ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَدِينَةَ حَتَّى قَدِمَ نَفَرٌ مِنْ أهْلِي المَدِينَةَ ، فقلتُ : مَا فَعَلَ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي قَدِمَ المَدِينَةَ ؟ فقالوا : النَّاس إلَيهِ سِرَاعٌ ، وَقَدْ أرادَ قَومُهُ قَتْلَهُ ، فلَمْ يَسْتَطِيعُوا ذَلِكَ ، فقَدِمْتُ المدينة ، فَدَخَلْتُ عَلَيهِ ، فقلتُ : يَا رَسُول الله أتَعرِفُني ؟ قَالَ : " نَعَمْ ، أنْتَ الَّذِي لَقِيْتَنِي بمكّة " قَالَ : فقلتُ : يَا رَسُول الله، أخبرنِي عمَّا علَّمكَ الله وأجْهَلُهُ ، أخبرنِي عَنِ الصَّلاَةِ ؟ قَالَ : " صَلِّ صَلاَةَ الصُّبْحِ ، ثُمَّ اقْصُرْ عَنِ الصَّلاَةِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ قِيدَ رُمْحٍ ، فَإنَّهَا تَطلُعُ حِينَ تَطلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيطَان ، وَحِينَئِذٍ يَسجُدُ لَهَا الكُفَّارُ ، ثُمَّ صَلِّ فَإنَّ الصَّلاَةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورةٌ حَتَّى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بالرُّمْحِ ، ثُمَّ اقْصُرْ عَنِ الصَّلاَةِ ، فَإنَّهُ حينئذ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ ، فإذَا أقْبَلَ الفَيْءُ فَصَلِّ ، فَإنَّ الصَّلاَةَ مَشْهُودَةٌ مَحضُورَةٌ حَتَّى تُصَلِّي العصرَ ، ثُمَّ اقصرْ عَنِ الصَّلاَةِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ ، فإنَّهَا تَغرُبُ بينَ قَرنَيْ شَيطان ، وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الكُفَّارُ " قَالَ : فقلتُ : يَا نَبِيَّ الله ، فالوضوءُ حدثني عَنْهُ ؟ فَقَالَ : " مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوءَهُ ، فَيَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ ، إلاَّ خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ مِنْ أطْرَافِ لِحْيَتِهِ مَعَ المَاءِ ، ثُمَّ يَغْسِلُ يديهِ إلَى المِرفقَيْنِ ، إلاَّ خَرَّتْ خطَايَا يَدَيْهِ مِنْ أنَامِلِهِ مَعَ المَاءِ ، ثُمَّ يَمْسَحُ رَأسَهُ ، إلاَّ خرَّتْ خطايَا رأسِهِ من أطْرَافِ شَعْرِهِ مَعَ المَاءِ ، ثُمَّ يغسل قدميه إلَى الكعْبَيْنِ ، إلاَّ خَرَّتْ خطَايَا رجلَيْهِ مِنْ أنَامِلِهِ مَعَ المَاءِ ، فَإنْ هُوَ قَامَ

فَصَلَّى ، فَحَمِدَ الله تَعَالَى ، وأثنى عَلَيهِ ومَجَّدَهُ بالَّذي هُوَ لَهُ أهْلٌ ، وَفَرَّغَ قلبه للهِ تَعَالَى ، إلاَّ انْصَرفَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كهيئته يَومَ وَلَدَتهُ أُمُّهُ " .

فحدث عَمرُو بن عَبسَة بهذا الحديث أبَا أُمَامَة صاحِب رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ لَهُ أبُو أُمَامَة : يَا عَمْرُو بنُ عَبسَة ، انْظُر مَا تقولُ ! في مقام واحدٍ يُعْطَى هَذَا الرَّجُلُ ؟ فَقَالَ عَمْرُو : يَا أبَا أُمَامَة ، لقد كَبِرَتْ سِنِّي ، وَرَقَّ عَظمِي ، وَاقْتَرَبَ أجَلِي ، وَمَا بِي حَاجَةٌ أنْ أكْذِبَ عَلَى اللهِ تَعَالَى ، وَلا عَلَى رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، لَوْ لَمْ أسمعه مِنْ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، إلاَّ مَرَّةً أوْ مَرَّتَينِ أوْ ثَلاثاً حَتَّى عَدَّ سَبْعَ مَرَّات مَا حَدَّثْتُ أبداً بِهِ ، وَلكنِّي سمعتُهُ أكثر من ذَلِكَ . رواه مسلم .

قوله : " جُرَءاءُ عَلَيهِ قَومُه " هُوَ بجيم مضمومة وبالمد عَلَى وزن عُلماءَ ،

أيْ: جَاسِرونَ مُستَطِيلُونَ غيرُ هائِبِينَ، هذِهِ الرواية المشهورةُ، ورواه الحُمَيْدِيُّ وغيرُهُ " حِرَاءُ " بكسر الحاء المهملة، وَقَالَ: معناه غِضَابٌ ذَوُو غَمٍّ وهَمٍّ، قَدْ عِيلَ صَبرُهُمْ بِهِ، حَتَّى أثَّرَ في أجسامهم، من قولِهِم: حَرَى جسمهُ يَحْرَى، إذَا نَقصَ مِنْ ألمٍ أوْ غَمٍّ ونحوهِ، والصَّحيحُ أنَّهُ بالجيم.

قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " بَيْنَ قَرنَيْ شيطان " أيْ ناحيتي رأسِهِ والمرادُ التَّمْثِيلُ ، وَمعْنَاهُ : أنه حينئذٍ يَتحرَّكُ الشَّيطَانُ وَشيعَتُهُ ، وَيتسَلَّطُونَ .

وقوله : " يُقَرِّبُ وَضوءهُ " معناه يُحضِرُ الملَهَ الَّذِي يَتوضّأ بِهِ ، وقوله : " إلاَّ خرَّت خطايا " هُوَ بالخاء المعجمة : أيْ سقطت ، ورواه بعضُهم " جرَت " بالجيم ، والصحيح بالخاء وَهُوَ رواية الجمهور . وقوله : " فينْتَثِرُ " أيْ يَستخرجُ مَا في أنفهِ مِنْ أذىً والنَّثْرَةُ : طَرَفُ الأَنْفِ

ترجمہ: حضرت ابو نجیح عمرو بن عبسہ سلمی سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرا زمانۂ جاہلیت میں یہ خیال تھا کہ لوگ گمراہ ہیں اور ان کے پاس کوئی دین نہیں ہے اور بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ میں نے سنا کہ مکہ میں ایک صاحب بعض اخبار بتا رہے ہیں۔ میں سواری پر بیٹھا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا' میں نے دیکھا کہ آپ اپنی قوم کی شدت مخالفت کی بنا پر چھپ چھپ کر تبلیغ کرتے ہیں۔ میں بھی چپکے چپکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا' میں نے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی ہوں۔ میں نے کہا کہ نبی کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے' میں نے کہا کہ کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ میں صلہ رحمی کا حکم دوں' بتوں کو توڑ دوں اور لوگوں کو بتاؤں کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ میں نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک آزاد اور ایک غلام۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر اور بلال رضی اللہ عنہما تھے۔ میں نے کہا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس وقت ایسا نہیں کر سکتے' تم دیکھ نہیں رہے کہ میرا ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس وقت تو تم اپنے گھر والوں میں واپس چلے جاؤ۔ جب سنو کہ میں غالب آ گیا تب میرے پاس آنا۔ اس نے بیان کیا کہ میں اپنے گھر والوں میں واپس چلا گیا۔

بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ میں اپنے گھر والوں میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبریں لیتا رہتا تھا اور ان لوگوں سے بھی پوچھتا جن کا مدینہ آنا جانا ہوتا' یہاں تک کہ ہمارے کچھ لوگ مدینہ سے آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے جو مدینہ آئے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ لوگ ان کی طرف تیزی سے آ رہے ہیں اور ان کی قوم نے ان کو قتل کرنا چاہا تھا مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ یہ سن کر میں مدینہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم وہی ہو جو مجھ سے مکہ میں ملے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ باتیں بتلائیں جو اللہ نے آپ کو سکھائی ہیں اور میں ان سے ناواقف ہوں۔ مجھے نماز کے بارے میں بتائیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کی نماز پڑھو۔ پھر نماز سے رکے رہو تا آنکہ سورج ایک نیزے کے بقدر بلند ہو جائے۔ اس لئے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے اور اس وقت کافر اسے سجدہ کرتے ہیں۔ اس وقت کے گزرنے کے بعد پھر نماز پڑھو کہ نماز میں فرشتے گواہ ہوتے اور لکھنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں' یہاں تک کہ سایہ نیزے کے برابر ہو جائے۔ پھر نماز سے رک جاؤ اس لئے کہ اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے پھر جب سایہ چڑھنے لگے تو نماز پڑھو اس لئے کہ نماز میں فرشتے حاضر اور گواہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو۔ پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے اس لئے کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت اسے کافر سجدہ کرتے ہیں۔

انہوں نے بیان کیا کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وضو کے بارے میں بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص وضو کا پانی اپنے قریب کرے تو پہلے کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور ناک صاف کرے تو اس کے چہرے ناک اور منہ کے گناہ گر جاتے ہیں پھر جب وہ اپنا منہ دھوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے چہرے کی غلطیاں اس کی ڈاڑھی کے کناروں کے ساتھ گر جاتی ہیں پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کی خطائیں اس کی انگلیوں سے پانی کے ساتھ نکل جاتی ہیں پھر وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی غلطیاں اس کے بالوں کے کناروں سے نکل جاتی ہیں پھر وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے تو اس کے پاؤں کے گناہ اس کی انگلیوں سے نکل جاتے ہیں۔

پھر وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھی' اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اس کی تمجید کی جس طرح کہ وہ حق رکھتا ہے اپنے دل کو اللہ کے لئے فارغ کر دیا تو گناہوں سے اس طرح صاف ہو کر نکلتا ہے جیسے وہ اس وقت تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا۔

عمرو بن عبسہ نے اس حدیث کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو امامہ کے سامنے بیان کیا۔ ابو امامہ نے کہا کہ اے عمرو بن عبسہ! دیکھو کیا بیان کر رہے ہو' کیا ایک ہی جگہ آدمی کو یہ مقام دے دیا جائے گا۔ حضرت عمرو نے کہا کہ اے ابو امامہ! میری عمر بھی زیادہ ہو گئی' میری ہڈیاں بھی کمزور ہو گئیں اور میری موت بھی قریب آ گئی۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اللہ پر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں۔ اگر میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک' دو' تین مرتبہ بلکہ سات مرتبہ نہ سنا ہوتا تو میں اس کو کبھی بیان نہ کرتا۔ لیکن میں نے اس کو اس سے بھی زیادہ مرتبہ سنا ہے۔ (مسلم)

راوی کے مختصر حالات: حضرت ابو نجیح عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اسلام میں سے ہیں۔ طائف' فتح مکہ اور دیگر غزوات میں شرکت کی۔ ان سے ۴۸ احادیث مروی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال ہوا۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ورسالت ملنے کے بعد مکہ مکرمہ میں چھپ چھپ کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ چند اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے' وہ بھی قریش کے ظلم وستم کا شکار تھے۔ عرب میں بت پرستی اور ہر طرح کی برائیاں عام ہونے کے باوجود بعض لوگ ایسے تھے جن کے دل بت پرستی پر مطمئن نہ تھے اور کسی دین حق کی تلاش میں رہتے تھے' انہی پاکیزہ نفوس میں سے ایک حضرت عمرو بن عبسہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ مسلسل ہر آنے جانے والے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبریں معلوم کرتے رہتے تھے۔ بالآخر خود مکہ مکرمہ آکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور چھپ چھپا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تم واپس چلے جاؤ اور جب دین حق کو قوت اور غلبہ حاصل ہو جب میرے پاس آنا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بغیر ایمان کے لوٹا دیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایمان لے آئے اور اسلام قبول کر لیا لیکن اس وقت ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا کیونکہ قریش کے لوگ انہیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑتے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے ایمان واسلام کے ساتھ لوٹ جاؤ اور جب دیکھو کہ دین حق کو قوت حاصل ہو گئی ہے تب میرے پاس آنا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت ابو بکر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے اور پورا مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا مگر آپ کو دعوت حق کے عام ہونے اور دین کے غالب ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حتمی طریقے پر فرمایا کہ جب دیکھو دین قوی ہو گیا ہے جب میرے پاس آجانا۔

نماز میں فرشتے حاضر بھی ہوتے ہیں اور نمازی کی کیفیات واحوال کی بالتفصیل حضور حق میں گواہی بھی دیتے ہیں۔ اس لیے اہل ایمان کو چاہیے کہ نماز کامل خشوع وخضوع کے ساتھ عاجزی اور بندگی کے ساتھ ادا کریں کہ جب اس نماز کی حالت وکیفیت کا نقشہ فرشتے اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں تو رحمت حق جوش میں آئے اور نمازی کی کامیابی اور نجات کا پیغام لائے۔

جب اللہ کسی امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسکے نبی کو زندہ رکھتے ہیں

(۱) وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه ، عن النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إِذَا أرادَ الله تَعَالَى رَحمةَ أُمَّةٍ ، قَبضَ نَبيَّهَا قَبْلَها ، فَجعلهُ لَهَا فَرطاً وسلَفاً بَيْنَ يَدَيْهَا ، وإِذَا أرادَ هَلَكَةَ أُمَّةٍ ، عَذَّبهَا وَنَبيُّهَا حَيٌّ ، فَأهلكَهَا وَهُوَ حيٌّ يَنظُرُ ، فَأقرَّ عَيْنَهُ بهلاكِهَا حِينَ كَذَّبُوهُ وَعَصَوا أمْرَهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: ''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو امت سے پہلے اس امت کے نبی کی روح قبض فرمالیتا ہے۔ پس نبی کو اس کے لئے پیش رو اور پہلے پہنچ کر ترتیب بنانے والے کی طرح بنا دیتا ہے اور جب اللہ کسی امت کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو نبی زندہ ہوتا ہے ان کی تباہی اور بربادی دیکھ رہا ہوتا ہے اور قوم کی تباہی سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے اس لئے کہ یہ لوگ نبی کو جھٹلاتے رہے اور اس کے حکم کی نافرمانی کرتے رہے۔"

حدیث کی تشریح: اَرَادَ اللّٰہُ تَعَالیٰ رَحْمَۃَ أُمَّۃٍ: جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں۔
علماء فرماتے ہیں حدیث بالا میں ایک طرف تو صحابہؓ کو خوشخبری دی جارہی ہے کہ تم نے اپنے رسول کا ساتھ دیا اور ان کو خوش کر دیا۔ تو اب تم پرواہ نہ کرو قیامت کے خوفناک حالات میں نبی تمہارے ساتھ ہوگا اور تمہاری شفاعت فرمائیں گے کیونکہ نبی اپنی امت کا سالار ہوتا ہے، شفاعت اس کی ہوگی جو فرمانبردار ہوگا۔ بقول شاعر۔

وہ پیمبر جسے سرتاج رسل کہتے ہیں اس کی امت کو ذرا تابع فرمان کردے

اور اس حدیث میں مشرکین کو ڈرانا بھی ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آجاؤ ایسا نہ ہو کہ نبی کے ہوتے ہوئے دنیا ہی میں تم کو اللہ کا عذاب پکڑ لے۔ جیسے کہ قوم لوط، قوم صالح، قوم نوح علیہم السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ (نزہۃ المتقین)

باب فضل الرجاء
اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے والے کی فضیلت

قَالَ اللهُ تَعَالَى إخباراً عن العبدِ الصالِحِ : ﴿ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللهِ إِنَّ اللهَ بَصِيرٌ بِالعِبَادِ فَوَقَاهُ اللهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا ﴾ [غافر : ٤٤-٤٥] .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عبد صالح کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والے ہیں' پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان برائیوں سے بچالیا جن کی انہوں نے تدبیریں کیں۔" (غافر:۴۴)

تفسیر: فرعون کی قوم میں سے ایک شخص ایمان لے آیا۔ یہ شخص اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور چھپ چھپ کر اپنی قوم کے لوگوں کو حق کی جانب متوجہ کرتا رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ قوم فرعون کو اس کے ایمان کا علم ہوگیا اور وہ اس کے قتل کے درپے ہوگئے اور اس کے پکڑنے کے لیے دوڑے۔ اس شخص نے کہا کہ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں وہی اپنے بندوں کا محافظ اور ان کا نگران ہے اور یہ کہہ کر یہ شخص پہاڑ کی طرف بھاگ گیا اور فرعون اور اس کے لوگوں کی گرفت سے بچ گیا اور اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نجات عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ بندے کے گمان کے مطابق معاملہ فرماتے ہیں

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَنَّهُ قَالَ : " قَالَ الله عز وجل : أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي ، وَأَنا معه حَيْثُ يَذْكُرُنِي ، وَاللهِ ، للهُ أَفْرَحُ بِتَوبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أحَدِكُمْ يَجِدُ ضَالَّتَهُ بالفَلاةِ ، وَمَنْ تَقَرَّبَ إلَيَّ شِبْراً ، تَقَرَّبْتُ إلَيْه ذِرَاعاً ، وَمَنْ تَقَرَّبَ إلَيَّ ذِرَاعاً ، تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعاً ، وَإِذَا أَقْبَلَ إِلَيَّ يَمْشِي أَقْبَلْتُ إِلَيْهِ أُهَرْوِلُ " متفقٌ عليه ، وهذا لفظ إحدى روايات مسلم . وتقدم شرحه في الباب قبله . ورُوِيَ في الصحيحين : " وأنا معه حين يذكرني " بالنون ، وفي هذه الرواية " حيث " بالثاء وكلاهما صحيح .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور اللہ کی قسم اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا تم میں سے وہ شخص خوش ہوتا ہے جسے جنگل میں اپنی گمشدہ چیز مل جاتی ہے اور جو ایک بالشت مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس کے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب وہ میری طرف چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔ (متفق علیہ) یہ الفاظ مسلم کی روایت میں سے ایک روایت کے ہیں اور اس کی شرح سابق باب میں گزر چکی ہے اور صحیحین میں ہے کہ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے یعنی ان کے ساتھ حین اور اس روایت میں حیث ہے اور دونوں صحیح ہیں۔

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں پر بہت مہربان ہیں وہ ان پر انعام واکرام کرتے ہیں اور انکے ساتھ فضل وکرم فرماتے ہیں وہ اپنے بندوں کے گمان وخیال میں آنے والی باتوں کو بھی پورا فرمادیتے ہیں اور جب بندہ اپنے مالک کے بارے میں گمان کرتا ہے کہ وہ اس کی دعاء قبول فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ احسان فرماتے ہیں اور اس کی دعا قبول فرمالیتے ہیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں" کے معنی ہیں قبولیت توبہ کا گمان' استغفار کے وقت مغفرت کا گمان اور اعمال حسنہ پر ثواب واجر کا گمان۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ مانگو کہ اللہ ضرور تمہاری دعا کو قبول فرمائے گا' صرف دعا ہی نہیں بلکہ ہر عمل صالح میں یہی یقین واثق ہو کہ درِ قبول ضرور کھلا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے قبول فرمائیں گے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی وعدہ فرمایا ہے کہ اور ان کے یہاں وعدہ میں تخلف نہیں ہے۔

اللہ کا بندہ اپنے خالق ومالک کو یاد کرتا ہے تو اللہ سبحانہ بھی اسے یاد فرماتے ہیں اگر بندہ اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو

اللہ بھی اپنی رحمت و کرم سے اس کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اگر وہ مجلس میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے فضل و کرم فرشتوں کی مجلس میں ذکر کرتے ہیں اور جب بندہ رجوع اور انابت کے ساتھ پلٹ کر اللہ کی جانب آتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس قدر خوش ہوتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی چٹیل بے گیاہ میدان میں سفر کر رہا ہو اس کی ذرا سی آنکھ لگ گئی' دیکھا تو سواری غائب اور اسی پر اس کا کھانے پینے کا سامان اب سوائے اس کے کہ اس صحراء میں موت آکر اسے دبوچ لے کچھ بھی نہیں ہر امید منقطع اور ہر سہارا ختم۔ پریشانی کی شدت میں پھر غفلت ہوئی اب کہ جو آنکھ کھلی تو اس کی سواری پاس ہی کھڑی تھی۔ اس وقت اس شخص کو کس قدر خوشی ہو گی' فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے توبہ کرنے سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ (فتح الباری: ۳/۸۵۱' روضۃ المتقین: ۱/۲۰۷' دلیل الفالحین: ۲/۲۸۶)

اللہ کے ساتھ اچھا گمان کی صورت میں موت

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما : أنه سمع رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قبلَ مَوْتِهِ بثلاثةِ أيّام ، يقولُ : ((لاَ يَمُوتَنّ أحَدُكُمْ إلاَّ وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنّ باللهِ عز وجل)) رواه مسلم.

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا، تم میں سے کسی شخص کو موت نہ آئے مگر یہ کہ وہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو۔" (مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو ہر وقت اچھے کاموں میں لگے رہنا چاہیے کہ معلوم نہیں کہ کسی وقت بھی موت آجائے۔ جب دنیا میں نیک اعمال کرتا رہے گا تو موت بھی اسی حالت میں آئے گی اور پھر اسی اچھی حالت میں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ جیسے کہ دوسری روایت میں آتا ہے:

يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَامَاتَ عَلَيْهِ: (رواہ مسلم) ہر آدمی کو اس حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں اس کی موت آئی تھی اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں آتا ہے:

ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰى نِيَّاتِهِمْ: کہ پھر ہر ایک کو اس کی نیت کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا۔

علماء حدیث فرماتے ہیں اس حدیث کا مفہوم قرآن مجید میں پایا جاتا ہے:

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ: تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ (آل عمران)

گناہ پہاڑ کے برابر ہو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : سمعت رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " قَالَ الله تَعَالَى : يَا ابْنَ آدَمَ ، إنَّكَ ما دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ مِنْكَ

وَلاَ أُبَالِي . يَا ابْنَ آدَمَ ، لَوْ بَلَغت ذُنُوبُك عَنَانَ السماء ، ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلاَ أُبَالِي . يَا ابْنَ آدَمَ ، إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الأَرْضِ خَطَايا ، ثُمَّ لَقِيْتَنِي لاَ تُشْرِكُ بِي شَيْئاً ، لأَتَيْتُكَ بقُرَابِها مَغْفِرَةً " رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن " .

" عَنَانُ السَّماء " بفتح العين ، قيل : هو مَا عَنَّ لَكَ مِنهَا ، أيْ : ظَهَرَ إِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ ، وقيل : هو السَّحَابُ . وَ" قُرابُ الأَرض " بضم القاف ، وقيل : بكسرها ، والضم أصح وأشهر ، وَهُوَ : مَا يقارب مِلأَهَا ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرزند آدم علیہ السلام تو مجھ سے جتنا مانگے اور جیسی مجھ سے امید رکھے میں تیری ساری خطائیں معاف کر دوں گا خواہ تیرے عمل کیسے ہی ہوں۔ اے آدم کے بیٹے مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ اگر تیری خطائیں آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرے گا تو میں تجھے معاف کر دوں گا۔ اے آدم کے بیٹے اگر تو میرے پاس زمین بھر کر گناہوں کے ساتھ آئے اور مجھ سے اس حالت میں ملے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں تیرے پاس زمین بھر کر مغفرت لے آؤں گا۔ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس حدیث کو حسن کہا)

عَنَانُ السَّمَاءِ: عین کے زبر کے ساتھ بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں جو تیرے لئے اس سے ظاہر ہو یعنی جب اپنا سر اٹھا کر دیکھے اور بعض کے نزدیک اسکا معنی بادل ہے۔ "قُرَابُ الْاَرْضِ" قاف کے پیش کے ساتھ یا زیر کے ساتھ لیکن پیش کے ساتھ زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو چیز زمین بھرنے کے قریب ہو۔

حدیث کی تشریح: اللہ کا مؤمن بندہ ہر وقت اللہ سے اس کے فضل و کرم اور خیر کا طالب رہے اور اپنی خطاؤں اور لغزشوں پر معافی کا طلبگار رہے۔ اصل بات یہ ہے کہ غفلت اور کوتاہی تو ہر وقت قابل معافی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ سرکشی اور بغاوت نہ ہو اور ایسی غفلت نہ ہو کہ کبھی پلٹ کر رجوع کرنے کی توفیق نہ ہو' اگر بھول چوک سے بغیر اصرار کے اور بغیر تمرد اور سرکشی کے خطائیں سرزد ہو جائیں اور اللہ کا بندہ اللہ سے معافی کا خواستگار ہو اور اس سے دعاء رجاء کا تعلق ہو تو اگر اس کے گناہوں کی چٹان آسمانوں کو چھولے اور اس کی لغزشوں کے انبار سے ساری زمین بھر جائے اللہ ان سب کو معاف فرمادیں گے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہیں وہ سراپا رحمت ہیں اور ہر وقت درگزر کرنے کے لیے تیار ہیں۔ شرط یہی ہے کہ بندے اس کی جانب رجوع کریں اور توبہ کریں اور دعاء کے لیے ہاتھ پھیلادیں۔ (دلیل الفالحین: ۲۸۸/۴)

باب الجمع بين الخوف والرجاء

خوف اور امید دونوں کو ایک ساتھ جمع رکھنے کا بیان

اعْلَمْ أَنَّ الْمُخْتَارَ لِلْعَبْدِ فِي حَالِ صِحَّتِهِ أَنْ يَكُونَ خَائفاً رَاجِياً ، وَيَكُونَ خَوْفُهُ وَرَجَاؤُهُ سَوَاءً ، وفِي حَالِ الْمَرَضِ يُمحَّضُ الرَّجاءُ ، وقواعِدُ الشَّرْعِ مِنْ نصُوصِ الكِتَابِ والسُّنَةِ وغَيْرِ ذَلِكَ مُتظاهِرَةٌ عَلَى ذلك .

ترجمہ: ”انسان کے لئے حالت صحت میں پسندیدہ بات یہ ہے کہ وہ اللہ کا ڈر اور اس سے امید دونوں کو ایک ساتھ رکھے، حالت مرض میں خالص امید کو جمع خاطر رکھے۔ کتاب و سنت وغیرہ کے نصوص، شرعی قواعد اس پر واضح دلالت کرتے ہیں۔“

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: (فَلاَ يَأمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ) (الاعراف:۹۹)

ترجمہ: ”ارشاد خداوندی ہے: سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے ڈر سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔“

تفسیر: مَکْرَ اللّٰہِ: اس سے مراد اللہ کی طرف سے دی گئی ڈھیل ہے کہ جب لوگ دنیا کی عیش و راحت میں مست ہو کر اللہ جل شانہ کو بھلا بیٹھتے ہیں تو ان کی تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اس بات سے بے فکر نہ ہو اللہ جل شانہ کا عذاب ان پر رات کے وقت یا دن کے وقت کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ (معارف القرآن)

فَلاَ يَأمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ: جیسے کہ پچھلی قوموں میں ایسا ہوا، عقل مند کا کام یہ ہے کہ دوسروں کے حالات سے عبرت حاصل کرے کہ جو کام دوسروں کے لئے ہلاکت و بربادی کا سبب بن چکے ہیں ان کے پاس جانے سے بچے۔ (ایضاً)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: (إِنَّهُ لاَيَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ) (یوسف:۸۷)

ترجمہ: ”ارشاد خداوندی ہے: اللہ کے ڈر سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔“

تفسیر: ایمان والے ہر حال میں اللہ جل شانہ پر اعتماد رکھتے ہیں ان کو یقین ہوتا ہے کہ شر سے خیر، اللہ نکال سکتے ہیں اسی طرح سے خیر میں سے شر کا نکالنا اللہ کا کام ہے بخلاف کفار کے کہ وہ حالات پر خوش ہوتے ہیں، اگر موافقت کے حالات آگئے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر غیر موافق حالات آئے تو اب وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔

وقَالَ تَعَالَى: ﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وَجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ﴾

ترجمہ: ۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے کالے سیاہ۔“ (آل عمران:۱۰۶)

تفسیر:اس میں ایک جھلک ہے اس روز کی جب اہل ایمان کے چہرے سفید اور کافروں کے چہرے سیاہ پڑ چکے ہوں گے۔ سورہ قیامہ میں ہے کہ کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ یعنی ہشاش بشاش ہوں گے اور ان کی آنکھیں محبوب حقیقی کے دیدار مبارک سے روشن ہوں گی۔(تفسیر عثمانی)

وقال تعالَى: ﴿ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ العِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾

ترجمہ :۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"بے شک تمہارا رب جلد عذاب دینے والا ہے اور وہ یقیناً بخشنے والا مہربان ہے۔" (الاعراف:۱۶۷)

تفسیر:اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد عذاب دینے والا ہے یعنی برے لوگوں پر گرفت اور مواخذہ میں دیر نہیں لیکن جو توبہ کرے اور نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو اس کی بخشش اور اس کی رحمت بے پایاں ہے۔

وقال تعالَى : ﴿ إِنَّ الأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴾

ترجمہ اور فرمایا کہ:"بے شک نیکوکار نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور بدکردار جہنم میں جائیں گے"۔(الانفطار:۱۳)

تفسیر:اس آیت میں فرمایا کہ نیک لوگ ہمیشہ کی نعمتوں میں رہیں گے اور کافر آگ جہنم میں ہوں گے۔ جنت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہیں اور اسی لیے جنت کا نام دار النعیم ہے۔ پھر یہ نعمتیں ہر خدشہ اور کھٹکے سے خالی ہیں اور ان میں یہ بھی اندیشہ نہیں کہ درمیان میں کوئی ایسی بات پیش آجائے گی جس سے نعمت اور تنعم کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

وزنی اعمال والے جنت میں جائیں گے

وقال تعالَى:﴿ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴾

والآيات في هذا المعنى كثيرةٌ . فَيَجْتَمِعُ الخَوفُ والرجاءُ في آيَتَيْنِ مُقْتَرِنَتَيْنِ أَو آيات أَو آية

ترجمہ نیز فرمایا کہ:"جن کے اعمال کے وزن بھاری ہوں گے وہ دل پسند عیش میں ہوں اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے وہ ہاویہ میں ہوں گے۔"(القارعۃ:۶)

اس مفہوم کی آیات بکثرت ہیں جن میں خوف و رجاء کا دو متصل آیتوں میں یا ایک آیت میں بیان ہے۔

تفسیر: چھٹی آیت میں فرمایا کہ جس کے اعمال اس روز وزنی ہوں گے وہ سراسر عیش و آرام میں رہے گا اور اعمال کا وزن اخلاص اور ایمان کی نسبت ہوگا جس قدر ایمان گہرا اور مضبوط، جس قدر خلوص و یقین اور جس قدر حسن نیت ہوگی اسی قدر اعمال کا وزن بڑھ جائے گا۔ دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو لیکن روح اخلاص سے خالی ہو وہ اللہ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا۔ "فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا" (ہم روز قیامت انہیں کوئی وزن نہیں دیں گے) اور جن کے اعمال بے وزن اور ہلکے ہوں گے وہ ایک گڑھے میں پھینک دیئے جائیں گے جو گرم دہکتی ہوئی آگ سے لبریز ہوگا۔(تفسیر مظہری، تفسیر عثمانی)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((لَوْ

يَعْلَمُ الْمُؤمِنُ مَا عِنْدَ الله مِنَ العُقُوبَةِ ، مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ ، وَلَوْ يَعْلَمُ الكَافِرُ مَا عِنْدَ الله مِنَ الرَّحْمَةِ ، مَا قَنطَ مِنْ جَنَّتِهِ أَحَدٌ)) رواه مسلم .

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مؤمن کو اللہ کے عذاب کا پتہ چل جائے تو اس کی جنت میں جانے کی کوئی امید نہ رکھے اور اگر کافر کو اللہ کی رحمت کا علم ہو جائے تو کوئی شخص اس کی جنت سے نااُمید نہ ہو۔“(مسلم)

حدیث کی تشریح: لَوْيَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَاللهِ: اگر مؤمن کو اللہ کے عذاب کا پتہ چل جائے۔

حدیث بالا میں ایک طرف تو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے کہ اس سے بچنے کی آدمی پوری کوشش کرے اور دوسری طرف اللہ جل شانہ کی رحمت وسعت کا بھی بیان ہے تاکہ انسان اللہ کی مغفرت ورضامندی کی امید بھی رکھے۔(نزہۃ المتقین)

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اللہ نے اپنی صف قہاریت اور صف رحم دونوں کا ذکر کیا ہے ،(طیبی شرح مشکوۃ) اس کے لئے کوشش کریں کہ ہم اللہ کی رحمت کو سمیٹ لیں اور اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔

نیک آدمی کا جنازہ کہتا ہے جلدی پہنچاؤ

وعن أبي سعيد الخدريّ رضي الله عنه : أنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ” إذَا وُضِعَتِ الجنازَةُ واحْتَمَلَهَا النَّاسُ أَو الرِّجَالُ عَلَى أعناقِهِمْ ، فَإنْ كَانَتْ صَالِحَةً ، قالتْ: قَدِّمُونِي قَدِّمُونِي ، وَإنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ ، قالتْ : يَا وَيْلَهَا ! أَيْنَ تَذْهَبُونَ بها ؟ يَسْمَعُ صَوْتَها كُلُّ شَيْءٍ إلاَّ الإنْسانُ ، وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ “ رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنازہ رکھا جاتا ہے لوگ اُٹھاتے ہیں یا مرد اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں۔ اگر وہ جنازہ نیک آدمی کا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی آگے لے چلو مجھے جلدی آگے لے چلو اور اگر جنازہ برا آدمی کا ہوتا ہے تو کہتا ہے ہائے ہائے اس کی ہلاکت اسے کہاں لے جا رہے ہو' یہ آواز انسان کے سوا ہر شے سنتی ہے اور اگر انسان سن لے تو چیخ مار کر بے ہوش ہو جائے۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں اللہ سبحانہ کی رحمت واسعہ اور عذاب شدید کا بیان ہے اور مقصود بیان یہ ہے کہ آدمی اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے عمل نہ چھوڑے اور عذاب کے خوف سے مایوس نہ ہو جائے۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہے اور اس کا مقصود یہ ہے کہ مؤمن وہ ہے جو عمل میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی خشیت اور تقویٰ بھی اسے آمادہ عمل کرتا ہے اور اللہ سبحانہ کی رحمتوں کا شوق اور ان رحمتوں کے مستحق ہونے کی امید بھی اسے عمل میں لگائے رکھتی ہے۔ اس طرح خوف اور رجاء دونوں ہی اس کے ایمان کے لیے مددگار اور معین ثابت ہوتے ہیں۔

اگر مرنے والا اللہ کا نیک بندہ ہے تو اسے اپنی منزل جنت کی جانب جانے کا اور جلد وہاں پہنچ جانے کا اشتیاق ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور اگر مرنے والا برا آدمی تھا تو اس کا جنازہ پکارتا ہے تم مجھے اُٹھا کر ہلاکت کی کس وادی میں لے جارہے ہو یہ آواز تمام مخلوقات سنتی ہیں سوائے انسان کے اور اگر انسان سن لے تو اسے ضبط کا یارا نہ رہے اور بیہوش ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنازہ صرف مرد اُٹھائیں اور عورتوں کا جنازہ اُٹھانا درست نہیں ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ جنازہ کی تدفین میں جلدی کرنی چاہیے اور جس قدر جلد ممکن ہو اس کی تدفین سے فارغ ہوا جائے کیونکہ اگر مرنے والا نیک اور صالح ہے تو وہ اپنی منزل کی جانب بسرعت روانہ ہو جائے اور اگر برا ہے تو انسان اس کے بوجھ سے جلد آزاد ہو جائیں۔

جنت بہت زیادہ قریب ہے

وعن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"الجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ ، وَالنَّارُ مِثْلُ ذلك " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور جہنم بھی اسی طرح ہے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: حصول جنت کا بہت آسان ہے۔ بس ایمان اور عمل اور ہر کام میں رضائے الٰہی کی جستجو، شریعت کے احکام پر عمل اولاً دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن جب آدمی عمل کرنے لگتا ہے تو آسان ہو جاتا ہے اور پھر عمل کرتا رہتا ہے۔

تو اعمال صالحہ اس کی عادت اور فراغ کا حصہ بن جاتے ہیں اور اس کی طبیعت ثانیہ ہو جاتے ہیں اور پھر اسے کوئی دشواری باقی نہیں رہتی بلکہ عمل کرنا اس کے لیے زیادہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں ارشاد ہے: "کل میسر لما خلق" ہر انسان کے لیے وہ عمل سہل بنا دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

ابن بطال فرماتے ہیں کہ طاعت و بندگی جنت میں پہنچانے والی ہے اور ہوائے نفس کی پیروی اور معصیت جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ بندہ کبھی بے دھیانی میں کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو اللہ کی رضا اور خوشنودی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں اور کبھی بندہ بے خیالی میں ایسی بات کہہ دیتا ہے جس میں اللہ کی ناراضگی ہوتی ہے اور وہ بات اسے جہنم میں پھینک دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ مؤمن کسی بھی عمل خیر کو چھوٹا اور کم نہ سمجھے کیا خبر ہے وہی عمل قلیل اللہ کی رضا کا سبب بن جائے اور کسی برائی کو حقیر نہ سمجھے ہو سکتا ہے کہ وہ برائی اللہ کی ناراضگی کا ذریعہ بن جائے اور اس بات کا لحاظ اعمال، اخلاق، احوال اور اقوال ہر جگہ رہنا چاہیے۔ (فتح الباری: ۳/۳۸۴، عمدۃ القاری: ۲۳/۱۱۹، روضۃ المتقین: ۲/۵)

باب فضل البكاء من خشية الله تعالى وشوقاً إليه
گریہ از خشیت الٰہی اور شوق لقاء باری

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَيَخِرُّونَ لِلأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعاً ﴾

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:"وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور اس سے ان کے خشوع میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔"(الاسراء:۱۰۹)

تفسیر: آیت میں ان اہل ایمان کا ذکر ہوا جو اللہ کی خشیت سے روتے ہیں اور اس رونے سے ان کی خشیت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے سننے کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے خوف سے رویا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔ یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں لوٹ جائے اور چونکہ تھنوں سے نکلا ہوا دودھ دوبارہ ان میں نہیں لوٹایا جاسکتا' اسی طرح اللہ کی خشیت میں رونے والا جہنم میں نہیں جاسکتا۔ بغوی نے حضرت ابوریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کے خوف سے روئی اور اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی اور اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی ممنوعات سے بند رکھی گئی یا فرمایا اس آنکھ پر آگ حرام ہے جو اللہ کی راہ میں پھوڑی گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مؤمن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں' اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔(تفسیر مظہری' معارف القرآن)

وقال تَعَالَى : ﴿ أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴾

ترجمہ اور فرمایا کہ:"کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔"(النجم:۵۹)

تفسیر: دوسری آیت میں کفار سے خطاب ہے کہ کیا تم اس کلام پر تعجب کر رہے ہو اور ہنس رہے ہو حالانکہ تمہیں یہ کلام سن کر رونا چاہیے' یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے اور یہ کلام تمہارے سامنے آچکا ہے تم اس پر عمل کرو اور جو تمہاری کوتاہیاں اور بداعمالیاں ہیں ان پر اللہ کے سامنے عاجزی کرو اور روؤ اور خشیت و تضرع کا اظہار کرو۔ ذکر قیامت اور عذاب آخرت کا سن کر چاہیے تھا کہ خشیت الٰہی سے رونے لگتے اور اس سے نجات کے لیے اللہ کی جانب رجوع کرتے کہ کسی عاقل کو زیبا نہیں کہ انجام

سے غافل ہو کر نصیحت و فہمائش کی باتوں پر ہنسے اور مذاق اڑائے بلکہ لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرے اور مطیع و تابعدار ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے سامنے جھکادے۔ (تفسیر عثمانی)

آپ ﷺ کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن سننا اور آنسو کا جاری ہونا

وعن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اقْرَأْ عليَّ القُرْآنَ)) قلت : يَا رسول اللهِ ، أقرأُ عَلَيْكَ ، وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ ؟! قَالَ : ((إنِّي أُحِبُّ أنْ أسْمَعَهُ مِنْ غَيري)) فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سورةَ النِّسَاء ، حَتَّى جِئْتُ إلى هذِهِ الآية : ﴿ فَكَيْفَ إذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هؤُلاءِ شَهيداً ﴾ [النساء : ٤١] قَالَ : ((حَسْبُكَ الآنَ)) فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فإذا عَيْنَاهُ تَذْرِفَان . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں، جب کہ قرآن آپ پر اترا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دوسرے سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ میں نے آپ کے سامنے سورت نساء پڑھی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا ”فکیف اذا جئنا“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بس اب کافی ہے، میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہیں۔“ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ: کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں جب کہ قرآن آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ پر قرآن نازل کیا گیا ہے اس کی کیفیت اور اس کی صحیح حقیقت آپ کو ہی معلوم ہے تو آپ کہیں اچھے اور بہتر انداز میں قرآن پڑھ سکتے ہیں، دوسرا کوئی کیسے پڑھ سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کبھی دوسرے سے قرآن سننے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کے مفہوم و معانی میں خوب غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ (مظاہر حق)

حَسْبُكَ الْآنَ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ: اس آیت میں قیامت کے دن کو یاد دلایا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کی ہولناکی اور اپنی امت کے ضعف کا خیال کر کے روتے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی امت سے کتنا پیار اور لگاؤ تھا۔ (مرقات)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اَلْفَ اَلْفَ صَلٰوةٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ.

فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن سنتے ہوئے رونا یہ عارفین کی صفت اور صالحین کا شعار ہے۔ (شرح مسلم للنووی) امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن سنتے ہوئے رونا مستحب ہے۔

اسی طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(وَيَسْتَحِبُّ الْبُكَاءُ عِنْدَ قِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ وَالتَّبَاكِيْ لِمَنْ لاَّ يَقْدِرُ عَلَيْهِ وَالْحُزْنُ وَالْخُشُوْعُ.)

(الاتقان فی علوم القرآن)

قرآن پڑھتے ہوئے رونا مستحب ہے اور جو شخص رونے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو رونے کی صورت بنا لینا چاہیے اور رنج اور رقت قلب کا اظہار بھی مناسب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر خشیت الٰہی سے گریہ طاری ہونا

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ: خطب رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةً مَا سَمِعْتُ مِثْلَهَا قطُّ ، فقال: " لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ، لَضَحِكْتُمْ قَلِيلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً " قَالَ: فَغَطَّى أَصْحَابُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُجُوهَهُمْ، وَلَهُمْ خَنِينٌ. متفقٌ عَلَيْهِ. وَسَبَقَ بَيَانُهُ فِي بَابِ الخَوْفِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ دیا کہ اس سے پہلے میں نے اس جیسا خطبہ نہیں سنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تمہیں وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو مجھے معلوم ہیں تو تم کم ہنسو اور بہت روؤ“۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے چہرے ڈھانپ لئے اور ان کے رونے کی آواز سنائی دی۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس اُمت مسلمہ کے سب سے بہترین سب سے زیادہ اعلیٰ اور منتخب افراد تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے وہ روحانی ارتقاء اور تزکیہ نفس کے اس قدر اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسا محسوس کرتے تھے جیسے جنت و دوزخ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طبیعتیں بڑی جلد فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر قبول کر لیتیں۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو اگر تم جانتے تو ہنسنے کم اور رونا زیادہ ہو جاتا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جان گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم آخرت کے واقعات و حوادث کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ اس پر خشیت الٰہی سے ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ (روضۃ المتقین: ۲/۶، دلیل الفالحین: ۲/۲۹۵)

اللہ تعالیٰ سے خوف کرنیوالے کی بشارت

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ في الضَّرْعِ ، وَلاَ يَجْتَمِعُ غُبَارٌ في سبيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ " رواه الترمذي ، وقال : " حديثٌ حَسَنٌ صحيحٌ " .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا

شخص جہنم میں نہیں جائے گا جو اللہ کے خوف سے رو پڑا ہو' یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس چلا جائے اور اللہ کے راستے میں ناک میں جانے والا غبار اور جہنم کا دھواں بھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: اللہ کی خشیت سے اگر کبھی کسی بندہ مؤمن کی آنکھ سے آنسو نکل آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس قدر رحمت و فضل و کرم فرمائیں گے کہ اس کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرمادیں گے۔ایسے شخص کو جہنم کی آگ پہنچنا اس قدر دشوار اور محال ہوگا جیسے جانور کے تھنوں سے دودھ نکال کر دوبارہ تھنوں میں واپس پہنچانا اور اسی طرح اگر کسی کی ناک میں جہاد فی سبیل اللہ کے راستے میں اُٹھنے والا گرد و غبار چلا گیا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی ناک کو جہنم کی آگ کے دھوئیں سے محفوظ فرمادیں گے۔(تحفۃ الاحوذی:۷/۱۶۱' دلیل الفالحین ص:۲/۷)

قیامت کے دن سات قسم کے لوگ عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لا ظِلَّ إلاَّ ظِلُّهُ : إمَامٌ عَادِلٌ ، وَشَابٌ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ تَعَالَى ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ ، وَرَجُلاَنِ تَحَابّا فِي الله اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وتَفَرَّقَا عَلَيْهِ ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَال، فَقَال: إنِّي أخَافُ الله، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُه مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ الله خَالِياً ففاضت عَيْنَاهُ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ:''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات قسم کے آدمی قیامت کے دن اللہ کے سایہ میں ہوں گے جب کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

۱-انصاف کرنے والا حاکم۔ ۲-وہ نوجوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو۔

۳-وہ آدمی جس کا دل مساجد کے ساتھ معلق رہتا ہے۔

۴-وہ دو آدمی جن کی آپس میں محبت اللہ کے لئے ہو اسی پر ان کا اجتماع برقرار رہتا ہے اور اسی پر دونوں کی جدائی ہوتی ہے۔

۵-وہ آدمی جس کو خاندانی اور حسن و جمال والی کوئی عورت گناہ کی طرف دعوت دے اور وہ جواب دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

۶-وہ آدمی جو اس قدر خفیہ طور سے صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

۷-وہ آدمی جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔''(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: یہ حدیث اگرچہ "باب فضل الحب فی اللہ" گزر چکی ہے اس باب میں دوبارہ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے خوف سے رونا یہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ دلائے گا۔

یہ آنسو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس قدر قیمتی ہیں کہ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ کی امت میں کوئی ایسا بھی ہے جو بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہو۔(فضائل ذکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوفِ خدا کی کیفیت

وعن عبد الله بن الشِّخِّير رضي الله عنه ، قَالَ : أتيتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي ولِجَوْفِهِ أَزيزٌ كَأَزيزِ المِرْجَلِ مِنَ البُكَاءِ . حديث صحيح رواه أبو داود والترمذي في الشمائل بإسناد صحيح .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں سے رونے کی آواز اس طرح آرہی تھی جس طرح ہانڈی کے پکنے کی آواز آتی ہے۔(یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اپنی شمائل میں بسند صحیح ذکر کیا ہے)

راوی کے حالات: حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی عامر کے وفد میں شامل ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان سے چھ احادیث مروی ہیں۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبی ہیں۔ حضرت جبریل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آتے تھے۔ اللہ سبحانہ کے جلال و جمال کا جو شعور و احساس اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو سکتا ہے وہ دنیا کے کسی انسان کو نہیں ہو سکتا اور جن امور غیب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلع تھے ان پر کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: "لأخشاكم لله وأتقاكم له" "میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کی خشیت اختیار کرنے والا اور اس کا سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔"

غرض اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت کا اثر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گریہ فرماتے اور یہ گریہ وزاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت تھی۔(تحفۃ الاحوذی: ۱۰/۵۴۰، دلیل الفالحین: ۲/۲۹۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سورت منفکین سنائی

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لأُبَي بن كعب

رضي الله عنه : ((إنَّ الله عز وجل أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ : ﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَروا ...﴾ قَالَ : وَسَمَّانِي ؟ قَالَ : ((نَعَمْ)) فَبَكَى أُبَيٌّ . متفقٌ عَلَيْهِ .

وفي رواية : فجعل ابى يبكى.

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے ”لم یکن الذین کفروا الآیة“ سورت تلاوت کروں۔ حضرت ابی نے عرض کیا، کیا اللہ عزوجل نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں (یہ سنتے ہی) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔“

حدیث کی تشریح: لِاُبَیّ بْنِ کَعْبِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ میرا قرآن سنو، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہؓ میں سب سے بڑے قاری تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: ”اَقْرَأُکُمْ“ کہ ابی بن کعب تم میں سب سے بڑے قاری ہیں۔

سَمَّانِیْ: کہ کیا اللہ عزوجل شانہ نے میرا نام لیا ہے۔ خاص طور سے اللہ نے نام لیا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ یہ سوال حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی عاجزی وانکساری کی وجہ سے کیا کہ میں اس لائق ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ نے بطور خاص میرا نام لے کر کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے تلاوت کریں۔

بعض محدثین رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ازراہ ذوق و لذت کے دوبارہ پوچھا کہ کیا اللہ نے کہا؟ تاکہ اس سے پہلے جو لذت محسوس ہوئی ہے وہ دوبارہ بھی ملے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی سے رونے لگے۔

فَبَکَی: اس بات کو سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ رونا بطور خوشی کے تھا۔

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شیخین رضی اللہ عنہما کو رُلانے کا واقعہ

وعنه قال: قال ابو بكر لعمر رضى الله عنهما بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم انطلق بنا الى ام ايمن رضى الله عنها نزورها كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزورها، فلما انتهينا اليها بكت" فقالا لها: ما يبكيك؟ اما تعلمين ان ما عندالله تعالىٰ خير لرسول الله صلى الله عليه وسلم قالت، انى لا ابكى انى لا اعلم ان ما عندالله خير لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولكنى ابكى ان الوحى قد انقطع من السماء فهيجتهما على البكاء فجعلا يبكيان معها. رواه مسلم وقد سبق فى باب زيارة اهل الخير.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چلو ہم ام ایمن سے ملاقات کے لیے چلتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ ان دونوں حضرات نے کہا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ کے یہاں ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ خیر ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ جو اللہ کے یہاں ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ خیر ہے میں تو اس بات پر روتی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس بات کو سن کر ان دونوں کو بھی رونا آگیا اور یہ بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ (مسلم)

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد آگئے اور یہ بات یاد آگئی کہ کتنی بڑی خیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے امت کے لیے وابستہ تھی اور کس قدر خیر و برکات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے قائم تھیں جو باقی نہ رہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں سے لوگوں کے لیے جو خیر وابستہ ہوتی ہے اور ان کے چلے جانے سے اہل دنیا ان کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں اس پر اللہ والوں کو رنج و افسوس ہوتا ہے کہ ہم خیر سے محروم ہو گئے۔ یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۲۹۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین بنایا تھا

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : لَمَّا اشْتَدَّ برسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ ، قِيلَ له في الصَّلاَةِ ، فقال : ((مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ)) فقالت عائشة رضي الله عنها : إنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ ، إِذَا قَرَأَ القُرْآنَ غَلَبَهُ البُكَاءُ ، فقال :((مُرُوهُ فَلْيُصَلِّ)). وفي رواية عن عائشة ، رضي الله عنها ، قالت : قلت : إنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ البُكَاءِ . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھانے کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر کو کہو کہ وہ نماز پڑھائے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: کہ حضرت ابو بکر نرم دل آدمی ہیں، جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ابو بکر کو ہی کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ بیان فرماتی ہیں: ابو بکر جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرآن نہیں سنا سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ:

یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمایا تھا، اسی حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جب شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا کیا ہم اس کو اپنی دنیا کے لئے پسند نہیں کریں گے؟ اس لئے ہم اسے اپنے دین و دنیا دونوں کا امیر اور خلیفہ بنائیں گے اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنا خلیفہ بنایا، کہ جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک میں مصلیٰ پر کھڑا کر دیا تو اس میں اشارہ کر دیا کہ میرے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی یہی تمہارا امام ہو گا۔

لَمْ یُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُکَاءِ: ان کے رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز سنانے سے (ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قاصر رہیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص وصف تھا کہ قرأت قرآن کے وقت وہ بہت روتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ میں انتہائی نرم دل تھے جب قرآن مجید پڑھتے تو اس قدر متاثر ہوتے کہ بے اختیار رونے لگتے۔

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے کفن کا نا کافی ہونا

وعن إبراهيم بن عبد الرحمان بن عوف : أنَّ عبد الرحمان بن عوف رضي الله عنه أُتِيَ بطعلم وكان صائِماً ، فقال : قُتِلَ مُصْعَبُ بن عُمَيْر رضي الله عنه ، وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي ، فَلَمْ يوجَدْ له مَا يُكَفَّنُ فيهِ إلاَّ بُرْدَةٌ إنْ غُطِّيَ بِهَا رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلاهُ ؛ وَإنْ غُطِّيَ بِهَا رِجْلاهُ بَدَا رَأْسُهُ ، ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ أَو قَالَ : أُعْطِينَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِينَا قَدْ خَشِينا أنْ تَكُونَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ، ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي حَتَّى تَرَكَ الطعَام . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے ان کے سامنے افطار کے لئے کھانا لایا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مصعب شہید کر دیئے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے۔ ان کے لئے کفن میسر نہ تھا ایک چادر تھی اگر سر ڈھانپ دیا جائے تو پیر کھل جائیں اور اگر پیر ڈھانپ دیئے جائیں تو سر کھل جائے۔ پھر دنیا کو ہمارے لئے وسیع کر دیا گیا۔ یا انہوں نے کہا کہ پھر ہم کو دنیا کی فراخی عطا کر دی گئی۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا گیا۔ اس کے بعد وہ رونے لگے اور کھانا بھی چھوڑ دیا۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ایک روز آپ روزے سے تھے' افطار کے وقت آپ کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ اس وقت تک جو اللہ کی نعمتوں کی فراوانی ہو چکی تھی ان کا خیال کر کے آپ کا خیال اس دور کی طرف چلا گیا جب مسلمان عسرت و تنگی کی زندگی گزار رہے تھے اور اسی حوالہ سے حضرت مصعب بن عمیر یاد آگئے جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مصعب مجھ سے بہتر تھے مگر انہیں پورا کفن میسر نہ تھا' ایک چادر تھی سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے پیر ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس دور کا اس دور سے موازنہ کیا اور انہیں یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم نے اسلام کے دور میں جو نیکیاں کیں ان کا اجر و ثواب دنیا ہی میں ہمیں دیا جا رہا ہے اس پر آپ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ کھانے سے بھی دست کش ہو گئے۔ (فتح الباری: ۱/۶۶۷' دلیل الفالحین: ۲/۳۰۰)

دو قطرے اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں

وعن أبي أُمَامَة صُدَيِّ بن عجلان الباهلي رضي الله عنه ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلى اللهِ تَعَالَى مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ : قَطْرَةُ دُمُوعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ ، وَقَطْرَةُ دَمٍ تُهَرَاقُ فِي سَبِيلِ اللهِ. وَأَمَّا الأَثَرَانِ : فَأَثَرٌ فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالَى، وَأَثَرٌ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ تَعَالَى " رواه الترمذي ، وقال : " حديثٌ حسنٌ ".

ترجمہ: حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے' آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے آنکھ سے ٹپک پڑے اور قطرۂ خون جو اللہ کے راستے میں بہا دیا جائے اور دو نشانوں میں سے ایک وہ نشان جو اللہ کے راستے میں لگ جائے اور دوسرے وہ نشان جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کو پورے کرتے ہوئے پہنچے۔ (اس حدیث کو ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حسن کہا ہے)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد ہوا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشان بہت پسند ہیں۔ ایک قطرہ آب جو کسی صاحب ایمان و تقویٰ کی آنکھ سے خشیت الٰہی سے نکل آئے۔ دوسرا قطرہ خون جو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے شہید کے بدن سے بہہ نکلے اور دو نشانوں میں سے ایک اللہ کے راستے میں جہاد میں کوئی زخم مجاہد کے جسم پر آجائے اور وہ نشان جو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرض پورا کرنے میں جسم پر لگ جائے۔ جیسے مسجد کی طرف جانے یا حج پر چل کے جانے میں پیروں پر نشان' یا سردی میں وضو سے ہاتھ پیروں کا پھٹنا یا وضو کے پانی کا جسم پر باقی رہنا' گرم پتھریلی زمین پر پیشانی کا پھٹ جانا اور روزہ دار کے منہ میں بو ہو جانا وغیرہ۔ غرض چھوٹا بڑا کوئی نشان جو اللہ کی بندگی میں جسم پر رہ جائے وہ اللہ کو بہت محبوب ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۵/۳۰۵' روضۃ المتقین: ۲/۱۱)

وفي الباب أحاديث كثيرة منها :حديث العرباض بن سارية رضي الله عنه ، قَالَ : وعظنا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ موعظةً وَجلَتْ منها القُلُوبُ ، وذرفت منها الْعُيُونُ . وقد سبق في باب النهي عن البدع .

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی پر اثر نصیحت فرمائی کہ ہمارے دل کانپ اٹھے اور ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث خشیت الٰہی سے رونا ہے۔ اس باب میں متعدد احادیث اس موضوع پر آئی ہیں اور یہ حدیث کا ایک حصہ ہے۔ مکمل حدیث اور اس کی شرح **باب فی الامر بالمحافظة علی السنة وآدابها** میں گزر چکی ہے۔ (روضۃ المتقین: ۲/ ۱۴)

....

باب فضل الزهد في الدنيا والحث عَلَى التقلل منها وفضل الفقر

زہد کی فضیلت، دنیا کم حاصل کرنے کی ترغیب اور فقر کی فضیلت

دنیا کی مثال زمین کے سبزہ کی طرح ہے

قَالَ الله تَعَالَى : ﴿ إنَّمَا مَثَلُ الحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاء أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّماء فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ والأَنْعَامُ حَتَّى إذَا أَخَذَتِ الأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيهَا أَتاهَا أمْرُنَا لَيْلاً أَوْ نَهاراً فَجَعَلْنَاهَا حَصِيداً كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بالأَمْسِ كَذلِكَ نُفَصِّلُ الآياتِ لِقَوْمٍ يَتفَكَّرُونَ ﴾ [يونس : ٢٤]

ترجمہ: ”دنیا کی زندگی کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا، پس اس سے زمین کا سبزہ، جس کو لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلا یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور خوب مزین ہوئی اور زمین کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ ہم اب اس پر بالکل قابض ہو گئے ہیں تو اس حالت میں دن یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا تو وہ ایسی ہو گئی گویا بالکل یہاں پر کچھ بھی نہ تھا، ہم اسی طرح صاف صاف نشانیوں کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

تفسیر: آیت بالا میں دنیوی زندگی کو ایک عبرت ناک مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے کہ زمین خوب اچھی ہے اور خوب وافر مقدار میں پانی بھی ہے اس بنا پر خوب اچھی کھیتی ہوئی اور جب خوب کھیتی یا پھل پیدا ہو گیا تو اب کھیت کے مالک نے سمجھا کہ اب خوب مزے آئیں گے پھر اچانک اللہ کی طرف سے کھیت پر آفت ایسی آئی جس نے اس کھیت کو مکمل طور سے اس طرح جڑ سے ختم کر دیا گویا کہ یہاں پر کبھی کوئی کھیتی بھی نہ تھی، یہی مثال دنیوی زندگی کی ہے۔

وقال تعالى : ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيماً تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِراً الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَاباً وَخَيْرٌ أَمَلاً ﴾ [الكهف : ٤٥-٤٦] .

ترجمہ:"ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کردو جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا ہے۔ پس اس کے ساتھ زمین کا سبزہ مل گیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی ایک رونق ہے اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی (ہزار درجہ) بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی (ہزار درجہ) بہتر ہیں۔"

وقال تعالى : ﴿ اعْلَمُوا أَنَّمَا الحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الأَمْوَالِ وَالأَوْلاَدِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرّاً ثُمَّ يَكُونُ حُطَاماً وَفِي الآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلاَّ مَتَاعُ الغُرُورِ ﴾ [الحديد : ٢٠] ، وقال تعالى :

ترجمہ:"جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت و آرائش اور تمہارے آپس میں فخر اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے کثرت خواہش ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی کہ بارش کہ اس سے کھیتی کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر اے دیکھنے والے! تو اس کو دیکھتا ہے کہ وہ پک کر زرد پڑ جاتی ہے، پھر وہ چورہ چورہ ہوتی ہے اور آخرت میں کافروں کے لئے سخت عذاب اور مؤمنوں کے لئے خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو فریب کا سامان ہے۔"

تفسیر: اس حدیث میں دنیاوی زندگی اور دنیاوی حیات کا بیان کیا جارہا ہے کہ آدمی دنیاوی لذتوں میں منہمک ہو کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور آدمی دنیا کی پانچ چیزوں میں مشغول ہوتا ہے جن کو آیت بالا میں ترتیب کے ساتھ بیان کیا: (۱) لعب (۲) لہو (۳) زینت (۴) تفاخر (۵) مال و اولاد کی کثرت پر ناز وغیرہ۔

اسی مشغولیت میں آدمی منہمک رہتا ہے اور اس کی موت آجاتی ہے، پہلی چیز لعب، بچپن کا ایام میں ہر وہ کھیل جس میں عموماً کوئی فائدہ نہ ہو جیسے چھوٹے بچوں کی حرکتیں زندگی کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے۔ پھر لہو کا زمانہ ہوتا ہے لہو اس کھیل کو کہتے ہیں جس کا مقصد تفریح اور دل بہلانا اور وقت گزارنا ہو یا ضمنی طور سے کوئی ورزش وغیرہ کا فائدہ ہو۔ جوانی میں پھر زینت کا زمانہ شروع ہوتا ہے کہ اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر لگتی ہے۔ پھر تفاخر کا زمانہ کہ آدمی میں حرص پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں اور ہم عمروں سے آگے بڑھ جائے اور ان پر فخر جتلانے کا اس میں داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر آدمی بڑھاپے میں قدم رکھتا ہے تو اب اس میں مال کے جمع کرنے کی فکر اور اولاد کے ذریعے سے خوشی محسوس کرتا ہے۔

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ: کہا جارہا ہے کہ آدمی کے پانچ دور ختم ہو کر یہ عالم برزخ اور قیامت میں پہنچ جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کی فکر انہی ادوار میں کرنا چاہیے، اس کی مثال دی جارہی ہے۔ جیسے کہ بارش سے کھیتی اور

نباتات اُگتے ہیں اور ہری بھری ہوتی ہے جس کو دیکھ دیکھ کر کاشتکار خوش ہوتا ہے پھر وہ کھیتی خشک اور چورا چورا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تروتازہ حسین وخوبصورت ہوتا ہے اسی میں بچپن سے جوانی تک کے مراحل طے کر جاتا ہے پھر بڑھاپا آجاتا ہے بدن کا حسن وجمال ختم ہو جاتا ہے پھر آخر کار یہ مٹی کے اندر مل جاتا ہے۔

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٌ: دنیاوی زندگی میں اگر اللہ کو ناراض کر کے گیا تو اب اس کے لئے عذاب شدید کی وعید سنائی گئی ہے اگر راضی کر کے گیا تو اس کو مغفرت اور اللہ کی خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے کہ مغفرت کے بعد صرف جنت ہی نہیں ملے گی بلکہ اس دن تمام نعمتوں سے افضل چیز اللہ کی خوشنودی بھی ملے گی۔

وقال تعالى:﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالبَنِينَ وَالقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللهُ عِنْدَهُ حُسْنُ المَآبِ ﴾

ترجمہ۔ اور فرمایا: "لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزوں میں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت معلوم ہوتی ہے مگر یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔" (آل عمران:۱۴)

تفسیر: انسان کے لیے عورتوں، اولاد، سونا چاندی اور مال مویشی کی محبت کو خوبصورت اور دل آویز بنادیا گیا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ دنیا کا سارا نظام انسان کی ان چیزوں سے قلبی الفت اور تعلق سے وابستہ ہے۔ اگر انسان کی ان اشیاء سے محبت ختم ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام برہم ہو جائے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ دنیا دار الامتحان ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون باقی کو فانی پر ترجیح دیتا اور کون آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی متاع فانی پر ترجیح دیتا ہے اور عمل صالح کے ذریعے آخرت کی تیاری کرتا ہے اور کون دنیا کی اس ظاہری اور فانی دل کشی میں کھو کر اپنی عاقبت برباد کرتا ہے۔ (معارف القرآن، تفسیر مظہری، تفسیر عثمانی)

وقال تعالى: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلاَ تَغُرَّنَّكُمُ الحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلاَ يَغُرَّنَّكُمْ بِاللهِ الغَرُورُ ﴾

ترجمہ اور فرمایا: "اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور فریب دینے والا شیطان تم کو فریب نہ دے دے۔" (الفاطر:۵)

تفسیر: اس میں تمام عالم انسانیت کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کا وعدہ برحق اور سچا ہے دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی پُر فریب زندگی سے دھوکہ میں مبتلا ہو جاؤ اور شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا کر دے۔ یعنی ایک دن دنیا کی یہ بہار ختم ہو جائے گی اور یہ باغ اُجڑ جائے گا اور تمہیں اپنے اعمال کے حساب کے لیے پیش ہونا پڑے گا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی ابھی سے تیاری کی ضرورت ہے، دیکھو! شیطان تمہارا دشمن ہے وہ کہیں تمہیں کسی فریب میں نہ مبتلا کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

وقال تعالی : ﴿ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ﴾

ترجمہ اور فرمایا کہ: "تم کو مال کی بہتات نے غافل کر دیا' یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں' دیکھو! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا دیکھو! اگر تم جانتے یعنی علم الیقین رکھتے۔" (التکاثر:۱تا۵)

تفسیر: چھٹی آیت میں ارشاد ہوا کہ تمہاری ہلاکت اور بربادی کا اصل سبب تکاثر ہے اس نے تمہیں حقیقت سے غافل کر دیا اور ایسی گہری غفلت طاری کر دی کہ قبروں میں جا پڑے مگر آنکھ نہ کھلی۔ یعنی مال و دولت کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے اور نہ آخرت کی فکر۔ بس شب و روز یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو۔ یہ پردہ غفلت کا نہیں اُٹھتا اور موت آجاتی ہے۔ دیکھو مال و اولاد کام آنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ حقیقت عنقریب تم پر منکشف ہو جائے گی اور تم بالیقین جان لو گے کہ دنیا اور دنیا کی ہر شے فانی اور آخرت ہی دار البقاء ہے۔ (معارف القرآن' تفسیر عثمانی)

وقال تعالی: ﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴾ (العنکبوت ۶۴)

اور فرمایا: "اور یہ دنیا کی زندگی صرف کھیل اور تماشا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ سمجھتے۔"

والآيات في الباب كثيرة مشهورة. وأما الأحاديث فأكثر مِنْ أن تحصى فننبهُ بطرف منها علَى مَا سواه

تفسیر: ساتویں آیت میں فرمایا کہ دنیا کی زندگی تو بس لہو و لعب اور کھیل اور تماشا ہے یعنی جس طرح کھیل اور تماشا ایک وقتی دلچسپی کا مشغلہ ہوتا ہے اور اس کے ذرا دیر بعد ختم ہو جاتا ہے دنیا بھی ایک ذرا دیر کا شغل ہے اور پھر سب کچھ فنا کے گھاٹ اُتر جانے والا ہے اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے جو لافانی اور باقی رہنے والی ہے۔

اس مضمون سے متعلق آیات قرآن کریم میں بکثرت ہیں اور احادیث تو شمار سے بھی زیادہ ہیں جن سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

کثرت مال آخرت سے بے رغبت کر دیتا ہے

عن عمرو بن عوف الأنصاري رضي الله عنه : أَنَّ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا عبيدة بنَ الجَرَّاح رضي الله عنه إلَى الْبَحْرَيْن يَأْتِي بجزْيَتِهَا ، فَقَدِمَ بمَال مِنَ الْبَحْرَيْن ، فَسَمِعَتِ الأَنْصَارُ بقُدُومِ أَبي عُبَيْدَةَ ، فَوَافَوْا صَلاَةَ الْفَجْرِ مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَلَمَّا صَلَّى رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، انْصَرَفَ ، فَتَعَرَّضُوا لَهُ ، فَتَبَسَّمَ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَآهُمْ ، ثُمَّ قَالَ: ((أَظُنُّكُمْ سَمِعتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ مِنَ

الْبَحْرَيْنِ ؟)) فقالوا : أجل ، يَا رسول الله، فقال : ((أَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللهِ مَا الفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ ، وَلكِنِّي أَخْشَى أَنْ تُبْسَط الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا ، فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو بحرین کی طرف بھیجا تاکہ وہاں کا جزیہ وصول کر کے لائیں، پس وہ بحرین سے مال لے کر آیا۔ انصار نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی جب خبر سنی تو وہ فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تو انصار آپ کے سامنے آئے آپ ان کو دیکھ کر مسکرا پڑے اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے سنا ہے کہ ابو عبیدہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے ہیں، انصار نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خوش ہو جاؤ اور اس چیز کی اُمید رکھو جو تمہارے لئے خوشی کا باعث ہو گی اللہ کی قسم مجھے تمہاری فقیری کا اندیشہ نہیں ہے لیکن مجھے خوف رہتا ہے کہ تم پر بھی دنیا کی فراوانی اس طرح ہو جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی پس تم دنیا کی طرف رغبت کرنے لگو جیسا کہ انہوں نے رغبت کی تھی۔ پس دنیا تم کو بھی تباہ و برباد کر دے گی جیسا کہ دنیا نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔“

حدیث کی تشریح: مَا الْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَيْكُمْ: مجھے تمہارے بارے میں فقر کا خوف نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کشادگی اور وسعت آدمی کے لئے گمراہی اور غفلت کا زیادہ سبب بن جاتی ہے کیونکہ دنیا جب آتی ہے تو ساتھ میں اس سے محبت بھی ہونے لگتی ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے ”حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ“ دنیا کی محبت تمام گمراہی کی جڑ ہے۔ حضرت ابو حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے بچتے رہو قیامت کے دن آدمی کو میدان حشر میں کھڑا کر کے کہا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کو بڑا اور اچھا سمجھا جس کو اللہ جل شانہ نے حقیر بنایا تھا۔

اکثر علماء فرماتے ہیں کہ فقر سے مراد یہ ہے کہ ایسا فقر ہو جس سے آدمی کا گزر ہوتا ہو اگر زیادہ فقر ہو جو آدمی کو کفر سے ملا دے یہ مراد نہیں ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ”کاد الفقران یکون کفراً“ شدید تنگدستی کبھی ضعیف الایمان کو کفر تک پہنچا دینے کا سبب بن جاتی ہے۔

مال و دولت کی فراوانی فتنہ کا باعث ہے

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، قَالَ : جلس رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ ، وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ ، فقال : " إنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا " متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور ہم آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بعد جس چیز کا مجھے تمہارے بارے میں خوف ہے وہ دنیا کی زینت و آرائش ہے جس کا دروازہ تمہارے اوپر کھول دیا جائے گا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: مال و دولت وہ آسودگی اور فراخی جو دنیا کی محبت دل میں ڈال دیتی اور اس کا گرویدہ بنا دیتی ہے اور حرص و طمع میں مبتلا کرتی ہے چونکہ انسان کو اخلاقی اور روحانی طور پر تباہ کر دیتی ہے اور آخروی ہلاکت کا مستوجب بنا دیتی ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی مالی خوشحالی اور دنیاوی فراخی سے خوف کا اظہار فرمایا۔ اس میں اصل نکتہ مال کی محبت ہے جس قدر حب مال بڑھے گی اسی قدر اس کے اخلاقی اور دینی مفاسد میں اضافہ ہوگا اور اگر دنیا کی محبت دل میں پیدا نہ ہو اور اکتساب مال اور اس کے خرچ میں ان حدود کی رعایت رکھی جائے جو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی اور بکثرت فی سبیل اللہ انفاق کیا جائے تو مال کے ان مفاسد سے اللہ کے حکم سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ (مظاہر حق: ۴/۲۳۵)

دنیا اور اس کے فتنے سے بچو

وعنه: أن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ " رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا شیرین اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو پس دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک تنبیہ اور تحذیر ہے کہ اہل ایمان دنیا کے فتنوں میں نہ مبتلا ہو جائیں بلکہ دنیا کے بارے میں محتاط رہیں اور اعمال آخرت میں لگے رہیں۔ دنیا شیریں بھی ہے اور تر و تازہ بھی' جیسے کوئی بہت لذیذ پھل ہو جس میں لذت و شیرینی' خوبصورتی اور دلکشی' خوشبو اور مہک جمع ہو گئے ہوں اور انسان کی طبیعت میں اس کی شدید رغبت پیدا ہو جائے لیکن یہ لذت فانی ہے اور آنی ہے۔ اس کی خاطر دائمی اور باقی رہنے والی نعمتوں کا ضائع کر دینا خلاف عقل ہے۔ اس لیے چاہیے کہ دنیا کا برتنا اور اس میں تصرف کرنا اس طرح ہو جیسے ایک نائب اور خلیفہ کا ہوتا ہے کہ اس کا تصرف وہی ہوتا ہے جو اس کے مالک کا حکم ہوتا ہے' دنیا سراسر آزمائش ہے اور اس آزمائش میں نمایاں فتنہ عورت کا ہے اس لیے دنیا میں محتاط رہو اور عورت کے باب میں محتاط رہو۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۷/۴۶)

وعن أنس رضي الله عنه: أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " اللَّهُمَّ لاَ عَيْشَ إِلاَّ عَيْشَ الآخِرَةِ " متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: مراد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی فانی اور زائل ہونے والی جبکہ آخرت کی زندگی ابدی اور لافانی ہے اور مؤمن دنیا میں دنیا کے لیے نہیں جیتا بلکہ اس کی دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے بنانے اور سنوارنے کے لیے ہے کہ آخرت کی زندگی ابدی اور سرمدی ہے اور وہ دار القرار اور دار البقاء ہے نہ وہاں دنیا کا رنج و غم نہ فکر و پریشانی نہ تردد و حیرانی بلکہ وہاں کی زندگی عیشة راضية مرضية کی تصویر ہے اس لیے فرمایا اے اللہ! زندگی در حقیقت آخرت کی زندگی ہے۔

خندق کی کھدائی کے موقع پر صحابہ کرامؓ خندق کھود رہے تھے اور خندق کی مٹی اپنی پیٹھ پر لاد کر لے جا رہے تھے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے" اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ خندق کھودتے ہوئے صحابہ کرامؓ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

نحن الذين بايعوا محمّداً علىٰ الجهاد ما حيينا ابداً

"ہم نے محمد سے بیعت کی ہے جہاد کی جب تک ہم زندہ ہیں۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰهُمَّ لاعيش الاعيش الآخرة فاكرم الانصار والمهاجرة

"اے اللہ! زندگی نہیں ہے مگر آخرت کی زندگی تو انصار اور مہاجرین کو عزت عطا فرما۔" (فتح الباری: ۲/۹۴۴، عمدۃ القاری: ۱۷/۳۶۲)

میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں اور دو واپس لوٹ آتی ہیں

وعنه ، عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلاثَةٌ : أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ : فَيَرْجِعُ اثْنَان ، وَيَبْقَى وَاحِدٌ : يَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيبْقَى عَمَلُهُ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں میت کے پیچھے جاتی ہیں (۱) اس کا اہل و عیال (۲) اس کا مال (۳) اور اس کا عمل۔ پھر دو چیزیں تو واپس آجاتی ہیں اور ایک باقی رہ جاتی ہے اس کے اہل و عیال اور اس کا مال واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلاثَةٌ: تین چیزیں میت کے ساتھ جاتی ہیں اس کے گھر والے اس کا مال اور اس کا عمل۔

شبہ: میت کے ساتھ قبر تک مال تو نہیں لے جاتے؟

ازالہ: عرب کے دستور کے اعتبار سے ہے کہ وہاں پر میت کے مال کو بھی قبرستان لے جاتے تھے۔ (روضۃ المتقین)

یبقی عمله: صرف عمل ساتھ رہتا ہے باقی چیزیں واپس آجاتی ہیں۔ علامہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ انسان جب اس دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی پہلی منزل قبر میں پہنچتا ہے تو وہاں سے وہ مرحلہ شروع ہو جاتا ہے جہاں سے عزیز واقارب، دوست واحباب، مال ودولت سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اب اس کے ساتھ صرف اعمال باقی رہ جاتے ہیں جو اس نے دنیا میں کئے تھے شاید اسی وجہ سے کہا گیا ہے: "القبر صندوق العمل" یعنی قبر اعمال کا صندوق ہے۔ (مظاہر حق جدید) بقول شاعر ۔

۔یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھل گئی

بعض محدثین فرماتے ہیں حدیث بالا میں نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے یہی ساتھ رہنے والے ہوں گے۔

جنت میں غوطہ لگانے کے بعد آدمی دنیا کے مصائب کو بھول جائیگا

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ القِيَامَةِ ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ، ثُمَّ يُقَالُ : يَا ابْنَ آدَمَ ، هَلْ رَأَيْتَ خَيْراً قَطُّ ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ ؟ فَيَقُولُ : لاَ وَاللهِ يَا رَبِّ ، وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤساً فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ ، فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الجَنَّةِ ، فَيُقَالُ لَهُ : يَا ابْنَ آدَمَ ، هَلْ رَأَيْتَ بُؤساً قَطُّ ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ ؟ فَيَقُولُ : لاَ وَاللهِ ، مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ ، وَلاَ رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت جہنمیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ نعمتوں والا ہوگا اسے جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر کہا جائے گا کہ فرزند آدم کیا تو نے دنیا میں کوئی بھلائی دیکھی تھی کیا تجھے دنیا میں کوئی نعمت ملی تھی۔ وہ کہے گا نہیں اللہ کی قسم اے میرے رب۔ پھر جنتیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا وہ دنیا میں سب لوگوں سے زیادہ دکھی ہوگا۔ اسے جنت کا ایک غوطہ دیا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا اے فرزند آدم تو نے کبھی کوئی دکھ دیکھا ہے کبھی تیرے اوپر کوئی سخت وقت گزرا ہے۔ وہ کہے گا نہیں اللہ کی قسم اے میرے رب نہ میں نے کبھی کوئی دکھ دیکھا اور نہ مجھ پر کبھی سخت وقت گزرا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: دنیا کی جن نعمتوں کے پیچھے آدمی دیوانہ وار دوڑتا ہے اور اس کے حصول کی خاطر ہر برائی کا ارتکاب کرتا ہے اس کی حقیقت مرنے کے بعد اتنی سی ہوگی کہ جو شخص دنیا میں سب سے زیادہ منعم ہوگا اسے ذرا سا جہنم کا مزہ چکھایا جائے گا اور وہ دنیا کی عیش اس طرح بھول جائے گا جیسے یہاں اسے کبھی کوئی نعمت ملی ہی نہ تھی اور جو شخص یہاں دشواریوں اور تکالیف میں زندگی گزار رہا ہوگا اور اس نے کبھی کوئی راحت نہ دیکھی ہوگی اسے ذرا سی جنت کی جھلک دکھائی جائے گی وہ دنیا کی ہر کلفت اور مشقت کو بھول جائے گا اور کہے گا کہ میں نے دنیا میں کوئی مشقت اور کلفت نہیں دیکھی۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۲۲/۱۷، روضۃ المتقین: ۱۹/۲)

دنیا کی مثال انگلی میں لگے ہوئے پانی کے مثل ہے

وعن المُسْتَوْرِد بن شَدَّاد رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إلاَّ مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ أُصْبُعَهُ فِي اليَمِّ((٤))، فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ!)) رواه مسلم.

ترجمہ: "حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی دریا میں ڈبوتا ہے تو وہ دیکھے انگلی کتنے پانی کے ساتھ واپس آئی ہے۔"

حدیث کی تشریح: مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلاَّ مِثْلَ مَا يُجْعَلُ: مطلب حدیث شریف کا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکال لے پھر اس کی انگلی سمندر سے صرف تری یا ایک آدھ قطرہ ہی پانی کا لائی ہوگی۔ پس اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی نعمتیں اسی قدر قلیل و کم ہیں۔

بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ مثال بھی صرف تمثیل اور سمجھانے کے لئے دنیا کی تمام چیزیں متناہی ہیں اس کے مقابلے میں آخرت کی نعمتیں غیر متناہی ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ دنیا کی نعمتیں ملنے پر نہ تو وہ متکبر اور مغرور ہو اور دنیا کی مصیبتوں اور پریشانیوں کو برداشت کر کے شکوہ نہ کرے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ اِلاَّ عَيْشُ الْآخِرَةِ" اصل زندگی تو بس آخرت کی ہی زندگی ہے۔

دنیا کی مثال مردہ بکری کے بچے سے گھٹیا ہے

وعن جابر رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بالسُّوق وَالنَّاسُ كَنَفَتَيْهِ ، فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ ، فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ، ثُمَّ قَالَ : " أَيُّكُم يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ هَذَا لَهُ بِدرْهَمٍ ؟ " فقالوا : مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهِ ؟ ثُمَّ قَالَ : " أَتُحِبُّونَ أَنَّهُ لَكُمْ ؟ " قَالُوا : وَاللهِ لَوْ كَانَ حَيّاً كَانَ عَيْباً ، إِنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ ! فقال : " فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ " رواه مسلم .

قوله ((كنفتيه)) اى : عن جانبيه و ((الاسك)) الصغير الاذن

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے اور آپ کے دونوں طرف لوگ تھے تو آپ ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے۔ جو چھوٹے چھوٹے کانوں والی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کان پکڑتے ہوئے فرمایا: تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ یہ مردہ بچہ اس کو ایک درہم میں دے دیا جائے صحابہؓ نے عرض کیا ہم اس بچے کو کسی بھی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتے اور ہم اس کو لے کر کیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ یہ بچہ تمہیں بلا عوض دے دیا جائے۔ صحابہؓ نے جواب دیا اگر یہ

زندہ ہوتا تب بھی عیب دار تھا اس لئے کہ اس کے کان چھوٹے چھوٹے ہیں اب کس طرح ہم اسے پسند کر سکتے ہیں جب کہ یہ مرا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس قدر یہ بکری کا بچہ تمہاری نظر میں ذلیل ہے"۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: دنیا اللہ کی نظر میں ایک عیب دار مردار بکری کے بچے سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے اس لیے دانائی یہ ہے کہ دنیا سے دل لگا کر آخرت کھوٹی نہ کی جائے اور یہ دنیا اس قابل نہیں ہے کہ آدمی اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرے اس پر وقت صرف کرے یا اس کی قیمت ادا کرے کہ اس ساری دنیا کی قیمت ایک درہم بھی نہیں ہے۔ (روضۃ المتقین: ۲/۲۰، دلیل الفالحین: ۲/۳۱۵)

احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میں صدقہ کر دوں گا

وعن أبي ذر رضي الله عنه ، قَالَ : كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في حَرَّةٍ((٢)) بالْمَدِينَةِ ، فَاسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ ، فقال : ((يَا أَبَا ذَرٍّ)) قلت : لَبَّيْكَ يَا رسولَ الله . فقال : ((مَا يَسُرُّنِي أنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هَذَا ذَهَباً تَمْضي عَلَيَّ ثَلاثَةُ أيَّامٍ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ ، إلاَّ شَيْءٌ أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ ، إلاَّ أنْ أقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ الله هكذا وَهكَذَا وَهكَذَا)) عن يَمِينِهِ وعن شِمَالِهِ وَمِنْ خَلْفِهِ ، ثُمَّ سَارَ ، فقال : ((إنَّ الأَكْثَرِينَ هُمُ الأَقَلُّونَ يَوْمَ القِيَامَةِ إلاَّ مَنْ قَالَ بالمَالِ هكَذَا وَهكَذَا وَهكَذَا)) عن يمينِهِ وعن شِمَالِهِ ومنْ خَلْفِهِ ((وَقَلِيلٌ مَاهُمْ)) . ثُمَّ قَالَ لِي : ((مَكَانَكَ لاَ تَبْرَحْ حَتَّى آتِيكَ)) ثُمَّ انْطَلَقَ فِي سَوادِ اللَّيْلِ حَتَّى تَوارَى ، فَسَمِعْتُ صَوتاً ، قَدِ ارْتَفع ، فَتَخَوَّفْتُ أنْ يَكُونَ أحَدٌ عَرَضَ للنَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأَرَدْتُ أنْ آتِيهِ فَذَكَرتُ قَوْله : ((لا تَبْرَحْ حَتَّى آتِيكَ)) فلم أَبْرَحْ حَتَّى أتَانِي ، فَقُلْتُ : لَقَدْ سَمِعْتُ صَوتاً تَخَوَّفْتُ مِنْهُ ، فَذَكَرْتُ لَهُ ، فقال : ((وَهَلْ سَمِعْتَهُ ؟)) قلت : نَعَمْ ، قَالَ : ((ذَاكَ جِبريلُ أتَانِي . فقال : مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لاَ يُشْرِكُ باللهِ شَيْئاً دَخَلَ الْجَنَّةَ)) ، قلت : وَإنْ زَنَى وَإنْ سَرَقَ ؟ قَالَ : ((وَإنْ زَنَى وَإنْ سَرَقَ)) متفقٌ عَلَيْهِ ، وهذا لفظ البخاري .

ترجمہ: "حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی پتھریلی زمین پر چل رہا تھا کہ ہمیں احد پہاڑ نظر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو پھر مجھ پر تین ایسے گزر جائیں کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس موجود ہو سوائے اتنی رقم کے جس کو میں قرض کی ادائیگی کے لئے رکھوں مگر اسے اللہ کے بندوں میں

اس طرح، اس طرح اور اس طرح تقسیم کردوں، آپ نے دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف اشارہ فرمایا پھر آپ چلے اور فرمایا: زیادہ مال و دولت والے ہی قیامت کے دن اجر و ثواب میں کم ہوں گے مگر وہ لوگ جو اپنے مال کو اس طرح، اس طرح اور اس طرح اپنے دائیں، بائیں اور پیچھے خرچ کریں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اپنی جگہ ٹھہرے رہو جب تک میں نہ آؤں یہیں رہنا۔ پھر آپ رات کے اندھیرے میں چلے گئے یہاں تک کہ آپ نظروں سے اوجھل ہوگئے پھر میں نے ایک زور دار آواز سنی مجھے اندیشہ ہوا کہ کوئی دشمن آپ کے درپے تو نہیں ہوگیا؟ چنانچہ میں نے آپ کے پاس جانے کا ارادہ کیا لیکن مجھے آپ کی بات یاد آگئی کہ میرے آنے تک یہاں سے نہ ہٹنا۔ پس میں وہیں رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آگئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے ایک آواز سنی تھی جسے میں سن کر گھبرا گیا اور ساری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے وہ آواز سنی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ جبرائیل تھے جو میرے پاس آئے اور کہا کہ جو شخص تمہاری امت میں سے اس حال میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہ قرار دیتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے۔ بخاری و مسلم (یہ لفظ بخاری کے ہیں)۔"

حدیث کی تشریح: أَنَّ عِنْدِیْ مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا: میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو۔ مگر میں ان سب کو صدقہ کردوں گا۔ اس جملہ میں بھی ترغیب ہے دنیا میں کم سے کم مال و اسباب کو رکھا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کو اپنا سردار نہ بناؤ، یہ تمہیں اپنا غلام بنا لے گی اپنا خزانہ ایسی پاک ذات کے پاس محفوظ کردو جہاں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے دنیا کے خزانوں میں اضاعت کا اندیشہ ہر وقت رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانہ پر کوئی آفت نہیں ہوگی۔

الاشیء ارصده لدین: ہاں اتنا کہ جو میں قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال کر رکھوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض کی ادائیگی کے لئے رقم کو سنبھال کر رکھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے کیونکہ نفلی صدقے سے ادائیگی قرض زیادہ ضروری ہے۔ (نزہۃ المتقین)

مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو شخص مرے اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بھی کرے اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے اسے معاف کردیں یا سزا بھگتنے کے بعد بالآخر جنت میں چلا جائے گا یا یہ کہ اس نے مرنے سے پہلے کبیرہ گناہوں سے خالص توبہ کرلی ہو۔

قرض کے مال کو روک کر رکھنا اور بقیہ صدقہ کر دینا

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَباً ، لَسَرَّنِي أنْ لاَ تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلاَثُ لَيالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إلاَّ شَيْءٌ أرْصُدُهُ لِدَيْن)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا بھی ہو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ میری تین راتیں اس حال میں نہ گزریں کہ اس میں سے میرے پاس کچھ باقی ہو سوائے اتنے حصے کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال کر رکھ لوں۔'' (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: لَوْ كَانَ لِيْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَباً: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو۔ اس جملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے مال کو اپنے پاس رکھنا بالکل ہی پسند نہ تھا۔

بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمنا کا اظہار فرمارہے ہیں کہ اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو میں صدقہ کر دیتا اس میں آپ کی نیک آرزو اور خواہش کا اظہار ہے نیک کام میں اس طرح کی تمنا کرنا مستحسن ہے۔

اُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ: قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال کر رکھ لوں۔ قرض کو ادا کرنا فرض ہے اور صدقہ کرنا نفل ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرض کی وجہ سے بقدر قرض اپنے پاس مال رکھوں گا اس کے علاوہ جو کچھ ہوگا سب کو خرچ کر دوں گا۔

مسند احمد کی روایت میں بھی الفاظ زیادہ واضح ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں:

الا شی ء ارصده فی دین یکون علی: مگر اتنا میں سنبھال کر رکھوں گا جتنا میرے اوپر قرض ہوگا۔ (روضۃ المتقین)

دنیا میں اپنے سے کم حیثیت لوگوں کو دیکھنا چاہیے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " انْظُرُوا إلَى مَنْ هُوَ أسْفَلَ مِنْكُمْ وَلاَ تَنْظُرُوا إلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ ؛ فَهُوَ أجْدَرُ أنْ لاَ تَزْدَرُوا نِعْمَةَ الله عَلَيْكُمْ " متفقٌ عَلَيْهِ ، وهذا لفظ مسلم . وفي رواية البخاري : " إذَا نَظَرَ أحَدُكُمْ إلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي المَالِ وَالخَلْقِ ، فَلْيَنْظُرْ إلَى مَنْ هُوَ أسْفَل مِنْهُ " .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہیں اور ان لوگوں کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہیں یہ بہتر طریقہ ہے اس بات کا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو کم نہ سمجھو۔ (متفق علیہ)

یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال میں اور حسن میں اس سے بڑھا ہوا ہو تو وہ اس آدمی کو بھی دیکھے جو اس سے نیچے ہو۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک دانش و حکمت کا ایک بڑا ذخیرہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جس کو اللہ نے تم پر فضیلت دی ہے یعنی وہ صحت و حسن میں تم سے زیادہ ہے یا خاندان اور اولاد میں زیادہ ہے یا اس کے پاس مال تم سے زیادہ ہے تو تم اس آدمی کی طرف بھی نظر کرو جو دنیا کی حیثیت میں تم سے کم ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر تم اپنے سے زیادہ مالدار اور منعم کو دیکھو گے تو جن نعمتوں سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے وہ تمہیں کم اور بے حقیقت محسوس ہوں گے اور یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے اس لیے اس کی تلافی یہ ہے کہ پھر تم اس شخص کو بھی دیکھو جو نعمتوں کے اعتبار سے تم سے کم ہو تاکہ پھر تم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤ کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے پاس اس شخص سے زیادہ نعمتیں ہیں حالانکہ جو نعمتیں اللہ نے تمہیں دی ہیں تم اگر ان کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا" اور حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "مالداروں سے میل ملاپ کم رکھو کہ اس طرح تم اللہ کی نعمتوں کی ناشکری سے بچ جاؤ گے۔"

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث مبارک بہت عمدہ مضامین اور نفیس معانی پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ جب بھی انسان اپنے سے کمتر انسان کی طرف دیکھے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ دنیا میں بے شمار لوگ ہیں جو ان نعمتوں سے محروم ہیں جو اس کو حاصل ہیں اور اس احساس کے ساتھ اس میں جذبہ شکر بیدار ہوگا اور شکر پر اللہ تعالیٰ مزید نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ جیسا کہ وعدہ الٰہی ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا)۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے جد سے روایت کرتے ہیں کہ "جس شخص میں دو خوبیاں ہیں وہ اللہ کے یہاں صابر و شاکر لکھا جائے گا جو دنیا میں کسی کو اپنے سے کمتر دیکھے تو اپنے پاس موجود اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے اور جو دین میں اپنے سے بلند نظر آئے تو اس کی پیروی کرے۔ (فتح الباری: ۲/۲۰۱۲، روضۃ المتقین: ۲/۳۲۳، دلیل الفالحین: ۲/۳۲۰)

مال و متاع پر خوش رہنے والے پر وعید

وعنه، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ ، وَالدِّرْهَمِ ، وَالقَطِيفَةِ، وَالخَمِيصَةِ ، إنْ أُعْطِيَ رَضِيَ ، وَإنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برباد ہوا وہ آدمی جو مال و متاع کا غلام ہے مل گیا تو خوش ہوا اور نہ ملا تو ناراض۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: مال و دولت اور لباس و زیبائش کی ایسی محبت کہ آدمی پیسے کا اور اپنے لباس و آرائش تن کا غلام بن کر رہ جائے۔ ایسا آدمی جو اس طرح دنیا کا بندہ غلام بن جائے تو گویا فانی اشیاء میں اپنا دل لگائے ہوئے اور آخرت کی

لافانی نعمتوں سے غافل ہے۔ غرض مال ومتاع کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اس کی غلامی میں مبتلا ہونا ہے جو ایک اخلاقی اور دینی برائی ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ اشیاء کا جمع کرنا بھی برا ہے اور دولت کی نمائش اور اس پر افتخار بھی برائی ہے۔ دنیا ایک عارضی مستقر ہے اور اس کی ساری چیزیں عارضی ہیں اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ "وَاِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ" اس لیے ایک مومن کو چاہیے کہ دنیا میں دل لگانے کے بجائے آخرت کی تیاری کر لے۔ (فتح الباری: ۳۵۴/۳)

اصحابِ صفہ کی حالت

وعنه رضي الله عنه ، قَالَ : لَقَدْ رَأَيْتُ سَبعِينَ مِنْ أَهْلِ الصُّفَّةِ ، مَا منهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ : إمَّا إزارٌ ، وَإمَّا كِسَاءٌ ، قَدْ رَبطُوا في أعناقِهِمْ ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصفَ السَّاقَيْن ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الكَعْبَيْنِ ، فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَراهِيَةَ أنْ تُرَى عَوْرَتُهُ . رواه البخاري .

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ کے ستر آدمیوں کو دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک پر بھی پوری چادر نہ تھی یا صرف تہبند یا صرف چادر تھی جس کو انہوں نے اپنے گرد یوں لپیٹ رکھا تھا۔ بعض کو تہبند نصف پنڈلی تک تھی اور بعض کی ٹخنوں تک۔ پس وہ شخص جس کا تہبند چھوٹا تھا وہ اپنے تہبند کو اپنے ہاتھ کے ساتھ پکڑے رکھتا تا کہ اس کی ستر ظاہر نہ ہو جائے۔" (رواہ البخاری)

حدیث کی تشریح اَهْلُ الصُّفَّةِ: اصحاب صفہ، صفہ مسجد نبوی میں چبوترہ کا نام ہے اس میں علم دین حاصل کرنے والے صحابہؓ بیٹھا کرتے تھے یہ اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ یا درس گاہ تھی۔ یہ صحابہؓ اصحاب صفہ کہلاتے تھے ان کے کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ کچھ مل جاتا تو کھا لیتے۔

خدا کی راہ میں مٹ جا خدا کے نام پر بک جا — یہی ایسی تجارت ہے کہ جس کو بے خطر پایا

اِمَّا اِزَارٌ وَاِمَّا كِسَاءٌ: ایک تہبند تھی یا چادر، اصحاب صفہ کے فقر کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کے پاس نہ کھانے کو کچھ ہوتا اور نہ ہی پہننے کو کچھ تھا صرف بقدر ضرورت ستر کو چھپایا ہوا تھا، ان اصحاب نے اپنی شہوات وخواہشات کو آخرت کے لئے محفوظ کر رکھا تھا جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص دنیا میں اپنی شہوتوں کو پورا کرتا ہے وہ آخرت میں اپنی خواہشات کے پورا کرنے سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور جو شخص دنیا میں زیب و زینت والے لوگوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ذلیل سمجھا جاتا ہے اور جو شخص کم سے کم روزی پر صبر و تحمل کرتا ہے وہ جنت الفردوس میں اعلیٰ ٹھکانہ پکڑتا ہے۔

مومن کی دنیوی زندگی ایک قید خانہ ہے

وعنه، قَالَ: قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ، وَجَنَّةُ الكَافِرِ" رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں مؤمن احکام الٰہی کا پابند ہے اس پر محرمات سے اور ممنوعات سے بچنا لازم ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رب چاہی زندگی گزارے، من چاہی زندگی نہ گزارے۔ یعنی مؤمن کی زندگی پابند ہے اور اس کی آزادی مفقود ہے اور یہی قید کا مفہوم ہے جبکہ کافر کو آزادی ہے جس طرح چاہے اپنی زندگی گزارے اور جو جی چاہے کرے تو گویا وہ جنت میں ہے۔

یا یہ کہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے اس عذاب کے مقابلے میں جس سے وہ آخرت میں دوچار ہوگا اور مؤمن کے لیے یہ دنیا قید خانہ ہے ان نعمتوں کے مقابلے میں جن سے وہ آخرت میں سرفراز ہونے والا ہے۔ (روضۃ المتقین: ۲/۲۵ نزہۃ المتقین: ۲/۴۰۴)

دنیا میں مسافروں کی طرح رہو

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : أخذ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبَيَّ ، فقال : " كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ ، أو عَابِرُ سَبِيلٍ ". وَكَانَ ابن عُمَرَ رضي الله عنهما ، يقول : إِذَا أَمْسَيتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ المَسَاءَ ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ . رواه البخاري .

قالوا في شَرْحِ هَذَا الحديث معناه : لاَ تَرْكَنْ إِلَى الدُّنْيَا وَلاَ تَتَّخِذْهَا وَطَناً ، وَلاَ تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِطُول البَقَاء فِيهَا ، وَلاَ بِالاعْتِنَاء بِهَا ، وَلاَ تَتَعَلَّقْ مِنْهَا إِلاَّ بِمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْغَرِيبُ فِي غَيْرِ وَطَنِهِ ، وَلاَ تَشْتَغِلْ فِيهَا بِمَا لاَ يَشْتَغِلُ بِهِ الغَرِيبُ الَّذِي يُرِيدُ الذَّهَابَ إِلَى أَهْلِهِ ، وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھا اور فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر رہتا ہے' یا کوئی راستے سے گزر رہا ہوتا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کر اور صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر اپنی تندرستی کے زمانے میں اپنی بیماری کے لئے تیاری کر و اور زندگی میں موت کے لئے تیاری کرو۔ (بخاری نے روایت کیا)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر کہیں سے کسی بستی میں آجاتا ہے نہ لوگ اسے جانتے ہیں اور نہ وہ لوگوں کو جانتا ہے وہ اس طرح ٹھہرتا ہے جیسے اسے کسی چیز سے رغبت نہیں ہے صرف چند روز وہ یہاں ٹھہرا ہے یہ وقت گزار کر وہ آگے چلا جائے گا۔ فرمایا بلکہ اس طرح زندگی گزارو جیسے کوئی راہ رو ہوتا ہے کہ وہ صرف راستہ عبور کرتا ہے کہ کسی طرح منزل قطع ہو اور وہ اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ صحت کے زمانے میں بیماری کے زمانے کی تیاری کرو اور زندگی میں موت کی تیاری کرو اور ایک روایت میں

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی سے اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرلو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ باتوں کو پانچ باتوں سے پہلے غنیمت جانو' جوانی کو بڑھاپے سے پہلے صحت کو بیماری سے پہلے تونگری کو فقر سے پہلے فرصت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ (فتح الباری: ۳/۳۴۸' عمدۃ القاری: ۲۲/۵۰' روضۃ المتقین: ۲/۲۵' تحفۃ الاحوذی: ۷/۴۲)

دنیا سے بے رغبتی کرنے والا اللہ کا محبوب بندہ ہے

وعن أبي العباس سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقال : يَا رسولَ الله ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ ، فقال : ((ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبّكَ اللهُ ، وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبّكَ النَّاسُ)) حديث حسن رواه ابن ماجه وغيره بأسانيد حسنة .

ترجمہ: "حضرت ابو العباس سہل بن سعد الساعدی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتادیں کہ جب میں وہ کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھے محبوب بنالیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا دنیا سے بے رغبت ہو جا، تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے ان چیزوں سے تم اعراض کرو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے (یہ حدیث حسن ہے ابن ماجہ وغیرہ نے حسن اسانید کے ساتھ روایت کی ہے)۔"

حدیث کی تشریح

دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ اَحَبَّنِیَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِیَ النَّاسُ: مجھے کوئی ایسا عمل بتادیں کہ جب میں وہ کروں تو اللہ بھی محبت کرنے لگے اور لوگ بھی محبت کرنے لگیں۔ اس حدیث میں بڑے تجربہ کی بات بتائی گئی ہے کہ جتنے بھی آپس میں بہترین تعلقات ہوں لیکن جہاں کسی چیز کا کسی سے سوال کرلیا تو سارے ہی تعلقات اور عقیدتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے مختصر سی نصیحت فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز دوسروں کے پاس ہے اس سے اپنے آپ کو بالکل مایوس بنالو اور طمع سے اپنے کو بالکل محفوظ رکھو اس لئے کہ طمع فوری فقر ہے اور اپنے آپ کو اسی چیز سے بچاؤ جس کی معذرت کرنا پڑے۔

جو کچھ بھی مانگنا ہو اللہ سے مانگے اللہ اس سے خوش ہو جائے گا۔ بنو امیہ کے بادشاہ سلیمان بن عبد الملک نے حضرت ابو حازم کو بڑے اصرار سے لکھا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہوا کرے تو مجھ سے مانگ لیا کریں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے اپنی ضرورتیں اپنے آقا کی خدمت میں پیش کردی ہیں اس نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا میں نے اس پر قناعت کرلی۔ اسی کو عربی شاعر نے اس طرح کہا۔

لا تسئل بنی آدم حاجته　　واسئل الذی ابوابه لا تحجب

"انسان کے سامنے اپنی ضروریات کے لئے ہاتھ مت پھیلاؤ اس سے مانگو جس کے فضل و کرم کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔"

اللّٰہ یغضب ان ترکت سؤاله　　وابن آدم حین یسئل یغضب

"اگر بندہ اللہ سے مانگنا چھوڑ دے تو وہ ناراض ہوتا ہے اور جب بندے سے مانگا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کیلئے ردی کھجور بھی میسر نہیں آتی تھی

وعن النعمان بن بشير رضي الله عنهما ، قَالَ : ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ رضي الله عنه ، مَا أَصَابَ النَّاسُ مِنَ الدُّنْيَا ، فَقَالَ : لَقَدْ رَأَيْتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَظَلُّ الْيَوْمَ يَلْتَوِي مَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلأُ بِهِ بَطْنَهُ . رواه مسلم . ((الدَّقَلُ)) بفتح الدَّال المهملة والقاف : رديءُ التمرِ .

ترجمہ: "حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا کہ لوگوں کے پاس زیادہ مال اور دولت آگئی ہے اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سارا دن بھوک کی وجہ سے پیٹ کے بل جھکے رہتے، آپ کو ردی کھجور بھی میسر نہ ہوتی جس سے آپ اپنا پیٹ بھر سکتے۔" (مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا کا مفہوم ایک دو نہیں متعدد روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہی نقشہ بیان کیا گیا ہے۔ شمائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے کبھی بھی دو دن لگاتار جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی راتیں مسلسل ایسی گزر جاتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو شام کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص دنیا میں کھانے پینے کی مقدار کم رکھتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس پر فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو میں نے اس کو کھانے پینے کی کمی میں مبتلا کیا اس نے صبر کیا تم گواہ رہو کہ جو لقمہ اس نے کم کیا ہے اس کے بدلہ میں جنت کے درجے اس کے لئے تجویز کرتا ہوں۔ (احیاء العلوم)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ دنیا والوں میں جو لوگ بھوکے رہنے والے ہیں آخرت میں وہی لوگ پیٹ بھرنے والے ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : تُوفي رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَمَا في بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلاَّ شَطْرُ شَعِيرٍ في رَفٍّ لي ، فأكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ ، فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ . متفقٌ عَلَيْهِ . قولها : " شَطْرُ شَعِيرٍ " أيْ : شَيْءٌ مِنْ شَعِيرٍ ، كَذَا فَسَّرَهُ التِّرْمِذِيُّ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی ذی روح کھاسکے البتہ تھوڑے سے جو تھے جو عرصے تک اس میں سے لے کر کھاتی رہی پھر جب میں نے وہ ناپ لئے۔ تب وہ ختم ہو گئے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی زندگی کا نقشہ ہے۔ جزیرہ نمائے عرب سارا کا سارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان ہو چکا تھا اور اس کی آمدنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں تھی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اہلیہ کے ہاں جو کی اس معمولی سی مقدار کے سوا کچھ نہ تھا۔

(فتح الباری: ۲/ ۲۲۴، نزھۃ المتقین: ۲/ ۴۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ

وعن عمرو بن الحارث أخي جُوَيْرِيَة بنتِ الحارث أُمِّ المُؤْمِنِينَ ، رضي الله عنهما ، قَالَ : مَا تَرَكَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهِ دِيناراً ، وَلاَ دِرْهَماً ، وَلاَ عَبْداً ، وَلاَ أَمَةً ، وَلاَ شَيْئاً إلاَّ بَغْلَتَهُ البَيضَاءَ الَّتي كَانَ يَرْكَبُهَا ، وَسِلاَحَهُ ، وَأَرْضاً جَعَلَهَا لابْنِ السَّبِيلِ صَدَقَةً . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عمرو بن الحارث، جو ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات دینار و درہم لونڈی اور غلام یا کوئی اور چیز چھوڑ کر نہیں گئے سوائے اس سفید خچر کے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے تھے اور ہتھیار اور زمین جو آپ نے مسافروں کے لئے وقف کر دی تھی۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فناء سے دار بقاء کی جانب سفر فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں درہم و دینار باندی اور غلام کچھ نہ تھا، سوائے سفید خچر، کچھ ہتھیار اور کچھ زمین کے۔ زمین سے مراد وہ باغ ہیں جو مدینہ منورہ فدک اور خیبر میں تھے۔ مدینہ میں بنو نضیر کی جائیداد تھی۔ ۳ ہجری میں غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند باغ ہبہ کیے گئے تھے۔ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحقین میں تقسیم فرما دیئے تھے۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی اور خیبر کی آمدنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصوں میں تقسیم فرمادی تھی، دو حصے عام مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف کے لیے تھا اور اس سے بھی جو بچ جاتا وہ فقراء، مہاجرین پر صرف ہوتا۔

تحفۃ القاری میں ہے کہ فدک کی زمین کا نصف وادی قریٰ کی زمین کا تہائی خمس خیبر کا حصہ اور بنو نضیر کی زمین تینوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافروں کے لیے وقف فرمادیا تھا۔ یعنی اس مال کے علاوہ جو مسلمانوں کے لیے صدقہ تھا اور کوئی مال نہ تھا۔ (فتح الباری: ۲/۱۹/۱۱، روضۃ المتقین: ۲/۲۹، دلیل الفالحین: ۲/۳۳۰، روضۃ الصالحین: ۲/۴۰۳)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقر

وعن خَبابِ بن الأَرَتِّ رضي الله عنه ، قَالَ : هَاجَرْنَا مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللهِ تَعَالَى ، فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ ، فَمِنَّا مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَأْكُل منْ أَجْرِهِ شَيْئاً ، مِنْهُمْ : مُصْعَبُ بن عُمَيْر رضي الله عنه ، قُتِلَ يَوْمَ أُحُد ، وَتَرَكَ نَمِرَةً ، فَكُنَّا إِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رَأْسَهُ ، بَدَتْ رِجْلاَهُ ، وَإِذَا غَطَّيْنَا بِهَا رِجْلَيْهِ ، بَدَا رَأْسُهُ ، فَأَمَرَنَا رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَنْ نُغَطِّي رَأْسَهُ ، وَنَجْعَل عَلَى رِجْلَيْهِ شَيْئاً مِنَ الإِذْخِرِ ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمرَتُهُ ، فَهُوَ يَهْدِبُهَا . متفقٌ عَلَيْهِ .
" النَّمِرَةُ " : كِساءٌ مُلَوَّنٌ مِنْ صوف . وَقَوْلُه : " أَيْنَعَتْ " أيْ : نَضِجَتْ وَأَدْرَكَتْ . وَقَوْله : " يَهْدِبها " هُوَ بفتح الياءِ وضم الدال وكسرها لغتان : أيْ : يَقْطُفها وَيَجْتَنِيهَا ، وهذه استعارة لما فتح الله تَعَالَى عليهم من الدنيا وتمكنوا فِيهَا .

ترجمہ: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رضائے الٰہی کے لئے ہجرت کی' اور ہمارا اجر اللہ پر ثابت ہو گیا۔ ہم میں سے بعض وہ ہیں جو فوت ہو گئے اور انہوں نے اپنے اجر (مال غنیمت) میں سے کچھ نہیں کھایا۔ ان میں سے ایک مصعب بن عمیر تھے جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے انہوں نے ترکہ میں ایک چادر چھوڑی تھی اگر ہم ان کا سر ڈھانپتے تو پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانپتے تو سر کھل جاتا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانپ دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔ اور بعض ہم میں سے ہیں جن کے پھل پک گئے اور وہ اسے چن رہے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

النمرۃ: اون سے بنائی ہوئی دھاری دار چادر۔ "اینعت" یعنی پھل پک گئے۔ یھد بھا یا کے زبر اور دال کے پیش اور دال کے زیر دونوں طرح منقول ہے۔ وہ پھل کاٹ اور چن رہے ہیں اور یہ اللہ نے ان پر دنیا کے مال واسباب کے جو دروازے کھولے ہیں اس پر ان کو قدرت عطا فرمائی اس سے استعارہ ہے۔

حدیث کی تشریح: صحابہ کرامؓ نے اپنا وطن اور اپنا گھر بار اور رشتہ دار اور متعلقین چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور اللہ نے ان کے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا۔ ان میں بعض صحابہ کرامؓ وہ ہیں جنہوں نے صرف تنگی کا زمانہ دیکھا اور دشواریوں اور تکالیف پر صبر کیا۔ اللہ نے ان کا اجر جنت میں محفوظ کر لیا۔

جیسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے ان کے ترکہ میں ایک چھوٹی سی چادر تھی اسی میں انہیں کفن دے دیا گیا۔ حال یہ تھا کہ سر ڈھانپتے تھے تو پیر کھلتے تھے اور پیر ڈھانپتے تھے تو سر کھلتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سر ڈھانپ دیا جائے اور پیروں پر اذخر گھاس ڈال دی جائے۔

مطلب حدیث یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہجرت خالصتاً لوجہ اللہ تھی اور انہوں نے اسلام کے راستے میں سختیاں جھیلیں، مصائب برداشت کیں، اذیتیں سہیں، اس کے بعد ان میں سے بعض تو جلد ہی اللہ سے جا ملے، ان کی ان قربانیوں کا سارا اجر و ثواب اللہ کے یہاں محفوظ رہا اور کچھ اس وقت تک حیات رہے جب اللہ نے مسلمانوں کو فراخی عطا فرمائی اور یہ مسلمان اس سے بھی مستفید ہوئے۔ (فتح الباری: ۱/ ۶۶۷، شرح مسلم للنووی: ۷/ ۶)

دنیا کی قدر و منزلت

وعن سهلِ بن سعد الساعدي رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((لَوْ كَانَت الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ الله جَنَاحَ بَعُوضَةٍ ، مَا سَقَى كَافِراً مِنْهَا شَرْبَةَ ماءٍ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: ”حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی نگاہ میں اگر دنیا کی ایک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر و منزلت ہوتی تو وہ اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی کافر کو نہ پلاتا (ترمذی یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔“

حدیث کی تشریح: حدیث بالا کے بارے میں علامہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس دنیا کی کوئی وقعت ہوتی تو دنیا کی کوئی ادنیٰ ترین چیز بھی کافر کو نہ دی جاتی۔ کیونکہ کافر، دشمن خدا ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز کچھ بھی قدر و منزلت رکھتی ہے دینے والا وہ چیز اپنے دشمن کو کبھی نہیں دیتا۔

اسی طرح دنیا کی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت اور وقعت نہیں اس لئے اللہ جل شانہ یہ دنیا کافروں کو بھی دیتا ہے اور مسلمانوں سے زیادہ کافروں کو اللہ دیتا ہے اور یہ دنیا کوڑا کرکٹ کی طرح ہے اس لئے اللہ جل شانہ اپنے نیک بندوں کو اس سے بچاتے ہیں جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے:

” وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ. “

ترجمہ: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ یہ تمام لوگ کافر ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے ان کی گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے۔“

اور مؤمنوں کے لئے قرآن میں آتا ہے:

وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ لِلْاَبْرَارِ: اور نیکوکاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں خیر ہے۔اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى: تمہارے رب کے پاس بہترین اور باقی رہنے والا رزق ہے۔

دنیا ملعون ہے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول :((أَلاَ إنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ ، مَلْعُونٌ مَا فِيهَا ، إلاَّ ذِكْرَ اللهِ تَعَالَى ، وَمَا وَالاهُ ، وَعالِماً وَمُتَعَلِّماً)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسنٌ)) .

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے: خبردار بے شک دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے اور ان چیزوں کے جن کو اللہ پاک محبوب جانتا ہے اور سوائے عالم اور علم سیکھنے والے کے۔ ترمذی، صاحب ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

حدیث کی تشریح: أَلاَ إنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ ، مَلْعُونٌ مَا فِيهَا: ملعون لغت میں اللہ کی رحمت سے دور ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ بھی خدا کی رحمت سے دور ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور چیزیں ذکر سے قریب کرنے والی ہیں مثلاً ذکر کرنا انبیاء اور اولیاء اور صلحاء اور اعمال صالحہ کا اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کا یہ سب اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اِلاَّ ذِكْرَ اللّٰهِ: اس دنیا کی چیزوں سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں، اللہ کا ذکر، ذکر سے تو حقیقی معنی مراد ہے کہ اللہ کا ذکر کرنا۔یا ذکر مجازی مراد ہے تو اس صورت میں تمام اطاعت خداوندی اس میں داخل ہوں گی۔(مرقاۃ شرح مشکوۃ)

ماوالاہ: اس کے بھی علماء نے دو معنی بیان کئے ہیں۔(۱) ہر وہ چیز جو اللہ کے ذکر کے قریب کرنے والی ہو۔ (۲) ہر وہ چیز جو اللہ سے قریب کرنے والی ہو اس صورت میں بھی تمام اطاعت وعبادات اس میں داخل ہوں گی۔

عَالِماً وَمُتَعَلِّمًا: علم دین کو سکھانے والا اور علم دین کو سیکھنے والا یہ بھی لعنت سے مستثنیٰ ہیں۔

شبہ: ماوالاہ: میں عالم اور متعلم داخل ہیں تو پھر اس کو الگ کر کے کیوں بیان کیا گیا؟

ازالہ: اس کا جواب علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اہل علم کی اہمیت اور خصوصیت کو واضح کرنے کے لئے اس حدیث کو بھی محدثین نے جامع الکلم میں شمار فرمایا ہے۔

جائیدادیں بنانے سے دنیا سے رغبت ہونے لگتی ہے

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((لاَ تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ(۳) فَتَرْغَبُوا في الدُّنْيَا)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديثٌ حسنٌ)) .

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جائیدادیں نہ بناؤ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری رغبت دنیا میں بڑھ جائے گی (ترمذی، صاحب ترمذی نے فرمایا: کہ یہ حدیث حسن ہے۔''

حدیث کی تشریح: لَا تَتَّخِذُوْا الضَّيْعَةَ: اور فرمایا کہ جائیداد مت بناؤ۔ علماء فرماتے ہیں اس حدیث میں جائیداد بنانے کی ممانعت ایسے شخص کے لئے ہے جو حصول جائیداد میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جائے۔ اگر وہ شخص ایسا ہے جو ان سب کے ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کرتا رہتا ہے تو اب ایسے شخص کے لئے جائیداد بنانا منع نہیں ہے۔

فَتَرْغَبُوْا فِيْ الدُّنْيَا: جائیداد بنانے سے آدمی کا دل دنیا کی طرف راغب ہوگا۔

شریعت کا منشا یہ ہے کہ آدمی کی ہمہ وقت رغبت آخرت کی طرف ہو۔ کسی نے بڑی اچھی مثال سے اسکو سمجھایا ہے کہ اللہ جل شانہ نے دنیا کو پل کی طرح بنایا ہے جنت میں جانے کے لئے، پل تو صرف گزرنے کے لئے بنایا جاتا ہے نہ کہ اس پر عمارت یا جائیداد بنانے کے لئے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ دنیا کی مثال ایک پل کی طرح ہے اس سے گزر جا اس پر عمارت نہ بنا۔

دنیاوی زندگی کی مدت بہت قلیل ہے

وعن عبدِ الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما ، قَالَ : مَرَّ عَلَيْنَا رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نعالِجُ خُصّاً لَنَا ، فَقَالَ : " مَا هَذَا ؟ " فَقُلْنَا : قَدْ وَهَى ، فَنَحْنُ نُصْلِحُهُ، فَقَالَ : " مَا أرَى الأَمْرَ إلاَّ أعْجَلَ مِنْ ذَلِكَ " . رواه أبو داود والترمذي بإسناد البخاري ومسلم ، وقال الترمذي : " حديثٌ حسنٌ صحيحٌ " .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے چھپر کی مرمت کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی کہ یہ چھپر کمزور ہو گیا تھا ہم اسے ٹھیک کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو موت کو اس سے بھی زیادہ قریب دیکھ رہا ہوں۔ (اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے بخاری اور مسلم کی سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہیں)

حدیث کی تشریح: موت اتنی بڑی اور اٹل حقیقت ہے کہ اس سے بڑی اور اٹل حقیقت دنیا میں کوئی نہیں ہے اور اس سے انسان سب سے زیادہ غافل ہے۔ دنیا میں تو قیام اس طرح ہو جس طرح کوئی اجنبی کسی بستی میں آکر کسی کام کے لیے ٹھہر جائے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا کام جلد از جلد ہو جائے تا کہ وہ یہاں سے واپس جائے یا

اس شخص کی طرح ہوتا ہے کہ جو راستہ میں چل رہا ہے اور سانس لینے کے لیے درخت کے سائے میں رُک جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو موت کو اس سے قریب دیکھ رہا ہوں کہ کوئی چھپر کی مرمت کر کے پھر اس کے سائے میں رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تم ایک شخص کو بازار میں چلتا پھرتا دیکھ رہے ہو اور اس کا نام مرنے والوں کی فہرست میں درج ہوتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۴۵)

اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ مال

وعن كعب بن عياض رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " إنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً ، وفِتْنَةُ أُمَّتِي : المَالُ " رواه الترمذي، وقال : " حديثٌ حسنٌ صحيحٌ ".

ترجمہ: حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت کے لئے فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث یہ ہے کہ گزشتہ اقوام مختلف فتنوں میں مبتلا ہوئیں لیکن یہ اُمت جس بڑے فتنے میں مبتلا ہوگی وہ مال و دولت کی محبت ہے اور اس کے حصول کے لیے زندگی وقف کر دینا ہے اور اس طرح اوقات کا اعمال صالحہ سے خالی ہو جانا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۝ "مال و اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں۔"

غرض مال و دولت کے حصول میں ایسا انہماک اور اس کی اس قدر محبت کہ آدمی آخرت سے غافل ہو جائے اور جس مقصد کے لیے دنیا میں آیا ہے وہ مقصد فوت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہونا صاحب ایمان کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ اور بڑی آزمائش ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۴۶، روضۃ المتقین: ۲/۳۴)

ابن آدم کا دنیا میں کیا حق ہے؟

وعن أبي عمرو ، ويقالُ : أبو عبدِ الله ، ويقالُ : أبو ليلى عثمان بن عفان رضي الله عنه : أنَّ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لَيْسَ لابْنِ آدَمَ حَقٌّ في سِوَى هٰذِهِ الخِصَال : بَيْتٌ يَسْكُنُهُ ، وَثَوْبٌ يُوارِي عَوْرَتَهُ ، وَجِلْفُ الخُبزِ وَالماء " رواه الترمذي، وقال : " حديث صحيح ".

قَالَ الترمذي : سَمِعْتُ أَبَا دَاوُد سُلَيْمَانَ بنَ سَالِمٍ البَلْخيَّ ، يقولُ : سَمِعْتُ النَّضْرَ بْن شُمَيْل ، يقولُ : الجِلْفُ : الخُبز لَيْسَ مَعَهُ إدَامٌ ، وقال غَيْرُهُ : هُوَ غَلِيظُ الخُبْزِ . وَقَالَ الهَرَوِيُّ : المُرادُ بِهِ هنَا وِعَاءُ الخُبزِ ، كَالجَوَالِقِ وَالخُرْجِ ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کی کنیت ابو عمرو ابو عبداللہ اور ابو لیلیٰ تھی بیان فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چیزوں کے علاوہ فرزند آدم علیہ السلام کا کوئی اور حق نہیں رہنے کیلئے گھر، تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور خشک روٹی اور پانی۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث صحیح ہے)

(ترمذی اور صاحب ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے) اور ترمذی نے کہا کہ میں نے ابو داؤد سلیمان بن سالم بلخی سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نضر بن شمیل سے سنا کہتے تھے "الجلف" کا معنی وہ روٹی ہے جس کے ساتھ سالن نہ ہو لیکن اس کے علاوہ علماء نے کہا کہ اس سے مراد موٹی روٹی ہے اور علامہ ہروی نے فرمایا کہ اسے مراد روٹی کے برتن جیسے بورے اور تھیلے وغیرہ ہیں۔

حدیث کی تشریح: انسان کی بقاء اور اس کی حیات تین چیزوں پر موقوف ہے اور یہی اس کا حق ہے اس کے علاوہ تمام چیزیں اس کی حقیقی ضرورت سے زائد ہیں۔ حقیقی ضرورت صرف اتنی ہے کہ سر چھپانے کی جگہ ہو، تن ڈھانپنے کو کپڑا ہو اور معمولی غذا اور پانی میسر آجائے جس سے سلسلہ حیات جاری رہے۔ یہ ضرورتیں اگر حلال وطیب ذریعے سے حاصل ہوں تو ان کے بارے میں حساب نہ ہوگا۔ اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی ابو عسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ "ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور میرے پاس آکر مجھے بلایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور انہیں بلایا وہ بھی آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور انہیں بلایا وہ بھی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں پہنچے اور ان سے فرمایا کہ ہمیں کھلاؤ۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور کا ایک خوشہ اُٹھایا جو وہ انصاری سے لے کر آئے تھے انہوں نے اسے زمین پر مارا اور کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکھر گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم سے روز قیامت اس کا بھی سوال ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں سوائے تین چیزوں کے کپڑے کا ٹکڑا جس سے آدمی اپنا ستر چھپالے، روٹی کا ٹکڑا جس سے بھوک جاتی رہے اور کوئی سوراخ جس میں وہ سردی گرمی سے پناہ لے لے۔" (تحفۃ الاحوذی: ۷/۵۲، دلیل الفالحین: ۲/۳۳۶)

انسان مال سے کتنا استفادہ کرتا ہے؟

وعن عبدِ الله بن الشِّخِّير بكسر الشين والخاء المعجمتين رضي الله عنه ، أنه قَالَ : أَتَيْتُ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَهُوَ يَقْرَأُ : ﴿ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾ قَالَ : " يَقُولُ ابْنُ آدَمَ : مَالِي ، مالي ، وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ إِلاَّ مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ ، أَو لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ ؟! " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ تلاوت فرمارہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور اے آدم کے بیٹے تیرے مال میں سے تیرا حصہ اتنا ہی ہے جتنا تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ : تمہیں دنیا کے مال و دولت کی کثرت طلب اور طلب کثرت نے دھوکہ میں ڈال دیا تم ایسی غفلت میں مبتلا ہوئے کہ تم اپنے اصل مقصد کو بھول کر دوسرے کاموں میں لگ گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تکاثر کے معنی مال و اولاد کی کثرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں مال اور اولاد کی محبت پیدا کی ہے جو ان کی محبت میں دور تک نکل جائے وہ ان امور سے غافل ہو جائے گا جو زیادہ اہم ہیں اور جن کا پورا کرنا واجب ہے حتیٰ کہ موت اسے آئے گی اور وہ قبر میں جا لیٹے گا۔

حدیث صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر ابن آدم کے پاس ایک وادی سونے کی ہو تو وہ چاہے گا کہ دو وادیاں ہو جائیں اور ابن آدم کا منہ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی اور اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمالے۔"

انسان کا مال بس اتنا ہی ہے کہ جو اس نے کھا لیا اور پہن لیا اور جو اس نے صدقہ کر کے اللہ کے گھر بھیج دیا یعنی آدمی کی ذاتی منفعت اتنے مال سے وابستہ ہے اور باقی مال سے اس کا ذاتی نفع وابستہ نہیں بلکہ وہ فی الحقیقت وارثوں کا ہے۔ واضح رہے کہ جیسا کہ آیت مبارکہ میں واضح اشارہ موجود ہے مال و اولاد کی وہ کثرت بری ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور فکر آخرت سے غافل کر دے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مال و اولاد بھی کثرت سے عطا فرمائے اور وہ اللہ کی یاد اور فکر آخرت سے غافل نہ ہو بلکہ اس مال کو امور خیر میں صرف کرے تو پھر اس میں برائی نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنیوالے فقر کیلئے تیار رہیں

وعن عبدِ الله بن مُغَفَّل رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رجل للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا رسولَ الله ، وَاللهِ إنِّي لأُحِبُّكَ ، فَقَالَ : " انْظُرْ مَاذَا تَقُولُ ؟ " قَالَ : وَاللهِ إنِّي لأُحِبُّكَ ، ثَلاثَ مَرَّات ، فَقَالَ : " إنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافاً ، فإنَّ الفَقْرَ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ " رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن " .

"التجفافُ " بكسر التاء المثناةِ فوقُ وَإسكان الجيمِ وبالفاء المكررة : وَهُوَ شَيْءٌ يُلْبَسُهُ الفَرَسُ ، لِيُتَّقَى بِهِ الأَذَى ، وَقَدْ يَلْبَسُهُ الإنْسَانُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص

نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اللہ کی قسم مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ فرمایا: سوچ لو کیا کہہ رہے ہو۔ اس نے پھر کہا اللہ کی قسم مجھے آپ سے محبت ہے تین بار اس نے اسی طرح کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کا ٹاٹ تیار کرلو کہ فقر اس آدمی کی طرف جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس سے بھی زیادہ تیزی سے جاتا ہے جتنا سیلاب اپنے بہاؤ کی طرف جاتا ہے۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے)

التحفاف۔ مثناۃ کے زیر اور جیم کے سکون اور فاء مکرر کے ساتھ۔ وہ کپڑا جو گھوڑے کو پہنایا جاتا ہے تاکہ اس کپڑے کے ساتھ گھوڑے کو گندگی وغیرہ سے بچایا جائے اور کبھی اس قسم کے کپڑے کو انسان بھی پہنتا ہے۔

حدیث کی تشریح: ایک شخص نے آپ کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شدید محبت کا دعویٰ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوچ کر کہو کہ کیا کہہ رہے ہو کہ محبت کا اقتضاء اتباع اور اقتداء ہے اور ہر امر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے اور جو زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد کی اور فقر کی گزاری اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ضروری ہوگی۔ فرمایا کہ فقر مجھ سے محبت کرنے والے کی جانب اس طرح آتا ہے جیسے پانی کا ریلا نشیب کی طرف جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہیں تو بطحا مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے سے بھر دی جائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں اے میرے رب! میں تو چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھروں جس دن بھوکا رہوں اس دن تجھے یاد کروں اور تیرے سامنے عاجزی اور تضرع کروں اور جس دن کھاؤں اس دن تیری حمد کروں اور شکر ادا کروں۔

محبّ کے لیے ضروری ہے کہ محبوب کی روش اختیار کرے اور ان صفات سے متصف ہو جو محبوب کے اوصاف ہیں اور لذات دنیا سے کنارہ کش ہو کر اس طرح صبر کرے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ ایک امر عظیم ہے جس کے لیے صبر عظیم درکار ہے اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غور کرلو اور سوچ لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۶۵' دلیل الفالحین: ۲/۳۳۸)

حرص کی مثال بھوکے بھیڑیئے کی طرح ہے

وعن كعب بن مالك رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ المَرْءِ عَلَى المَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ " رواه الترمذي ، وقَال : " حديث حسن صحيح " .

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیئے اگر بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ انہیں اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا مال کی حرص اور

بڑائی کی حرص آدمی کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیااور کہاکہ حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح:مال و دولت کی حرص اور عزت و منصب کی حرص آدمی کے دین کی دشمن ہے کیونکہ حرص کا اگلہ درجہ شُح اور شُح (حرص مع بخل) ہلاک کر دیتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ''شح سے بچو کہ اس سے پچھلے لوگ ہلاک ہو گئے۔'' غرض حدیث مبارک کا مقصود مال کی حرص اور عزت و منصب کی حرص پر متنبہ کرنا ہے کہ اس سے آدمی کا دین برباد ہو جاتا ہے۔(تحفۃ الاحوذی:۷/۹۰)

دنیا کی مثال راہ گزر کا چھاؤں میں بیٹھنے کے بقدر ہے

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ،قَالَ: نَامَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَصِير ،فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ، لَوْ اتَّخذْنَا لَكَ وِطَاءً. فَقَالَ: ((مَالِي وَلِلدُّنْيَا؟ مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلاَّ كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا)) رواه الترمذي،وقال:((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ:''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سوئے ہوئے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو آپ کے پہلو میں چٹائی کے نشانات تھے۔ ہم نے عرض کیا،یارسول اللہ !اگر ہم آپ کے لئے ایک گدا بنا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ میں تو دنیا میں اس سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سائے میں بیٹھتا ہے پھر چلا جاتا ہے اور درخت چھوڑ جاتا ہے(ترمذی صاحب نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)''

حدیث کی تشریح:وَقَدْ اَثَّرَ فِیْ جَنْبِهٖ: آپ کے پہلو پر نشانات تھے۔علماء فرماتے ہیں کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے بے رغبتی کا نقشہ سامنے آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بھی اہتمام نہیں تھا کہ آرام وراحت کے لئے کوئی نرم بستر بنالیا جائے جب اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تو پھر دوسرے تکلفات اور راحت کا کیا پوچھنا۔

لَوْ اتَّخذْنَا لَكَ وِطَاءً: ہم آپ کے لئے کوئی نرم بستر تیار کر لیتے۔ایک دوسری روایت میں ''لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَکَ وَنَعْمَلَ'' کے الفاظ آتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد وفقر کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ پر سب کچھ نثار کرنے کے لئے حاضر رہتے تھے مگر آپ نے قصداً اس فقر کو پسند فرمایا۔

اِلاَّ کَرَاکِبِ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ: کوئی سوار چلتے چلتے ذرا سی دیر کے لئے کسی درخت کے سائے میں ٹھہر گیا،اس جملہ سے آپ کی نظر میں دنیا کی کیا حیثیت تھی اس کا بیان ہے کہ مسافر چلتے چلتے چند لمحے ستانے کے کسی درخت کے سایہ میں آبیٹھا اور پھر وہاں سے چل پڑا وہ اس سائے کی راحت و لذت میں ایسا منہمک نہیں ہوتا کہ وہ اسے اپنا گھر بنا بیٹھے۔ ٹھیک اسی طرح دنیا کسی کا گھر نہیں جو ایسا کر لیتا ہے وہ نادان ہے۔

شبہ: سواری کا ذکر کیوں کیا گیا؟

ازالہ: سرعت مشی: یعنی اگر آدمی سواری پر ہو اور پھر وہ درخت کے نیچے بیٹھے اس درخت کے سایہ میں ٹھہرے تو پیدل چلنے والے سے بہت کم ٹھہرتا ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں سواری کو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ جب مسافر کی منزل دور ہو تو پھر وہ دوران سفر کسی راحت و آرام کی پرواہ نہیں کرتا، اس کے ذہن میں صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح سے میرا سفر پورا ہو جائے۔ تو بعینہ اسی طرح سے دنیا بھی ایک مسافر گاہ ہے منزل آخرت ہے تو یہاں پر بھی کسی بھی ایسی چیز کی طرف التفات نہ ہو جو منزل مقصود کی طرف ہمارے سفر میں رکاوٹ بن سکے۔ (مرقاۃ مظاہر حق ۴، ۶۹۵)

فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يدْخُلُ الفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الأَغْنِيَاء بِخَمْسِمئَةِ عَام)) رواه الترمذي، وقال: ((حديث صحيح)).

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فقیر لوگ جنت میں مال دار لوگوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے (ترمذی، اور انہوں نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔“

حدیث کی تشریح: اس روایت میں ”یدخل الفقراء الجنة قبل الاغنیاء بخمس مائة عامٍ“ کے الفاظ ہیں ایک دوسری روایت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں ”یدخلون الجنة قبل اغنیا ئھم اربعین خریفاً“ فقراء جنت میں اغنیاء سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے۔

ان روایات میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا ہے کہ چالیس سال پہلے یا پانچ سو سال پہلے؟

جوابات مندرجہ ذیل ہیں

ازالہ نمبر ۱- فقراء مہاجرین صحابہ پانچ سو سال پہلے اغنیاء سے جنت میں داخل ہوں گے اور باقی فقراء چالیس سال پہلے۔

ازالہ نمبر ۲- بعض محدثین فرماتے ہیں چالیس کا عدد اور پانچ سو کا عدد، اس سے مراد تحدید نہیں بلکہ دونوں سے مراد تکثیر ہے کہ فقراء اغنیا سے بہت عرصہ پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

ازالہ نمبر ۳- جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، آپ نے اس طرح وہی بیان فرما دیا، شروع میں آپ پر چالیس سال والی وحی نازل ہوئی اور پھر بعد میں پانچ سو سال والی وحی نازل ہوئی۔

ازالہ نمبر ۴- وہ فقراء جن میں صبر و رضا علی التقدیر اور شکر کمال درجہ کا ہوگا تو وہ پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور جن فقراء میں ان چیزوں میں کمی ہوگی وہ چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اس آخری جواب کی تائید جامع اصول کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کی

خواہش رکھنے والا فقیر حریص غنی سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوگا، دنیاوی نعمتوں سے بالکل بے نیاز اور زاہد فقراء دنیادار غنی سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (مظاہر حق جدید ۴'۵'۷۴۵)

جنت میں اکثریت فقراء اور جہنم میں عورتوں کی اکثریت

وعن ابن عباس وعِمْرَانَ بن الحُصَيْنِ رضي الله عنهم ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((اطَّلَعْتُ فِي الجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الفُقَرَاءَ ، وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ)) متفقٌ عَلَيْهِ من رواية ابن عباس ، ورواه البخاري أيضاً من رواية عِمْرَان بن الحُصَيْن .

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کا مشاہدہ کیا تو میں نے اس میں اکثر فقراء کو دیکھا پھر میں نے جہنم کو دیکھا تو اس میں عورتوں کو زیادہ دیکھا (بخاری، مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اور صرف بخاری عمران بن حصین سے روایت کرتے ہیں۔“

حدیث کی تشریح: فرأیت اکثر اھلھا الفقراء:

عموماً مشاہدہ ہے کہ مال کی کثرت ہی آدمی کی آوارگی، شراب نوشی، سود خوری، وغیرہ مختلف قسم کے شہوانی گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مطرف بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بادشاہوں کے عیش و عشرت اور ان کے عمدہ لباس پر نظر نہ کرو بلکہ یہ سوچو کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔

اس دوسری روایت میں اس کی وجہ ”تکثرن اللعن وتکفرن العشیر“ کہ تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الکسوف میں دوزخ، جنت کا مشاہدہ فرمایا تو اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں کثرت سے عورتوں کو دیکھا۔ جب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ احسان فراموشی کرتی ہیں، خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ اگر تمام عمران میں سے کسی پر شوہر احسان کرتا ہے پھر کوئی ذرا سی بات پیش آجائے تو کہنے لگتی ہے کہ میں نے تجھ میں کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

اگر عورتیں چاہیں کہ ہم جنت میں جائیں تو اس کا طریقہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ صدقہ ہے کہ صدقہ کی وجہ سے اس سے بچاؤ ہو جائے گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر یہ فرمایا تو عورتوں نے اپنے کانوں کا زیور اور گلے کا ہار نکال نکال کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑے میں جس میں چندہ جمع کر رہے تھے) انہوں نے ڈال دیا۔ (مشکوۃ)

وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةَ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ، وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ، غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَبِهِمْ اِلَى النَّارِ (متفق علیہ)

"والْجَدُّ" اَلْحَظُّ وَالْغِنٰی' وقد سبق بیان ھذا الحدیث فی باب فضل الضعفة

ترجمہ:۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں اکثریت مسکینوں کی ہے اور مالدار لوگ روک دیئے گئے ہیں۔ البتہ دوزخیوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا گیا ہے (بخاری ومسلم)

"اَلْجَدُّ" مال ودولت۔ یہ حدیث دوزخیوں کی فضیلت کے باب میں گزر چکی ہے۔

تشریح:۔ حدیث بالا اور اس کی وضاحت پہلے بھی گزر چکی ہے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے جنت دکھائی گئی اس کے اعلیٰ درجوں میں فقراء مہاجرین تھے۔ اور غنی لوگ اور عورتیں بہت کم مقدار میں اس جگہ تھیں۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ غنی لوگ تو ابھی جنت کے دروازوں پر حساب میں مبتلا ہیں اور عورتوں کو سونے چاندی کی محبت نے مشغول کر رکھا ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ فقراء کی اکثریت اس لئے جنت میں جائے گی کہ وہ ایمان وعمل صالح کی پابندی مال داروں کے مقابلے میں زیادہ کرتے ہیں جبکہ مال داروں کی اکثریت مال کے گھمنڈ میں ایمان وعمل صالح سے دور رہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبید کے شعر کو پسند فرمایا

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَصْدَقُ کَلِمَةٍ قَالَهَا شَاعِرٌ کَلِمَةُ لَبِیْدٍ اَلاَ کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلاَ اللّٰهَ بَاطِلٌ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہایت سچا کلمہ جو لبید شاعر نے کہا: خبر دار ہر چیز اللہ کے سوا باطل ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح۔ اَلاَ کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلاَ اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبید کے اس شعر کو پسند فرمایا جس کا مکمل مفہوم یہ ہے کہ سنو! اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ مکمل شعر

اَلاَ کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلاَ اللّٰهَ بَاطِلٌ وَکُلُّ نَعِیْمٍ لاَ مُحَالَةَ زَائِلٌ

ترجمہ:۔ سنو! اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے' یہاں کی ہر نعمت ایک دن میں ختم ہو جائے گی"۔

علماء فرماتے ہیں لبید کے اس شعر میں "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ" والا مضمون ہے جس سے آخرت کی زندگی کا دوام اور دنیا کی ناپائیداری کا اثبات ہوتا ہے اشارہ ہے کہ آخرت کی طرف توجہ رکھنی چاہئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کبھی اشعار نہیں کہے

علماء فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود تو اشعار نہیں کہے مگر بعض موقع پر دوسروں کے

بعض ان اشعار کو پسند فرمایا ہے جن میں حکمت کی باتیں ہوتی تھیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً اشعار نہ برے ہیں نہ اچھے۔بلکہ اگر اس کا مفہوم اچھا ہے تو وہ اچھے اشعار شمار ہوں گے ورنہ برے۔

اشعار کے اچھے ہونے کی چار شرطیں

علماء نے شعر کے اچھے ہونے کیلئے چار شرطیں لکھی ہیں۔

ا۔اشعار کا مفہوم اور مضمون صحیح ہو۔ ۲۔سنانے والا مرد ہو عورت یا نابالغ بچہ نہ ہو۔

۳۔آلہ سماع صحیح ہو باجا میوزک وغیرہ نہ ہو۔ ۴۔سننے والے بھی صحیح ہوں۔

....

۵٦ باب فضل الجوع وخشونة العيش والاقتصار عَلَى القليل من المأكول والمشروب والملبوس وغيرها من حظوظ النفس وترك الشهوات

بھوکا رہنے' زندگی بسر کرنے' کھانے' پینے وغیرہ میں کم چیزوں پر اکتفا کرنے اور مرغوب چیزوں سے کنارہ کش رہنے کی فضیلت کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيّاً إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئاً ﴾ [مريم: ٥٩،٦٠]،

ترجمہ:''ارشاد خداوندی ہے نیک لوگوں کے بعد برے لوگ ان کے جانشین ہوں گے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب ان کو ''غَیّاً'' گمراہی کا عذاب ملے گا مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور عمل صالح کئے، ایسے لوگ یقیناً جنت میں جائیں گے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

تفسیر: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ: خلف سکون لام بمعنی برے قائم مقام۔اور لام کے زبر کے ساتھ اچھے قائم مقام اور اچھی اولاد۔ ''اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ'' نماز کو ضائع کرنے سے مراد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ، مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ، قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا ہے اور بعض کے نزدیک نماز کے آداب و شرائط میں کوتاہی کرنا ہے اور بعض کے نزدیک بغیر جماعت کے نماز پڑھنے والے بھی اس میں داخل ہیں۔(تفسیر مظہری ۷، ۳۲۷)

وَاتَّبَعُوْا الشَّهَوَاتِ: اس سے مراد دنیا کی لذتیں ہیں جو انسان کو اللہ اور نماز سے غافل کر دے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ شاندار مکانوں کی تعمیر، شاندار سواریوں کی سواری جس پر لوگوں کی نظریں اٹھیں اور ایسا لباس جس سے عام لوگوں میں امتیاز کی شان ظاہر ہو وہ سب ''واتبعوا الشھوات'' میں داخل ہیں۔ (معارف القرآن ۶، ۴۵)

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا: لفظ ''غی'' بمعنی ہر برائی اور شر، بقول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ایک جہنم میں غار کا نام ہے جس میں ساری جہنم سے زیادہ عذاب ہو گا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ غی جہنم کے ایک غار کا نام ہے جس سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے اس میں زانی، شراب خور، سود خور، والدین کے نافرمان اور جھوٹی شہادت دینے والے اور وہ عورت جو دوسرے کے بچے کو اپنے شوہر کا بچہ بنادے۔ ان سب کو اس میں ڈالا جائے گا۔ (قرطبی)

اِلَّامَنۡ تَابَ: مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے جو کفر و معصیت سے توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک کام بھی شروع کر دیں تو یہ لوگ جہنم کے بجائے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

وقال تعالَى: ﴿ فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا العِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوابُ اللهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ﴾ [القصص: ۷۹،۸۰].

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ایک دن قارون (بڑی) آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا صاحب نصیب ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس مؤمنوں اور نیک کاروں کے لئے جو ثواب خدا کے ہاں تیار ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔''

تفسیر: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ: ایک دن قارون بہت بن سنور کر نکلا۔ ابن زید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھ ستر ہزار آدمیوں کو جو زعفرانی لباسوں میں تھے ان کو ساتھ لے کر نکلا اور علامہ مجاہد نے کہا قارون بہت بن سنور کر نکلا اور ساتھ میں اپنی شان و شوکت کو بڑھانے کے لئے اپنے ساتھ نوکر چاکر کنبہ و خاندان کے لوگ جو زعفرانی لباس میں تھے اور سفید خچروں پر سوار تھے ان سب کے ساتھ آیا۔ (تفسیر مظہری: ۹/ ۱۴۴، وابن کثیر ۳/ ۴۰۰)

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا: مفسرین نے کہا: کہ بنی اسرائیل مؤمن تھے اگرچہ دنیا کے طلب گار تھے انہوں نے جب قارون کی مال و دولت کو دیکھا تو حسد نہیں کیا کہ ہم کو بھی سب مل جائے اس سے ختم ہو جائے بلکہ یوں کہا قارون کی طرح کاش ہم کو بھی کچھ مال و دولت مل جاتی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ: اور جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ ارے تم پر افسوس "اُوْتُوْا الْعِلْمَ" سے وہ مومن لوگ ہیں جو اللہ کے وعدہ پر یقین رکھتے تھے جو اللہ نے مومنوں سے کیا۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہاں پر " اُوْتُوْ االْعِلْمَ "کا مقابلہ " اَلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا" سے کیا گیا ہے اس میں صاف اشارہ ہے کہ دنیا کا سازوسامان جمع کرنا یہ اہل علم کا کام نہیں ہے اہل علم تو وہ ہوتے ہیں جن کے سامنے ہمیشہ آخرت کا نقشہ ہوتا ہے اور متاع دنیا کو بقدر ضرورت حاصل کرتے ہیں اور اسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ (معارف القرآن:۶/۶۶۷، و قرطبی:۱۳/۳۱۶)

وقال تَعَالَى : ﴿ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴾ [التكاثر : ۸]،

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: پھر اس دن تم سے شکر گزاری نعمت کے بارے میں پوچھ ہو گی۔"

تفسیر: قیامت کے دن اللہ جل شانہ اپنی نعمتوں کے بارے میں سوال کریں گے کہ ان نعمتوں کو گناہوں میں تو خرچ نہیں کیا جیسے قرآن میں آتا ہے:

(اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا) (سورۃ الاسراء)

ترجمہ: "کہ بے شک سماعت، بصارت اور دل ہر ایک کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

قوت شنوائی، بینائی اور دل کے متعلق ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اللہ جل شانہ کی نعمتیں آگئیں۔

بخاری کی روایت میں آتا ہے قیامت کے دن آدمی کا پاؤں اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے جب تک پانچ باتوں کا جواب نہ لے لیا جائے۔

(۱) اپنی عمر کہاں خرچ کی۔

(۲) جوانی کہاں خرچ کی۔

(۳) مال کہاں کہاں سے حاصل کیا۔

(۴) پھر مال کو کہاں کہاں خرچ کیا۔

(۵) علم جو اللہ نے دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (بخاری)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ قیامت میں دنیا کی ہر لذت کے بارے میں سوال ہوگا خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا لباس و مکان سے یا بیوی اور اولاد سے یا حکومت و عزت سے۔ (قرطبی مزید تشریح تفسیر مظہری:۱۲/۵۲۰)

وقال تَعَالَى : ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيدُ العَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُوماً مَدْحُوراً ﴾ [الإسراء : ۱۸]

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: جو شخص دنیاوی زندگی کا خواہش مند ہوا تو ہم اس میں سے جو

چاہتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں پھر اس کے لئے جہنم کو مقرر کر رکھا ہے اس میں مذموم اور دھتکارا ہوا داخل ہو گا۔"

تفسیر: آیت بالا میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو صرف دنیا کا ہی ارادہ کرنے والے ہیں ان کی سزا کا بیان بھی ساتھ دیا گیا ہے۔" مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ " "يُرِيْدُ" مضارع کا صیغہ ہے اور اس پر "کان" داخل ہے جو مضارع پر دوام اور استمرار کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ جہنم کی سزا صرف اس صورت میں ہو گی کہ جب کہ ہر عمل میں اور ہر وقت صرف دنیا ہی کی غرض چھائی ہوئی ہو اور آخرت کی طرف کوئی توجہ نہ ہو۔ (معارف القرآن: ۵/۴۴۹)

لِمَنْ نُرِيْدُ: جس کو چاہتے ہیں اس میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی محنت سے دنیا نہیں مل جاتی بلکہ جس کو ہم جتنا چاہیں اتنا دیتے ہیں۔

يَصْلاهَا مَذْمُوْماً مَّدْحُوْرًا: جو ہمیشہ دنیا ہی چاہتا رہتا ہے تو دنیا تو بقدر مقدر ملتی ہے مگر اس دنیا میں مشغول ہو کر اس نے آخرت کو چھوڑا ہوا تھا اس لئے قیامت کے دن جہنم میں داخل کر دیا جائے گا اس میں یہ اللہ کی رحمت سے دور پھینکا ہوا ہو گا۔ (تفسیر مظہری: ۷/ ۵۸، مزید تفسیر کے لئے تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۳۔ "والایات فی الباب کثیرۃ معلومۃ" اس موضوع پر قرآن میں بہت سی آیات ہیں اور وہ مشہور ہیں۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی حالت

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْز شَعِيرٍ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ . متفقٌ عَلَيْهِ . وفي رواية : مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ قَدِمَ المَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ البُرِّ ثَلاثَ لَيَالٍ تِبَاعاً حَتَّى قُبِضَ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ نے کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور ایک دن کھاتے تھے اور ایک دن فاقے سے رہتے یا روزہ رکھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشکش فرمائی کہ مکہ کے پہاڑوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سونا بنا دیا جائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں اے رب! میں تو چاہتا ہوں ایک دن پیٹ بھروں تو اللہ کا شکر کروں اور دوسرے دن بھوکا رہوں تو صبر کروں۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابو عازم سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھائی؟ سہل نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے لے کر اللہ کے ہاں تشریف لے جانے تک سفید چھنے ہوئے گندم کے آٹے کی روٹی دیکھی بھی نہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس زمانہ نبوت میں چھلنیاں تھیں، سہل نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے وقت سے دنیا سے تشریف لے جانے تک چھلنی نہیں دیکھی۔ میں نے پوچھا کہ تم بغیر چھنے جو کی روٹی کیسے کھالیتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسے پیس کر پھونک مارتے تھے جتنا (بھوسہ) اس میں سے اڑ اڑ گیا اور جو بچتا اسے پانی میں تر کر کے کھالیتے تھے۔

فتوحات کی کثرت سے مال غنیمت بکثرت آتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اسی وقت تقسیم فرمادیتے اور رات ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا جیسا کہ متعدد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے رب! میں تو چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں تو تیرا شکروں اور دوسرے دن نہ کھاؤں اور صبر کروں۔" (فتح الباری: ۲/۱۱۵۶، تحفۃ الاحوذی: ۷/۷، شرح مسلم للنووی: ۱۸/۸۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر فاقے کی حالت

وعن عروة ، عن عائشة رضي الله عنها ، أنَّها كَانَتْ تقول : وَاللهِ ، يَا ابْنَ أُخْتِي ، إنْ كُنَّا نَنْظُرُ إلَى الهِلاَلِ ، ثُمَّ الهِلال : ثلاثَةَ أهلَّةٍ في شَهْرَيْنِ ، وَمَا أُوقِدَ في أَبْيَاتِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ . قُلْتُ : يَا خَالَةُ ، فَمَا كَانَ يُعِيشُكُمْ ؟ قالت : الأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالمَاءُ ، إلاَّ أنَّهُ قَدْ كَانَ لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جيرَانٌ مِنَ الأَنْصَارِ ، وكَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوا يُرْسِلُونَ إلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَلْبَانِهَا فَيَسْقِينَا . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اے میرے خواہر زاد ہم چاند کی طرف دیکھتے پھر ایک اور چاند پھر ایک اور چاند یعنی دو مہینوں میں تین چاند گزر جاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے کہا اے خالہ آپ کا گزارا کیسے ہوتا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ دو سیاہ چیزیں کھجور اور پانی البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری پڑوسی جن کے یہاں دودھ دینے والے جانور تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ بھیج دیتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پلادیتے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی

صرف کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔ یعنی زہد اور دنیا سے بے رغبتی کی یہ فضا تھی اور یہ اس لیے تھا تا کہ اُمت کے لیے ایک مثال اور نمونہ قائم ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرماتے:

"اللّٰھُمَّ اجعل رزق آل محمّد قوتا" "اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر کفاف فرمادے۔"

یہاں قوت کا لفظ جس کی وضاحت کرتے ہوئے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بس اتنی روزی کہ سوال کی حاجت نہ رہے اور نہ ہی وہ زائد ہو کہ ترفہ کے زمرے میں آئے کہ قوت وہ ہے جس سے بدن کی قوت باقی رہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/ ۲۷، فتح الباری: ۲/ ۵۴، روضۃ المتقین: ۲/ ۴۴)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اتباع سنت پر عمل

وعن أبي سعيد المقبُريِّ ، عن أبي هريرة رضي الله عنه : أَنَّهُ مَرَّ بقَومٍ بَيْنَ أيدِيهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ ، فَدَعَوْهُ فَأَبَى أَنْ يأْكُلَ . وقال : خرج رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ . رواه البخاري . ((مَصْلِيَّةٌ)) بفتح الميم : أيْ مَشْوِيَّةٌ .

ترجمہ: "حضرت ابوسعید مقبری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دعوت دی لیکن انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ نے جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔" (بخاری)

مصلیة ۔ میم پر زبر کے ساتھ بمعنی بنی ہوئی۔

حدیث کی تشریح: فَاَبٰی اَنْ یَّأْکُلَ:

یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی انتہا تھی اگرچہ شرعاً یہ کھانا جائز تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھوک کی حالت میں وقت گزارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اتباع کا خیال رکھتے ہوئے حضرت ابوہریرہؓ نے منع کر دیا۔ (روضۃ المتقین: ۱/ ۴۴)

وَلَمْ یَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی بھی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی راتیں مسلسل ایسی گزر جاتی تھیں کہ آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو شام کا کھانا میسر نہیں آتا تھا، رات بھر سب کے سب فاقہ سے گزار دیتے اور جو کی روٹی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزارا تھا۔ مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا بڑا مبارک ہے وہ شخص جس کے لئے معمولی سی پیداوار ایسی ہو جس سے وہ زندہ رہ سکے اور لوگوں سے مانگنے کا محتاج نہ ہو۔ محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جو صبح و شام بھوکا تو ہے مگر اس بھوک پر اللہ سے راضی بھی ہے۔" (احیاء العلوم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا طریقہ

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : لَمْ يَأْكُلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ حَتَّى مَاتَ ، وَمَا أَكَلَ خُبْزاً مُرَقَّقاً حَتَّى مَاتَ . رواه البخاري . وفي رواية لَهُ : وَلاَ رَأَى شَاةً سَمِيطاً بِعَيْنِهِ قَطُّ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتے دم تک خوان پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا اور نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتلی چپاتی کھائی۔(بخاری)
اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنی ہوئی بکری اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارادتاً طیبات دنیا کو ترک کر کے کھانے' پینے اور لباس میں سادگی اختیار کیے ہوئے تھے اور یہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعیم آخرت کو طیبات دنیا پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقر کو غنا پر سادگی کی توسع پر اور قدر کفاف کو وسعت رزق پر ترجیح دیتے تھے۔

(تحفۃ الاحوذی: ۷/۴۷' فتح الباری: ۲/۱۵۶۱' عمدۃ القاری: ۲۱/۲۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کی ایک اور مثال

وعن النعمان بن بشير رضي الله عنهما ، قَالَ : لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلأُ بِهِ بَطْنَهُ . رواه مسلم . ((الدَّقَلُ)) : تَمْرٌ رَدِيءٌ .

ترجمہ: "حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ ردی کھجور بھی اتنی مقدار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر نہ تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پیٹ بھر لیتے۔" اَلدَّقَلُ" ردی کھجور، ادنیٰ قسم کی کھجور۔"

حدیث کی تشریح: لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس میں دو احتمال ہیں کہ یہ بات حضرت نعمان بن بشیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کے سامنے کی ہو یا تابعین کو مخاطب کر کے کہی ہو۔(مرقاۃ)

نبیکم: تمہارا نبی۔ مخاطبین کی طرف اضافت و نسبت ان کو غیرت دلانے کے لئے کی کہ تم جس نبی کی امت میں ہو اور ان کا نام لینے میں فخر کرتے ہو ان نبی کا حال تو یہ تھا کہ ان کو کھانے کے لئے اچھی کھجوریں بھی نہیں ملتی تھیں اور ایک تم ہو کہ قسم قسم کے کھانے ایک وقت میں کھاتے ہو۔(مرقاۃ)

مَايَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلأُ بِهِ بَطْنَهُ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی ردی کھجور بھی میسر نہ آتی جس سے پیٹ بھر لیتے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا اور دنیا کی چیزوں کی قطعاً اہمیت نہیں تھی وہ چیز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی آپ اس کو دوسروں پر صرف کر دیتے تھے۔(مظاہر حق)

دوسرا یہ کہ آپ نے اپنی اس عملی زندگی کے ذریعہ اپنی امت کو واضح عیش و عشرت والی زندگی سے اجتناب کرنے، قناعت و توکل اور ایثار کا وصف پیدا کرنے اور اپنے حقیقی مقصد حیات کی راہ میں سختی و مشقت برداشت کرنے کی تعلیم و تربیت دی۔ اللہ امت کو بھی اس کی سمجھ نصیب فرمادے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر آٹا چھان کر استعمال نہیں کیا

وعن سهلِ بن سعد رضي الله عنه ، قَالَ : مَا رَأى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ مِنْ حِين ابْتَعَثَهُ الله تَعَالَى حَتَّى قَبضَهُ الله تَعالَى . فقِيلَ لَهُ : هَلْ كَانَ لَكُمْ في عَهدِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَاخِلُ ؟ قَالَ : مَا رَأى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْخُلاً مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللهُ تَعَالَى حَتَّى قَبضَهُ اللهُ تَعَالَى ، فَقِيلَ لَهُ : كَيْفَ كُنْتُمْ تَأكُلُونَ الشَّعِيرَ غَيرَ مَنْخُولٍ ؟ قَالَ : كُنَّا نَطحَنُهُ وَنَنْفُخُهُ ، فَيَطِيرُ مَا طَارَ ، وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ . رواه البخاري .

قَوْله: " النَّقِيّ " هُوَ بفتح النون وكسر القاف وتشديد الياء: وَهُوَ الخُبْزُ الحُوَّارَى، وَهُوَ: الدَّرْمَكُ.

قَوْله: " ثَرَّيْنَاهُ " هُوَ بثاء مثلثة، ثُمَّ راء مشددة، ثُمَّ ياء مُثَنَّاة من تَحْت ثُمَّ نون، أيْ: بَللْنَاهُ وَعَجَنَّاهُ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ بعثت کے وقت سے لے کر وفات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں دیکھی۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چھلنیاں نہیں تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے لے کر وفات تک چھلنی نہیں دیکھی، پھر ان سے پوچھا کہ بغیر چھنے ہوئے جو کی روٹی کیسے کھاتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جو کو پیستے پھر اس میں پھونک مارتے جو اڑتا وہ اڑ جاتا باقی ہم آٹا گوندھ لیتے۔ (بخاری)

النقی: نون پر زبر، قاف پر زیر یا مشدد، میدے کی روٹی۔ "ثرینا" ثا پھر را مشدد پھر یا اور نون بمعنی اسے بھگوتے اور پھر آٹا گوندھ لیتے۔

حدیث کی تشریح: حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جس عظیم مشن کو لے کر اُٹھے تھے کہ اللہ سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو اللہ کی طرف لانا اس میں اس کی گنجائش ہی کہاں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طیبات دنیا کا اہتمام فرماتے۔ اسی طرح جو جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی اس مشن کی تکمیل کے لیے تیار کی تھی وہ ہر وقت جان ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے انہیں کب فرصت تھی کہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے وقت نکالتے۔ مزید یہ کہ جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا فقر اختیاری تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کرتے تھے اور ہر معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔(فتح الباری:۲؍۱۱۵۵، دلیل الفالحین:۲؍۳۵۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کیساتھ ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : خرجَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ ، فَإِذَا هُوَ بِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رضي الله عنهما ، فَقَالَ : ((مَا أَخْرَجَكُمَا مِنْ بُيُوتِكُما هذِهِ السَّاعَةَ ؟)) قَالا : الجُوعُ يَا رسول الله . قَالَ : ((وَأَنَا ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لأَخْرَجَنِي الَّذِي أَخْرَجَكُما ، قُوما)) فقامَا مَعَهُ ، فَأَتَى رَجُلاً مِنَ الأَنْصار ، فَإِذَا هُوَ لَيْسَ في بيْتِهِ ، فَلَمَّا رَأَتْهُ المَرْأَةُ ، قالت : مَرْحَباً وَأهلاً .فقال لَهَا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :((أيْنَ فُلانٌ ؟)) قالت : ذَهَبَ يَسْتَعْذِبُ لنَا المَاءَ . إذْ جَاءَ الأَنْصَارِيُّ ، فَنَظَرَ إِلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : الحَمْدُ للهِ ، مَا أَحَدٌ الْيَوْمَ أكْرَمَ أضْيَافاً مِنِّي ، فَانْطَلَقَ فَجَاءهُمْ بِعِذْقٍ فِيهِ بُسْرٌ وَتَمْرٌ وَرُطَبٌ ، فَقَالَ : كُلُوا ، وَأَخَذَ الْمُدْيَةَ ، فَقَالَ لَهُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إيَّاكَ وَالْحَلُوبَ)) فَذَبَحَ لَهُمْ ، فَأَكَلُوا مِنَ الشَّاةِ وَمِنْ ذَلِكَ العِذْقِ وَشَرِبُوا . فَلَمَّا أنْ شَبِعُوا وَرَوُوا قَالَ رسول الله .صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لأَبي بَكْر وَعُمَرَ رضي الله عنهما : ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هَذَا النَّعِيم يَوْمَ القِيَامَةِ ، أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمُ الْجُوعُ ، ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوا حَتَّى أَصَابَكُمْ هَذَا النَّعيمُ)) رواه مسلم .

قولُهَا : ((يَسْتَعْذِبُ)) أيْ : يَطْلُبُ المَاءَ العَذْبَ ، وَهُوَ الطَّيِّبُ . وَ((العِذْقُ)) بكسر العين وإسكان الذال المعجمة : وَهُوَ الكِبَاسَةُ ، هِيَ الغُصْنُ . وَ((الْمُدْيَةُ)) بضم الميم وكسرها : هي السِّكِّينُ . وَ((الْحَلُوبُ)) : ذاتُ اللَّبَن .وَالسُّؤَالُ عَنْ هَذَا النَعِيمِ سُؤَالُ تَعْدِيد النِّعَم لا سُؤَالُ تَوبيخٍ وتَعْذِيبٍ ، والله أعلَمُ .وَهَذَا الأَنْصارِيُّ الَّذِي أَتَوْهُ هُوَ ، أَبُو الْهَيْثَم بْنُ التَّيِّهَانِ ، كَذَا جَاءَ مُبَيَّناً في رواية الترمذي((۱)) وغيره .

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن یا ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تو وہاں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس وقت تم لوگوں کو تمہارے گھروں سے کس چیز نے نکالا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا یارسول اللہ! بھوک نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور مجھے بھی ”قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میری جان ہے“ اسی چیز نے نکالا ہے جس نے تم دونوں کو گھر سے نکالا ہے۔ پس وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ پس ایک انصاری صحابی کے گھر پہنچے لیکن وہ گھر پر

موجود نہ تھے، جب ان کی بیوی نے آپ کو دیکھا تو خوش آمدید کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ فلاں انصاری صحابی ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، اتنے میں وہ انصاری بھی آگئے، ان انصاری نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر فرمایا الحمدللہ! آج مجھ سے زیادہ کوئی شخص معزز اور مکرم و مہمان والا نہیں ہے اتنا کہا اور چلے گئے۔ کھجور کا ایک توشہ لے آئے جس میں گدری اور خشک اور تر کھجوریں تھیں انہوں نے کہا کہ کھائیں اور خود انہوں نے چھری لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ دینے والی بکری کو ذبح مت کرنا پس انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور ان سب نے بکری کا گوشت اور کھجوریں کھائیں اور پانی پیا پس جب شکم سیر ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت کے دن ضرور تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ تم کو تمہارے گھروں سے بھوک نے نکالا پھر تم اپنے گھروں کو واپس نہیں لوٹے، یہاں تک کہ تمہیں یہ نعمتیں حاصل ہوگئیں۔ "یستعذب" میٹھا پانی لینے گئے۔ "العذق" عین کے زیر دال ساکن بمعنی ٹہنی، شاخ۔ "المدیة" میم پر پیش اور زیر دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے بمعنی چھری۔ "الحلوب" بمعنی دودھ والا جانور، ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ان کو اپنی نعمتیں گنوائے گا ورنہ یہ سوال توبیخ اور عذاب کے انداز کا نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ جس انصاری صحابی کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھی تشریف لے گئے ان کا نام ابو الہیثم بن التیہان ہے یہی ترمذی وغیرہ کی روایت میں صراحتاً مذکور ہے۔"

حدیث کی تشریح

فَقَالَ مَا اَخرَ جَكُمَا مِنْ بُيُوْتِكُمَا هٰذِهِ السَّاعَةَ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم دونوں کو کس چیز نے اس وقت تمہارے گھروں سے نکالا۔ بھوک کی حالت میں بھوک کو ختم کرنے کے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے ملا علی قاری نے علامہ نووی سے نقل کیا ہے کہ جب بھوک کی شدت ہو جائے اور اس بھوک کے ذریعہ حالات میں رکاوٹ آنے لگے تو اس صورت میں گھر سے نکل کر مباح اسباب ووسائل کے ذریعہ بھوک کو مٹانے کا علاج کرنا اور اس سلسلہ میں سعی وکوشش کرنا محض جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ (مرقاۃ)

فَاَتٰى رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ: پھر آپ ایک انصاری صحابی کے گھر پہنچے جس کا نام ابو الہیثم تھا۔ اس جملہ سے علماء استدلال فرماتے ہیں کہ ایسے ساتھیوں کے پاس ضیافت کے لئے جانا جائز ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ دیکھ کر خوش ہوگا اور محبت ومروت میں زیادتی کا باعث ہوگا۔ (مظاہر حق)

فَاِذَا هُوَ لَيْسَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَمَّا رَأَتْهُ الْمَرْأَةُ قَالَتْ مَرْحَباً وَاَهْلاً: مگر وہ اپنے گھر میں موجود نہیں تھے ان کی بیوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہا خوش آمدید۔ اس جملہ سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ آدمی گھر پر موجود نہ ہو تو اس کی بیوی آنے والے مہمان کی نوعیت دیکھ کر گھر پر بیٹھا سکتی ہے بشرطیکہ اس مہمان سے کوئی خطرہ کا اندیشہ نہ ہو دوسرے یہ کہ اپنے شوہر کی رضامندی کا یقین ہو۔

قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ: ان صحابی نے دیکھ کر کہا اللہ کا شکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معزز مہمانوں کا آنا اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے اور نعمت کے ظاہر ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا مستحب ہے۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں جب بھی مہمان آجائے تو مستحب ہے کہ اس کے سامنے خوشی کا اظہار کیا جائے۔ (مرقاۃ)

فَلَمَّا اَنْ شَبِعُوْا: جب پیٹ بھر گیا۔ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پیٹ بھر کر کھانا کھانا جائز ہے اور بعض روایات میں پیٹ بھر کر کھانا کھانے پر جو وعید وارد ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عادت نہ بنالی جائے کہ اس کی عادت بنانے میں غربا کے حال سے فراموشی کا مظہر ہے۔ (روضۃ المتقین)

دنیا ختم ہونیوالی ہے

وعن خالد بن عُمَيْر العَدَوِيِّ ، قَالَ : خَطَبَنَا عُتْبَةُ بنُ غَزْوَانَ ، وَكَانَ أمِيراً عَلَى البَصْرَةِ ، فَحَمِدَ الله وَأثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : أمَّا بَعْدُ ، فَإنَّ الدُّنْيَا قَدْ آذَنَتْ بِصُرْمٍ ، وَوَلَّتْ حَذَّاءَ ، وَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا إلاَّ صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الإنَاءِ يَتَصَابُّهَا صَاحِبُهَا ، وَإنَّكُمْ مُنْتَقِلُونَ مِنْهَا إلَى دَارٍ لاَ زَوَالَ لَهَا ، فَانْتَقِلُوا بِخَيرِ مَا بِحَضْرَتِكُمْ ، فَإنَّهُ قَدْ ذُكِرَ لَنَا أنَّ الحَجَرَ يُلْقَى مِنْ شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَيَهْوِي فِيهَا سَبْعِينَ عَاماً ، لاَ يُدْرِكُ لَهَا قَعْراً ، وَاللهِ لَتُمْلأنَّ أفَعَجِبْتُمْ ؟! وَلَقَدْ ذُكِرَ لَنَا أنَّ مَا بَيْنَ مِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ مَسيرَةُ أرْبَعِينَ عَاماً ، وَلَيَأتِيَنَّ عَلَيْهَا يَوْمٌ وَهُوَ كَظِيظٌ مِنَ الزِّحَامِ ، وَلَقَدْ رَأيْتُنِي سَابعَ سَبْعَةٍ مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، مَا لَنَا طَعَامٌ إلاَّ وَرَقُ الشَّجَرِ ، حَتَّى قَرِحَتْ أشْدَاقُنَا ، فَالتَقَطْتُ بُرْدَةً فَشَقَقْتُهَا بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ ، فَاتَّزَرْتُ بِنِصْفِهَا ، وَاتَّزَرَ سَعْدٌ بِنِصْفِهَا ، فَمَا أصْبَحَ اليَوْمَ مِنَّا أحَدٌ إلاَّ أصْبَحَ أمِيراً عَلَى مِصرٍ مِنَ الأمْصَارِ ، وَإنِّي أعُوذُ بِاللهِ أنْ أكُونَ فِي نَفْسِي عَظِيماً ، وَعِنْدَ اللهِ صَغِيراً . رواه مسلم .

قَوْله : " آذَنَتْ " هُوَ بِمَدِّ الألف ، أيْ : أعْلَمَتْ . وَقَوْلُه : " بِصُرْمٍ " هُوَ بضم الصاد ، أيْ : بانْقِطَاعِهَا وَفَنَائِهَا . وَقوله : " وَوَلَّتْ حَذَّاءَ " هُوَ بحاء مهملة مفتوحة ، ثُمَّ ذال معجمة مشدّدة ، ثُمَّ ألف ممدودة ، أيْ : سريعة . وَ" الصُّبَابَةُ " بضَم الصاد المهملة وهي : البَقِيَّةُ اليَسِيرَةُ . وَقَوْلُهُ : " يَتَصَابُّهَا " هُوَ بتشديد الباء قبل الهاء ، أيْ : يجمعها . وَ" الْكَظِيظُ " : الكثير المتلِئُ . وَقَوْلُه : " قَرِحَتْ " هُوَ بفتح القاف وكسر الراء ، أيْ صارت فِيهَا قُرُوح (رواہ مسلم)

ترجمہ: خالد بن عمیر عدوی بیان کرتے ہیں کہ بصرہ کے امیر عتبہ بن غزوان نے خطبہ دیا اور بعد حمد و ثناء کہا کہ دنیا اختتام کے قریب ہے اور پلٹ کر بھاگ رہی ہے۔ بس اب دنیا کے برتن میں دنیا کی تلچھٹ باقی رہ گئی ہے جسے صاف کرنے والا صاف کرتا ہے۔ اب تمہیں یہاں سے ایک اور گھر منتقل ہونا ہے جو ایسا گھر ہے جس میں زوال نہیں ہے تمہارے پاس جو بہتر ہے بہتر سامان ہے اس کے ساتھ اس گھر میں منتقل ہو۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے پتھر لڑھکایا جائے گا وہ ستر برس تک لڑھکتا رہے گا مگر تہہ میں نہیں پہنچ پائے گا۔ اللہ کی قسم جہنم بھر دی جائے گی کیا تمہیں تعجب ہے اور ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت کے دو کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت ہے اور اس پر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ انسانوں کی بھیڑ سے بھری ہوگی۔ تحقیق میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات افراد میں ساتواں پایا ہمارے پاس درخت کے پتوں کے سوا کچھ کھانے کو نہ تھا۔ یہاں تک کہ ہماری باچھیں زخمی ہوگئیں۔ اس زمانے میں مجھے ایک چادر ملی میں نے وہ پھاڑ کر اپنے اور سعد بن مالک کے درمیان تقسیم کر لی آدھی کی میں نے ازار باندھ لی اور آدھی سعد بن مالک نے ازار بنالی۔ لیکن آج ہم میں سے ہر ایک کسی شہر کا امیر ہے۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ اپنی نظر میں بڑا ہوں اور اللہ کے ہاں چھوٹا ہوں۔ (مسلم)

راوی کے مختصر حالات: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اسلام میں سے ہیں حبشہ کی جانب ہجرت کی، مشہور تیر انداز تھے۔ غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔ بصرہ خود عتبہ بن غزوان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ۱۷ ہجری میں بسایا تھا اور خود ہی اس کے امیر ہوئے۔ آپ سے چار احادیث مروی ہیں۔ صحاح ستہ میں یہی ایک حدیث مذکور ہے۔ ربذہ میں وفات پائی۔ (دلیل الفالحین: ۲/ ۳۶۰)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے بے انتہا دکھ اُٹھائے اور ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں اور اسلام کا بیج جزیرہ عرب میں بویا اور اس کی آبیاری کی یہاں تک کہ یہ ایک تناور درخت بن گیا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام اس وقت کی ساری معلوم دنیا میں پہنچ گیا اور دنیا اسلام اور اہل اسلام کے سرنگوں ہوگئی۔ محکوم حاکم بن گئے اور حاکم محکوم ہوگئے اور پتے چبا کر جنگیں لڑنے والے شہروں کے امیر ہوگئے اور یہ انقلاب عظیم ربع صدی میں برپا ہو گیا۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں بصرہ شہر بسایا تھا اور وہ اس کے امیر تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے تقریر کی اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا نقشہ کھینچا اور جنت و جہنم کا ذکر کیا اور بتایا کہ سات اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور میں ان میں ساتواں تھا۔ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہ تھا اور ہم بھوک کی شدت برداشت نہ کر پاتے تو پتے چبایا کرتے تھے جس سے ہمارے ہونٹوں کے کناروں پر زخم ہوگئے تھے، لباس بھی میسر نہ تھا، مجھے

کہیں سے ایک چادر مل گئی تھی جسے میں نے پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر لیا اور ایک ٹکڑا میں نے باندھ لیا اور ایک سعد بن مالک نے باندھ لیا۔ آج میں اور سعد بن مالک دونوں امیر شہر ہیں۔(شرح صحیح مسلم للنووی:۱۸؍۸۰)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس آخرت

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه ، قَالَ : أخْرَجَتْ لَنَا عَائِشَةُ رضي الله عنها كِسَاءً وَإزَاراً غَلِيظاً ، قالَتْ : قُبِضَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في هٰذَيْنِ. متفقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ:"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیں (اوپر لپٹنے والی) چادر (اور نیچے لپٹنے والی) موٹی چادر نکال کر دکھائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان دو چادروں میں ہوئی۔"(بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: کِسَاءً وَإِزَارًا غَلِيظًا: اوپر والی چادر اور نیچے والی موٹی چادر نکال کر دکھائی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کھانے پینے میں سادگی کو اختیار نہیں فرمایا بلکہ تمام ہی رہن سہن میں ایسی سادگی کو اختیار فرمایا ہوا تھا یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کا ذکر ہے کہ وہ کتنا سادہ تھا۔

علامہ قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حق میں یہ دعا کی تھی کہ " اَللّٰهُمَّ اَحِينِي مِسْكِينًا وَ اَمِتْنِي مِسْكِينًا" یعنی اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں موت دے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو انتہائی معمولی درجے کے کپڑے تھے۔(مظاہر حق)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلانے والے صحابی

وعن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه ، قَالَ : إنِّي لأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بسَهْمٍ في سَبيلِ الله ، وَلَقَدْ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ إلاَّ وَرَقُ الْحُبْلَةِ ، وَهٰذَا السَّمُرُ ، حَتَّى إنْ كَانَ أحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَهُ خَلْطٌ . متفقٌ عَلَيْهِ.

" الحُبْلَة " بضم الحاء المهملة وإسكان الباءِ الموحدةِ : وَهِيَ وَالسَّمُرُ ، نَوْعَانِ مَعْرُوفَانِ مِنْ شَجَرِ الْبَادِيَةِ .

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر اندازی کی۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے اور ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا سوائے کیکر اور سمر کے پتوں کے۔ یہاں تک کہ ہم بکری کی مینگنیوں کی طرح قضائے حاجت کرتے کہ اسمیں لزوجت نہ ہوتی۔(بخاری ومسلم)

حبلة اور سمر جنگل کے درختوں کی قسمیں ہیں (کیکر اور ببول)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱ہجری میں ساٹھ سواروں کا ایک دستہ عبیدہ بن الحارث کی سرکردگی میں ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھی مشرکین کے قافلے پر نظر رکھنے کے لیے رابغ روانہ فرمایا تھا اس میں نہ جنگ کی نوبت آئی اور نہ تلواریں باہر نکلیں صرف فریقین میں تیر اندازی ہوئی اور مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے تیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چلایا جو اسلام کی تاریخ میں دشمنان اسلام پر چلایا جانے والا پہلا تیر تھا۔

مقصود بیان یہی ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے صحابہ کرامؓ نے کس قدر مصائب برداشت کیے اور کس قدر سخت حالات سے گزرے اور ہر حالت میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔

(فتح الباری: ۲/۵۳۵، مظاہر حق: ۵/۱۴۷، روضۃ المتقین: ۲/۵۱)

بقدر ضرورت رزق کی دعا

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتاً)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! محمد کے گھر والوں کو صرف اتنی روزی دے جس سے جسم وروح کا تعلق برقرار رہے یعنی بقدر کفایت (متفق علیہ)

اہل لغت کہتے ہیں کہ ”قوتاً“ کا معنی اتنی خوراک جس سے بھوک مٹ جائے۔ (یعنی نہ بہت زیادہ اور نہ بالکل کم)۔“

حدیث کی تشریح: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً: اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو بقدر ضرورت روزی دے۔ بخاری کی دوسری روایت میں ”اَللّٰهُمَّ ارْزُقْ آلَ مُحَمَّدٍ قُوْتاً“ کے الفاظ بھی ہیں مطلب ایک ہی ہے۔

آل سے کون مراد ہیں

”آل محمد“ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول اس سے مراد اولاد اور اہل بیت یا امت کے آپ کے سچے تابعدار ہیں (مرقاۃ)۔ مگر شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آل سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام متبعین ہیں۔ (اشعت اللمعات) ”قوتا“ اتنی مقدار جو زندگی کو باقی رکھے۔ بعض فرماتے ہیں مراد اتنی مقدار ہے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے۔ اور بعض محدثین فرماتے

ہیں مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت اور ضروریات زندگی کو کم سے کم پر اکتفا کرنے کو کہا گیا ہے۔اور ضرورت سے زیادہ اسباب معیشت کو حاصل کرنے کے لئے محنت ومشقت کے پیچھے نہ لگے (مظاہر حق)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا صرف بقدر ضرورت رکھی جائے اور ضرورت کی تعریف حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے کہ ضروری وہ ہے جس کے نہ ہونے سے ضرر اور نقصان ہو خواہ دنیا کا ہو یا آخرت کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : وَاللهِ الَّذِي لاَ إِلهَ إِلاَّ هُوَ ، إنْ كُنْتُ لأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الأَرْضِ مِنَ الجُوعِ ، وَإنْ كُنْتُ لأَشُدُّ الحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ . وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوماً عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ مِنْهُ ، فَمَرَّ بي النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي ، وَعَرَفَ مَا فِي وَجْهِي وَمَا فِي نَفْسِي ، ثُمَّ قَالَ : " أَبَا هِرٍّ " قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رسول الله ، قَالَ : " الْحَقْ " وَمَضَى فَاتَّبَعْتُهُ ، فَدَخَلَ فَاسْتَأْذَنَ ، فَأَذِنَ لِي فَدَخَلْتُ ، فَوَجَدَ لَبَناً فِي قَدَحٍ ، فَقَالَ : " مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ ؟ " قَالُوا : أَهْدَاهُ لَكَ فُلانٌ أو فُلانَةُ قَالَ : " أَبَا هِرٍّ " قلتُ : لَبَّيْكَ يَا رسول اللهِ ، قَالَ : " الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي " قَالَ : وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الإِسْلاَمِ ، لاَ يَأْوُونَ على أهْلٍ وَلاَ مَال وَلاَ عَلَى أحَدٍ ، وَكَانَ إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ ، وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئاً ، وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ ، وَأَصَابَ مِنْهَا ، وأَشْرَكَهُمْ فِيهَا . فَسَاءنِي ذَلِكَ ، فَقُلْتُ : وَمَا هَذَا اللَّبَنُ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ ! كُنْتُ أَحَقُّ أَنْ أُصِيبَ مِنْ هَذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً أَتَقَوَّى بِهَا ، فَإِذَا جَاؤُوا وَأَمَرَنِي فَكُنْتُ أَنَا أُعْطِيهِم ؛ وَمَا عَسَى أنْ يَبْلُغَنِي مِنْ هَذَا اللَّبَنِ . وَلَمْ يَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وَطَاعَةِ رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدٌّ ، فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ ، فَأَقْبَلُوا وَاسْتَأْذَنُوا ، فَأَذِنَ لَهُمْ وَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ ، قَالَ : " يَا أَبَا هِرٍّ " قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رسول الله ، قَالَ : " خُذْ فَأَعْطِهِمْ " . قَالَ : فَأَخَذْتُ القَدَحَ ، فَجَعَلْتُ أُعْطِيهِ الرَّجُل فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ ، فَأُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ ، فَأُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ ، فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ ، فَنَظَرَ إِلَيَّ فَتَبَسَّمَ ، فَقَالَ : " أَبَا هِرٍّ " قُلْتُ : لَبَّيْكَ يَا رسول الله ، قَالَ : " بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ " قُلْتُ : صَدَقْتَ يَا رسول الله ، قَالَ : " اقْعُدْ فَاشْرَبْ " فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ ، فَقَالَ " اشْرَبْ " فَشَرِبْتُ ، فَمَا زَالَ يَقُولُ : " اشْرَبْ " حَتَّى قُلْتُ: لا ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ لاَ أَجِدُ لَهُ مَسْلَكاً ! قَالَ: " فَأَرِنِي " فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ ، فَحَمِدَ الله تَعَالَى ، وَسَمَّى وَشَرِبَ الفَضْلَةَ . رواه البخاري

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس اللہ کی قسم جس

کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں بھوک کی شدت سے اپنا پیٹ زمین سے لگا لیتا اور کبھی بھوک کی شدت سے پتھر پیٹ پر باندھ لیتا ایک روز میں راستہ میں بیٹھ گیا جہاں سے لوگ نکل رہے تھے۔ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور مجھے دیکھ کر میرے چہرے اور میرے دل کی کیفیت جان گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اباہر (ابو ہریرہ) میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ۔ یہ کہہ کر آپ چل پڑے میں بھی آپ کے پیچھے چلا۔ آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے میں نے اجازت طلب کی تو مجھے بھی اجازت مرحمت فرمادی اور میں بھی اندر چلا گیا۔ آپ کو ایک پیالہ میں دودھ رکھا ہوا ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ گھر والوں نے کہا کہ فلاں مرد یا فلاں عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اباھر (ابو ہریرہ) میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! اہل صفہ کے پاس جاؤ انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے ان کا نہ کوئی ٹھکانہ تھا نہ گھر بار اور نہ مال نہ کوئی سہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تو ان کو بھجوا دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے کچھ نہ لیتے اور جب ہدیہ آتا تو انہیں بلوا لیتے خود بھی اس میں استعمال فرماتے اور انہیں بھی شریک کرتے۔

مجھے یہ بات گراں ہوئی میں نے سوچا کہ اس دودھ سے اہل صفہ کا کیا بنے گا؟ اہل صفہ کے بجائے میں زیادہ حق دار تھا کہ وہ دودھ پی لیتا کہ کچھ توانائی آتی جب وہ آئیں گے تو آپ مجھے حکم فرمائیں گے کہ میں انہیں دیدوں پھر ہو سکتا ہے کہ یہ دودھ مجھ تک نہ پہنچے۔ لیکن اللہ کی اطاعت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا چارہ نہیں۔

غرض اہل صفہ کے پاس آیا اور ان کو بلا لایا وہ سب آئے اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی اور وہ گھر میں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اباھر (ابو ہریرہ) میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! یہ لو اور انہیں دیدو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیالہ لیا ایک شخص کو دیتا وہ سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے دیدیتا میں دوسرے کو دیتا وہ سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے دیدیتا یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور سب لوگ پی کر سیراب ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لے کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اباھر (ابو ہریرہ) میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میں اور تم رہ گئے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صحیح

فرماتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیو میں نے پیا۔ آپ یہ فرماتے گئے کہ پیو یہاں تک کہ میں نے عرض کیا نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اب میرے پیٹ میں جگہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا لاؤ مجھے دو میں نے وہ پیالہ آپ کو دیدیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اللہ کا نام لیا اور بچا ہوا دودھ پی لیا۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بیان ہے کہ دودھ کا ایک پیالہ کثیر آدمیوں کو کافی ہو گیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس موقع پر اصحاب صفہ کی تعداد ستر تھی اور کسی نے کہا کہ چار سو تھی' حاکم اپنی مستدرک میں فرماتے ہیں کہ میں نے ان تمام احادیث کا جائزہ لیا جو اصحاب صفہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تمام اکابر صحابہ تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کو اور اس کی خشیت کو اپنا شعار بنالیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں حاضری کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واقتداء میں مسکنت فقر اور تضرع اختیار کر لیا تھا اور اپنے آپ کو اللہ کی عبادت اور اس کے سامنے عاجزی اور بندگی کے لیے وقف کر دیا تھا اور دنیا دنیا والوں کے لیے چھوڑ کر خود اللہ کے لیے ہو گئے تھے۔

علماء نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف ہوتی تھی کبھی تعداد زیادہ ہوتی اور کبھی غزوات یا کسی اور مقصد کے لئے چلے جاتے تو تعداد کم ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھوک کی شدت سے اپنا پیٹ زمین سے لگا لیتے یا پتھر باندھ لیتے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی پیٹ پر پتھر باندھا ہے یعنی ایک پتلا اور چپٹا پتھر لے لیتے جس کی لمبائی بالشت بھر ہوتی اسے پیٹ پر رکھ کر اوپر سے کپڑا باندھ لیتے تھے اس سے کھڑا ہونے میں مدد ملتی تھی۔

بخاری اور جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے میں آکر بیٹھ گئے تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر سے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی اور دل میں خیال کیا کہ شاید ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے ساتھ لے جائیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے میں نے ان سے بھی ایک آیت کی تفسیر پوچھی اور دل میں خیال کیا کہ شاید عمر مجھے ساتھ لے جائیں گے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے مجھے مسکرا کر دیکھا اور کہا کہ ابوہریرہ میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھ آجاؤ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشارہ کو نہیں سمجھا اور ان کے آیات قرآن کے بارے میں سوال کو اس کے ظاہر پر لیا۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسوس کا اظہار بھی کیا کہ کیوں نہ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے گئے۔ اللہ کی قسم اگر میں تمہیں ساتھ لے جاتا تو یہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتا۔

جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اصحاب صفہ کو دودھ پلا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات اشارہ ہے اس امر کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں موجود اس بات کو جان گئے کہ شاید دودھ میرے لیے نہ بچے۔ بہر کیف آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ لیا' اللہ کی حمد کی اس نعمت پر جو اس نے عطا فرمائی اور اس برکت کی جو اس دودھ میں اس نے پیدا فرمائی اور بسم اللہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمالیا۔ (فتح الباری: ۳/۷ ۳۶۷'عمدۃ القاری: ۲۳/۸۸'تحفۃ الاحوذی: ۷/۲۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو جانا

وعن محمد بن سيرين ، عن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإنِّي لأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلَى حُجْرَةِ عائِشَةَ رضي الله عنها مَغْشِيّاً عَلَيَّ ، فَيَجِيءُ الجَائِي ، فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي ، وَيَرَى أنِّي مَجْنُونٌ وَمَا بِي مِنْ جُنُونٍ ، مَا بِي إلاَّ الْجُوعُ . رواه البخاري .

ترجمہ: ''محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرا یہ حال ہوتا کہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے درمیان بے ہوش ہو کر گر جاتا پس چلنے والا آدمی میری گردن پر پاؤں رکھتا یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے جنون ہے حالانکہ مجھے جنون نہ ہوتا صرف بھوک ہوتی تھی۔'' (بخاری)

حدیث کی تشریح: مَغْشِيًّا عَلَيَّ: بے ہوش ہوتا۔ یہ حضرت ابوہریرہؓ اپنا حال خود بیان فرمارہے ہیں کہ میرا یہ حال ہوتا کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے میں بے ہوش ہو جاتا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اصحاب الصفہ میں سے تھے جنہوں نے دین کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا تھا کہیں سے کچھ آجاتا اس کو کھا لیتے باقی وقتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سنتے اور یاد کرتے تھے۔ ''وَيَرىٰ اَنِّیْ مَجْنُوْنٌ'' میری گردن پر پاؤں رکھتا اور یہ خیال کرتا کہ مجھے جنون ہو گیا ہے۔ گردن پر پیر رکھنے کا مقصد کوئی تحقیر یا تنقیص نہیں تھی بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ مجنون کا علاج یہی گردن پر پاؤں رکھنے کے ساتھ ہوتا تھا اس لئے لوگ ان کی گردن پر پاؤں رکھتے تھے۔ یہ چند دنوں کا امتحان تھا پھر بعد میں یہ گورنر بنائے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت اپنی داع رہن رکھی تھی

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : تُوُفِّي رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍ فِي ثَلاثِينَ صَاعاً مِنْ شَعِيرٍ . متفق عَلَيْهِ .

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی آپ کی درع ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع کے بدلے میں رہن رکھی ہوئی تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: دِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔

شبہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً یہودیوں سے قرض لیتے بعض صحابہ اہل ثروت تھے ان سے کیوں نہیں لے لیتے تھے؟

پہلا ازالہ: اگر آپ صحابہ سے قرض لیتے تو وہ قرض کی رقم کو واپس نہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں غیرت تھی کہ واپس ضرور کریں۔

دوسرا ازالہ: اس مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے یہودیوں اور غیر مسلموں سے قرض لیا جا سکتا ہے۔

عند یہودی: اس یہودی کا نام ابو الشحم تھا قبیلہ بنی ظفر سے تعلق رکھتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت ذرہ جو کے بدلے میں رہن رکھی ہوئی تھی

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعَهُ بِشَعِيرٍ ، وَمَشَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ ، وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ : ((مَا أَصْبَحَ لآلِ مُحَمَّدٍ صَاعٌ(۳)) وَلاَ أَمْسَى)) وَإِنَّهُمْ لَتِسْعَةُ أَبْيَاتٍ . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ جو کے بدلے رہن رکھی اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو کی روٹی اور چربی جو قدرے متغیر ہو گئی تھی لے کر گیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صبح کو یا شام کو ایک صاع بھی خوراک نہیں ہوتی اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو گھر تھے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا یہی نقشہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برقرار رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کو دنیا پر ترجیح اور دنیا میں زہد و فقر اختیار فرمایا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیش کش ہوئی کہ احد پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اے میرے رب! مجھے تو یہی پسند ہے کہ ایک دن کھانے کو مل جائے تو شکر کروں اور دوسرے دن کھانے کو نہ ملے تو صبر کروں۔ (فتح الباری: ۱۱/۱۰۹۰، دلیل الفالحین: ۲/۳۷۴)

اصحاب صفہ کی ناداری

وَعَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: لَقَدْ رَأَیْتُ سَبْعِیْنَ مِنْ أَهْلِ الصُّفَّةِ، مَامِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَیْهِ رِدَاءٌ، اِمَّا اِزَارٌ وَاِمَّا کِسَاءٌ، قَدْ رَبَطُوْا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ مِنْهَا مَا یَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَیْنِ وَمِنْهَا مَا یَبْلُغُ الْکَعْبَیْنِ، فَیَجْمَعُهُ، بِیَدِهٖ کَرَاهِیَةَ أَنْ تُرٰی عَوْرَتُهُ، (رواہ البخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ستر اصحاب الصفہ کو دیکھا ان میں سے کسی کے پاس اوپر نیچے کیلئے پورا کپڑا نہیں تھا یا صرف تہبند یا ایک چادر جس کو انہوں نے اپنی گردنوں میں باندھ رکھا تھا۔ بعض تہبند نصف پنڈلی تک پہنچتے اور بعض ٹخنوں تک پہنچتے تھے۔ پس وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے تہبند کو سہلاتا رہتا تاکہ اس کی شرم گاہ ظاہر نہ ہو جائے۔

تشریح:۔ ان جیسی دوسری روایتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ دنیا کی زندگی میں زہد اور استغناء اختیار کئے ہوئے تھے۔ دنیا کی متاع اور لذتوں سے اعراض کئے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ان کے لباس بھی معمولی اور پھٹے ہوئے ہوتے تھے اگرچہ وہ بہترین لباس بھی پہن سکتے تھے۔ مگر آخرت کی ہر وقت تیاری اور استحضار کی وجہ سے اس طرف ان کی توجہ ہی نہ رہتی تھی۔

اصحاب صفہ میں سب سے زیادہ قریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے

روایت بالا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں اصحاب صفہ کا حال بیان کر رہے ہیں یہی حال ان کا بھی رہتا تھا اس سلسلہ میں حافظ ابن نعیم فرماتے ہیں۔

وهو یعنی ابا هریرة اشهر من سکن الصفة واستو طنها طول عمر النبی صلی الله علیه وآله وسلم ولم ینتقل عنها وکان عریف من سکن الصفة من القاطنین ومن نزلها من الطارقین وکان النبی صلی الله علیه وآله وسلم اذا اراد ان یجمع اهل الصفة لطعام حضره تقدم الی ابی هریرة لیدعوهم ویجمعهم لمعرفته بهم ومنازلهم ومراقبهم.

ترجمہ:۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفہ میں قیام کرنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک بقید حیات رہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفہ ہی میں رہے اور وہاں سے منتقل نہیں ہوئے۔ صفہ میں اقامت کرنے والوں کو اور وہاں آکر قیام کرنے والوں کو خوب جانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اصحاب صفہ کو کھانے کیلئے بلانے کا ارادہ فرماتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لاتے اور ان سے ہی ارشاد فرماتے کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ اور جمع کرو کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سب کو خوب جانتے تھے اور ان کے مراتب سے بھی خوب واقف تھے"۔

اصحاب صفہ کی تعداد

سَبْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ الصُّفَّةِ: اصحاب صفہ کی تعداد مختلف رہتی تھی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۰۱ نام گنوائے ہیں۔ محدث حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں چونتیس نام بتائے ہیں اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ۴۳ نام لکھے ہیں اور علامہ قرطبی نے چار سو بتائے ہیں ان کی مقدار بڑھتی اور گھٹتی رہتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا چمڑے اور کھجور کے چھال کا تھا

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : كَانَ فِرَاشُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أُدْمٍ حَشْوُهُ لِيفٌ . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چمڑے کا بستر تھا جس میں کھجور کی چھال اور پتے بھرے ہوئے تھے۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور اس کے نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر اُبھر آئے تھے۔ کسی نے کہا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی بستر لے آئیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بچ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میں تو وہ سوار ہوں جو دو گھڑی درخت کے سائے میں رُکتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے روانہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر دیکھا کہ چادر دھری کر کے ڈال دی گئی تھی۔ تو اس نے ایک گدا بھیج دیا جس میں روئی بھری ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ گدا دیکھ کر فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کر دو' اللہ کی قسم اگر میں چاہتا تو اللہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتا۔ (فتح الباری: ۳/۳۶۷ عمدۃ القاری: ۲۳/۹۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے تشریف لے جانا

وعن ابن عمر رضي الله عنهما، قَالَ : كُنَّا جُلُوساً مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، إذْ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَار ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ، ثُمَّ أَدْبَرَ الأَنْصَارِيُّ ، فَقَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يَا أَخَا الأَنْصَار ، كَيْفَ أَخِي سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ ؟)) فَقَالَ : صَالِحٌ ، فَقَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ يَعُودُهُ مِنْكُمْ ؟)) فَقَامَ وَقُمْنَا مَعَهُ ، وَنَحْنُ بضْعَةَ عَشَرَ ، مَا عَلَيْنَا نِعَالٌ ، وَلاَ خِفَافٌ ، وَلاَ قَلاَنِسُ(۲)) ، وَلاَ قُمُصٌ ، نَمْشِي فِي تِلْكَ السِّبَاخِ ، حَتَّى جِئْنَاهُ ، فَاسْتَأْخَرَ قَوْمُهُ مِنْ حَوْلِهِ حَتَّى دَنَا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ الَّذِينَ مَعَهُ . رواه مسلم .

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک انصاری آدمی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا پھر واپس چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انصاری! میرے بھائی سعد بن عبادہ کا کیا حال ہے؟ اس نے بیان کیا کہ وہ ٹھیک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس کی بیمار پرسی کرنا چاہتا ہے؟ اتنی بات کہہ کر آپ کھڑے ہوگئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ اس وقت ہم کچھ اوپر دس آدمی تھے نہ ہمارے پاؤں میں جوتیاں تھیں نہ موزے اور نہ سروں پر ٹوپیاں تھیں اور نہ قمیص۔ ہم شور والی زمین پر پیدل چل رہے تھے یہاں تک کہ ہم حضرت سعد کے گھر پہنچے اس پر حضرت سعد کی قوم کے لوگ اس کے اردگرد سے آگے پیچھے ہٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اس کے قریب ہوگئے۔''

حدیث کی تشریح: كَيْفَ اَخِيْ سَعْدُ بْنَ عُبَادَةَ: میرے بھائی سعد بن عبادہ کا کیا حال ہے؟ یہ حضرت سعد کی سعادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا بھائی فرمایا اور تقریباً یہی جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بھائی ہم کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

مَنْ يَّعُوْدُهٗ مِنْكُمْ؟ تم میں سے ان کی عیادت کے لئے کون تیار ہے۔ بیماروں کی عیادت کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور احادیث میں اس کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں ایک حدیث میں آتا ہے جو کسی کی عیادت کے لئے صبح کے وقت جائے تو پھر شام تک ستر ہزار فرشتے اس جانے والے کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کو جائے تو پھر صبح تک ستر ہزار فرشتے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔

مَا عَلَيْنَا نِعَالٌ وَلَا خِفَافٌ وَلَا قَلَانِسُ وَلَا قُمُصٌ: ہمارے پاس نہ جوتے تھے اور نہ موزے اور نہ ٹوپیاں اور نہ قمیص۔ اس میں صحابہ کی غربت اور فقر کا حال ہے کہ اتنے فقر میں بھی وہ اللہ اور اس کے رسول سے راضی تھے اور اس طرف ان کی کوئی توجہ نہ ہوئی تھی۔

فَاسْتَأْخَرَ قَوْمُهٗ مِنْ حَوْلِهٖ حَتّٰى دَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: پس ان کے گھر والے ان کے پاس سے پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ آپ ان کے قریب ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جگہ تنگ ہو تو گھر والوں کو چاہئے کہ مزاج پرسی کے لئے آنے والوں کے لئے جگہ خالی کردیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار پرسی کرنے والا بیمار کے قریب ہو کر بیٹھ کر تسلی دے۔

سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے

وعن عِمْرَان بنِ الحُصَيْنِ رضي الله عنهما ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أنه قَالَ :

"خَيْرُكُمْ قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ " قَالَ عِمْرَانُ : فَمَا أَدْرِي قَالَ النبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ أَو ثَلاثاً " ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ ، وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤْتَمَنُونَ ، وَيَنْذِرُونَ وَلاَ يُوفُونَ ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ " متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔

حضرت عمران فرماتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دومرتبہ فرمایایا تین مرتبہ۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی دیں گے اور ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی خیانت کریں گے اور انہیں امین نہیں سمجھا جائے گا نذر مانیں گے اور پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر جو ان کے بعد آئیں گے پھر جو ان کے بعد آئیں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرن کے معنی ہیں وہ لوگ جو ایک ہی دور میں ہوں اور امور مقصودہ میں مشترک ہوں۔ صحیح یہ ہے کہ قرن کا لفظ مدت مقررہ کے ساتھ محدود نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرن (زمانہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا زمانہ ہے جو بعثت مبارکہ سے لے کر آخری صحابی کی موت تک جاری رہا۔ یعنی ایک سو بیس برس (عصر صحابہ سن تاریخ کے اعتبار سے ۱۰۰ ہجری میں ختم ہو گیا کیونکہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۰۰ ہجری میں وفات پائی اور ایک قول کے مطابق ان کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی) پھر قرن تابعین ہے جو ۱۸۰ ہجری تک رہا پھر اتباع تابعین کا زمانہ ہے جو دو سو بیس ۲۲۰ ہجری تک جاری رہا۔ اس کے بعد بدعات عام ہو گئیں، معتزلہ کی موشگافیاں شروع ہو گئیں اور فلاسفہ کی آراء ذہنوں میں سرایت کر گئیں، خلق قرآن جیسے فتنے کھڑے ہو گئے اور اس حالت میں بہت کچھ تغیر واقع ہو گیا جو سلف صالح (صحابہ، تابعین اور تبع تابعین) کے دور میں تھی۔

حضرت عمران بن حصین نے فرمایا کہ مجھے نہیں یاد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے دو مرتبہ فرمایایا تین مرتبہ۔ دو مرتبہ کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعین اور اتباع تابعین کے ادوار ہو گئے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا تو چوتھے دور میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے مدافعت عن السنہ کا فریضہ ادا کیا اور انتہائی عزیمت کے ساتھ اصل دین کی تبلیغ کی اور اس کے لیے عظیم قربانیاں دیں۔

پھر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق لوگوں میں اخلاقی فساد دینی کمزوری اور دیگر عیوب پیدا ہو گئے، امانت میں خیانت عام ہو گئی، لوگ نذر مانتے اسے پورا نہیں کرتے، یعنی اللہ سے کیا ہوا عہد پورا نہیں کرتے تو انسانوں سے کیے ہوئے عہد کی کیا قیمت باقی رہ جاتی ہے۔ دولت دنیا پر فخر عیش کوشی اور آرام و آسائش کی زندگی عام ہو گئی۔ (فتح الباری: ۲/۸۰، دلیل الفالحین: ۲/۳۷۷)

اپنے مال کو کہاں خرچ کرے

وعن أَبي أُمَامَةَ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يَا ابْنَ آدَمَ ، إنَّكَ أنْ تَبْذُلَ الفَضْلَ خيرٌ لَكَ ، وَأنْ تُمسِكَهُ شَرٌ لَكَ ، ولاَ تُلاَمُ عَلَى كَفَافٍ ، وَابْدأْ بِمَنْ تَعُولُ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: ”حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے آدم کے بیٹے! اگر تو زائد مال خرچ کرے گا تو تیرے لئے بہتر اور اگر تو اس کو روکے گا تو تیرے لئے بری بات ہے اور تجھے ملامت نہیں کی جائے گی بقدر ضرورت مال رکھنے پر اور ان لوگوں سے ابتداء کر جو تیرے اہل وعیال ہیں (ترمذی، یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔“

حدیث کی تشریح: یَابْنَ آدَمَ اِنَّكَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ: اے آدم کے بیٹے! تو زائد مال خرچ کرے تو تیرے لئے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کی اتنی بار ترغیب دی کہ بعض صحابہ کرامؓ کو یہ خیال ہونے لگا کہ آدمی کو اپنی ضرورت سے زیادہ چیز رکھنے کا حق ہی نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کو کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر لے جاتے تھے اس کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس سواری زائد ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس توشہ زائد ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز کا اسی طرح ذکر فرمایا۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آدمی کا اپنی ضرورت سے زائد میں کوئی حق نہیں۔ (ابوداؤد)

وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ: ان لوگوں سے ابتدا کرو جو تمہارے اہل وعیال میں ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے ایک درہم تو غلام کے آزاد کرنے میں خرچ کرے ایک درہم تو کسی فقیر کو دے، ایک درہم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے ان میں سب سے افضل یہی ہے جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے (مشکوۃ)۔ ایک دوسری حدیث میں خرچ کرنے کی ترتیب اس طرح بتائی گئی ہے کہ سب سے پہلے آدمی اپنے اوپر پھر اہل وعیال، پھر رشتہ دار، پھر اس سے بھی زائد ہو تو اِدھر اُدھر خرچ کرے۔ (کنز العمال)

صحت اور ایک دن کی غذا پوری دنیا مل جانے کے برابر ہے

وعن عُبَيْدِ الله بنِ مُحْصنٍ الأَنصَارِيِّ الخطميِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ أصْبَحَ مِنْكُمْ آمِناً في سِربِهِ ، مُعَافَىً في جَسَدِهِ ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ ، فَكَأنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيرِهَا " رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن " .

" سِربه " : بكسر السين المهملة : أي نَفْسه ، وَقِيلَ : قَومه .

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن محصن انصاری خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ اس کی جان سلامت ہو' جسم بیماری سے محفوظ ہو اور اس دن کی روزی اس کے پاس موجود ہو تو گویا ساری دنیا مع اس کے ساز و سامان اس کیلئے جمع کر دی گئی ہو۔ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

سربہ۔ سین کے ساتھ زیر کے ساتھ اس کے معنی جان یا قوم کے ہیں۔

حدیث کی تشریح: جو انسان صبح کو اُٹھا اور اسے کوئی ڈر اور خوف نہیں جان اس کی سلامت ہے صحت کو کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوا اور آج کے دن کا رزق بھی اس کے پاس موجود ہے تو یہ ایسا ہے جیسے اس کی ساری دنیا اس کے جملہ ساز و سامان کے ساتھ مل گئی ہو کہ صحت و عافیت اللہ کے ہاتھ میں اور رزق اللہ دینے والا ہے جس نے آج دیا ہے وہی کل بھی دے گا جس نے آج صحت دی ہے وہی کل کو بھی صحت مندر کھے گا اور جس نے آج بے خوف بنایا اور عافیت عطا کی ہے وہی کل کو بھی کرے گا اور زندگی تو آج ہی کی ہے کل کا کیا پتہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ سے گزر رہے تھے دیکھا کہ لوگ چھپر کی مرمت کر رہے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ چھپر خراب ہو گیا اس کی مرمت کر رہے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت تو اس سے بھی قریب ہے۔ جیسا کہ ما قبل میں گزر چکا ہے (روضۃ المتقین: ۶۱/۲' دلیل الفالحین: ۳۷۹/۲)

کامیابی ایمان کی دولت اور بقدر ضرورت روزی ملنے میں

وعن عبد الله بن عَمْرو بن العاص رضي الله عنهما : أن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ ، وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافاً ، وَقَنَّعَهُ اللهُ بِمَا آتَاهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا رزق ضرورت کے مطابق ہے اور اللہ پاک نے اس کو جو مال دیا ہے اس پر اسے قناعت کی نعمت سے نوازا۔" (مسلم)

حدیث کی تشریح: قَدْ اَفْلَحَ: قرآن و حدیث میں "فلح" کا لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ قاموس نے لکھا کہ "فلح" کے معنی آدمی کو مراد حاصل ہو جائے اور ہر تکلیف اس سے دور ہو جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ بہت ہی جامع لفظ ہے ظاہر ہے کہ آدمی کی ہر مراد پوری ہو جائے اور ہر تکلیف دور ہو جائے دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں یہ نہیں خواہ وہ دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔

ان صفات والوں کو جو حدیث بالا میں فرمایا جا رہا ہے ان کو "فلاح" کامل تو جنت میں ہی نصیب ہو گی مگر فلح کا پرتو اور سایہ اس دنیا میں بھی ان کو ملے گا۔

حدیث بالا میں تین صفات کو بیان کیا جارہا ہے جن پر فلاح اور (کامیابی) دنیاو آخرت کی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہیں:
پہلی صفت: اسلام کی ہدایت ملی۔ کہ اللہ نے اس کا سینہ دین اسلام کے لئے کھول دیا اس کو اس سے پہلے اختیار کیا پھر اس کے مطابق عمل کیا۔

دوسری صفت: "رَزَقَهُ كَفَافًا" بقدر کفایت روزی میسر آئی جس سے اس کا گزارہ چل جائے اس پر وہ راضی اور خوش ہو اس کے جمع کرنے کی اس کو حرص نہیں۔

تیسری صفت: "وقنعه الله بما اتاه" جو کچھ اللہ جل شانہ نے اس کو عطا فرمایا ہے اس پر وہ قناعت کئے ہوئے ہے کسی سے شکایت و شکوہ نہیں کرتا۔ جیسے کہ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

کوزہ چشم حریصاں پر نہ شد تاصدف قانع نہ شد پر در نہ شد

کہ حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پر نہ ہو اور سیپی جب تک قناعت اختیار نہیں کرتی یعنی اپنے حرص کا جب تک منہ بند نہیں کرتی اس میں موتی نہیں بنتا۔

ایمان کی دولت ملنے والے کو خوشخبری

وعن أَبي محمدٍ فضَالَة بن عبيدٍ الأنصاريِّ رضي الله عنه: أنه سمع رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يقول: ((طُوبَى لِمَنْ هُدِيَ لِلإسْلاَمِ، وَكَانَ عَيْشُهُ كَفافاً وَقَنِعَ)) رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ: "حضرت ابو محمد فضالہ بن عبید الانصاری سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جسے اسلام کی ہدایت دے دی گئی ہے اور جس کی گزران بقدر کفایت ہو اور قناعت پر بسر ہو۔"

حدیث کی تشریح: "طوبیٰ" اس کے دو معنی ہیں (مسلم) جنت کا نام ہے یا جنت کے ایک درخت کا نام ہے (ترمذی) دوسرا یہ کہ طوبیٰ کے معنی مبارکبادی اور خوشخبری بھی آتے ہیں دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔

حدیث بالا میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ شخص بہت ہی زیادہ مبارک بادی کے قابل ہے جس کو اللہ جل شانہ نے اسلام کی توفیق عطا فرمادی ہو اور بقدر کفایت اس کو روزی بھی مل گئی ہو اور اس روزی پر اس کو قناعت بھی نصیب ہو گئی ہو۔ اس کو یقین ہو گیا ہو کہ رزق تو من جانب اللہ مقدر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہو۔

ایک دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ متقی بن جاؤ سب سے بڑے عبادت کرنے والے بن جاؤ گے اور کم سے کم مقدار پر قناعت کرنے والے بن جاؤ تو سب سے زیادہ شکر گزار ہو جاؤ گے اور ایک حدیث میں ارشاد وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص غریب ہو یا امیر ایسا نہ ہو گا جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ کاش دنیا میں اس کو صرف ضرورت کے درجہ کی روزی ملتی اس سے زیادہ نہ ملتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فاقہ

وعن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : كَانَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِياً ، وَأَهْلُهُ لاَ يَجِدُونَ عَشَاءً ، وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ .
رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن صحيح " .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی رات مسلسل بھوکے رہتے اور اہل خانہ کے پاس رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا ان کی خوراک اکثر اوقات جو کی روٹی ہوتی تھی۔(ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی راتیں بھوکے گزارتے اور بیشتر حالات میں جو کی روٹی ہی تناول فرماتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آبدیدہ ہوگئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد آگئے کہ آپ دنیا سے رخصت ہوگئے مگر زندگی بھر ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ روٹی اور گوشت ایک دن میں دو مرتبہ تناول فرمایا ہو۔(تحفۃ الاحوذی: ۷/۷۰)

بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا فاقہ کی وجہ سے نماز میں گر جانا

وعن فُضَالَةَ بن عبيدٍ رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا صَلَّى بالنَّاسِ ، يَخِرُّ رِجَالٌ مِنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلاَةِ مِنَ الخَصَاصَةِ وَهُمْ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ حَتَّى يَقُولَ الأَعْرَابُ : هؤُلاءِ مَجَانِينُ . فَإِذَا صلَّى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ ، فَقَالَ : " لَوْ تَعْلَمُونَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى ، لأَحْبَبْتُمْ أَنْ تَزْدَادُوا فَاقَةً وَحَاجَةً "
رواه الترمذي ، وقال : " حديث صحيح " . " الخَصَاصَةُ " : الفَاقَةُ وَالجُوعُ الشَّدِيدُ .

ترجمہ: حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کھڑے ہوتے اور صف میں کھڑے ہوئے بعض لوگ بھوک کی شدت سے گر پڑتے تھے۔ یہ اصحاب صفہ تھے حتی کہ اعراب انہیں مجنون کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے یہاں تمہارے لئے کیا اجر وثواب ہے تو تم اس فاقہ اور حاجت میں اضافہ کی آرزو کرو۔(ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث صحیح ہے) خصاصۃ کے معنی فاقہ اور شدید بھوک کے ہیں۔

حدیث کی تشریح: مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کونے میں ایک چبوترہ بنادیا گیا تھا اور اس پر کھجور کے پتوں سے سایہ کردیا گیا تھا' دور دراز سے لوگ اسلام قبول کرنے اور دین سیکھنے آتے وہ یہیں رہتے تھے رات دن علم دین سیکھتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرتے اور عبادت و بندگی میں لگتے رہے۔ ان لوگوں کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر کہیں سے کچھ آجاتا تو ان لوگوں کو بھیج دیتے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے لیے جو کچھ میسر ہوتا فراہم کرتے تھے۔

بعض اوقات بھوک کی شدت کا یہ عالم ہوجاتا کہ اصحاب صفہ میں بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے کھڑے گر پڑتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے آخرت کی کس قدر نعمتیں تمہارے لیے رکھی ہیں تو تم تمنا کرو کہ بھوک اور فاقہ میں کچھ اور اضافہ ہوجائے۔ چنانچہ اس سے پہلے روایت گزر چکی ہے کہ فقراء مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (روضۃ المتقین: ۲/ ۶۳' دلیل الفالحین: ۲/ ۳۸۲)

کھانے کے دوران پیٹ کے تین حصے

وعن أبي كريمة المقدام بن معد يكربَ رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " مَا مَلأَ آدَمِيٌّ وعَاء شَرّاً مِنْ بَطْنٍ ، بِحَسْبِ ابن آدَمَ أُكُلاَتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ ، فإنْ كانَ لا مَحالةَ فثُلُثٌ لِطَعَامِهِ ، وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ ، وَثُلُثٌ لِنَفَسه " رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن " . " أُكُلاَتٌ " أيْ : لُقَمٌ .

ترجمہ: حضرت ابو کریمہ مقداد بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی آدمی نے کوئی برتن نہیں بھرا کہ اس کا بھرنا پیٹ کے بھرنے سے برا ہو۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اور اگر کھانا ہی ہے تو تہائی کھانے کے لئے تہائی پانی کے لئے اور تہائی سانس کے لئے۔ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے) اکلات کے معنی ہیں چند لقمے۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کو ایک برتن قرار دیا جیسا کہ گھر میں برتن ہوتے ہیں جن میں کھانا پکایا جاتا ہے پھر اس برتن کو برا برتن قرار دیا ہے اور فرمایا کہ کسی برتن کا بھرنا برا نہیں ہے جتنا اس برتن کا بھرنا برا ہے کیونکہ پیٹ بھرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس نظام کو چلانے کے لیے جو اللہ نے اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے جبکہ پیٹ کے بھرنے سے دین اور دنیا دونوں کا فساد پیدا ہوتا ہے' پیٹ کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے آدمی کی کمر سیدھی ہوجائے۔ اگر اس حد سے تجاوز کرنا ہے تو انتہائی حد یہ ہے کہ ایک تہائی غذا ایک تہائی پانی اور ایک تہائی سانس لینے کی جگہ۔

حدیث کا مقصود یہ بیان ہے کہ بسیار خوری انسان کے لیے بیماریاں لاتی ہے اور اس پر وبال بن جاتی ہے۔

(روضۃ المتقین: ۲/۶۴، دلیل الفالحین: ۲/۳۸۲)

زاہدانہ زندگی بسر کرنا ایمان کا حصہ ہے

وعن أبي أُمامَةَ إياس بن ثعلبةَ الأَنْصَاريِّ الحارثي رضي الله عنه ، قَالَ : ذَكَرَ أَصْحَابُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوماً عِنْدَهُ الدُّنْيا ، فَقَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أَلاَ تَسْمَعُونَ ؟ أَلاَ تَسْمَعُونَ ؟ إنَّ البَذَاذَةَ مِنَ الإِيمَانِ ، إنَّ البَذَاذَةَ مِنَ الإِيمَانِ)) يَعْنِي : التَّقَحُّلَ . رواهُ أبو داود . ((البَذَاذَةُ)) بالباء الموحدةِ والذالين المعجمتين وَهِيَ رَثَاثَةُ الهَيْئَةِ وَتَرْكُ فَاخِرِ اللِّبَاسِ . وَأَمَّا ((التَّقَحُّلُ)) فبالقافِ والحاء : قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ : المُتَقَحِّلُ هُوَ الرَّجُلُ اليَابِسُ الجِلْدِ مِنْ خُشُونَةِ العَيْشِ وَتَرْكِ التَّرَفُّهِ .

ترجمہ: "حضرت ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ انصاری حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ایک دن آپ کے سامنے دنیا کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ عیش و عشرت کو چھوڑ کر زاہدانہ زندگی بسر کرنا ایمان میں سے ہے یقیناً سادگی ایمان کا حصہ ہے اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلفات اور زیب و زینت کی چیزوں کا ترک ہے۔"

تشریح: اَلاَ تَسْمَعُوْنَ ؟: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ مکرر ارشاد فرمایا اس سے غرض یہ ہے کہ بات پوری توجہ سے سنی جائے۔ "اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ" سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر معاملہ میں سادگی کو اختیار کرے جتنا دنیا کے تکلفات سے اجتناب کرے گا اتنا ہی تیاری سے غافل ہوتا چلا جائے گا۔ (مرقات)

سادگی کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی صفائی سے گریز کرے کیونکہ صفائی خود مطلوب اور نصف ایمان ہے۔ آدمی اپنی شرعی حدود کے اندر رہ کر دنیاوی چیزوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر ان دنیاوی چیزوں میں الجھ کر وہ آخرت کو بھول جائے اس کی ممانعت فرمائی جارہی ہے۔ (مظاہر حق)

عنبر مچھلی ملنے کا واقعہ

وعن أبي عبد الله جابر بن عبد الله رضي الله عنهما ، قَالَ : بَعَثَنَا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَأَمَّرَ عَلَيْنَا أَبَا عُبَيْدَةَ رضي الله عنه ، نَتَلَقَّى عِيراً لِقُرَيْشٍ ، وَزَوَّدَنَا جِرَاباً مِنْ تَمرٍ لَمْ يَجِدْ لَنَا غَيْرَهُ ، فَكَانَ أبو عُبيدَةَ يُعْطِينَا تَمْرَةً تَمْرَةً ، فَقيلَ : كَيْفَ كُنْتُم تَصْنَعُونَ بِهَا ؟ قَالَ : نَمَصُّهَا كَمَا يَمَصُّ الصَّبيُّ ، ثُمَّ نَشْرَبُ عَلَيْهَا مِنَ المَاءِ ، فَتَكْفِينَا يَوْمَنَا إِلَى

اللَّيْلِ ، وَكُنَّا نَضْرِبُ بِعِصِيِّنَا الخَبَطَ ، ثُمَّ نَبُلُّهُ بالماء فنأكُلُهُ . قَالَ : وَانْطَلَقْنَا عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ ، فَرُفِعَ لَنا عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ كَهَيْئَةِ الكَثِيبِ الضَّخْمِ ، فَأَتَيْنَاهُ فَإِذَا هِيَ دَابَّةٌ تُدْعَى الْعَنْبَرَ ، فَقَالَ أبو عُبَيْدَةَ : مَيْتَةٌ ، ثُمَّ قَالَ : لا ، بَلْ نَحْنُ رُسُلُ رَسُولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وفي سبيل الله وَقَدِ اضْطُرِرْتُمْ فَكُلُوا ، فَأَقَمْنَا عَلَيْهِ شَهْراً ، وَنَحْنُ ثَلاثُمِئَةٍ حَتَّى سَمِنَّا ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا نَغْتَرِفُ مِن وَقْبِ عَيْنِهِ بالقِلالِ الدُّهْنَ وَنَقْطَعُ مِنْهُ الفِدَرَ كالثَّوْرِ أَوْ كَقَدْرِ الثَّوْرِ ، وَلَقَدْ أَخَذَ مِنَّا أبو عُبَيْدَةَ ثَلاثَةَ عَشَرَ رَجُلاً فَأَقْعَدَهُمْ في وَقْبِ عَيْنِهِ وَأَخَذَ ضِلْعاً مِنْ أَضْلاعِهِ فَأَقَامَهَا ثُمَّ رَحَلَ أَعْظَمَ بَعِيرٍ مَعَنَا فَمَرَّ مِنْ تَحْتِهَا وَتَزَوَّدْنَا مِنْ لَحْمِهِ وَشَائِقَ ، فَلَمَّا قَدِمْنَا المَدِينَةَ أَتَيْنَا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ ، فَقَالَ : " هُوَ رِزْقٌ أَخْرَجَهُ اللهُ لَكُمْ ، فَهَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ فَتُطْعِمُونَا ؟ " فَأَرْسَلْنَا إِلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَأَكَلَهُ . رواه مسلم .

" الجِرَابُ " : وِعَاءٌ مِنْ جِلْدٍ مَعْرُوفٌ ، وَهُوَ بِكَسرِ الجيم وفتحها والكسر أَفْصَحُ . قَوْلُهُ : " نَمَصُّهَا " بفتح الميم ، وَ" الخَبَطُ " : وَرَقُ شَجَرٍ مَعْرُوفٍ تَأْكُلُهُ الإبلُ . وَ" الكَثِيبُ " : التَّلُّ مِنَ الرَّمْلِ ، وَ" الوَقْبُ " : بفتح الواو وَإِسكان القافِ وبعدها بَاءٌ موحدةٌ وَهُوَ نُقْرَةُ العَيْنِ . وَ" القِلاَلُ " : الجرار . وَ" الفِدَرُ " بكسرِ الفاء وفتح الدال : القِطَعُ . " رَحَلَ البَعِيرَ " بتخفيف الحاء : أيْ جَعَلَ عَلَيْهِ الرَّحْلَ . " الوَشَائِقُ " بالشينِ المعجمةِ والقاف : اللَّحْمُ الَّذِي اقْتُطِعَ لِيُقَدَّدَ مِنْهُ ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت ابو عبد اللہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روانہ فرمایا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا۔ ہمارا مقصد قریش کے قافلے کا تعاقب کرنا تھا اور ہمیں کھجوروں کا ایک تھیلا دیا اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمیں دینے کے لئے کچھ نہ تھا۔ ابو عبیدہ ہمیں ایک ایک کھجور دیتے رہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر آپ کیسے گزارا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم اس کھجور کو بچوں کی طرح چوستے رہتے پھر پانی پی لیتے اس طرح یہ کھجور اور پانی ہمارے دن سے رات تک کافی ہو جاتا۔ ہم لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے اور ان کو پانی سے تر کر کے کھا لیتے۔ ہم چلتے چلتے ساحل سمندر تک پہنچ گئے۔ سمندر کے ساحل پر ہمارے سامنے ریت کے ٹیلے کی طرح ایک چیز ظاہر ہوئی ہم اس کے پاس پہنچے تو وہ ایک جانور تھا جسے عنبر کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بولے یہ تو مردار ہے۔ پھر کہا کہ نہیں ہم تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستے میں ہیں اور تم اضطرار کی حالت میں ہو تو تم اس کو کھا سکتے ہو۔ ہم نے ایک مہینہ اس کو گوشت پر گزارا کیا اور ہم تین سو افراد تھے یہاں تک کہ ہم موٹے ہو گئے۔ ہم اس کی آنکھ کے خول سے چربی کے ڈول نکالتے تھے اور

بیل کے برابر اس کے گوشت کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو لیا اور اس کی آنکھ کے ایک گڑھے میں بٹھایا اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی کو لے کر نصب کیا پھر اپنے پاس موجود سب سے بڑے اونٹ پر کجاوہ باندھا اور وہ اونٹ اس پسلی کے نیچے سے گزر گیا۔ ہم نے زادِ راہ کے طور پر اس کے گوشت کے ٹکڑے لئے۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نکالا تھا اگر تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت بچا ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا گوشت بھیجا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔ (مسلم)

جراب چمڑے کا مشہور تھیلا' برتن' جیم پر زیر اور زبر کے ساتھ دونوں طریقے سے پڑھنا جائز ہے۔ تاہم زیر زیادہ فصیح ہے۔ نمصھا میم پر زبر کے ساتھ۔ الخبط مشہور درخت کے پتے جسے اونٹ کھاتے ہیں۔ الکثیب ریت کا ٹیلہ۔ الوقب واؤ پر زبر اور قاف ساکن اور اس کے بعد با آنکھ کا گڑھا' قلال مٹکے۔ الفدر فا پر زبر دال پر زبر' ٹکڑے۔ رحل البعیر حاضر زبر بغیر شد کے ساتھ۔ اونٹ پر کجاوہ رکھا۔ الوشائق شین اور قاف کے ساتھ۔ وہ گوشت جسے خشک کرنے کیلئے کاٹا جائے۔ یعنی ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ایک لشکر بھیجا تاکہ وہ قافلہ قریش کا تعاقب کریں۔ اس غزوہ کا نام غزوہ سیف البحر ہے۔ ابن سعد وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ لشکر ساحل سمندر کی طرف جہینہ کے ایک قبیلہ کی طرف ۸ ہجری میں بھیجا گیا تھا' ہو سکتا ہے دونوں مقاصد اس لشکر کے سامنے ہوں یعنی قریش کے قافلہ کا تعاقب اور جہینہ دونوں ہی مدنظر تھے لیکن ۸ ہجری کا ذکر محل نظر آتا ہے کہ یہ زمانہ صلح کا تھا ہو سکتا ہے کہ قریش کے قافلہ کی جہینہ سے حفاظت مقصود ہو یہی وجہ ہے کہ کسی سے مقابلہ نہیں ہوا اور یہ لشکر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ایک ہی جگہ ٹھہرا رہا۔

صحابہ کرام سب کے سب زاہد تھے اور یہ ان کی کرامت تھی کہ وہ اس قدر عرصہ ایک ایک کھجور پر گزارا کرتے ہیں۔ اولاً اہل لشکر کے پاس اپنی اشیاء جو بھی کھانے کی تھیں وہ ختم ہو گئیں تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کے پاس بچی ہوئی اشیاء جمع کر کے ان کو اجتماعی تقسیم کیا۔ جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر اسی طرح کیا اور اشعری قبیلے کے لوگوں نے جب یہ طریقہ اختیار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ایک ایک مٹھی کھجور تقسیم کرتے تھے بعد میں ایک ایک کھجور تقسیم ہوئی۔

بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک ایک کھجور اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کیا تا آنکہ انہیں ایک بہت بڑی عنبر مچھلی ملی۔ اولاً حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد یہ ہوا کہ یہ مچھلی مردار ہے اور حلال نہیں ہے بلکہ پھر جب رفقاء کی اضطراری حالت پر نظر گئی تو یہ اجتہاد فرمایا کہ اس مچھلی کو کھانا جائز ہے' واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب لشکر کی تطییب خاطر کے لیے خود بھی اس مچھلی کے گوشت کو تناول فرمایا۔

(فتح الباری: ۶۴۸/۲، عمدۃ القاری: ۱۹/۱۸، شرح صحیح مسلم للنووی: ۷۲/۱۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین کی لمبائی

وعن أسماء بنتِ يزيد رضي الله عنها ، قالت : كَانَ كُمُّ قَمِيصِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّصْغِ . رواه أبو داود والترمذي ، وقال : ((حديث حسن)) . ((الرُّصْغُ)) بالصاد وَالرُّسْغُ بالسين أيضاً : هُوَ المَفْصِلُ بَيْنَ الكفِّ والسَّاعِدِ .

ترجمہ: "حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین پہنچے تک تھی (ابوداؤد، ترمذی نے نقل کر کے فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے)۔"

"الرصغ" اور "الرسغ" دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، بازو اور ہتھیلی کے درمیان کے جوڑ کو کہتے ہیں۔

حدیث کی تشریح: **كَانَ كُمُّ قَمِيصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّصْغِ:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین پہنچے تک تھی۔

بعض روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستین کا ہاتھ کی انگلیوں کے سروں تک ہونا بھی منقول ہے مگر وہ بہت کم تھی عموماً پہنچے تک ہی ہوتی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ لمبا کپڑا عام طور پر تکبر کی علامت ہے دوسرا وہ کام کاج میں بھی مانع بنتا ہے اور ضرورت سے زیادہ چھوٹا کپڑا سردی، گرمی کی شدت میں تکلیف کا باعث ہوتا ہے اس لئے شریعت میں ہر جگہ پر میانہ روی اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (روضۃ المتقین)

جنگ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضیافت اور آپ ﷺ کے معجزات

وعن جابر رضي الله عنه ، قَالَ : إنَّا كُنَّا يَوْمَ الْخَنْدَقِ نَحْفِرُ ، فَعَرَضَتْ كُدْيَةٌ شَدِيدَةٌ ، فَجَاؤُوا إِلَى النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقالوا : هذِهِ كُدْيَةٌ عَرَضَتْ فِي الخَنْدَقِ . فَقَالَ : " أنَا نَازِلٌ " ثُمَّ قَامَ ، وَبَطْنُهُ مَعْصُوبٌ بحَجَرٍ ، وَلَبِثْنَا ثَلاَثَةَ أيَّامٍ لاَ نَذُوقُ ذَوَاقاً فَأخَذَ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المِعْوَلَ ، فَضَرَبَ فَعَادَ كَثِيباً أهْيَلَ أو أهْيَمَ ، فقلت : يَا رسول الله ، ائْذَنْ لي إِلَى البَيْتِ ، فقلتُ لامْرَأتِي : رَأيْتُ بالنَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيئاً مَا فِي ذَلِكَ صَبْرٌ فَعِنْدَكِ شَيْءٌ ؟

فقالت : عِنْدي شَعِيرٌ وَعَنَاقٌ ، فَذَبَحْتُ العَنَاقَ وَطَحَنْتُ الشَّعِيرَ حَتَّى جعَلْنَا اللَّحْمَ في البُرْمَةِ ، ثُمَّ جئتُ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَالعَجِينُ قَدِ انْكسَرَ ، وَالبُرْمَةُ بَيْنَ الأَثافِيِّ قَدْ كَادَتْ تَنْضِجُ ، فقلتُ : طُعَيْمٌ لي ، فَقُمْ أَنْتَ يَا رسول اللهِ وَرَجُلٌ أَوْ رَجُلان ، قَالَ : " كَمْ هُوَ " ؟ فَذَكَرْتُ لَهُ ، فَقَالَ : " كثيرٌ طَيِّبٌ قُل لَهَا لاَ تَنْزِع البُرْمَةَ ، وَلاَ الخبْزَ مِنَ التَّنُّورحتى آتِي " فَقَالَ : " قُومُوا " ، فقام المُهَاجِرُونَ وَالأَنْصارُ ، فَدَخلْتُ عَلَيْهَا فقلتُ : وَيْحكِ قَدْ جَاءَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالمُهَاجِرُونَ وَالأَنْصارُ ومن مَعَهُمْ ! قالت : هَلْ سَأَلَكَ ؟ قُلْتُ : نَعمْ ، قَالَ : " ادخُلُوا وَلاَ تَضَاغَطُوا " فَجعَلَ يكسرُ الخُبْزَ ، وَيَجْعَلُ عَلَيْهِ اللَّحْمَ ، وَيُخَمِّرُ البُرْمَةَ وَالتَّنُّور إِذَا أَخَذَ مِنْهُ ، وَيُقَرِّبُ إِلَى أَصْحَابِهِ ثُمَّ يَنْزِعُ ، فَلَمْ يَزَلْ يكْسِرُ وَيَغْرِفُ حَتَّى شَبِعُوا ، وَبَقِيَ مِنْهُ ، فَقَالَ : " كُلِي هَذَا وَأَهدِي ، فَإِنَّ النَّاسَ أَصابَتْهُمْ مَجَاعَةٌ " متفقٌ عَلَيْهِ . وفي رواية قَالَ جابر : لَمَّا حُفِرَ الخَنْدَقُ رَأَيْتُ بالنبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصاً ، فَانْكَفَأْتُ إِلَى امْرَأَتِي ، فقلت : هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ ؟ فَإِنِّي رَأَيْتُ برسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خمصاً شَدِيداً ، فَأَخْرَجَتْ إِلَيَّ جراباً فِيه صَاعٌ مِنْ شَعِير ، وَلَنَا بهيمةٌ دَاجِنٌ فَذَبَحْتُهَا ، وَطَحَنتِ الشَّعِيرَ ، فَفرغَتْ إِلَى فَرَاغِي ، وَقَطَعْتُهَا في بُرْمَتها ، ثُمَّ وَلَّيتُ إِلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقالت : لاَ تَفْضَحْنِي برسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ مَعَهُ ، فَجِئتهُ فَسَارَرْتُهُ ، فَقُلْتُ : يَا رسول الله ، ذَبحْنَا بهيمة لَنَا ، وَطَحَنْتُ صَاعاً مِنْ شَعِير ، فَتَعَالَ أَنْتَ وَنَفرٌ مَعكَ ، فَصَاحَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : " يَا أَهلَ الخَنْدَقِ : إِنَّ جَابِراً قَدْ صَنَعَ سُؤْراً فَحَيَّهَلا بِكُمْ " فَقَالَ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لاَ تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلاَ تَخبزنَّ عَجينَكُمْ حَتَّى أَجِيءَ " فَجِئْتُ ، وَجَاءَ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْدُمُ النَّاسَ ، حَتَّى جِئْتُ امْرَأَتِي ، فقالَتْ : بكَ وَبكَ ! فقُلْتُ : قَدْ فَعلْتُ الَّذِي قُلْتِ . فأَخرَجَتْ عَجِيناً ، فبسَقَ فِيهِ وَبَارَكَ ، ثُمَّ عَمَدَ إِلَى بُرْمَتِنا فَبصَقَ وَبَارَكَ ، ثُمَّ قَالَ: " ادْعِي خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ ، وَاقْدَحِي مِنْ بُرْمَتِكُمْ ، وَلاَ تُنْزِلُوها " وَهُم أَلْفٌ ، فَأُقْسِمُ بالله لأَكَلُوا حَتَّى تَركُوهُ وَانْحَرَفُوا ، وَإِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ ، وَإِنَّ عَجِينَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ . قَوْله : " عَرَضَتْ كُدْيَةٌ " بضم الكاف وإسكان الدال وبالياء المثناة تَحْتَ ، وَهِيَ قِطْعَةٌ غَلِيظَةٌ صُلْبَةٌ مِنَ الأَرضِ لاَ يَعْمَلُ فِيهَا الفَأسُ ، وَ" الكَثِيبُ " أَصْلُهُ تَلُّ الرَّمْلِ ، وَالمُرَادُ هُنَا : صَارَتْ تُرَاباً نَاعِماً ، وَهُوَ مَعْنَى " أَهْيَلَ " . وَ" الأَثَافِيُّ " : الأَحجَارُ الَّتي يكُونُ عَلَيْهَا القِدْرُ ، وَ" تَضَاغَطُوا " : تَزَاحَمُوا . وَ" المَجَاعَةُ " : الجُوعُ ، وَهُوَ بفتح الميم . وَ" الخَمَصُ " : بفتح الخاء المعجمة والميم : الجُوعُ ، وَ" انْكَفَأْتُ " : انْقَلَبْتُ وَرَجَعْتُ . وَ" البُهَيْمَةُ " بضم الباء ، تصغير بَهْمَة وَهِيَ ، العَنَاقُ ، بفتح العين . وَ" الدَّاجِنُ " : هِيَ الَّتي أَلِفَتِ البَيْتَ : وَ" السُّؤْرُ " الطَّعَامُ الَّذِي يُدْعَى النَّاسُ إِلَيْهِ ؛ وَهُوَ بالفَارِسيَّة . وَ" حَيَّهَلا " أي

تَعَالُوا . وَقَوْلُهَا " بك وبكَ " أيْ خاصمَتْهُ وَسبَّتْهُ ، لأَنَّهَا اعْتَقَدَتْ أَنَّ الَّذِي عِنْدَهَا لاَ يَكْفِيهِمْ ، فَاسْتَحْيَتْ وَخَفِيَ عَلَيْهَا مَا أَكْرَمَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هذهِ المُعْجزَةِ الظَّاهِرَةِ وَالآية البَاهِرَةِ . " بَسَقَ " أيْ : بَصَقَ ؛ وَيُقَالُ أَيْضاً : بَزَقَ ، ثَلاث لُغاتٍ . وَ" عَمَدَ " بفتح الميم، أيْ : قَصَدَ . وَ" اقْدَحي " أيْ : اغْرِفِي ؛ وَالمِقْدَحَةُ : المِغْرَفَةُ . وَ" تَغِطُّ " أيْ : لِغَلَيَانِهَا صَوْتٌ ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم خندق والے دن خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان آگئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ ایک چٹان ہمارے لئے رکاوٹ بن گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خود اترتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہمارے تین دن ایسے گزرے تھے کہ ہم نے کوئی چکھنے والی چیز نہ چکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال لی اور چٹان پر ماری جس سے وہ ریت کے ٹیلے کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی میں نے کہا کہ یارسول اللہ مجھے گھر جانے دیجئے۔ میں نے بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے حال میں دیکھا کہ جس پر صبر نہیں کیا جاسکتا کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اس نے کہا کہ جو ہیں اور بکری کا بچہ ہے میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس نے جو پیسے گوشت کو ہانڈی میں ڈالا پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آٹا تیار تھا اور ہنڈیا چولہے پر پکنے کے قریب تھی۔ میں نے عرض کیا میرے پاس تھوڑا سا کھانا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں اور ایک یا دو آدمی اور ساتھ لے لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کتنا ہے؟ میں نے بتایا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت ہے اور عمدہ ہے' بیوی کو جاکر کہو کہ ہانڈی چولہے سے نہ اتارے اور روٹی تنور سے نہ نکالے جب تک میں نہ آجاؤں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو مہاجرین اور انصار سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بیوی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ اللہ تیرا بھلا کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع مہاجرین اور انصار جو ان کے ساتھ ہیں تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے میں نے کہا کہ ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا داخل ہو جاؤ اور تنگی نہ کرو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روٹی کو توڑ کر اس پر گوشت رکھتے اور ہنڈیا اور تنور کو ڈھانپ دیتے جب اس سے روٹی اور سالن لے لیتے اور صحابہ کی طرف بھیج دیتے یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور اس میں سے کچھ بچ گیا۔ اس کے بعد میری بیوی سے فرمایا کہ تو بھی اس میں سے کھالے اور ہدیہ بھی بھیج دے لوگ بھوکے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ جابر نے کہا کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں، میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے اس نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع جو تھی اور ہمارے پاس بکری کا ایک پالتو بچہ تھا میں نے اسے ذبح کر لیا اور بیوی نے جو کا آٹا پیس لیا۔ میرے فارغ ہونے تک وہ بھی فارغ ہو گئی۔ میں نے گوشت کاٹ کر ہانڈی میں ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میری بیوی نے کہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے اصحاب کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ چنانچہ میں آیا اور میں نے چپکے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند افراد چلیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اے اہل خندق! جابر نے کھانا تیار کیا ہے، چلو سب لوگ چلو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہانڈی کو چولہے سے نہ اتارنا اور آٹے کی روٹی نہ لگانا جب تک میں نہ آجاؤں۔ میں گھر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں سے پہلے تشریف لے آئے۔ میں بیوی کے پاس آیا تو وہ بولی یہ تو نے کیا کیا میں نے کہا کہ میں نے تو وہی کیا جو تو نے کہا تھا، غرض اس نے آٹا نکالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ہانڈی کی طرف آئے اس میں بھی لعاب دہن ملایا اور برکت کی دعا کی۔ پھر میری بیوی سے فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی بلا لو تاکہ وہ تیرے ساتھ روٹی پکائے اور اپنی ہنڈیا میں سے سالن پیالہ میں ڈالتی جاؤ اور ہانڈی کو چولہے سے مت اتارو۔ صحابہ کی تعداد ایک ہزار تھی، اللہ کی قسم ہے کہ ان سب نے کھایا اور کھانا باقی چھوڑ کر چلے گئے، ہماری ہانڈی اسی طرح جوش مار رہی تھی اور آٹے سے روٹیاں اسی طرح پک رہی تھیں۔

كدية: مٹی کی سخت چٹان جسے کلہاڑے کے بغیر نہ توڑا جا سکے۔ **كثيب:** کے معنی مٹی کا تودہ، یہاں معنی ہیں کہ وہ چٹان ریت کی طرح نرم ہو گئی۔ یہی معنی اہیل کی ہے۔ **الاثافي:** چولہے کے وہ پتھر جن پر ہانڈی رکھی جاتی ہے۔ **تضاغطوا:** بھیڑ کرو۔ **المجاعة:** بھوک۔ **خمص:** بھوک۔ **انكفات:** پلٹ گئی، لوٹ گئی۔ **بهيمة بهمة:** کی تصغیر عناق کو کہتے ہیں یعنی بکری کا چھوٹا بچہ۔ **داجن:** وہ جانور جو گھر سے مانوس ہو یعنی پالتو جانور۔ **سور:** اس کھانے کو کہتے ہیں جس پر لوگوں کو دعوت دی جائے، یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ **حيهلا:** کے معنی ہیں آؤ۔ **بك و بك:** اپنے خاوند سے جھگڑی اور اسے برا بھلا کہا کیونکہ اس نے سمجھا کہ ان کے پاس جتنا کھانا ہے وہ اتنے لوگوں کو کافی نہ ہو گا، اور وہ شرمندہ ہو گئی ظاہر ہے کہ اسے معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر اکرام فرمائیں گے اور کس قدر بڑی نشانی اور عظیم معجزہ ظاہر ہو گا۔ **بسق، بصق:** اور **برق** تینوں الفاظ ہم معنی ہیں یعنی لعاب دہن لگایا۔ **عمد:** ارادہ کیا، قصد کیا۔ **اقدحي:** چمچے سے نکال کر دے۔ **مقدحة:** چمچہ۔ **تغط:** کھولنے اور پکنے کی آواز۔ واللہ اعلم

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک دو عظیم الشان معجزات کے بیان پر مشتمل ہے۔ جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب خندق کھود رہے تھے تین دن کے بھوکے تھے اور پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے' خندق کھودنے کے وقت ایک مقام پر سخت ٹیلہ درمیان میں آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اترتا ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ سولم نے کدال ہاتھ میں لی اللہ اکبر کہا اور ایک ضرب لگائی تو اس چٹان کا ایک حصہ ریزہ ریزہ ہو کر ریت کی طرح بکھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے شام کی کنجیاں عطا کر دی گئیں اور میں اس وقت وہاں کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ضرب لگائی چٹان کا ایک اور حصہ بکھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں عنایت کر دی گئیں اور میں مدائن کے سفید قصور دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی اور بسم اللہ کہا۔ چٹان کا باقی حصہ بھی ٹوٹ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں عطا کر دی گئیں' اللہ کی قسم میں صنعاء کے دروازے اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی کھدائی کے حصے کر کے ایک ایک حصہ دس دس آدمیوں کے سپرد فرمایا تھا' صحابہ کا بیان ہے کہ جس حصے میں ہم کھدائی کر رہے تھے' درمیان میں ایک سفید چٹان آگئی جس کے توڑنے کی کوشش میں ہماری کدالیں ٹوٹ گئیں' ہم نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرب لگائی جس سے چٹان ٹوٹی اور اس سے روشنی کی ایک چمک پیدا ہوئی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور سب نے اللہ اکبر کہا۔ پھر بعد میں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلی چمک پر قصور شام روشن ہو گئے اور جبریل امین نے مجھے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ان پر فتح حاصل ہو گی۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ مسلمان یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر آئے اور گھر آکر چند آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا' ان کی اہلیہ نے بھی انہیں تاکید کی کہ دیکھو چند آدمی ہوں زیادہ نہ آجائیں اور شرمندگی ہو کہ کھانا کم پڑ گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چپکے سے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلیے اور چند اور اصحاب ساتھ لے لیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا: "اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لیے کھانا تیار کرایا ہے آؤ سب چلو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سے فرمایا تم جا کر بیوی سے کہو کہ جب تک میں نہ آؤں نہ ہانڈی چولہے سے اتاریں اور نہ روٹی پکانا شروع کریں۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ گھر پہنچے تو اہلیہ اولاً پریشان ہوئیں اور جابر کو برا بھلا کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا نہیں کہ کھانا کتنے افراد کے لیے ہے۔ حضرت جابر نے انہیں ساری بات بتائی تو انہیں اطمینان ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سے کہا کہ ایک عورت اور بلواؤ جو تمہارے ساتھ روٹی پکائے اور تم سالن نکال کر دیتی رہو' سب نے کھانا کھالیا اور بچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سے کہا کہ تم بھی کھالو اور ہدیہ بھیج دو۔ اصحاب خندق نے کھانا کھایا اور پڑوسیوں کو بھی بھیجا گیا اور اصحاب خندق کی تعداد ایک ہزار تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کھانے میں اضافہ ہو جانا اور چند آدمیوں کا کھانا سینکڑوں اور ہزاروں کو کافی ہو جانا علامات نبوت میں سے ہے اور متعدد واقعات سے متعلق احادیث اس قدر کثرت سے ہیں کہ متواتر کے درجے میں ہو گئی یعنی یہ مضمون کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کھانا بڑھ گیا اور چند آدمیوں کا کھانا ایک پوری جماعت کو کافی ہو گیا' متواتر کے درجے میں ہے کہ ظاہر ہے کہ تھوڑے سے کھانے کا بڑھ جانا ایک خلاف عادت امر ہے اس لیے معجزہ ہے۔ علمائے کرام نے ان دلائل نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقل مؤلفات میں جمع کیا ہے جیسے بیہقی کی دلائل النبوت جو اس موضوع پر سب سے عمدہ تالیف ہے۔

خندق فارس لفظ کندہ کا معرب ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا تو وہ خیبر چلے گئے اور انہوں نے مکہ میں سرداران قریش کو آمادہ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں۔ چنانچہ ان سازشوں کے نتیجے میں ابوسفیان کی سربراہی میں چار ہزار کا لشکر جمع ہو گیا اور عرب کے دیگر قبائل بھی جمع ہو گئے اسی لیے اسے غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے اور یہ سب مل کر دس ہزار کا لشکر ہو گیا تھا جو مدینہ منورہ پر چڑھ آیا تھا اور صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک ہزار تھی۔ یہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔

(فتح الباری: ۲/ ۵۶۴' عمدۃ القاری: ۷/ ۲۳۶' شرح مسلم للنووی: ۱۳/ ۱۸۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ

تھوڑا سا کھانا اسّی آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھایا

وعن أنسٍ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ أَبو طَلْحَةَ لأُمِّ سُلَيمٍ : قَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعيفاً أعْرِفُ فيه الجُوعَ ، فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ ؟ فَقَالَتْ : نَعَمْ ، فَأخْرَجَتْ أقْرَاصاً مِنْ شَعِيرٍ ، ثُمَّ أخَذَتْ خِمَاراً لَهَا ، فَلَفَّتِ الخُبْزَ بِبَعْضِهِ ، ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحتَ

ثَوْبِي وَرَدَّتْنِي بِبَعْضِهِ ، ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رسولِ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَذَهَبتُ بِهِ ، فَوَجَدْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، جَالِساً في المَسْجِدِ ، وَمَعَهُ النَّاسُ، فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ لِي رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَرْسَلَكَ أَبو طَلْحَةَ ؟ " فقلت : نَعَمْ، فَقَالَ :"أَلِطَعَامٍ ؟ " فقلت : نَعَمْ ، فَقَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " قُومُوا " فَانطَلَقُوا وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخبَرْتُهُ ، فَقَالَ أَبو طَلْحَةَ : يَا أُمَّ سُلَيْم ، قَدْ جَاءَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ ؟ فَقَالَتْ : الله وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ . فَانْطَلَقَ أَبو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَأَقْبَلَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُ حَتَّى دَخَلاَ ، فَقَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " هَلُمِّي مَا عِنْدَكِ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ " فَأَتَتْ بِذلِكَ الخُبْزِ ، فَأَمَرَ بِهِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُتَّ ، وَعَصَرَتْ عَلَيْهِ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَأَدَمَتْهُ، ثُمَّ قَالَ فِيهِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ ، ثُمَّ قَالَ : " ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ " فأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حتى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ، ثُمَّ قَالَ : " ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ " فأَذِنَ لهم حَتَّى أَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا وَالقَوْمُ سَبْعُونَ رَجُلاً أَو ثَمَانُونَ . متفقٌ عَلَيْهِ . وفي رواية : فَمَا زَالَ يَدْخُلُ عَشرَة ، وَيَخرجُ عشرةٌ حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلاَّ دَخَلَ ، فَأَكَلَ حَتَّى شَبعَ ، ثُمَّ هَيَّأَهَا فَإِذَا هِيَ مِثْلُهَا حِينَ أَكَلُوا مِنْهَا . وفي رواية : فَأَكَلُوا عَشرَةً عَشرةً ، حَتَّى فَعَلَ ذَلِكَ بِثَمَانِينَ رَجُلاً ، ثُمَّ أَكَلَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ وَأَهْلُ البَيْتِ ، وَتَركُوا سُؤْراً .

وفي رواية : ثُمَّ أَفْضَلُوا مَا بَلَغُوا جيرانَهُمْ . وفي رواية عن أنس ، قَالَ : جِئتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوماً ، فَوَجَدْتُهُ جَالِساً مَعَ أَصْحَابه ، وَقَدْ عَصَبَ بَطْنَهُ ، بِعِصَابَةٍ ، فقلتُ لِبَعْضِ أَصْحَابِهِ : لِمَ عَصَبَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْنَهُ ؟ فقالوا : مِنَ الجوعِ ، فَذَهَبْتُ إِلَى أَبي طَلْحَةَ ، وَهُوَ زَوْجُ أُمِّ سُلَيْم بِنْت مِلْحَانَ ، فقلتُ : يَا أَبتَاهُ ، قَدْ رَأَيْتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَصَبَ بَطْنَهُ بِعِصَابَةٍ ، فَسَأَلْتُ بَعْضَ أَصْحَابِهِ ، فقالوا : من الجُوعِ . فَدَخَلَ أَبو طَلْحَةَ عَلَى أُمِّي ، فَقَالَ : هَلْ مِنْ شَيءٍ ؟ قالت : نَعَمْ ، عِنْدِي كِسَرٌ مِنْ خُبْزٍ وَتَمرَاتٌ ، فَإِنْ جَاءَنَا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحْدَهُ أَشْبَعْنَاهُ، وَإِنْ جَاءَ آخَرُ مَعَهُ قَلَّ عَنْهُمْ ... وَذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيثِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم سے

کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی اس میں کچھ ضعف تھا میں سمجھتا ہوں کہ بھوک کی وجہ سے ہے۔ کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کے لئے ہے۔ کہنے لگیں ہاں ہے انہوں نے جو کی چند روٹیاں اور اپنا دوپٹہ لے کر اس کے ایک کنارے میں دو روٹیاں لپیٹیں اور میرے کپڑے کے نیچے چھپادیں اور اس دوپٹے کا کچھ حصہ میرے گرد لپیٹ دیا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کر دیا۔ میں وہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ تھے میں وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے میں نے کہا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کھانے کے لئے کچھ ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا چلو کھڑے ہو۔ وہ سب لوگ چلے میں ان کے آگے آگے چلنے لگا یہاں تک کہ میں ابو طلحہ کے پاس پہنچ گیا اور میں نے انہیں بتلایا۔ ابو طلحہ بولے اے ام سلیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب تشریف لائے ہیں ہمارے پاس تو ان سب کے کھلانے کے لئے نہیں ہے وہ بولیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔

بہر حال ابو طلحہ رضی اللہ عنہ باہر آئے اور باہر آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ آگے بڑھے اور گھر کے اندر تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے ام سلیم! جو تمہارے پاس کھانا ہے وہ یہاں لے آؤ۔ وہ روٹیاں لے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان روٹیوں کو توڑ دو تو انہیں توڑ دیا گیا اور ام سلیم نے ان پر گھی کی کپی نچوڑ کر ان پر گویا سالن لگا دیا۔ پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو بلا لو۔ دس آدمی بلائے گئے انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے' پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ۔ دس آدمی بلائے گئے انہوں نے سیر ہو کر کھایا چلے گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ دس آدمیوں کو بلا لو دس آدمی بلائے گئے یہاں تک کہ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔ یہ کل ستر یا اسی آدمی تھے۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ دس اندر جاتے اور دس باہر جاتے یہاں تک کہ کوئی آدمی نہیں جو اندر جا کر سیر ہو کر نہ آگیا ہو۔ پھر اس کھانے کو جمع کیا گیا تو وہ اسی طرح تھا جیسے کھانے سے پہلے تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ دس دس کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اسی لوگوں نے کھانا کھایا پھر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل خانہ نے کھایا اور پھر بھی کچھ بچ رہا۔

ایک اور روایت میں ہ کہ پھر اتنا بچا کہ پڑوسیوں کو بھیج دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے اور اپنے پیٹ پر پٹی باندھی ہوئی تھی' میں نے بعض صحابہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پٹی کیوں باندھی ہوئی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ بھوک کی وجہ سے باندھی ہوئی ہے۔ میں ابو طلحہ کے پاس آیا' وہ ام سلیم

بنت ملحان کے شوہر تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اباجان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پٹی بندھی ہوئی تھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ بھوک کی وجہ سے باندھی ہے۔ ابو طلحہ میری ماں کے پاس آئے اور ان سے پوچھا تمہارے پاس کچھ کھانے کے لئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں روٹی کے ٹکڑے اور چند کھجوریں ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف لے آئیں تو سیر ہو جائیں گے اور اگر اور لوگ بھی ہوئے تو کم پڑے گا۔ اس کے بعد پھر باقی حدیث بیان کی۔

حدیث کی تشریح: حضرت ابو طلحہ زین بن سہل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اُم سلیم کے دوسرے شوہر تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اُم سلیم کے صاحبزادے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں کمزوری سے یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت بھوک سے ضعف ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچے تھے' آپ نے صحابہ میں کسی صحابی سے وجہ دریافت کیا' بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکم مبارک بھوک کی شدت سے باندھا ہوا ہے۔ انہوں نے آکر یہ احوال اپنی ماں اُم سلیم سے بیان کیا۔ اُم سلیم نے اسی وقت کچھ روٹیاں اپنے دوپٹے کے ایک کنارے میں باندھیں اور اسی بندھے ہوئے حصہ کو حضرت انس کے کپڑوں میں چھپا کر دوپٹہ کا باقی حصہ اوپر سے لپیٹ دیا۔

حضرت انس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ان کے اصحاب کے پاس کھڑے ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو طلحہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑے ہو جانا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب چلے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے جانے لگیں تو تم ان کے ساتھ جانا جب دروازے کے قریب پہنچو تو جب عرض کرنا کہ اباجان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہیں۔ غرض حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا کھانے کے لیے بلایا ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جی ہاں۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اصحاب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آگئے اور چند روٹیاں تھیں جن پر گھی ٹپکا دیا گیا' روٹیاں ایک بڑے برتن میں تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگشت شہادت سے روٹی پر پھیلاتے اور بسم اللہ پڑھتے یہاں تک کہ بڑھنے لگیں اور اوپر اُٹھنے لگیں اور سارا لگن بھر گیا' دس دس آدمیوں نے کھایا۔ اس طرح اسی آدمیوں نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور بچا ہوا کھانا پڑوس میں بھی بھیج دیا گیا۔

(ارشاد الساری: ۸/۰۷' فتح الباری: ۲/۳۸۲' عمدۃ القاری: ۱۶/۱۶۶' شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/۱۸۰)

باب القناعة والعَفاف والاقتصاد في المعيشة والإنفاق وذم السؤال من غير ضرورة

قناعت اور سوال سے بچنے اور معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے اور بلاضرورت کے سوال کرنے کی مذمت کا بیان

باب القناعة والعَفاف والاقتصاد في المعيشة والإنفاق وذم السؤال من غير ضرورة

قناعت وعفاف معیشت وانفاق میں اقتصاد اور بلاضرورت سوال کی مذمت

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلاَّ عَلَى اللهِ رِزْقُهَا ﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "کوئی شے زمین پر چلنے والی ایسی نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔" (ہود:٦)

تفسیر: پہلی آیت کریمہ میں فرمایا کہ زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو اس کو روزی پہنچانا اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے جس قدر روزی جس کے لیے مقدر ہے وہ اسے یقیناً پہنچ کر رہے گی جو وسائل واسباب بندہ اختیار کرتا ہے وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں اگر آدمی کی نظر اسباب و وسائل کو اختیار کرتے وقت مسبب الاسباب پر ہو تو یہ توکل کے منافی نہیں' البتہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ان وسائل واسباب میں مقید اور محصور سمجھنا درست نہیں' وہ گاہ بگاہ سلسلہ اسباب کو چھوڑ کر روزی پہنچا دیتا ہے۔ (معارف القرآن' تفسیر مظہری' تفسیر عثمانی)

وقال تَعَالَى : ﴿ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْباً فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافاً ﴾

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "ان فقراء کے لیے جو اللہ کے راستے میں محصور ہوگئے وہ زمین میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے' ناواقف انہیں تعفف کی بناء پر غنی سمجھتے ہیں مگر تم انہیں ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو' وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے"۔ (البقرہ:۲۷۳)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے صدقات اور انفاق کے مستحق وہ فقراء ہیں اور ان کو دینا بڑا اجر وثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے' کھانے کمانے سے رُک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خاص طور پر اہل صفہ تھے

جنہوں نے گھربار چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کرلی تھی اور علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول ہی میں لگے رہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وقال تعالى: ﴿ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی، وہ ان دونوں کے درمیان معتدل ہوتے ہیں۔" (الفرقان:٦٧)

تفسیر: تیسری آیت میں معیشت میں اور خرچ میں اقتصاد اور اعتدال پر زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان ذاتی زندگی میں خرچ میں نہ اسراف کرے اور نہ بالکل ہاتھ روک لے بلکہ اعتدال کے ساتھ میانہ روی اختیار کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق اور صدقات میں بھی اعتدال اور توازن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ (تفسیر عثمانی، معارف القرآن)

وقال تعالى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "اور میں نے جن اور انس کو نہیں پیدا کیا ہے سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں نہ میں ان سے رزق چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔" (الذاریات:٥٦)

تفسیر: چوتھی آیت میں فرمایا کہ جن وانس عبادت اور بندگی کے لیے پیدا کیے گئے اللہ کا کوئی نفع یا فائدہ ان سے متعلق نہیں ہے وہ ان سے روزی طلب نہیں کرتا بلکہ ان کو روزی پہنچاتا ہے وہ ان سے کھانا نہیں مانگتا بلکہ ساری مخلوقات کو وہ کھلاتا ہے، جب وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے تو بندگی اور عبادت بھی اسی کی کی جائے۔ (معارف القرآن)

وَأَمَّا الأحاديث ، فتقدم معظمها في البابين السابقين ، ومما لَمْ يتقدم :

اس موضوع سے متعلق متعدد احادیث پہلے دو ابواب میں گزر چکی ہیں کچھ یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

اصل غنی دل کا ہے

عن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((لَيْسَ الغِنَى عَن كَثْرَةِ العَرَض ، وَلكِنَّ الغِنَى غِنَى النَّفْسِ)) متفقٌ عَلَيْهِ . ((العَرَض)) بفتح العين والراء: هو المال

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا غنی مال واسباب کے زیادہ ہونے کا نام نہیں غنی تو نفس کے استغناء کا نام ہے"۔ (بخاری ومسلم)

عرض: عین اور راء کے فتحہ کے ساتھ۔ بمعنی مال

حدیث کی تشریح: ایک دوسری روایت میں تھوڑی سی وضاحت آتی ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! کیا تمہارا خیال ہے کہ مال

کی کثرت غنی ہے؟ میں نے عرض کیا بے شک۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ مال کی قلت فقر ہے؟ میں نے عرض کیا بے شک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غنی تو صرف دل کا غنا ہے اور فقر صرف دل کا فقر ہے۔(رواہ ترغیب وترہیب)

اور یہ حقیقت ہے کہ آدمی کے پاس جتنا بھی مال ہو اگر اس کا دل غنی نہیں تو وہ خرچ کرنے میں بخل سے کام لے گا۔ ہر وقت اس کو اپنے مال کے ختم ہونے کا خطرہ رہے گا اس کے بخلاف اگر آدمی کا دل غنی ہے تو وہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لے گا اور اس کو مال کے جمع کرنے کی فکر نہیں رہے گی بلکہ اللہ کی خوشنودی کی فکر رہتی ہے۔

(۲) وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ ، وَرُزِقَ كَفَافاً ، وقَنَّعَهُ الله بِمَا آتَاهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ:۔ ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اسلام قبول کر لیا اور بقدر ضرورت اس کو رزق دیا گیا اور اللہ نے جو کچھ اس کو دیا اس پر اس کو قناعت کی توفیق بھی حاصل ہو گئی“

کامیاب وہ ہے جس کو اسلام کے اندر قناعت کی دولت مل گئی

حدیث کی تشریح: یہ حدیث ”فضل الجوع واخشونة العیش الخ“ میں گزر چکی ہے۔

قَدْاَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ: دنیا اور آخرت دونوں جگہ کی کامیابی اس کے حصے میں ہو گی جس کو اللہ جل شانہ نے اسلام اور ایمان کی دولت نصیب فرمادی ہو (کیونکہ اس کے بعد آج جو کچھ بھی کرے آخرت میں کچھ بھی نہیں ملے گا)

رُزِقَ كَفَافًا كفاف: اس کو کفاف بمعنی رکنا اس لیے ہی کہتے ہیں کہ اتنی روزی ملنے کے بعد یہ شخص سوال کرنے سے رُک جاتا ہے۔ نیز اس حدیث میں ایسے لوگوں کی خصلت کا بیان ہے جو بقدر ضرورت روزی پر راضی رہتے ہیں کسی سے شکایت نہیں کرتے۔ نیز اس جملہ میں یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی کے لیے مناسب روزی کفاف والی یعنی بقدر ضرورت والی ہے کیونکہ مال داری آدمی کو متکبر بنادیتی ہے اور فقیری وغربت آدمی کو ذلیل کر دیتی ہے بقدر کفاف میں دونوں ہی خطروں سے آدمی مامون رہتا ہے۔

اشراف نفس سے ممانعت

وعن حكيم بن حزام رضي الله عنه ، قَالَ : سألتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأعْطَانِي ، ثُمَّ سَألْتُهُ فَأعْطَانِي ، ثُمَّ سَألْتُهُ فَأعْطَانِي ، ثُمَّ قَالَ : " يَا حَكِيم ، إنَّ هَذَا المَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ ، فَمَنْ أخَذَهُ بسَخَاوَةِ نَفسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ ، وَمَنْ أخَذَهُ بإشرافِ نَفسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ ، وكَانَ كَالَّذِي يَأكُلُ وَلاَ يَشْبَعُ ، وَاليَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى " قَالَ حكيم :

فقلتُ : يَا رسول الله ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالحَقِّ لاَ أَرْزَأُ أَحَداً بَعْدَكَ شَيْئاً حَتَّى أُفَارِقَ الدُّنْيَا ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رضي الله عنه يَدْعُو حَكِيماً لِيُعْطِيَه العَطَاء ، فَيَأبَى أنْ يَقبلَ مِنْهُ شَيْئاً ، ثُمَّ إنَّ عُمَرَ رضي الله عنه دَعَاهُ لِيُعْطِيَه فَأَبَى أنْ يَقْبَلَهُ . فقالَ : يَا مَعْشَرَ المُسْلِمِينَ ، أُشْهِدُكُمْ عَلَى حَكِيمٍ أنّي أعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ الَّذِي قَسَمَهُ اللهُ لَهُ فِي هَذَا الفَيْءِ فَيَأبَى أنْ يَأخُذَهُ . فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَداً مِنَ النَّاسِ بَعْدَ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تُوُفِّي . متفقٌ عَلَيْهِ .

" يَرْزَأُ " براءٍ ثُمَّ زايٍ ثُمَّ همزة ؛ أيْ : لَمْ يَأخُذْ مِنْ أحَدٍ شَيْئاً ، وَأَصْلُ الرُّزْءِ : النُّقْصَان ، أيْ : لَمْ يَنقُصْ أحَداً شَيْئاً بالأخذِ مِنْهُ ، وَ" إشْرَافُ النَّفْس " : تَطَلُّعُهَا وَطَمَعُهَا بالشَّيْءِ . وَ" سَخَاوَةُ النَّفْسِ " : هِيَ عَدَمُ الإشرَاف إِلَى الشيء ، وَالطَّمعِ فِيهِ ، وَالمُبَالاَةِ بِهِ وَالشَّرَهِ .

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا پھر عطا فرمایا میں نے پھر سوال کیا پھر عطا کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حکیم! یہ مال سرسبز وشیریں ہے جو شخص اسے سخاوت نفس سے حاصل کرے اس کے لئے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو نفس کے لالچ کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت نہیں دی جاتی اور وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کھاتا ہے مگر پیٹ نہیں بھرتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے نہ کوئی چیز لوں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حکیم کو دینے کے لئے بلاتے مگر وہ انکار کر دیتے اور کچھ نہ لیتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں دینے کے لئے بلاتے مگر وہ انکار کر دیتے اور کچھ نہ لیتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت تم گواہ رہو کہ میں حکیم کو اس کا وہ حق پیش کرتا ہوں جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس فئے میں مقرر کیا ہے مگر حکیم اسے لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ غرض حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لے کر اپنی وفات تک کبھی کوئی چیز کسی سے نہیں لی۔ (متفق علیہ) یرزأ: یعنی کسی سے کوئی چیز نہیں لی۔ رزء کی اصل نقصان ہے یعنی کسی سے کوئی چیز لے کر اس کا نقصان نہیں کیا۔ اشراف نفس: کسی چیز کی آس لگانا اور اس کا لالچ کرنا۔ سخاوت نفس: یعنی کسی چیز کی آس نہ لگانا اور نہ اس کی طمع کرنا اور نہ اس کی پرواہ کرنا اور نہ حرص کرنا۔

حدیث کی تشریح: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد بار سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ عطا فرمایا اور پھر انہیں نصیحت فرمائی کہ دنیا کا مال و دولت دنیا کی

آرائش وزیبائش ہے۔"زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" یہ وقتی چمک دمک ہے اور جلد زائل ہو جانے والی ہے۔ یہ سرسبز و شاداب اور شیریں یعنی انسانی نفس کو مرغوب ہے اور نفس کے اندر اس کی جانب طبعی میل موجود ہے مگر اس کا حصول اسی وقت خوب اور بہتر ہے اور انسان کے حق میں مفید ہے جب سوال نہ ہو' اشراف نفس نہ ہو' طمع اور لالچ نہ ہو' انسان اپنی غیرت اور عزت نفس مال کی خاطر پامال نہ کرے بلکہ جب اللہ تعالیٰ دے تو عزت نفس کے ساتھ اور بغیر طمع ولالچ لے لے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جو ملا اس پر قناعت کرے' زیادہ کی حرص نہ کرے یہ وہ مال ہے جس میں برکت ہوتی ہے اور غنا حاصل ہوتا ہے۔ بصورت دیگر اس میں برکت باقی نہیں رہتی اور آدمی اس سے پوری طرح مستفید نہیں ہو پاتا کہ وہ جاتا رہتا ہے پھر اور طلب کرتا ہے اور اس طرح وہ ایک ایسی وادی میں بھٹک جاتا ہے جہاں سے واپسی کا راستہ باقی نہیں رہتا اور بالآخر وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کھاتا رہے اور اس کا پیٹ نہ بھرے۔

دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے کہ لینے میں بہت سی اخلاقی' دینی اور معاشرتی برائیاں اور خرابیاں ہیں اور دینے میں ہر طرح کی خوبیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرت عظیم ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نفوس فیض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجلی اور مصفی ہو گئے۔ حضرت حکیم بن حزام پر اس نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اس وقت قسم کھالی کہ کسی سے کبھی کچھ نہ لوں گا اور انہوں نے اس پر عمل کر دکھایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مال فئے میں سے اپنا وہ حصہ بھی نہیں لیا جو سب مسلمانوں کو ملتا تھا۔ (فتح الباری: ۳/۳۵۶ ارشاد الساری: ۷/۶۲)

غزوہ ذات الرقاع میں صحابہ کی حالت

وعن أبي بردة ، عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه ، قَالَ : خَرَجْنَا مَعَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزاةٍ وَنَحْنُ سِتَّةُ نَفرٍ بَيْنَنا بَعِيرٌ نَعْتَقِبُهُ ، فَنقِبَت أقدامُنَا وَنَقِبَت قَدَمِي ، وسَقَطت أظْفَاري ، فَكُنَّا نَلُفُّ عَلَى أرْجُلِنا الخِرَقَ ، فَسُمِّيَت غَزْوَةَ ذَاتِ الرِّقَاعِ لِمَا كُنَّا نَعْصِبُ عَلَى أرْجُلِنَا مِنَ الخِرَق ، قَالَ أَبُو بُرْدَة : فَحدَّثَ أَبُو مُوسَى بهذَا الحَدِيثِ ، ثُمَّ كَرِه ذَلِكَ ، وقال : مَا كُنْتُ أصنَعُ بأنْ أذْكُرَهُ ! قَالَ : كأنَّهُ كَرِهَ أنْ يَكُونَ شَيْئاً مِنْ عَمَلِهِ أفْشَاهُ . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے ہم چھ آدمی تھے اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم باری باری سوار ہوتے پیدل چلنے سے ہمارے پیر پھٹ گئے اور میرے پیر بھی پھٹ گئے اور میرے ناخن بھی ٹوٹ کر گر گئے۔ ہم نے اپنے پیروں پر پٹیاں لپیٹ لی تھیں' اس لئے اس غزوہ کا نام ہی غزوۂ ذات الرقاع پڑ گیا۔ کیونکہ ہم نے اپنے پیروں پر چیتھڑے باندھ لئے تھے۔

حضرت ابو بردہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی پھر انہیں کچھ اچھا نہ لگا اور کہنے لگے میں نہیں چاہتا تھا کہ اس بات کا ذکر کروں یعنی انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اپنے کسی عمل کو بیان کریں۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: غزوہ ذات الرقاع کے نام اور وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ یہ فتح خیبر کے بعد ہوا اور ذات الرقاع نام ہونے کی ایک وجہ تو خود اس حدیث میں بیان ہوئی ہے اور دیگر وجوہات بھی ذکر کی گئی ہیں۔ ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ جھنڈوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ ایک درخت اس نام کا کسی مقام پر تھا لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سبب کو ترجیح دی ہے جو خود اس حدیث میں بیان ہوا کیونکہ اس غزوہ میں صحابہ کے پیر زخمی ہو گئے اور انہوں نے پیروں پر پٹیاں باندھ لی تھیں اس لیے اس کا نام غزوہ ذات الرقاع ہو گیا۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جفاکشی اور سخت کوشی کا عالم تھا کہ ایک اونٹ چھ آدمیوں کے پاس ہے اور اس پر باری باری سوار ہو رہے ہیں اور پیدل چلتے چلتے پاؤں پھٹ گئے، ناخن تک ٹوٹ کر گر گئے مگر صبر واستقامت کے یہ پیکر اپنی جگہ سے نہ ہلے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں ثابت قدمی سے آگے بڑھتے گئے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر جاں نثاری اور فداکاری کے ثبوت پیش کر گئے۔

پھر حضرت ابو موسیٰ اس حدیث کو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کے احوال کا بیان کرنا بھی ضروری ہے اور بیان کرتے ہوئے متامل بھی ہوتے ہیں کہ اس میں خود ان کی بھی آزمائش اور اس پر صبر کا ذکر آتا ہے کہ نیکی اللہ کے اور اللہ کے بندے کے درمیان معاملہ ہے۔

(فتح الباری: ۲/۳/۵۷۳، روضۃ المتقین: ۲/۸۷، دلیل الفالحین: ۲/۴۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرو بن حرام کے استغناء کی تعریف

وعن عمرو بن تَغْلِبَ بفتح التاء المثناة فوق وإسكان الغين المعجمة وكسر اللام رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بمال أوْ سَبْيٍ فَقَسَّمَهُ ، فَأعطى رجَالاً ، وَتَرَكَ رجَالاً ، فَبَلغَهُ أنَّ الَّذِينَ تَرَكَ عَتَبُوا ، فَحَمِدَ اللهَ ، ثُمَّ أثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : " أمَّا بعْدُ ، فَوَاللهِ إنِّي لأُعْطِي الرَّجُلَ وَأدَعُ الرَّجُلَ ، وَالَّذِي أدَعُ أحَبُّ إلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي ، وَلَكِنِّي إنَّمَا أُعْطِي أقْوَاماً لِمَا أرَى فِي قُلُوبهمْ مِنَ الجَزَعِ وَالهَلَعِ ، وَأكِلُ أقْوَاماً إلَى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبهم مِنَ الغِنَى وَالخَيْرِ ، مِنْهُمْ عَمْرُو بنُ تَغْلِبَ " قَالَ عَمْرُو بنُ تَغْلِبَ : فَوَاللهِ مَا أُحِبُّ أنَّ لِي بِكَلِمَةِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَم . رواه البخاري .

" الهَلَعُ " : هُوَ أشَدُّ الجَزَع ، وقيل : الضَّجَرُ .

ترجمہ: حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (تغلب تاء کے زبر غین کے سکون اور لام کے زیر کے ساتھ ہے) کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی یا مال آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تقسیم فرمادیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ لوگوں کو نہ دیا۔ پھر آپ کو یہ بات پہنچی کہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا وہ ناراض ہوئے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: امابعد! اللہ کی قسم میں کچھ لوگوں کو دیتا ہوں اور کچھ لوگوں کو نہیں دیتا وہ مجھے ان سے محبوب ہیں جنہیں میں دیتا ہوں۔ میں ان لوگوں کو دیدیتا ہوں جن کے دلوں میں گھبراہٹ اور بے چینی دیکھتا ہوں اور جن لوگوں کو میں دیکھتا ہوں کہ اللہ نے ان کے دلوں میں خیر اور استغناء پیدا کیا ہے تو میں انہیں اللہ کے سپرد کر دیتا ہوں انہی میں سے ایک عمرو بن تغلب ہیں۔ حضرت عمرو بن تغلب کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کے مقابلے میں سرخ اونٹ لینا بھی پسند نہیں کروں گا۔ ہلع کے معنی گھبراہٹ کے ہیں اور بعض نے اس کا ترجمہ بے قراری کیا ہے۔

راوی کے مختصر حالات: حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور پھر بصرہ میں آباد ہوگئے۔ آپ سے دو احادیث مروی ہیں اور دونوں بخاری نے روایت کی ہیں۔ (دلیل الفالحین: ۲/۴۱۲)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیتے اور فراست نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے اُمور کو نمٹاتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: مجھے جن لوگوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کو نہ دیا جائے تو وہ پریشان ہوں گے اور ان کی طبیعت میں بے چینی اور اضطراب ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ سلم انہیں عطا فرماتے اور جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قناعت سے نوازا ہے اور ان کو صبر وہمت عطا فرمائی ہے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دیتے اور فرمایا کہ یہی لوگ مجھے محبوب ہیں یعنی مال کی محبت نہ ہونے اور اس کے حصول کے لیے جزع وفزع نہ ہونے کی بناء پر اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر واستقامت سے نوازا ہے۔ ان اوصاف کی بناء پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے اور فرمایا کہ ان میں سے عمرو بن تغلب بھی ہیں۔

عمرو بن تغلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کوئی اس جملے کے بدلے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرخ اونٹ بھی دے دے تو میں نہ لوں' مطلب یہ نہیں کہ عمرو بن تغلب اپنے بارے میں تعریفی جملے سے خوش ہو رہے ہیں بلکہ وہ اس لیے خوش ہو رہے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے محبوبین میں شامل فرمایا ہے۔ (ارشاد الساری: ۲/۵۹۷' دلیل الفالحین: ۲/۴۱۳)

وعن حكيم بن حزام رضي الله عنه : أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((اليَدُ العُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ ، وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنىً ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفُّهُ الله ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ الله)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ:۔ ”حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرنے کی ابتدا ان لوگوں سے کرو جن کی کفالت تمہارے ذمے ہے اور بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد ہو اور جو سوال سے بچنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے بچالیتا ہے اور جو لوگوں سے (استغنا) بے نیازی اختیار کرے اللہ جل شانہ اسے بے نیاز کر دیتے ہیں۔(بخاری و مسلم) الفاظ بخاری کے ہیں مسلم کے الفاظ مختصر ہیں“۔

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے

حدیث کی تشریح: اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی: مراد دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

بہترین صدقہ وہ ہے جو آدمی ضرورت سے زائد کا دے

خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًّی: مطلب یہ ہے کہ صدقہ اتنا دیا جائے کہ اہل وعیال کے لیے کافی ہو ایسا نہ ہو کہ صدقہ دے دیا اب اپنے اور اہل وعیال کے پاس کچھ بھی باقی نہیں ہے۔

اس میں محدثین فرماتے ہیں کہ اگر آدمی میں اللہ کی ذات پر توکل ہو تو اب سب کچھ خرچ کر سکتا ہے جیسے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے دیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

اور اگر ابھی تک اللہ کی ذات پر توکل کامل حاصل نہیں ہوا تو پھر ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث بالا میں فرمایا جارہا ہے کہ ایسے لوگ اپنے اہل وعیال کی ضروریات کو مقدم رکھتے ہوئے صدقہ دیں کہ ان سے جو بچ جائے اس کو صدقہ کر دیں۔(مرقاۃ)

سوال کرنے میں اصرار نہیں کرنا چاہئے

وعن ابی سفیان صخر بن حرب رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تلحفوا فی المسالة' فوالله لا یسئالنی احد منکم شیئا فتخرج له مسئالته منی شیئا و انا له کاره فیبارك له فیما اعطیته (رواہ مسلم)

حضرت ابو سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوال کرنے میں اصرار نہ کرو اللہ کی قسم تم میں سے جو شخص مجھ سے جو کچھ مانگے گا اور میں ناپسندیدگی کے ساتھ اس کو دوں تو اس کو اس مال میں برکت حاصل نہ ہو گی“۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے اصرار کے ساتھ سوال نہ کرو ہو سکتا ہے کہ میں اس وقت کسی مصلحت کی بناء پر نہ دینا چاہوں لیکن سوال میں اصرار کی بناء پر دیدوں تو اس مال میں برکت نہیں ہوتی۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۷/ ۱۱۴)

کسی سوال نہ کرنے پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی

وعن أبي عبدِ الرحمان عوف بن مالِك الأشْجَعِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : كُنَّا عِنْدَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَةً أَوْ ثَمَانِيَةً أَوْ سَبْعَةً ، فَقَالَ : ((ألاَ تُبَايِعُونَ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) وَكُنَّا حَدِيثِي عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ ، فَقُلْنَا : قَدْ بَايَعْنَاكَ يَا رسولَ اللهِ ، ثمَّ قَالَ : ((ألا تُبَايِعُونَ رسولَ اللهِ)) فَبَسَطْنَا أيْدِينا ، وقلنا : قدْ بايعناكَ فَعَلامَ نُبَايِعُكَ ؟ قَالَ : ((عَلَى أنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً ، وَالصَّلَوَاتِ الخَمْسِ وَتُطِيعُوا الله)) وأسَرَّ كَلِمَةً خَفِيفَةً ((وَلاَ تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئاً)) فَلَقَدْ رَأيْتُ بَعْضَ أُولئِكَ النَّفرِ يَسْقُطُ سَوطُ أحَدِهِمْ فَمَا يَسْأَلُ أحَداً يُنَاوِلُهُ إيَّاهُ . رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت ابو عبد الرحمٰن بن عوف بن مالک سے روایت ہے کہ ہم ۹ یا ۸ یا ۷ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم رسول اللہ سے بیعت نہیں کرتے حالانکہ ہم نے تھوڑے ہی قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں بیعت کی تھی پس ہم نے کہا یارسول اللہ! ہم آپ سے بیعت ہو چکے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم رسول اللہ سے بیعت نہیں کرتے؟ پس ہم نے بیعت کیلئے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور ہم نے کہا یارسول اللہ ہم آپ کی بیعت کر چکے ہیں پس اب کس چیز کی بیعت آپ سے کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس بات پر کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے۔ پانچوں نمازیں پڑھو گے اللہ کی اطاعت کرو گے اور ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے۔ عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں میں سے بعض کو دیکھا کہ اگر ان کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو وہ کسی سے اس کے اٹھا کر دینے کا سوال کرتے نہ تھے“۔

حدیث کی تشریح: قَدْبَايَعْنَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: محدثین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس بیعت سے بیعت ”ليلة العقبة“ مراد ہے۔

عَلٰى اَنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ: ایک مرتبہ چند چیزوں پر بیعت ہوئی اس کے بعد پھر دوبارہ ضرورت ہو پھر بیعت ہو سکتی ہے۔ نیز اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت ہر عبادت کی چیز پر کی جاسکتی ہے۔ یہاں پر اللہ کی وحدانیت اور مکارم اخلاق کی بیعت لی گئی ہے۔

وَاَسَرَّ کَلِمَةً خَفِیَّةً: علماء فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے میں سب شریک تھے اس لیے سب سے بیعت لی گئی مگر چند لوگوں سے کہ اس میں سب شریک نہیں کرتے تھے صرف بعض سے یہ بیعت لی جاتی تھی اس لیے آہستہ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

یَسْقُطُ سَوْطُ اَحَدِهِمْ فَمَا یَسْأَلُ اَحَدًا: ان کا کوڑا بھی اگر زمین پر گر جاتا تو کسی سے سوال نہ کرتے تھے' کوڑے کا تذکرہ کیا کہ یہ معمولی چیز ہے جب اس کے اُٹھانے کا سوال نہیں کرتے تو دوسری چیزوں کا تو بدرجہ اولیٰ سوال نہیں کرتے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن جائز چیزوں کی بیعت کی جائے اس کا ہر ممکن اہتمام اور التزام کرنا چاہیے۔

سوال کرنے والا چہرہ قیامت کے دن گوشت سے خالی ہوگا

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: أنَّ النَّبيَّ - صلّى الله عليه وسلم -، قَالَ: ((لاَ تَزَالُ الْمَسْأَلةُ بأحَدِكُمْ حَتَّى يَلْقَى اللهَ تَعَالَى وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحمٍ)) متفقٌ عَلَيْهِ.

((المُزْعَةُ)) بضم الميم وإسكان الزاي وبالعين المهملة : القِطْعَةُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو شخص برابر سوال کرتا رہے گا تو قیامت کے دن جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی نہیں ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جو دنیا میں سوال کرتا رہا ہو وہ قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی یا اس کے چہرے پر عذاب ہوگا جس سے اس کے چہرے کا گوشت گر جائے گا۔

ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں کہ اس کے چہرے کا حسن باقی نہیں رہے گا۔ المہلب کہتے ہیں کہ حدیث سے اپنے ظاہری معنی مراد ہیں۔ یعنی اس کے چہرے پر گوشت نہیں رہے گا اور یہ اس کی سزا ہوگی اور اس کی علامت بھی ہوگی۔

بہر حال یہ حدیث اس شخص سے متعلق ہے جو بلا ضرورت ایسا سوال کرے جس سے منع کیا گیا ہے' چنانچہ ایک حدیث مرفوع میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اپنے مال میں اضافے کے لئے لوگوں سے مانگے تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشیں پڑی ہوئی ہوں گی اگر کوئی چاہے تو ان کو کم کرے اور چاہے تو زیادہ کرلے۔ (فتح الباری: ۱/۸۴۶)

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے

وعنه: أنَّ رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - قَالَ وَهُوَ عَلَى المِنبَرِ، وَذَكَرَ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْأَلَةِ: ((اليَدُ العُلْيَا خَيْرٌ مِنَ اليَدِ السُّفْلَى، وَاليَدُ العُلْيَا هِيَ المُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلَى هِيَ السَّائِلَةُ)) متفقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ نے صدقہ کا اور سوال سے بچنے کا ذکر فرمایا اور فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ (سے مراد) خرچ کرنے والا ہاتھ، اور نیچے والا ہاتھ (سے مراد) مانگنے والا ہاتھ ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت کا بیان ہے اور یہ کہ بغیر حق اور بلا ضرورت سوال کرنا بہت بڑی اخلاقی برائی ہے جس سے اجتناب ضروری ہے کہ اس سے انسان کی عزت نفس پامال ہوتی ہے اور بہت سی اخلاقی اور دینی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس حدیث کی شرح پہلے بھی گزر چکی ہے۔ (دلیل الفالحین: ۲/۴۱۸)

مال کو بڑھانے کے لئے سوال کرنا انگارے جمع کرنے کے مترادف ہے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّراً فإنَّمَا يَسْأَلُ جَمْراً ؛ فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگوں سے مال میں اضافہ کرنے کیلئے سوال کرتے ہیں تو وہ آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے۔ خواہ کم طلب کرے یا زیادہ طلب کرے“۔ (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت محض مال بڑھانے کے لیے بھیک مانگنے پر یہ وعید فرمائی جارہی ہے کہ وہ مال کو جمع نہیں کر رہا بلکہ آگ کے انگارے جمع کر رہا ہے اب اس کی مرضی ہے کہ زیادہ کرے یا کم کرے۔

فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ: کم طلب کرے یا زیادہ کرے مطلب یہ ہے کہ حقیر و کمتر چیز کے لیے سوال کرے یا کسی قیمتی اور اعلیٰ چیز کے لیے سوال کرے۔ (مظاہر حق)

بھیک مانگنے والا اپنا چہرہ چھیلتا ہے

وعن سَمُرَةَ بن جُنْدبٍ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إنَّ المَسْأَلَةَ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ ، إلاَّ أنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطاناً أَوْ فِي أمْرٍ لاَ بُدَّ مِنْهُ " رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن صحيح " . " الكد " : الْخَدْشُ وَنَحْوُهُ .

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنا خراش ہے اور آدمی سوال کر کے اپنا چہرہ چھیلتا ہے مگر یہ کہ آدمی بادشاہ سے سوال کرے یا کسی ایسے معاملہ میں سوال کرے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ (اسے ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے) کد کے معنی خراش کے ہیں۔

حدیث کی تشریح: خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مانگنے کی اس صورت میں اجازت ہے جب آدمی

صاحب اختیار اور اقتدار سے اپنا حق مانگے۔ اگرچہ یہ مانگنے والا غنی ہو یا ایسی صورت پیدا ہو گئی ہو کہ اس کے پاس مال باقی نہ رہا ہو یا مال تک اس کی رسائی نہ ہو۔ مثلاً سفر میں ہو یا کوئی حادثہ یا مصیبت پیش آ گئی ہو جس کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہو پھر سوال جائز ہے اور بلا ضرورت سوال کی وعید حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۴۰۶/۳)

لوگوں کے سامنے فقر ظاہر کرنے کی مذمت

وعن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا باللهِ ، فَيُوشِكُ اللهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ" رواه أبُو داود والترمذي ، وقال : "حديث حسن" . " يُوشِكُ " بكسر الشين : أَيْ يُسْرِعُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فاقہ سے ہو تو وہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہو گا اور جو اس کا اظہار اللہ کے سامنے کرے تو اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے روزی عطا فرما دیتے ہیں۔ (ابو داؤد نے اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: جو شخص فاقہ سے ہو یعنی بھوک کی شدت کا شکار ہو اور وہ اس کا اظہار انسانوں کے سامنے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھوکا ہی رکھتے ہیں کہ ایک ایک لقمہ کے لیے وہ ہر دروازے پر جاتا ہے کیونکہ اس نے رازق کو رازق نہیں مانا بلکہ انسانوں کو رازق جانا تو پھر اسے انسانوں کے دروازے ہی پر جانا چاہیے اور جس نے اپنی بھوک کا اظہار اللہ کے سامنے کیا اللہ تعالیٰ اس کی بھوک رفع فرما دیں گے۔ "وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" اس کو اس طرح رزق پہنچا دیں گے اس کا گمان اور اس کا خیال تک بھی وہاں نہیں پہنچ سکے گا اور یہ بات کیفیت، کمیت اور نوعیت تینوں سے متعلق ہے۔ آدمی کو معلوم نہیں ہے اور نہ اس کے گمان کی رسائی ہے کہ اللہ جو رزق اسے عطا فرمائیں گے اس کی کیفیت کیا ہو گی؟ اور وہ کس طرح اور کس ذریعے سے اس تک پہنچے گا؟ نہ اسے کمیت کا اندازہ ہو گا کہ اس کی مقدار کیا ہو گی؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہو گا کہ اس کی نوعیت کیا ہو گی؟

وہب بن منبہ نے ایک شخص کو کہا جو ارباب ثروت اور اصحاب اقتدار سے ملا کرتا تھا برا ہو تیرا تو لوگوں کے دروازے پر جاتا ہے جو چاہیں تجھ سے اپنا دروازہ بند کر لیں اور اپنی دولت تجھ سے چھپا لیں اور اس کے دروازے پر نہیں گیا جو اپنا دروازہ کبھی کسی سائل سے نہیں بند کرتا اور جو خود بلا بلا کر شب و روز تقسیم کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے:

"وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ" "اور اللہ سے اس کا فضل طلب کرو۔" (دلیل الفالحین: ۴۲۰/۲)

سوال نہ کرنے پر جنت کی بشارت

وعن ثوبان رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ تَكَفَّلَ

لِي أنْ لاَ يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئاً ، وَأَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ ؟ “ فقلتُ : أنَا ، فَكَانَ لاَ يَسْأَلُ أحداً شَيْئاً . رواه أبُو داود بإسناد صحيح .

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ضمانت دیتا ہوں اس کے بعد ثوبان نے کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا۔ (ابوداوٗد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

حدیث کی تشریح: اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر پورا پورا بھروسہ کرتا ہو اور اسی پر اس کا توکل ہو اور وہ اللہ کے سوا انسان سے کوئی سوال نہ کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کی جنت کا ضامن ہوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ثوبان نے کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا' ان کا کوڑا گر جاتا تھا تو وہ سواری سے اُتر کر خود اُٹھاتے تھے اور کسی سے نہ کہتے تھے کہ مجھے دے دو۔ (روضۃ المتقین: ۲؍۸۴)

سوال کرنا تین شخصوں کیلئے جائز ہے

وعن أبي بِشْرٍ قَبيصَةَ بنِ المُخَارق رضي الله عنه ، قَالَ : تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَأتَيْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أسْأَلُهُ فِيهَا ، فَقَالَ : ((أقِمْ حَتَّى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأمُرَ لَكَ بهَا)) ثُمَّ قَالَ : ((يَا قَبيصَةُ ، إنَّ المَسْأَلَةَ لاَ تَحِلُّ إلاَّ لأَحَدِ ثلاثَةٍ : رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً ، فَحَلَّتْ لَهُ المَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَها ، ثُمَّ يُمْسِكُ ، وَرَجُلٌ أصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِواماً مِنْ عَيش أَوْ قَالَ : سِدَاداً مِنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ أصَابَتْهُ فَاقَةٌ ، حَتَّى يَقُولَ ثَلاَثَةٌ مِنْ ذَوِي الحِجَى مِنْ قَوْمِهِ : لَقَدْ أصَابَتْ فُلاناً فَاقَةٌ . فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يصيب قواماً من عيش ، أوْ قَالَ : سداداً من عيشٍ ، فما سِوَاهُنَّ مِنَ المسألَةِ يا قَبيصَةُ سُحْتٌ ، يَأكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتاً)) رواه مسلم .

”اَلْحَمَالَةُ بِفَتْحِ الْحَاءِ أَنْ يَّقَعَ قِتَالٌ وَنَحْوُهُ بَيْنَ فَرِيْقَيْنِ فَيُصْلِحُ اِنْسَانٌ بَيْنَهُمْ عَلٰى مَالٍ يَتَحَمَّلُهُ وَيَلْتَزِمُهُ عَلٰى نَفْسِهِ وَ ”الْجَائِحَةُ“ اَلْآفَةُ تُصِيْبُ مَالَ الْاِنْسَانِ وَ الْقِوَامُ بِكَسْرِ الْقَافِ وَفَتْحِهَا: هُوَ مَا يَقُوْمُ بِهِ أَمْرُ الْاِنْسَانِ مِنْ مَالٍ وَنَحْوِهِ وَ السِّدَادُ بِكَسْرِ السِّيْنِ مَايَسُدُّ حَاجَةَ الْمُعْوِزِ وَيَكْفِيْهِ وَ الْفَاقَةُ اَلْفَقْرُ وَ الْحِجٰى اَلْعَقْلُ.

ترجمہ:۔ حضرت ابو بشیر قبیصہ بن مخارق سے روایت ہے کہ میں نے ضمانت کو اپنے ذمہ لے لیا اس سلسلہ میں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو تا کہ ہمارے پاس صدقے کا مال آئے پھر ہم اس سے تمہاری مدد کریں گے اس کے بعد پھر ارشاد فرمایا اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین آدمیوں کیلئے جائز ہے۔ (۱) ایک

وہ شخص جس نے کسی کی ضمانت اٹھالی اس کیلئے سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ ضرورت کے مطابق اس کو حاصل کرلے پھر وہ رک جائے۔ (۲) وہ آدمی جو کسی آفت یا حادثے کا شکار ہو جائے جس نے اس کے مال کو تباہ و برباد کر دیا اس کیلئے بھی اس حد تک سوال کرنا جائز ہے جس سے وہ اپنی گزران کے مطابق مال حاصل کرے۔ (۳) وہ شخص جو فاقے کی حالت کو پہنچ جائے یہاں تک کہ اس کی قوم کے تین عقل مند آدمی اس کی گواہی دے دیں کہ فلاں آدمی فاقے میں مبتلا ہے تو اس کیلئے بھی سوال کرنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ وہ گزران کے مطابق مال حاصل کرلے (یا فرمایا) جو اس کی حاجت کو پورا کردے اس کے سوا اے قبیصہ! سوال کرنا حرام ہے اور ایسا سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے"۔ (رواہ مسلم)

الحمالۃ حا پر زبر بمعنی دو فریقوں کے درمیان لڑائی وغیرہ ہو جائے پھر کوئی شخص ان کے درمیان مال پر صلح کروادے اور مال کی ذمہ داری خود اٹھالے "جائحۃ" بمعنی ایسی آفت جو انسان کے مال کو تباہ و برباد کردیتی ہے۔ "والقوام" قاف پر زبر اور زیر دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے بمعنی مال یا اس طرح کی کوئی چیز جس سے انسان کا معاملہ درست ہو جائے "سداد" سین کے زیر کے ساتھ بمعنی ضرورت مند کی حاجت کو پورا کردے۔ اور وہ اسے کافی بھی ہو جائے۔ "والفاقۃ" بمعنی فقیری۔ الحجی عقل کو کہتے ہیں۔

حدیث کی تشریح: لَاتَحِلُّ اِلاَّ لِاَحَدِ ثَلَاثَۃٍ: پہلا شخص: یہ ہے کہ

تَحَمَّلَ حَمَالَۃً فَحَلَّتْ لَہُ الْمَسْأَلَۃُ: جس نے کسی کی ضمانت اُٹھالی تو اب اس کے لیے سوال کرنا جائز ہوگا۔

حَمَالَۃً: اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص پر بطور دیت کے ضروری ہوگیا ہو کہ اس نے جھگڑے کو نمٹانے کے لیے مال کو اپنے ذمہ لے لیا تو اس وجہ سے وہ قرض ادا ہو جائے تو اب اس کو سوال کرنا جائز ہو جائے گا۔ دوسرا شخص "وَرَجُلٌ اَصَابَتْہُ جَائِحَۃٌ" مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آفت و مصیبت مثلاً قحط و سیلاب وغیرہ میں مبتلا ہوگیا اور اس میں اس کا سارا مال ضائع و ہلاک ہوگیا تو اب اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز ہوگا۔

تیسرا شخص "وَرَجُلٌ اَصَابَتْہُ فَاقَۃٌ" مطلب یہ ہے کہ امیر ہو مگر اس پر کوئی ایسی سخت حاجت پیش آجائے مثلاً گھر کا سارا مال چوری ہوگیا یا کسی بھی حادثہ میں وہ فقیر ہوگیا تو اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز ہوگا۔ "حَتّٰی یَقُوْلَ ثَلَاثَۃٌ" اس کی فقیری پر تین سمجھ دار آدمی گواہی دے دیں کہ یہ شخص حقیقتاً فقیر ہوگیا ہے۔ یہ مستحب کے درجہ میں ہے۔ دوسرا اس میں یہ بات بھی ہے کہ سوال کرنے کے راستے کو روکنا ہے کہ ہر آدمی سوال نہ کرنا شروع کردے۔

مسکین کی تعریف

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ:

"لَيْسَ المسكينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَان، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَان ، وَلكِنَّ المِسكينَ الَّذِي لاَ يَجِدُ غِنىً يُغْنِيهِ ، وَلاَ يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ ، وَلاَ يَقُومُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ " متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے کہ جو لوگوں کے گھروں کے چکر لگائے اور لوگ ایک دو لقمہ یا ایک دو کھجور دے کر لوٹا دیں۔ لیکن اصل مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے دوسروں سے مستغنی کردے اور اسکی مسکنت کا علم نہ ہو کہ اسے صدقہ دیا جائے اور نہ وہ خود لوگوں سے مانگنے کیلئے کھڑا ہوتا ہو۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں فرمایا گیا ہے کہ مسکین وہ نہیں جو در در مانگتا پھرے' کہیں سے لقمہ مل جائے اور کہیں سے دو لقمے اور دینے والا کہے کہ چلو آگے بڑھو۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو جو دوسروں سے مستغنی کردے اور کسی کو پتہ بھی نہ ہو کہ وہ مسکین ہے اور وہ خود سوال نہ کرتا ہو۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکین سکون سے بنا ہے گویا وہ مال کی کمی کی وجہ سے اس قابل بھی نہ رہا کہ کوئی حرکت و عمل کرسکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اَوْمِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ'' ''یا مسکین جو مٹی میں رُل گیا ہو'' (فتح الباری: ۱/۸۴۸' شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۱۵/۷)

....

باب جواز الأخذ من غير مسألة ولاَ تطلع إليه
جو شئے بلا طلب اور بغیر خواہش مل جائے اس کے لینے کا جواز

عن سالم بن عبد الله بن عمر ، عن أبيه عبد الله بن عمر ، عن عمر رضي الله عنهم ، قَالَ : كَانَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطيني العَطَاءَ ، فَأَقُولُ : أعطِهِ مَنْ هُوَ أفْقَرُ إلَيْهِ مِنِّي . فَقَالَ : " خُذْهُ ، إذَا جَاءكَ مِنْ هَذَا المَال شَيْءٌ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرفٍ وَلاَ سَائِلٍ ، فَخذْهُ فتموَّلْهُ ، فَإنْ شِئْتَ كُلْهُ ، وَإنْ شِئْتَ تَصَدَّقْ بهِ ، وَمَا لا ، فَلاَ تُتبعهُ نَفْسَكَ" قَالَ سَالِمٌ : فَكَانَ عَبدُ الله لاَ يَسألُ أحَداً شَيْئَاً ، وَلاَ يَرُدُّ شَيْئاً أُعْطِيَه . متفقٌ عَلَيْهِ .

(مُشرف) : بالشين المعجمة : أيْ متطلع إلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرماتے تو میں ان سے کہتا کہ اس کو دیدیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ لے لو جو مال تمہارے پاس خود آئے اور تمہیں اس کی حرص نہ ہو اور نہ تم اس کے طلبگار ہو تو تم اسے لے لو۔ اگر چاہو تو اپنے استعمال میں لاؤ ورنہ صدقہ کردو اور جو مال اس طرح نہ ہو تو اس کے پیچھے اپنے آپ کو نہ لگاؤ۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال عطا فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ کسی اور کو دے دیجئے اس پر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مال تمہارے پاس از خود آئے اور تمہیں نہ اس کی حرص ہو اور نہ خواہش ہو تو اس کو لے لو پھر چاہے خود استعمال کرو اور خواہ صدقہ کردو۔

(فتح الباری: ۱/ ۸۴۷، ارشاد الساری: ۳/ ۶۰۵)

باب الحث عَلَى الأكل من عمل يده والتعفف به عن السؤال والتعرض للإعطاء

اپنے ہاتھ کی کمائی کھانا سوال سے احتراز اور دوسروں کو دینے کی تاکید

قَالَ الله تَعَالَى: ﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ الله ﴾

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "جب نماز جمعہ پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔" (الجمعہ: ۱۰)

تفسیر: آیت مبارکہ سے پہلے بیان ہوا کہ جب جمعہ کی اذان ہو تو مسجد میں آجاؤ اور خرید و فروخت بند کردو۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں چل پھر کر اللہ کا فضل تلاش کرو۔ سلف صالحین سے مروی ہے کہ نماز جمعہ کے بعد کاروبار میں ستر گنا برکت ہے۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ اللہ کو بہت کثرت سے یاد کرو کہ اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

لکڑیوں کا گٹھا لے کر فروخت کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے

وعن أبي عبد الله الزبير بن العَوَّام رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لأَنْ يَأخُذَ أحَدُكُمْ أحبُلَهُ ثُمَّ يَأتِيَ الجَبَلَ، فَيَأْتِيَ بحُزمَةٍ مِنْ حَطَب عَلَى ظَهْرِهِ فَيَبِيعَهَا، فَيكُفَّ اللهُ بِهَا وَجْهَهُ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أنْ يَسْأَلَ النَّاسَ، أعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ)) رواه البخاري.

ترجمہ:- "حضرت زبیر بن العوام سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم

میں سے کسی ایک شخص کا رسیاں لے کر پہاڑ پر جانا کہ ان لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے پھر اسے بیچے' پس اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو ذلت سے بچائے یہ اس کیلئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اسے دیں یا نہ دیں"۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے مقابلے میں اس بات کی ترغیب دی جارہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاؤ۔ اگرچہ وہ کام لوگوں کی نظروں میں کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو مگر یہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے (روضۃ المتقین) کیونکہ ہاتھ پھیلانے میں ذلت ہی ذلت ہے اور اسلام ذلت نفس سے بچاتا ہے اور کرامت نفس کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسے ایک شاعر نے کہا ہے:

دوستو! حکم خداوندی سنو!

اور معاش اپنی میں کچھ محنت کرو

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((لأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أحداً ، فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ۔"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے ایک شخص لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لاتا ہے اور اسے بیچ کر گزارا کرتا ہے یہ اس کیلئے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے وہ اس کو دے یا نہ دے"۔

مزدوری کرنا سوال کرنے سے بہتر ہے

حدیث کی تشریح: لَاَنْ يَّحْتَطِبَ اَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهٖ: ایک دوسری روایت میں ہے:"وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيَأْخُذُ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَحْتَطِبُ عَلٰى ظَهْرِهٖ" (بخاری) کے الفاظ آئے ہیں کہ ایک شخص لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے۔اس حدیث میں بھی طلب کسب حلال کی ترغیب دی جارہی ہے۔

فقہاء نے فرمایا ہے کہ کبھی کمانا فرض ہوتا ہے اور کبھی حرام اور کبھی مستحب اور کبھی مباح۔

فرض: اس وقت ہوتا ہے کہ جب کمانے والے اور اسکے اہل وعیال کیلئے اس وقت کی ضرورت کیلئے کافی ہو جائے۔

حرام: اس وقت ہوتا ہے کہ جب کہ تکبر وفخر اظہار کے لیے کمائے۔

مستحب: اس وقت ہوتا ہے جب کہ ضرورت سے زائد کمانا میسر ہوگا بشرطیکہ اس نیت کے ساتھ کمائے کہ جو زائد ہوگا اس کو فقراء ومساکین اور دوسرے مستحق حضرات میں تقسیم کروں گا۔

مباح: اس وقت ہوگا جب کہ وہ ضرورت سے زائد کمائے۔ اس نسبت کے ساتھ کہ اپنی شان و شوکت اور وقار وغیرہ کی حفاظت ہو۔

داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے

وعنه ، عن النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((كَانَ دَاوُدُ عليه السلام لا يَأْكُلُ إلاَّ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ)) رواه البخاري .

ترجمہ:۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے"۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: كَانَ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَايَأْكُلُ اِلاَّ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ: "حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی ہی سے کھایا کرتے تھے۔"

کہتے ہیں کہ ایک رات کو حضرت داؤد علیہ السلام اپنے بارے میں تجسس کر رہے تھے تو رات کو ایک فرشتہ ان کو آدمی کی صورت میں ملا۔اس سے بھی یہ سوال کیا اس فرشتہ نے کہا کہ داؤد ہیں تو بہت اچھے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ وہ بیت المال سے روزی کھاتے ہیں؟ وہ کچھ اپنی روزی کا انتظام کریں تو بہت اچھا ہو جائے۔اسی وقت حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کہ اے اللہ! مجھے بیت المال سے مستغنی کر دے اور مجھے کوئی ہنر عطا فرما دے۔اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول کی اور انہیں زرہ بنانے کا ہنر عطا فرمایا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آکر موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا جس سے وہ زرہ بناتے اور ایک زرہ کو چار ہزار یا چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے۔دو ہزار اپنی ذات پر اور اہل وعیال پر خرچ کرتے اور چار ہزار یا دو ہزار فقراء و مساکین پر خرچ کرتے۔حدیث بالا میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کمائیں تو اچھا ہے جیسے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے

وعنه:أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،قَالَ:"كَانَ زَكَرِيَّا عليه السلام نَجَّاراً " رواه مسلم.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نجار تھے۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ سورہ مریم کے آغاز میں آپ کے اللہ سے دعا مانگنے کا ذکر ہے کہ آپ نے بہت عاجزی اور تضرع سے اللہ سے دعا کی اور اللہ کو چپکے چپکے پکارا، اپنی کمزوری اور عجز کا اظہار کیا کہ میری ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں اور بڑھاپے کی آگ جنگل کی آگ کی طرح میرے سر میں بھڑک اُٹھی ہے اور اے اللہ! میں نے جب کبھی دعا مانگی میں محروم نہیں رہا یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے دعا مانگی ہو اور میرے رب کے حضور قبول نہیں ہوئی ہو۔

حدیث مبارک کا مقصود یہ ہے کہ کوئی بھی عمل کمتر نہیں ہے اور کسی کام میں انسان کے لیے کوئی عیب کا یا شرمندگی کا کوئی پہلو نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اہمیت رزق حلال اور کسب طیب کی ہے جس عمل سے بھی انسان کو پاکیزہ اور ستھرا رزق حاصل ہو وہی عمدہ اور بہترین ہے۔(شرح مسلم للنووی:۱۶/۱۱۰، روضۃ المتقین:۲/۹۰، دلیل الفالحین:۲/۴۲۷)

سب سے بہتر اپنے ہاتھ کی کمائی ہے

وعن المقدام بن مَعْدِ يكربَ رضي الله عنه ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ: " مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَاماً قَطُّ خَيْراً مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ ، وَإنَّ نَبِيَّ الله دَاوُدَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص نے کوئی کھانا نہیں کھایا بہتر اس کھانے سے جو اس نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا ہو اور اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کے کھاتے تھے۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ہاتھ سے کام کرنے اور کسب ید سے رزق حاصل کرنے کی فضیلت بیان کی جارہی ہے۔ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ اگر ہاتھ سے کام کرنے والا اور عمل ید سے رزق حاصل کرنے والا متوکل ہو اور یقین کامل رکھتا ہو کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہے اور جو اس کے عمل ید سے مستفید ہو اس کا خیر خواہ ہو اور اس کی بھلائی چاہتا ہو تو ہاتھ سے رزق کمانا سب سے بہتر اور سب سے افضل ہے۔(فتح الباری:۱/۱۰۹۰، ارشاد الساری:۵/۳۳)

....

باب الكرم والجود والإنفاق في وجوه الخير ثقةً بالله تعالى

اللہ جل شانہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کرم، سخاوت اور نیک کاموں میں مال خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ﴾ [سبأ : ٣٩] ،

ترجمہ:۔"اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اس کا تمہیں بدلہ دے گا"۔

تفسیر: آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جو کچھ بھی رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرتا ہے اللہ جل شانہ اس کا بدلہ کبھی دنیا میں اور کبھی آخرت میں اور کبھی دونوں میں عطا فرماتے ہیں۔ جتنا آدمی خرچ کرتا ہے اتنا ہی اللہ کی طرف سے بدلہ ملتا رہتا ہے۔ مثلاً وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے گائے، بکری وغیرہ جتنا اس کا خرچ ہوتا ہے اتنا ہی اس کا بدلہ اور پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ بخلاف کتے، بلی کہ ان کی نسل بظاہر زیادہ بھی ہوتی ہے مگر اس کا خرچ کچھ

نہیں اس لیے اس کی تعداد کم نظر آتی ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب سے عربوں نے اونٹوں کی سواری بند کردی اس وقت سے اس کی پیداوار گھٹ گئی ہے۔(مسلم شریف بحوالہ معارف القرآن)

مسلم شریف کی ایک روایت میں بھی اسی قسم کا مضمون آتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَاَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا (مسلم شریف بحوالہ معارف القرآن:۷/۳۰۳)

ترجمہ:"اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور بخل کرنے والے کا مال ضائع کردے۔"

جو کچھ اللہ کیلئے خرچ کیا جائے اس کا اجر ضرور ملے گا

وقال تَعَالَی : ﴿ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ ﴾ [البقرة : ۲۷۲] .

ترجمہ:"اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ جل شانہ کی رضاجوئی کے لیے اور جو کچھ تم مال میں سے خرچ کرتے ہو یہ سب پورا پورا تم کو مل جائے گا اور اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی۔"

تفسیر: آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی صدقہ و خیرات دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تو اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے اس کا بدلہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دونوں جگہ ملتا ہے۔ نیز اس آیت میں مفسرین کہتے ہیں کہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ اس کا احسان اپنے فائدے کے لیے فقیر پر رکھتے ہو اور جب اپنے فائدے کے لیے ہے تو صدقہ اور خیرات میں اچھا مال دینا چاہیے ورنہ مال کی بربادی ہوگی اور اس کا فائدہ نہ ملے گا۔ جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ تم خرچ کرو تم پر بھی خرچ کیا جائے گا۔

بندہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اللہ کے علم میں ہوتا ہے

وقال تَعَالَی : ﴿ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾ [البقرة : ۲۷۳] .

ترجمہ:"ارشاد خداوندی ہے جو کچھ تم کروگے بھلائی سو وہ بے شک اللہ کو خوب معلوم ہے۔"

حدیث کی تشریح: جو کچھ بھی عمل کروگے کہ کس نیت کے ساتھ کیا ہے کیا اس لیے کہ اللہ راضی ہو جائے یا اس لیے کہ لوگ مجھ کو اچھا کہیں۔ کوئی بھی نیت ہو صحیح ہو یا غلط اللہ جل شانہ تمام کی نیتوں کو بھی جانتے ہیں اور اسی اعتبار سے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

نیز اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اللہ کے راستے میں تم خرچ کرو وہ ضرورت سے زائد ہونا چاہیے یہ نہیں کہ ضرورت سے زائد جو کچھ بھی ہو اس کو صدقہ کردینا ضروری یا واجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعامل سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔(معارف القرآن:۱/۵۱۴)

دو آدمی قابل رشک ہیں

وعن ابن مسعود رضي الله عنه ، عن النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لا حَسَدَ إلاَّ في اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالاً ، فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الحَقِّ ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً ، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا " متفقٌ عَلَيْهِ . ومعناه : يَنْبَغي أنْ لاَ يُغبطَ أحَدٌ إلاَّ عَلَى إحْدَى هَاتَيْنِ الخَصْلَتَيْن .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو اور پھر اسے ہمت دی ہو کہ وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرے دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے سمجھ دی ہو وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور اس کی تعلیم دیتا ہو۔ (متفق علیہ)

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دو خوبیوں کے علاوہ اور کسی بات پر رشک کرنا درست نہیں ہے۔

حدیث کی تشریح: اس حدیث مبارک میں ارشاد ہوا ہے کہ دو باتیں ایسی ہیں جن پر حسد کرنا روا ہے۔ یہاں در حقیقت حسد کے معنی رشک کے ہیں یعنی یہ خواہش کرنا یہ نعمت مجھے بھی عطا ہو جائے جبکہ حسد کے معنی ہیں دوسرے سے زوال نعمت کی تمنا کرنا۔ حسد ممنوع اور حرام ہے۔

غرض حدیث میں ارشاد فرمایا گیا دو آدمیوں سے رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں صرف کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے علم و حکمت اور دانائی عطا کی گئی وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ دو آدمیوں کے سوا کسی پر رشک کرنا روا نہیں ہے ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا وہ شب و روز اسی میں مصروف ہے اور دوسرا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور وہ شب و روز اس مال کو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہا ہے۔

(فتح الباری: ۳/۲۴۷، روضۃ المتقین: ۲/۹۳)

وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ايكم مال وارثه احب اليه من ماله؟ قالوا: يارسول الله مامنا احد الا ماله احب اليه. قال "فان ماله ما قدم ومال وارثه ما اخر." رواه البخاری

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال زیادہ محبوب ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے صدقہ کر کے آگے بھیج دیا اور وارثوں کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ (بخاری)

کلمات حدیث: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں ایک مقرر اور متعین مدت کے لیے دنیا کی چیزوں

سے متمتع ہوتا ہے اور پھر اسے یہ سب چھوڑ کر جانا ہے جو اس کے وارث لے لیتے ہیں اور مالک بن جاتے ہیں، لیکن جو مال آدمی نے خلوص سے اور حسن نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا وہ اللہ کے یہاں جمع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس پر اضافہ فرماتے ہیں اس طرح اللہ کے یہاں اجر و ثواب عظیم جمع ہو جاتا ہے۔(روضۃ المتقین:۲/۹۴)

جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو

وعن عَدِيِّ بن حَاتِمٍ رضي الله عنه : أَنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بشِقِّ تَمْرَةٍ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ:۔"حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو"۔(بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: اس حدیث میں ترغیب ہے کہ آدمی حسب استطاعت صدقہ دیتا رہے۔ اگر زیادہ نہیں دے سکتا تو کم ہی دے کیونکہ صدقہ کے ذریعہ سے آدمی جہنم سے نجات پائے گا۔(روضۃ المتقین)

مکمل حدیث

بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے اور مکمل حدیث بخاری میں اس طرح آتی ہے:

"عن عدی بن حاتم رضی اللّٰہ عنہ قال کنت عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فجاءہ رجلان احدھما یشکوا العیلۃ والاخر یشکوا قطع السبیل' فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم: اما قطع السبیل فانہ لایأتی علیک الا قلیل حتی تخرج العیر الی مکۃ بغیر خفیر واما العیلۃ فان الساعۃ لاتقوم حتّٰی یطوف احدکم بصدقتہ لایجد من یقبلھا منہ ثم لیقفن احدکم بین یدی اللّٰہ لیس بینہ وبین حجاب ولا ترجمان یترجم لہ ثم لیقولن لہ الم اوتک مالا؟ فلیقولن! بلی ثم یقولن: الم ارسل الیک رسولاً ؟ فلیقولن: بلی فینظر عن یمینہ فلا یری الا النار ثم ینظر عن شمالہ فلا یریٰ الا النار فلیقین احدکم النار ولو بشق تمرۃ فان لم یجد فبکلمۃ طیبۃO(بخاری: جلد ا' صفحہ ۱۹۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

وعن جابرٍ رضي الله عنه ، قَالَ : مَا سُئِلَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئاً قَطُّ ، فقالَ : لاَ . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں "نہیں" فرمایا ہو"۔

حدیث کی تشریح: مَاسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ شَیْئًا قَطُّ: کبھی کسی نے آپ سے کوئی سوال کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں "نہیں" فرمایا ہو (ایسا کبھی نہیں ہوا)۔

حدیث بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور جود کو بیان کیا جارہا ہے کہ آپ کی زبان پر فقیر کے لیے نہیں کا لفظ نہیں آتا تھا۔ اگر کوئی چیز موجود ہوتی تو فوراً ادا فرمادیتے اور کبھی قرض لے کر فقیر کی حاجت پوری فرماتے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ وقت کے لیے اس سے وعدہ فرمالیتے کہ کہیں سے کچھ آجائے تو پھر آجانا۔ (نزہۃ المتقین)

اسی وجہ سے فرزدق شاعر نے کہا کہ اگر تشہد میں "اَشْھَدُاَنْ لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ" نہ ہوتا تو آپ "لا" (نہیں) نہ کہتے۔ اس کے مقابلہ میں ایسا بھی واقعہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مرحمت" نہیں فرمایا کہ اس کو اس وقت دینا مناسب نہیں تھا۔ جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے:

"اِذَا سُئِلَ فَاَرَادَ اَنْ یَّفْعَلَ قَالَ نَعَمْ وَاِذَا لَمْ یُرِدْ اَنْ یَّفْعَلْ فَسَکَتَ" (طبقات ابن سعد)

سخاوت کرنے والے کے حق میں فرشتوں کی دعاء

(۳) وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَا مِنْ يَوْمٍ يُصبحُ العِبَادُ فِيهِ إلاَّ مَلَكَانِ يَنْزلانِ ، فَيَقُولُ أحَدُهُمَا : اللَّهُمَّ أعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً ، وَيَقُولُ الآخَرُ : اللَّهُمَّ أعْطِ مُمْسِكاً تَلَفاً " متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر روز جب اللہ کے بندے صبح کرتے ہیں تو آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا صلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! مال کو روک کر رکھنے والے کا مال تلف فرمادے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک کا مقصود اللہ کے مقرر کردہ مالی حقوق و فرائض کی ادائیگی اور نفلی صدقات کی اہمیت کا بیان ہے اس مضمون کی اور بھی متعدد احادیث ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر روز طلوع آفتاب کے وقت دو فرشتے اس کے دونوں کناروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ندا دیتے ہیں کہ جس کو جن وانس کے علاوہ سب سنتے ہیں کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو تھوڑی چیز جس میں کفایت ہو وہ اس زیادہ مقدار سے بہت بہتر ہے جو اللہ سے غافل کردے۔

حدیث مبارک میں انفاق کرنے والے کے حق میں دعا فرمائی گئی ہے خواہ وہ انفاق واجب ہو یا نفل۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دعا واجبات اور مستحبات ہر طرح کے انفاق کو شامل ہے لیکن مستحبات سے رُکنے

والا اور نہ دینے والا بد دعا کا مستحق نہیں۔ الا یہ کہ اس کا نہ دینا غلبہ بخل کی بناء پر ہو تو وہ بھی اس بد دعا میں شامل ہو گا۔
(دلیل الفالحین: ۲/ ۴۳۲' نزہۃ المتقین: ۲/ ۴۵۸)

خرچ کرو تم پر خرچ کیا جائے گا

وعنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " قَالَ الله تَعَالَى : أنفِق يَا ابْنَ آدَمَ يُنْفَقْ عَلَيْكَ " متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اے فرزند آدم! خرچ کر تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا"۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اے مؤمن! تو بھلائی کے کاموں میں اللہ کے احکام اور اس کی ہدایات کے مطابق خرچ کر اور اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھ اللہ تعالیٰ تجھے دنیا میں بھی وسعت عطا فرمائیں گے اور آخرت کا اجر و ثواب تو بے حد و حساب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں دن و رات دیتے رہنے سے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔"

قرآن کریم میں ہے: "وَمَا اَنفَقْتُم مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ"

"اور تم جو خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے۔" (سبا: ۳۶)

خرچ کرنے سے اور اللہ کے بتائے ہوئے مصارف میں صرف کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے اور نشو و نما پاتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے خواہ مال کی صورت میں یا استغناء کی صورت اور اللہ کے یہاں تو اس کا اجر و ثواب بے حساب ہے۔ (روضۃ المتقین: ۲/ ۹۶' دلیل الفالحین: ۲/ ۴۳۲' نزہۃ المتقین: ۱/ ۴۵۸)

بہترین عمل سلام کرنا' کھانا کھلانا ہے

وعن عبد اللهِ بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما : أنَّ رَجُلاً سَأَلَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أيُّ الإسلامِ خَيْرٌ ؟ قَالَ : " تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ " متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو جس کو تم پہچانتے ہو اور جس کو نہیں پہچانتے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ یعنی اسلام اپنے ماننے والوں کے درمیان بہت سی عمدہ صفات پیدا کرتا ہے انہیں نہایت بہترین

خصوصیات حاصل ہو جاتی ہیں اور انکی نفیس ترین فطری صلاحیتیں اُبھر کر اور نکھر کر سامنے آجاتی ہیں ان میں سے کون سی خوبیاں سب سے عمدہ اور سب سے بہترین ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوال کرنے والے کے بارے میں علم نہیں کہ کون ہیں مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا اسلام سب سے افضل ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت اور دانائی اور فراست عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سوال کا جواب سائل کے حالات اس کے مزاج اور اس کی نفسیات کو مدنظر رکھ کر فرماتے۔ اس طرح بظاہر یہ جواب مختلف نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دین کی تمام باتیں اور اسلام کے جملہ امور باہم ایک دوسرے میں مربوط اور پیوست ہیں ان میں باہم کوئی فرق واختلاف نہیں بلکہ موافقت اور مجانست ہے۔ اسلام کے لفظی معنی سلامتی کے ہیں دنیا کی بھی سلامتی اور آخرت کی بھی سلامتی۔ اسلام میں داخل ہونے والے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنی ذات میں سلامتی کا پیکر بن جائے کہ اس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ پیکر سلامتی اپنے وجود سے بھی امن وسلامتی کا چلتا پھرتا پیامبر ہے اور اپنی زبان سے بھی وہ جس سے اس کا سامنا ہوتا ہے یہی کہتا ہے کہ تم پر سلامتی ہو کہ یہ جنت کا باسی ہے اور جنت کا نام دارالسلام ہے اور وہاں کا تحیۃ (Greeting) بھی سلام ہے اور اسلام چونکہ سلامتی کا علمبردار ہے اس لیے اسلام کا شعار بھی سلام ہے۔ اس لیے فرمایا کہ کثرت سے کھانا کھلانا اور بکثرت سلام کرنا اسلام کی نمایاں خوبیاں اور مسلمانوں کا نمایاں وصف ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد نبوت "کہ سلام کرو جسے تم جانتے ہو اور جسے تم نہیں جانتے۔" کا مطلب یہ ہے کہ سلام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو یہ نہ ہو کہ جس کو جانتے ہو اسے سلام کر لیا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں تمہاری ذات کا دخل ہو گیا اور یہ سلام خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں رہا۔ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ایک کو سلام کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ہر ایک کو سلام کرنے سے اجنبیت دور ہو کر باہم رشتہ اخوت مضبوط ہوگا۔ قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان باہم مودت اور محبت کو اُجاگر کرنا اور ان کے درمیان الفت کو فروغ دینا فرائض دین اور ارکان شریعت میں سے ہے اور سلام کرنا اس کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ (فتح الباری: ۳/۲۶۰، شرح صحیح مسلم للنووی: ۲/۱۰، روضۃ المتقین: ۲/۷۹، عمدۃ القاری: ۲۲/۳۶۸)

دودھ والا جانور عطیہ کر دینا بہترین صدقہ ہے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أَرْبَعُونَ خَصْلَةً : أَعْلاهَا مَنِيحَةُ العَنْزِ ، مَا مِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا ؛ رَجَاءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا، إلاَّ أَدْخَلَهُ اللهُ تَعَالَى بِهَا الجَنَّةَ)) رواه البخاري . وقد سبق بيان هَذَا الحديث في بَاب بَيَان كَثْرَةِ طُرُق الخَيْر .

ترجمہ۔ ”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا چالیس خصلتیں ہیں ان میں سب سے اعلیٰ دودھ دینے والے جانور کا عطیہ دینا ہے جو شخص بھی ان خصلتوں میں سے کسی ایک خصلت اور ان پر کیے ہوئے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے عمل کرے گا تو حق تعالیٰ شانہ اس کی وجہ سے اسے جنت میں داخل فرمائیں گے“۔

حدیث کی تشریح: مَنِیحَۃ: اس جانور کو کہتے ہیں جو صرف دودھ یا اون لینے کے لیے کسی کو عطیہ کے طور پر دے دے کہ وہ چند دن اس سے فائدہ اُٹھائے اور پھر واپس کر دے۔

چالیس خصلتیں کون سی ہیں؟

دوسری روایت میں ”اربعون حسنة“ بھی آتا ہے۔ ”اربعون خصلة“ چالیس خصلتیں ہیں۔ بعض علماء نے ان چالیس خصلتوں کو اپنے اپنے ذوق سے ذکر کیا ہے مگر ابن حجر نے اچھی بات فرمائی ہے کہ اس میں ہر خیر کی خصلت آجاتی ہے اس لیے اس کو شمار نہیں کرنا چاہیے کہ ہر ایک اچھی خصلت اس میں داخل ہونے کا احتمال ہے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مبہم فرمایا' متعین نہیں فرمایا۔ اشارہ اس ابہام میں یہی ہے کہ کسی بھی نیکی کے کام کو حقیر سمجھ کر نہ چھوڑنا چاہیے۔

بقدر ضرورت روک کر صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں

(۱) وعن أبي أُمَامَةَ صُدَيِّ بن عَجْلانَ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يَا ابْنَ آدَمَ ، إنَّكَ أنْ تَبْذُلَ الفَضلَ خَيْرٌ لَكَ ، وَأنْ تُمْسِكَه شَرٌّ لَكَ ، وَلاَ تُلاَمُ عَلَى كَفَافٍ ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ ، وَاليَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد مال خرچ کرے تو تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اسے روک کر رکھے گا تو یہ تیرے لئے برا ہوگا اور تجھے بقدر ضرورت روکنے پر تو ملامت نہیں اور مال خرچ کرنے کی ابتدا اپنے اہل وعیال سے کرو اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے“۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اس حدیث کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ یہ حدیث اس باب میں یعنی انفاق فی وجوہ الخیر میں بھی ذکر کی جارہی ہے کہ اس باب سے بھی اس حدیث کی مناسبت ہے۔ حدیث میں مال کے کمانے اور اس کو صحیح جگہ پر خرچ کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت عظیم کی مثال

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : مَا سُئِلَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الإِسْلَامِ شَيْئاً إلاَّ أعْطَاهُ ، وَلَقَدْ جَاءهُ رَجُلٌ ، فَأَعْطَاهُ غَنماً بَيْنَ جَبَلَيْنِ ، فَرجعَ إلَى قَوْمِهِ ، فَقَالَ : يَا قَوْمِ ، أَسْلِمُوا فإنَّ مُحَمَّداً يُعطِي عَطَاءَ مَن لا يَخْشَى الفَقْر ، وَإنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيُسْلِمُ مَا يُرِيدُ إلاَّ الدُّنْيَا ، فَمَا يَلْبَثُ إلاَّ يَسِيراً حَتَّى يَكُونَ الإسْلاَمُ أَحَبَّ إلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کے نام پر جب کبھی کچھ مانگا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضرور دیا۔ ایک شخص آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان ساری بکریاں دیدیں۔ وہ اپنی قوم میں واپس آیا اور اس نے کہا کہ اے میری قوم اسلام قبول کرلو۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کی طرح دیتے ہیں جسے فقر کا اندیشہ نہ ہو۔ ہوتا یہ تھا کہ کوئی شخص دنیا کی خاطر اسلام قبول کرلیتا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اسے اسلام دنیا اور دنیا کی تمام اشیاء سے محبوب ہو جاتا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جود و بخشش اور عطا میں کوئی مثال نہ تھی اور اگر دینے میں اسلام کی کوئی مصلحت مد نظر ہوتی تو اور بھی زیادہ جود و سخا کا مظاہرہ فرماتے۔ ایک شخص کو اس قدر بڑی تعداد میں بکریاں عطا فرمادیں کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں سماتیں۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس پہنچا تو وہ اپنی قوم میں اسلام کا داعی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض کافروں کو بھی عطا فرماتے اور ارادہ یہ فرماتے کہ اس سے ان کے دل میں اسلام کی جانب میلان پیدا ہو اور بعض نو مسلموں کو بھی عطا فرماتے تاکہ وہ اسلام پر ثابت قدم ہو جائیں۔ اس طرح کے لوگوں کو ''مؤلفۃ القلوب'' کہا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مؤلفۃ القلوب کی تالیف قلب کا سلسلہ روک دیا تھا۔

اولاً بعض کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داد و دہش سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے لیکن چند دن نہ گزرتے کہ اسلام دل میں گھر کر لیتا اور اسلام ساری دنیا کی دولت سے زیادہ محبوب ہو جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فراست نبوی سے لوگوں کے امراض کو جان لیتے تھے اور ان کی قلبی کیفیات کو پہچان لیتے اور کمال رحمت و شفقت سے دنیا کے حریص اور مال کے طالب کا علاج مال دے کر فرماتے اور جب وہ ایک مرتبہ فیض نبوی صلی اللہ علیہ

وسلم سے فیضیاب ہو جاتا ہے تو اس دروازے پر آنے والا خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا ہے۔ حب ایمان دل میں گھر کر جاتی اور اسلام دنیا کی ساری دولت سے زیادہ محبوب ہو جاتا۔ (دلیل الفالحین: ۴۳۴/۲ شرح صحیح مسلم للنووی: ۵۸/۱۶)

اصرار کے ساتھ سوال کرنے والے کو عطیہ دینا

وعن عمر رضي الله عنه ، قَالَ : قسم رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْماً ، فَقُلْتُ : يَا رسولَ الله ، لَغَيْرُ هؤلاَءِ كَانُوا أَحَقَّ بِهِ مِنْهُمْ ؟ فَقَالَ : " إِنَّهُمْ خَيَّرُونِي أَنْ يَسأَلُونِي بالفُحْشِ ، أَوْ يُبَخِّلُونِي ، وَلَسْتُ بِبَاخِلٍ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں سے دوسرے لوگ زیادہ حق دار تھے تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے مجھے اختیار دیا کہ وہ مجھ سے سخت انداز سے سوال کریں اور میں انہیں دوں یا وہ مجھے بخیل قرار دیں اور میں ان کو دوں، حالانکہ میں بخیل نہیں ہوں۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق عظیم اور صبر اور حلم عطا کیا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جود و سخا کرنے والے اور رحم کرنے والے تھے، جاہلوں اور ناشائستہ لوگوں کی باتوں کو بہت تحمل اور شائستگی سے برداشت فرماتے اور اس کے ساتھ بھی حسن سلوک فرماتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مناسب طریقے پر پیش آتا۔ عرب کے بہت سے لوگوں میں طبعی جفا اور درشتی تھی ان کی طبیعت میں غلظت اور شدت تھی۔ جب وہ اسلام قبول کر لیتے تو رفتہ رفتہ یہ برائیاں محاسن میں تبدیل ہو جاتیں لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ابتدائی ایام میں ان کی جاہلی زندگی کا رنگ باقی رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر کچھ مال عطا فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان سے زیادہ مستحق لوگ موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اوقات میں اس لیے دے دیتا ہوں کہ وہ مانگنے میں یا تو سختی اور تندی کا مظاہرہ کریں گے یا مجھے بخیل قرار دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرما کر ان کی تالیف قلب فرمائی اور بخل کے لفظ سے اپنی ذات مبارک کو محفوظ فرما لیا۔ (شرح مسلم للنووی: ۱۳۰/۷، روضۃ المتقین: ۹۸/۲، دلیل الفالحین: ۴۳۵/۲)

میں نہ بخیل ہوں اور نہ جھوٹا اور نہ بزدل

وعن جبير بن مطعم رضي الله عنه ، قَالَ : بَيْنَمَا هُوَ يَسيرُ مَعَ النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْفَلَهُ مِنْ حُنَيْنٍ ، فَعَلِقَهُ الأَعْرَابُ يَسْأَلُونَهُ ، حَتَّى اضْطَرُّوهُ إِلَى سَمُرَةٍ ، فَخَطِفَت رِدَاءَهُ ، فَوَقَفَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقال : ((أَعْطُونِي رِدَائِي ، فَلَوْ كَانَ لِي عَدَدُ هذِهِ العِضَاهِ نَعَماً ، لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ، ثُمَّ لا تَجِدُونِي بَخِيلاً وَلاَ كَذَّاباً وَلاَ جَبَاناً)) رواه البخاري . ((مَقْفَلَهُ)) أيْ : حَالَ رُجُوعِه . وَ((السَّمُرَةُ)) : شَجَرَةٌ . وَ((العِضَاهُ)) : شَجَرٌ لَهُ شَوْكٌ .

ترجمہ۔" حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ غزوہ حنین سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے چند دیہاتی لوگ آپ سے چمٹ گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگ رہے تھے یہاں تک کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک درخت کی طرف سہارا لینے پر مجبور کر دیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر بھی انہوں نے چھین لی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہر گئے اور فرمانے لگے میری چادر تو مجھے واپس کر دو (اور فرمایا) کہ اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں یقیناً انہیں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا پھر تم مجھے نہ بخیل پاتے نہ جھوٹا اور نہ بزدل"۔ (بخاری)

مقفلة۔ واپس آتے ہوئے۔ السمرۃ۔ ایک قسم کا درخت۔ العضاء۔ خاردار درخت۔

حدیث کی تشریح: مَقْفَلَهُ مِنْ حُنَيْنٍ: غزوہ حنین ۶ شوال ۸ھ کو بارہ ہزار جانباز صحابہؓ کے ساتھ مقام حنین میں یہ جنگ ہوئی ابتداءً مسلمانوں کو شکست ہوئی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کچھ اور مسلمان واپس آگئے اور تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں کا لشکر غالب آگیا' دشمنوں کے ستر آدمی مارے گئے' چھ ہزار قیدی ہوئے' چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت میں ملی۔ اس غزوہ میں چار مسلمان شہید ہوئے۔

حَتّٰى اضْطَرُّوْهُ اِلَى السَّمُرَةِ: یہاں تک کہ آپ مجبوراً کیکر کے درخت سے جا لگے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کو بیان کیا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح صبر و حلم کے ساتھ دیہاتیوں کی سختی کو برداشت کیا اور زبان سے ایک جملہ بھی نہیں نکلا۔ (نزہۃ المتقین)

مولای صَلِّ وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبك خیرالخلق کلهم

لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ: میں تم میں تقسیم کر دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم وقت اور امیر وقت کے اندر بخل اور بزدلی اور خوف جیسی مذموم عادت نہیں ہونی چاہیے۔

لَاتَجِدُوْنِيْ بَخِيلاً: پھر تم مجھے بخیل نہ پاؤ گے۔ اس جملہ سے علماء استدلال کرتے ہیں کہ کبھی کبھار تحدیث بالنعمت کے طور سے اپنی اچھی عادت کو بیان کیا جا سکتا ہے جیسے کہ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں بخیل نہیں ہوں۔ یہ تحدیث بالنعمت کے طور سے یہ فخر و ریاء نہیں تھا جو قابل گرفت اور قابل مذمت ہے۔

اللہ کی رضا کیلئے تواضع کرنیوالے کو عزت میں اضافہ ہوتا ہے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه: أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَال، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْداً بعَفْوٍ إلاَّ عِزّاً، وَمَا تَوَاضَعَ أحَدٌ لله إلاَّ رَفَعَهُ اللهُ عز وجل)) رواه مسلم.

ترجمہ۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صدقہ خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور بندے کو معاف کرنے میں اس کی عزت میں اللہ کے ہاں اضافہ ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کی رضا جوئی کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کو بلندی عطا فرماتے ہیں"۔

حدیث کی تشریح

محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں تین اہم باتیں خصوصی طور پر بیان کی جا رہی ہیں۔

مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَّالٍ: صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ صدقہ دینا ظاہری طور پر مال میں کمی کا باعث ہوتا ہے مگر حقیقت میں صدقہ مال میں زیادتی کا سبب ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے سے مال میں برکت آتی ہے اور مال بلاؤں و آفات سے محفوظ رہتا ہے جیسے کہ پہلے بھی حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اللہ اس کا بدلہ دنیا میں بھی عطا فرماتے ہیں اور دنیاوی بدل کے علاوہ آخرت کا اجر اپنی جگہ مزید ہے۔(مظاہر حق)

وَمَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلاَّ عِزًا: جو شخص کسی کی خطا معاف کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بدلہ لینے پر قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتا ہے اور اس کی خطاء سے درگزر کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ اس کی دنیا و آخرت دونوں جگہ عزت کو بڑھاتا ہے۔ بقول کسی کے کوئی بھی انتقام معافی اور درگزر کے برابر نہیں ہے۔

وَمَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ: جو شخص محض اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔ متکبر و مغرور خود کو بڑا عظیم اور عزت والا سمجھتا ہے اور لوگوں پر اپنی فوقیت دیکھتا ہے مگر وہ خدا کے نزدیک ذلیل و حقیر بن جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو تواضع اختیار کرتا ہے اگرچہ وہ اپنی نظر میں خود کو حقیر سمجھتا ہے مگر وہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہوتا ہے۔

صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی

وعن أبي كبشة عمرو بن سعد الأنماري رضي الله عنه : أنّه سمع رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : " ثلاثَةٌ أُقسِمُ عَلَيهِنَّ ، وَأُحَدِّثُكُمْ حَدِيثاً فَاحْفَظُوهُ : مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ ، وَلاَ ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إلاَّ زَادَهُ اللهُ عِزّاً ، وَلاَ فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسأَلَةٍ إلاَّ فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقرٍ أَوْ كَلِمَةً نَحوَهَا وَأُحَدِّثُكُم حَديثاً فَاحْفَظُوهُ، قَالَ : " إنَّمَا الدُّنْيَا لأَرْبَعَةِ نَفَرٍ : عَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ مَالاً وَعِلماً ، فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ ، وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ، وَيَعْلَمُ للهِ فِيهِ حَقّاً ، فَهذَا بأفضَلِ المَنَازِلِ . وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ عِلْماً، وَلَمْ يرْزُقْهُ مَالاً ، فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ ، يَقُولُ : لَوْ أَنَّ لِي مَالاً لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلانٍ ، فَهُوَ بنيَّتِهِ ، فأجْرُهُمَا سَوَاءٌ . وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ مَالاً ، وَلَمْ يرْزُقْهُ عِلْماً ، فَهُوَ يَخبطُ فِي مَالِهِ بغَيرِ عِلْمٍ ، لاَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ ، وَلاَ يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ ، وَلاَ يَعْلَمُ للهِ فِيهِ حَقّاً ، فَهذَا

بِأَخْبَثِ المَنَازِلِ . وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللهُ مَالاً وَلاَ عِلْماً ، فَهُوَ يَقُولُ : لَوْ أَنَّ لِي مَالاً لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلاَنٍ ، فَهُوَ بِنِيَّتِهِ ، فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ " رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن صحيح " .

ترجمہ: حضرت ابو کبشہ عمر بن سعد انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ایک بات تمہیں بتاتا ہوں تم اسے یاد کرلو صدقہ سے آدمی کا مال کم نہیں ہوتا اور اگر کسی بندے پر ظلم کیا جائے اور اس پر صبر کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرمادیتے ہیں اور جو بندہ سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کی کوئی بات فرمائی اور میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں اس کو یاد کرلو۔ دنیا کے اعتبار سے لوگ چار قسم کے ہیں۔ وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال اور علم دیا اور وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور اللہ کا حق اس میں پہچانتا ہے یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ والا ہے۔ وہ بندہ جس کو اللہ نے علم دیا لیکن مال نہیں دیا مگر اس کی نیت سچی ہے اور کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں شخص کی طرح عمل کرتا تو اس کو اس کی نیت کا ثواب ملے گا اور دونوں کا بدلہ برابر ہے وہ بندہ جس کو اللہ نے مال دیا اور علم نہیں دیا وہ اپنے مال میں بغیر علم کے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور اس میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا اور نہ صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ اس میں اللہ کا حق پہچانتا ہے یہ بدترین مرتبہ والا ہے اور وہ بندہ جس کو اللہ نے نہ علم دیا اور نہ مال دیا مگر وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں شخص کی طرح برے کام کرتا تو یہ اس کی نیت ہے اور ان دونوں کا گناہ برابر ہے۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں بیان ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ نشوونما پاتا ہے اور بڑھتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے اور اللہ کے یہاں اجر و ثواب ہے۔ کسی زیادتی پر صبر کرنے کا اللہ کے یہاں بہت بڑا صلہ ہے اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولے اس پر فقر کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ مال اور علم دونوں حاصل ہوں اور انسان اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اور دین کی ہدایت پر عمل کرے تو یہ سب سے افضل ہے۔ اگر صرف علم ہو مال نہ ہو لیکن نیت صالح ہو کہ اگر مال بھی ہوتا تو میں کار خیر میں خرچ کرتا یہ بھی اپنی نیت کے اجر و ثواب کے اعتبار سے پہلے ہی کے برابر ہے اور دونوں کا اجر و ثواب مساوی ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس کے پاس مال تو ہے مگر وہ علم سے محروم ہے اور وہ مال کو غلط جگہوں پر خرچ کرتا ہے اور اللہ سے بے خوف ہو کر زندگی گزارتا ہے اور ایک اور شخص جس کے پاس نہ علم ہے اور نہ مال ہے اور اس کی نیت یہ ہے کہ مال ہوتا تو میں بھی اس شخص کی طرح فضول خرچی کرتا تو یہ دونوں برابر ہیں اور ان کا گناہ برابر ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۳۱۷، روضۃ المتقین: ۲/۱۰۲، نزہۃ المتقین: ۱/۴۶۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کا بکری ذبح کرنا

وعن عائشة رضي الله عنها : أَنَّهُمْ ذَبَحُوا شَاةً ، فَقَالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَا بَقِيَ

مِنْهَا؟)) قالت : مَا بَقِيَ مِنْهَا إلاَّ كَتِفُها. قَالَ : ((بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرُ كَتِفِهَا)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث صحيح)) . ومعناه : تَصدَّقُوا بهَا إلاَّ كَتِفَها. فَقَالَ : بَقِيَتْ لَنَا في الآخِرَةِ إلاَّ كَتِفَهَا.

ترجمہ۔ ''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کہ بکری میں سے کچھ باقی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ صرف اس کا دست باقی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دست کے علاوہ سب ہی باقی رہ گیا ہے''۔

اس کا معنی یہ ہے کہ سارا گوشت صدقہ کردیا تھا۔ سوائے شانے کے گوشت کے تو آپؐ نے فرمایا کہ آخرت میں ہمارے لئے باقی ہے سوائے اس شانے کے گوشت کے۔

حدیث کی تشریح: بَقِیَ كُلُّهَا اِلاَّ كَتِفُهَا: سب باقی ہے اس شانہ کے علاوہ۔ حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے لیے خرچ کردیا گیا ہے وہ درحقیقت باقی ہے اور اسی پر آخرت میں ہمیشہ کا اجر وثواب ملے گا اور اس حدیث میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔

مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ...... الآية

ترجمہ: ''جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ سب ایک دن ختم ہوجائے گا اور جو اللہ جل شانہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔'' (مظاہر حق: ۱/۱۲۴)

سہل بن تستری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت سہل بن تستری اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں بہت کثرت سے خرچ کرتے تھے۔ ان کی والدہ اور بھائیوں نے ان کی شکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کی کہ یہ تو سب کچھ خرچ کردیں گے اور پھر فقیر ہوجائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے جب حضرت سہل بن تستری سے اس سلسلہ میں بات کی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ بتائیں کہ اگر کوئی مدینہ طیبہ کا رہنے والا ''رستاق'' (ملک فارس کے ایک شہر کا نام ہے) میں زمین خرید لے اور وہاں منتقل ہونا چاہے تو مدینہ طیبہ میں کوئی چیز چھوڑ دے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، کہنے لگے بس یہی بات ہے (کہ میں آخرت میں جانے والا ہوں اس لیے وہاں مال منتقل کررہا ہوں)۔ (تنبیہ الغافلین)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال کو گن گن کر خرچ نہیں کرنا چاہئے

وعن أسماء بنت أبي بكر الصديق رضي الله عنهما ، قالت : قَالَ لي رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " لاَ تُوكِي فَيُوكى عَلَيْكِ " . وفي رواية : " أنفقي أو انفَحِي ، أوْ انْضَحِي ، وَلاَ تُحصي فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ ، وَلاَ تُوعي فَيُوعِيَ اللهُ عَلَيْكِ " متفقٌ عَلَيْهِ . و" انْفَحِي " بالحاء المهملة ، وَهُوَ بمعنى " أنفقي " وكذلك " انضحي " .

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "مال کو روک کر نہ رکھو کہ اللہ بھی تم سے روک لے گا"۔

والنفخي: جاء کے ساتھ اور انفحی ضاد کے ساتھ دونوں کے معنی خرچ کرنا ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بے حساب دیتے ہیں اسی طرح اللہ کے بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ کے راستے میں بے حساب دیا کریں کیونکہ جزاء عمل عمل کے مساوی ہوتی ہے اگر تم اللہ کے راستے میں دینے میں گنتی اور شمار کرو گے تو اللہ کے یہاں بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔ مؤمن جو اللہ کے رازق ہونے پر یقین کامل رکھتا ہے وہ بچا کر نہیں رکھتا اور ذخیرہ نہیں کرتا بلکہ جس طرح اسے بے حساب ملا ہے اسی طرح بے حساب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے۔ (فتح الباری: ۱/۸۳۰، روضۃ المتقین: ۲/۱۰۳)

بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنه سمع رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَقولُ : " مَثَل البَخيل وَالْمُنْفِق ، كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَان مِنْ حَديد مِنْ ثُدِيِّهِمَا إِلَى تَراقِيهِمَا ، فَأَمَّا الْمُنْفِقُ فَلاَ يُنْفِقُ إِلاَّ سَبغَتْ أَوْ وَفَرَتْ عَلَى جِلْدِهِ حَتَّى تُخْفِيَ بَنَانَهُ ، وَتَعفُوَ أثرَهُ ، وأَمَّا البَخِيلُ ، فَلاَ يُريدُ أَنْ يُنْفِقَ شَيْئاً إِلاَّ لَزِقَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا ، فَهُوَ يُوسِّعُهَا فَلاَ تَتَّسِعُ " متفقٌ عَلَيْهِ . وَ" الجُنَّةُ " : الدِّرْعُ ؛ وَمَعنَاهُ أَنَّ الْمُنْفِقَ كُلَّمَا أَنْفَقَ سَبَغَتْ ، وَطَالَتْ حَتَّى تَجُرَّ وَرَاءهُ ، وَتُخْفِي رِجْلَيْهِ وَأَثَرَ مَشْيِهِ وَخطُوَاتِهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے دو آدمی ہوں ان کے بدن پر سینے سے ہنسلی تک لوہے کی زرہیں ہیں۔ خرچ کرنے والا جب خرچ کرتا ہے تو زرہ کھل جاتی ہے اور اس کی کھال پر محیط ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو چھپا لیتی ہے اور اس کے نشان قدم مٹا دیتی ہے اور بخیل آدمی جب خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ جم جاتا ہے اور وہ اسے کھولنا چاہتا ہے اور وہ کھلتی نہیں ہے۔ (متفق علیہ)

جنۃ: بمعنی زرہ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب خرچ کرنے والا خرچ کرتا ہے تو وہ زرہ مکمل اور لمبی ہو جاتی ہے حتی کہ اس کے پیچھے سے گھسٹنے لگتی ہے اور اس کے پیروں کو اور اس کے چلنے کے نشان اور قدموں کو چھپا لیتی ہے۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے کی اور بخیل کی ایک بہت ہی بلیغ مثال بیان فرمائی کہ دو آدمی ہیں جو زرہ پہننا چاہتے ہیں ان میں سے ایک نے زرہ پہنی تو وہ

اس کے جسم پر پھیل گئی اور کھل گئی اور اس کے جسم پر محیط ہو گئی یہاں تک کہ پیروں کی انگلیاں بھی چھپ گئیں۔ اب وہ آدمی چلتا ہے تو اس کے پیروں کے نشان مٹتے جاتے ہیں اور یہ شخص بڑی فراخی اور کشادگی محسوس کرتا ہے اور کسی طرح کی تنگی اور دشواری محسوس نہیں کرتا۔ دوسرا آدمی وہ ہے جس نے زرہ پہنی تو وہ اس کے سینہ پر اور اس کی گردن میں پھنس کر رہ گئی نہ وہ کھلتی اور نہ نیچے آتی ہے اور وہ اس کے کھولنے کی جس قدر کوشش کرتا ہے اسی قدر وہ تنگ ہوتی ہے اور سکڑتی ہے اور اس کے حلقے چمٹ کر رہ جاتے ہیں۔

پہلا شخص اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والا ہے وہ جس قدر خرچ کرتا ہے اتنا ہی اس کا سینہ وسیع ہوتا ہے اتنا ہی اس کے قلب میں توسع پیدا ہوتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

دوسرا شخص بخیل ہے کہ اگر وہ خرچ کرنا چاہے تو وہ خرچ نہیں کر سکتا کہ اس کا سینہ جکڑا ہوتا ہے اور اس کا دل تنگ ہو جاتا ہے اور مال کی محبت اسے بھینچ لیتی ہے۔ (فتح الباری:۱/۸۸۳، ارشاد الساری:۳/۵۶۴، روضۃ المتقین:۲/۱۰۴، دلیل الفالحین:۲/۴۴۲)

اللہ تعالیٰ حلال مال کا صدقہ قبول کرتے ہیں

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((مَنْ تَصَدَّقَ بعَدل تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ، وَلاَ يَقْبَلُ اللهُ إلاَّ الطَّيبَ ، فَإنَّ اللهَ يَقبَلُهَا بيَمِينِهِ ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الجَبَلِ)) متفقٌ عَلَيْهِ . ((الفَلُوُّ)) بفتح الفاء وضم اللام وتشديد الواو ، ويقال أيضاً : بكسر الفاء وإسكان اللام وتخفيف الواو : وَهُوَ المُهْرُ .

ترجمہ۔ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص پاکیزہ مال کی کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ صدقہ کو ہی قبول فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے پھر وہ اسے صاحب صدقہ کیلئے بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھیرے کو پالتا ہے اور پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے“۔

الفلو. فا پر زبر لام پر پیش اور واو مشدد اور ”فلو“ فا پر زیر لام ساکن اور واو مخفف کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ گھوڑے کا بچہ۔

حدیث کی تشریح: مَنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ: یعنی وہ مال جو حلال ذریعوں سے جمع کیا گیا ہے۔ جب حلال طریقوں سے کمایا ہوا مال اللہ کے راستہ میں صدقہ کرے گا تو اللہ اس کو قبول فرمائیں گے۔ (مظاہر حق:۲/۲۵۸)

وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلاَّ الطَّيِّبَ: اللہ تعالیٰ صرف حلال مال کو ہی قبول کرتا ہے کہ حلال مال کا صدقہ قبول ہوتا ہے اور جو حرام ہو گا اللہ جل شانہ اس کو قبول نہیں فرماتے۔ اس حدیث میں بعض علماء نے ایک عجیب نکتہ کی طرف بھی

اشارہ کیا ہے کہ حلال مال اچھی اور نیک جگہ پر خرچ ہوتا ہے۔ عموماً صدقہ دینے والے حلال مال والے ہی ہوتے ہیں حرام مال والوں کو اس کی توفیق ملتی ہی نہیں ہے۔(مرقاۃ:۲۰۰/۴)

فَإِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُهَا بِيَمِيْنِهٖ: علماء فرماتے ہیں اسی جگہ میں کنایہ ہے کہ حلال مال کے صدقہ سے اللہ جل شانہ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ پسندیدہ اور محبوب چیز کو آدمی داہنے ہاتھ میں لیتا ہے۔(مرقاۃ:۲۰۰/۴)

كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ: جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنے بچھیرے کو پالتا ہے کہ اللہ جل شانہ حلال مال سے صدقہ کے ثواب کو بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کا اجر بہت زیادہ دیا جائے گا۔(مظاہر حق:۲۵۹/۲)

باغ کی پیداوار صدقہ کرنے والے پر اللہ کا انعام

وعنه ، عن النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بفلاةٍ مِنَ الأَرْضِ ، فَسمِعَ صَوْتاً في سَحَابَةٍ ، اسق حَدِيقَةَ فُلان ، فَتَنَحَّى ذَلِكَ السَّحَابُ فَأفرَغَ ماءهُ في حَرَّةٍ ، فإذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبت ذَلِكَ الماءَ كُلَّهُ ، فَتَتَبَّعَ الماءَ ، فإذَا رَجُلٌ قَائِمٌ في حَدِيقَتِهِ يُحَوِّلُ الماءَ بمسحاتِهِ، فَقَالَ لَهُ : يَا عَبْدَ اللهِ، ما اسْمُكَ ؟ قال : فُلانٌ للاسم الذي سَمِعَ في السَّحابَةِ ، فقال له : يا عبدَ الله ، لِمَ تَسْأَلُني عَنِ اسْمِي ؟ فَقَالَ : إنِّي سَمِعْتُ صَوتاً في السَّحابِ الَّذِي هَذَا مَاؤُهُ ، يقولُ : اسْقِ حَدِيقَةَ فُلان لاسمِكَ ، فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا ، فَقَالَ : أمَا إذ قلتَ هَذَا ، فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا ، فَأَتَصَدَّقُ بثُلُثِهِ ، وَآكُلُ أنَا وَعِيَالِي ثُلُثاً ، وَأرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ " رواه مسلم ." الحَرَّةُ " الأَرْضُ المُلَبَّسَةُ حجارَةً سَوْدَاءَ . و" الشَّرْجَةُ " بفتح الشين المعجمة وإسكان الراء وبالجيم : هي مَسِيلُ الماء .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی جنگل سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک بادل میں سے آواز آتی ہوئی سنی کہ فلاں باغ کو سیراب کرو۔ وہ بادل ہٹ گیا اور اس نے ایک پتھریلی زمین پر پانی برسادیا اور نالوں میں سے ایک نالہ میں سارا پانی جمع ہو گیا اور وہ پانی نالے میں چلنے لگا یہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے چلا۔ دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا بیلچے سے پانی لگا رہا ہے۔ اس نے پوچھا اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل سے آنے والی آواز میں سنا تھا۔ اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! تو کیوں میرا نام پوچھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے یہ آواز سنی تھی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو تو وہ کیا عمل ہے جو تو کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ جب تم نے یہ بات کہی ہے تو میں تمہیں بتادیتا ہوں کہ باغ کی پیداوار کا اندازہ کر کے ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں ایک تہائی اپنے عیال پر صرف کرتا ہوں اور باقی ایک تہائی اسی باغ میں لگا دیتا ہوں۔(رواہ مسلم)

الحرۃ. سیاہ پتھریلی زمین۔ **الشرعۃ۔** شین پر زبر را ساکن اور جیم پانی کا نالہ یا پانی کی گزرگاہ ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث میں صدقہ کی فضیلت اور مساکین اور مسافروں سے حسن سلوک کا اجر اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کرنے کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نہ صرف یہ کہ آخرت میں بھی اجر و ثواب ہے بلکہ دنیا میں بھی اس میں اضافہ اور برکت ہوتی اور اللہ کی رحمت اس مال کی جانب متوجہ ہوتی ہے جس میں صدقہ دیا گیا ہو۔ (شرح مسلم للنووی:۱۸/۸۸)

....

باب النَّهْيِ عَنِ الْبُخْلِ والشُّحِّ

بخل اور حرص سے روکنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى ﴾ [الليل : ۸۱۱] ،

ترجمہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”جس نے بخل کیا ہے بے پروا ہو گیا اور اچھی بات کی تکذیب کی ہم اسکو عنقریب پہنچادیں گے سختی میں اور جب یہ گڑھے میں گرے گا تو اسکا مال اس کے کچھ کام نہ آئیگا۔“ (اللیل:۸)

تفسیر: پہلی آیت میں فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا اس کی خوشنودی اور آخرت کی پروانہ کی اور اللہ کے وعدوں اور اس کی ہدایات کو جھوٹ جانا اس کا دل روز بروز سخت اور تنگ ہوتا چلا جائے گا، نیکی کی توفیق سلب ہوتی جائے گی اور آخرکار آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی سختی میں پہنچ جائے گا۔ یہی اللہ کی عادت ہے کہ سعداء جب نیک عمل اختیار کرتے ہیں اور اشقیاء جب برے عمل کی طرف چلتے ہیں تو دونوں کے لیے وہی راستہ آسان کردیا جاتا ہے جو انہوں نے تقدیر الٰہی کے موافق اپنے ارادے اور اختیار سے پسند کرلیا ہے۔

وَقَالَ تَعَالَى: وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ٥ وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَتَقَدَّمَتْ جُمْلَةٌ مِنْهَا فِي الْبَابِ السَّابِقِ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“ (التغابن:۱۶)

پچھلے باب میں متعدد احادیث اس موضوع سے متعلق گزر چکی ہیں۔

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ مراد کو وہی پہنچتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کے دل کے لالچ سے بچالے اور حرص و بخل سے محفوظ فرمادے کیونکہ اللہ کی راہ میں خلوص اور حسن نیت کے ساتھ حلال اور طیب مال خرچ کرنا ہی فلاح اور کامیابی ہے کہ یہ مال آگے پہنچ کر ذخیرہ ہو جاتا ہے اور ختم ہونے اور فنا ہونے سے بچ جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری، تفسیر عثمانی)

ظلم قیامت کے روز اندھیرے کا باعث ہوگا

وعن جابر رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " اتَّقُوا الظُّلْمَ ؛ فَإنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ القِيَامَةِ . وَاتَّقُوا الشُّحَّ ؛ فَإنَّ الشُّحَّ أهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، حَمَلَهُمْ عَلَى أنْ سَفَكُوا دِمَاءهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ " رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے اور بخل وحرص سے بچو' بخل اور حرص ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا اور انہیں اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کا خون بہائیں اور حرام چیزوں کو حلال سمجھیں۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: ظلم وزیادتی اور کسی کے ساتھ ناانصافی سے پیش آنا قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ روز قیامت سخت اندھیرا ہوگا اور ایک اندھیرا ظلم کا ہوگا جس میں ظالم بھٹکتا پھرے گا اور نجات کا راستہ نہ پاسکے گا جبکہ مؤمن کے آگے پیچھے نور ہوگا جس کی روشنی میں وہ چلے گا اور جنت کا راستہ پالے گا۔ بہر حال ظلم وزیادتی سے بچنا اور بخل سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نفس کا شح لوگوں کا مال ناجائز ذرائع سے کھانے کو کہا جاتا ہے۔ صرف اپنا مال روک رکھنا اور اسے خرچ نہ کرنا بخل ہے۔(روضۃ المتقین: ۱۰۸/۲ نزہۃ المتقین: ۴۶۸/۱ مظاہر حق: ۲۴۴/۲)

....

باب الإيثار والمواساة

ایثار اور غمخواری کے بیان میں

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾[الحشر : ٩] ،

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ وہ اپنے اوپر فاقہ ہی کریں۔"

تفسیر: آیت بالا میں انصار مدینہ کے ایک خاص وصف کو بیان کیا جارہا ہے کہ ان کی عادت یہ ہے کہ دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش اور حاجت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کو خود اس کی حاجت اور ضرورت ہوتی ہے۔

اس آیت کے مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے کئی شان نزول لکھے ہیں ان میں کوئی تضاد واختلاف نہیں کیونکہ جس طرح کے واقعہ اس آیت کے نزول کا مصداق بن سکتے ہیں۔ یہاں دو شان نزول لکھے جاتے ہیں:

(۱)...... حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

میں سے کسی کو کسی شخص نے ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا۔انہوں نے خیال کیا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل و عیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ یہ سر ان کے پاس بھیج دیا۔اسی طرح دوسرے نے خیال کر کے تیسرے کے اور تیسرے نے اس کو چوتھے کے پاس بھیج دیا۔ غرض یہ سر سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے ہی گھر پر واپس آگیا۔اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲)...... حضرت حذیفہ عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا اور تھوڑا پانی ساتھ لیا کہ ان میں اگر کچھ جان ہوگی تو پانی پلادوں گا۔جب میں ان کے پاس پہنچا تو ان میں کچھ جان باقی تھی۔ میں نے کہا پانی پلادوں؟انہوں نے اشارہ سے کہا کہ ہاں‘ مگر فوراً قریب سے ایک زخمی کی آواز آئی تو میرے بھائی نے کہا پانی ان کو پلاؤ مگر میں ان کے پاس پہنچا تو تیسرے آدمی کی آواز ان کے کان میں آئی‘ انہوں نے تیسرے کو پانی دینے کا اشارہ کیا‘اسی طرح یکے بعد دیگرے ساتھ شہیدوں کے سات یہی معاملہ ہوا۔ جب ساتویں کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے۔ یہاں سے پھر اپنے بھائی کے پاس آیا تو وہ بھی دم توڑ چکے تھے۔اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔اسی طرح تفسیر قرطبی نے متعدد واقعات لکھے ہیں۔(تفسیر قرطبی)

وقال تَعَالَى : ﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً ﴾ [الدهر : ٨] .

ترجمہ:”اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور یتیم اور قیدی کو۔“

تفسیر:یہاں ان آیات سے اہل جنت کے اوصاف کو بیان کیا جا رہا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں اس آیت میں ”علی“ بمعنی مع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔جب کہ اس کھانے کی طرف خود ان کی ضرورت اور حاجت ہوتی ہے۔(معارف القرآن:۶۳۸/۸)

آیت بالا میں تین قسم کے لوگوں کو کھانا کھلانے کا ذکر ہے۔ مسکین اور یتیم یہ دونوں تو محتاج ہوتے ہیں اس لیے ان کو کھلانے کا اجر و ثواب ظاہر ہے۔ قیدی کو کھانا کھلانا یہ تو بیت المال اور حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے تو جو قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں گویا وہ بیت المال میں حکومت کی اعانت کرتے ہیں اس لیے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلانا باعث ثواب ہوگا۔ (معارف القرآن:۶۳۸/۸)

شانِ نزول ”وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهٖ“ الآیۃ

حضرت مجاہد اور حضرت عطاء وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کی مزدوری کر کے کچھ پیسے حاصل کیے۔ایک تہائی کا جو پیس کر دو روٹیاں پکائیں پھر جب کھانے کو بیٹھے تو ایک مسکین نے آکر سوال کیا گھر والوں نے سارا کھانا اس مسکین کو دے دیا۔ پھر دوبارہ ایک تہائی جو کی روٹی پکائی تو ایک یتیم نے آکر سوال کیا تو گھر والوں نے اس کو سارا دے

دیا۔ تیسری بار جو باقی تھا اس کی روٹی پکائی جب کھانے کے لیے پہنچے تو ایک قیدی نے آکر سوال کر دیا تو پھر اس کو دے دیا۔ اس دن بھی سب بھوکے رہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری: ۱۲/۲۳۸)

مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینے واقعہ

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : إنِّي مَجْهُودٌ، فَأرسَلَ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ ، فقالت : وَالَّذي بَعَثَكَ بالحَقِّ مَا عِنْدِي إلاَّ مَاءٌ، ثُمَّ أرْسَلَ إِلَى أُخرَى ، فَقَالَتْ مِثلَ ذَلِكَ ، حَتَّى قُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثلَ ذَلِكَ : لا وَالَّذِي بَعَثَكَ بالحَقِّ مَا عِنْدِي إلاَّ مَاءٌ . فَقَالَ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ يُضيفُ هَذَا اللَّيْلَةَ ؟ " فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأنْصَار : أنَا يَا رسولَ الله ، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ ، فَقَالَ لامْرَأَتِهِ : أكرِمِي ضَيْفَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . وفي روايةٍ قَالَ لامْرَأَتِهِ : هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ ؟ فقَالَتْ : لاَ ، إلاَّ قُوتَ صِبيَانِي . قَالَ: فَعَلِّليهم بشَيْءٍ وَإِذَا أرَادُوا العَشَاءَ فَنَوِّمِيهِمْ ، وَإِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَأطْفِئِي السِّرَاجَ ، وَأريهِ أنَّا نَأكُلُ . فَقَعَدُوا وَأَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ ، فَلَمَّا أصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : " لَقَدْ عَجبَ اللهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ " متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں بھوک سے نڈھال ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج میں سے کسی کے پاس پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ آج کی رات کون اس کی مہمان نوازی کرے گا؟ ایک انصاری نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں وہ اسے ساتھ لے کر اپنے گھر چلے گئے اور اہلیہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کا اکرام کر۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان صحابی نے اپنی اہلیہ سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے انہوں نے کہا کہ نہیں صرف میرے بچوں کی خوراک ہے انہوں نے کہا کہ بچوں کو کسی طرح بہلا دو اور جب وہ رات کا کھانا مانگیں تو انہیں سلا دینا اور جب مہمان اندر آئے تو چراغ بجھا دینا اور یہ ظاہر کرنا کہ گویا ہم بھی اس کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ غرض سب بیٹھ گئے مہمان نے کھانا کھایا اور ان دونوں نے رات بھوکے گزاری۔ اگلی صبح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ کل رات تم نے اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس پر اللہ بہت خوش ہوا ہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: ایک صاحب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک کی شکایت کی۔ آپ کے گھر میں پانی کے سوا کچھ نہ تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ کون اس کی مہمان نوازی کرے گا؟ ایک انصاری نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کروں گا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحابی ابو طلحہ تھے کسی نے کہا کہ ثابت بن قیس تھے اور ایک اور قول یہ ہے کہ عبداللہ بن رواحہ تھے۔ اگلے دن جب یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے رات کے عمل پر رضامندی اور خوشی کا اظہار فرمایا ہے اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"

"اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ضرورت مند ہوں۔"

(فتح الباری: ۲/۴۵۰' ارشاد الساری: ۸/۱۷۲' روضۃ المتقین: ۲/۱۰۹' دلیل الفالحین: ۲/۴۵۰)

دو آدمیوں کا کھانا تین کیلئے کافی ہو جاتا ہے

وعنه، قَالَ: قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((طَعَامُ الاثْنَيْنِ كَافِي الثَّلاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلاثَةِ كَافِي الأَربَعَةِ)) متفقٌ عَلَيْهِ. وفي رواية لمسلم عن جابر رضي الله عنه، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ((طَعَامُ الوَاحِدِ يَكْفِي الاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الاثْنَيْنِ يَكْفِي الأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَة)).

ترجمہ۔ "سابقہ راوی ہی سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو کافی ہے"۔ (بخاری ومسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہے"

حدیث کی تشریح: طَعَامُ الِاثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ الخ:

کہ جو کھانا دو آدمیوں کو سیر کرتا ہے تو اتنا کھانا تین آدمیوں کے لیے بطور قناعت کے کافی ہو جاتا ہے کہ اس کھانے سے تین آدمیوں کی بھوک ختم ہو جاتی ہے اور ان کو عبادت کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تین کا کھانا چار کے لیے کافی ہونے کا مطلب بھی یہی ہے باقی کو اسی طرح قیاس کر لیا جائے۔ (مرقات)

اس حدیث میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ تمہارے پاس جو کھانا موجود ہے تو بقدر ضرورت تم کھاؤ اور باقی کسی محتاج وفقیر کو کھلا دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قحط سالی کے زمانے میں فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہر گھر والوں کو آدھے آدھے پیٹ کھانا بھیجوں کہ اس آدھا پیٹ کھانا کھانے سے آدمی مرتا نہیں۔ (مظاہر حق)

حدیث بالا میں جہاں ایثار و قناعت کا سبق ملتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آدمی کا نفس امارہ تو یہ چاہتا ہے کہ سب کچھ میں کھالوں، میں جمع کرلوں مگر انسانیت کی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ خدا نے جو تم کو دیا ہے اس میں دوسروں کو بھی شریک کرو۔ (مظاہر حق)

جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان ہو وہ ایثار و ہمدردی کرے

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، قَالَ : بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ ، فَجَعَلَ يَصرفُ بَصَرَهُ يَميناً وَشِمَالاً ، فَقَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لا ظَهرَ لَهُ ، وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لا زَادَ لَهُ " فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ المالِ مَا ذكر حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لاَ حَقَّ لأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تھے کہ ایک شخص اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں نظریں گھما کر دیکھنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ اسے دیدے جس کے پاس کھانا نہ ہو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اشیاء کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کا اس کی ضرورت سے زائد مال پر کوئی حق نہیں ہے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لیے مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور مواسات اور تعاون کا معاملہ کریں جس چیز کی جس کو ضرورت ہو اور اپنی ضرورت سے زائد ہو وہ اسے دیدینا چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی اس طرز حیات کی مکمل تعبیر ہے، وہ ایثار و قربانی تعاون باہمی اور اخوت و مودت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ وہ بنی نوع انسان کی طویل تاریخ میں انسانیت کی اس قدر اعلیٰ مثال تھے کہ ان کی طرح کی جماعت نہ پہلے کبھی آئی اور نہ آئندہ کبھی آئے گی۔

(روضۃ المتقین: ۲/۱۱۱، دلیل الفالحین: ۲/۴۵۲)

ایک صحابی کا آپ ﷺ کی عطیہ کردہ چادر کا کفن بنانا

وعن سهل بن سعدٍ رضي الله عنه : أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ مَنْسُوجَةٍ ، فَقَالَتْ : نَسَجْتُها بِيَدَيَّ لأَكْسُوكَهَا ، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجاً إِلَيْهَا ، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ ، فَقَالَ فُلانٌ : اكْسُنِيهَا مَا أَحْسَنَهَا ! فَقَالَ : " نَعَمْ " فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي المَجْلِسِ ، ثُمَّ رَجَعَ فَطَوَاهَا ، ثُمَّ أَرْسَلَ بِهَا

إِلَيْهِ : فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ : مَا أَحْسَنْتَ ! لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحتَاجاً إِلَيْهَا ، ثُمَّ سَأَلْتَهُ وَعَلِمْتَ أَنَّهُ لا يَرُدُّ سَائِلاً ، فَقَالَ : إِنِّي وَاللهِ مَا سَأَلْتُهُ لأَلْبِسَهَا ، إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفَنِي . قَالَ سَهْلٌ : فَكَانَتْ كَفَنَهُ . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی ایک بنی ہوئی چادر لے کر آئی اور عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنی ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہناؤں۔ آپ نے اپنی حاجت کے پیش نظر قبول فرمالیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور تہبند باندھ کر تشریف لائے کسی نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ چادر بہت اچھی ہے' یہ آپ مجھے دیدیجئے آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس سے اٹھ گئے پھر اسے لپیٹ کر اس آدمی کی طرف بھیج دیا۔ لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرورت تھی اور آپ نے اسے پہن لیا تھا تم نے مانگ لی حالانکہ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے۔ اس شخص نے کہا اللہ کی قسم! یہ میں نے پہننے کیلئے نہیں مانگی ہے بلکہ اسلئے مانگی ہے کہ یہ میرا کفن بن جائے۔ سہل کہتے ہیں کہ اس شخص کو اسی چادر میں کفن دیا گیا۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جود وسخا میں مثل باد نسیم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سائل کے جواب میں انکار نہیں فرمایا' ہمیشہ جس نے جو سوال کیا وہ پورا فرمادیا' اگرچہ کچھ نہ ہوا تو آئندہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ کسی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر اپنے ہاتھوں سے بن کر پیش کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاجت تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لی' کسی نے کہا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! بہت اچھی ہے مجھے عنایت فرمادیجئے؟ اسی وقت اُٹھ کر اندر چلے گئے اور چادر ان صحابی کو بھجوادی۔ محبّ الطبری کا بیان ہے کہ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے کہا کہ آپ نے کیوں یہ چادر مانگ لی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی اور تمہیں معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو رد نہیں فرماتے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے کفن کے لیے لی ہے اور انہیں اسی چادر میں کفن دیا گیا۔

حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اپنے کفن کا انتظام فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی میں موت کا سامان تیار کرنا جائز ہے کیونکہ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اوقات فراغ میں بطور خاص موت کو یاد کرے اور اس کی تیاری کرے۔ ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "سب سے افضل مؤمن وہ شخص ہے جو کثرت سے موت کو یاد کرے اور اس کی خوب تیاری کرے۔"

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض صلحاء نے اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر بھی کھودی ہے تاکہ قبر اور موت کا تصور متمثل ہو جائے جبکہ بعض علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ کوئی امر مستحب ہو تا تو صحابہ کرامؓ ضرور فرماتے صحیح یہ ہے کہ اہل ایمان جس کام کو اچھا جانیں وہ اللہ کی نظر میں بھی اچھا ہے۔ خاص طور پر جبکہ یہ عمل صلحاء اخیار کا ہو۔ واللہ اعلم (فتح الباری: ۱/۶۶۷ 'عمدۃ القاری: ۸/۸۸ 'ارشاد الساری: ۳/۳۵۰)

قبیلہ اشعری والوں کی فضیلت

(۲) وعن أبي موسى رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّ الأشْعَرِيِّينَ إذَا أرْمَلُوا في الغزْوِ ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بالمَدِينَةِ ، جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ في ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ في إنَاء وَاحدٍ بالسَّوِيَّةِ فَهُمْ مِنِّي وَأنَا مِنْهُمْ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

((أرْمَلُوا)) : فَرَغَ زَادُهُمْ أَوْ قَارَبَ الفَرَاغَ .

ترجمہ۔ ”حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اشعری (قبیلہ کے) لوگ جب جہاد میں زاد راہ ختم ہو جاتا ہے یا ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے یا مدینہ میں (حالت قیام میں) ان کے اہل وعیال کا کھانا کم ہو جاتا ہے تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے سب کو ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں پھر اس کو سب کے برتنوں میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں پس یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں ”ارملوا“ ان کا زاد راہ ختم ہو گیا یا ختم ہونے کے قریب ہو گیا“۔

حدیث کی تشریح: اِنَّ الْاَشْعَرِيِّيْنَ: قبیلہ اشعری والے۔ اشعری یہ ایک قبیلہ کا نام ہے جو اشعر کی طرف منسوب ہے اس قبیلہ کا بانی شیث بن اود بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا اور اسی قبیلہ میں سے مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ (روضۃ المتقین)

جَمَعُوْا مَاکَانَ عِنْدَهُمْ: کہ سب سامان کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں۔ اس میں قبیلہ اشعری والوں کی ایک عادت کا تذکرہ ہے کہ جب ان کے پاس کھانا وغیرہ کم ہو جاتا ہے تو جو کچھ ہوتا ہے سب کو ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں کہ ان میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور تعاون کا جذبہ ہے خاص کر کے ابتلاء و مصیبتوں کے وقتوں میں باہم تعاون کرتے ہیں۔ (روضۃ المتقین)

فَهُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُمْ: وہ مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔ اس کا مطلب محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ قبیلہ اشعری والے اور میں اخلاق 'کردار اور اعمال خیر میں ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ (روضۃ المتقین)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں مبالغۃً یہ بات کہی جا رہی ہے کہ اللہ جل شانہ کی اطاعت کے سلسلہ میں ہم دونوں کا بہت زیادہ اتحاد و اتفاق ہے۔ (روضۃ المتقین)

باب التنافس في أمور الآخرة والاستكثار مما يتبركُ بهِ

آخرت کے امور میں رغبت کرنے اور متبرک چیزوں کی زیادہ خواہش کرنیکے بیان میں

قَالَ الله تَعَالَى : ﴿ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴾ [المطففين : ٢٦] .

دین کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا محمود ہے

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے۔"

تفسیر: مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تنافس کا معنی یہ ہیں کہ چند آدمی کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے کیلئے دوڑیں اور جھپٹیں کہ وہ دوسرے سے پہلے اس چیز کو لے لیں۔ تنافس اس وقت مذموم ہے جب کہ وہ دنیاوی امور میں ہو اور یہ دینی امور میں پسندیدہ ہے کہ خود ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے۔ یہاں اس آیت میں جنت کی نعمتوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دی جارہی ہے کہ دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ اس کو مقصود زندگی سمجھ کر اس میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے کیونکہ دنیا کی چیز ناقص اور فانی ہے۔ تنافس اور مقابلہ کرنیکی چیز تو جنت کی نعمتیں ہیں جو ہر حیثیت سے مکمل اور دائمی ہیں۔ (معارف القرآن: ۶۹۹/۸، تفسیر مظہری: ۳۴۹/۱۲)

دائیں طرف سے تقسیم کرنا مستحب ہے

(١)- وعن سَهْلِ بن سَعدٍ - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أُتِيَ بشَرابٍ ، فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلاَمٌ ، وَعَنْ يَسَارِهِ الأشْيَاخُ ، فَقَالَ لِلغُلاَم : ((أتَأذَنُ لِي أنْ أُعْطِيَ هؤُلاَء ؟)) فَقَالَ الغُلاَمُ : لاَ وَاللهِ يَا رسولَ الله ، لا أُوْثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أحَداً . فَتَلَّهُ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - فِي يَدِهِ . متفقٌ عَلَيْهِ .

((تَلَّهُ)) بالتاء المثناة فوق : أيْ وَضَعَهُ . وَهذَا الغُلامُ هُوَ ابنُ عَبَّاس رضي الله عنهما .

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پینے کی کوئی چیز لائی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے پیا آپ کے دائیں جانب ایک لڑکا اور بائیں جانب بوڑھے لوگ (بیٹھے) تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے کہا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان بوڑھوں کو دے دوں۔ پس لڑکے نے کہا نہیں اللہ کی قسم یا رسول اللہ! میں اپنے حصہ کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل رہا ہے کسی ایک کو بھی اپنے اوپر ترجیح نہیں دوں گا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالا اس لڑکے کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ (متفق علیہ)

تلہ "تاء شناۃ کے ساتھ یعنی اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور یہ لڑکے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشروب پیش کیا گیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کچھ بزرگ بیٹھے ہوئے تھے اور دائیں جانب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو اس وقت نوعمر تھے لیکن نوعمری کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و عمل اور فراست سے نوازا تھا۔ انہوں نے بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں نشو ونما پائی تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں دعا فرمائی تھی:

"اَللّٰھُمَّ فقه في الدين" (اے اللہ! اسے دین کا فہم عطا فرما)

اور جو بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشروب میں سے پیا۔ پھر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ان بزرگوں کو دیدوں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے بچے ہوئے مشروب میں سے مجھے حصہ ملے تو میں اس میں اپنے آپ پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

صحیح بخاری میں ایک اور حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھر کی ایک بکری کا دودھ دوہا گیا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اس میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں موجود ایک کنویں کا پانی ملایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیالہ میں پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے پیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ منہ سے ہٹایا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور دائیں جانب ایک اعرابی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بچا ہوا اس اعرابی کو دے دیں گے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے پاس ہیں انہیں دید یجئے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے اعرابی کو دیدیا اور فرمایا کہ دائیں جانب کو مقدم رکھا جائے۔

ہر معاملہ میں ابتداء بالیمین یعنی داہنے ہاتھ سے کام کرنا اور داہنی طرف سے ابتداء کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی طرح فرماتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ کم سن تھے اس لیے ان سے پوچھ لیا لیکن اعرابی سے نہیں پوچھا بلکہ حضرت عمر کے کہنے کے باوجود کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دید یجئے اعرابی کو دیدیا جس سے یہ بات مؤکد ہو گئی کہ اگر مجلس میں ایک سے زیادہ لوگ ہوں اور کوئی شے دینا ہو تو دائیں جانب سے ابتداء کرنی چاہیے۔

ابو یعلی موصلی نے بسند صحیح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بڑوں کو پہلے دو" تو یہ غالباً اس صورت پر محمول ہے جبکہ شرکاء مجلس دائیں جانب نہ ہوں بلکہ سامنے بیٹھے ہوئے ہوں۔(فتح الباری:۱؍۱۱۷۹ ارشاد الساری:۵؍۳۴۲ عمدۃ القاری:۱۲؍۲۶۸ شرح صحیح مسلم للنووی:۱۳؍۱۶۸)

دوران غسل حضرت ایوب علیہ السلام پر ٹڈیوں کی بارش

(۲) وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((بَيْنَا أَيُّوبُ عليه السلام يَغْتَسِلُ عُرْيَاناً ، فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ ، فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْثِي في ثَوْبِه ، فَنَادَاهُ رَبُّهُ عز وجل : يَا أَيُّوبُ ، أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيتكَ عَمَّا تَرَى ؟! قَالَ : بَلَى وَعِزَّتِكَ وَلَكِنْ لاَ غِنَى بي عن بَرَكَتِكَ)) رواه البخاري .

ترجمہ۔"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل فرما رہے تھے تو ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام لپ بھر کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے تو پس ان کو اللہ نے پکارا اے ایوب! کیا میں نے تم کو ان چیزوں سے بے پرواہ نہیں کر دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ کی عزت کی قسم لیکن مجھے آپ کی برکتوں سے بے نیازی نہیں ہو سکتی"۔

حدیث کی تشریح:**یَغْتَسِلُ عُرْیَانًا**: آپ کپڑے اُتار کر غسل فرما رہے تھے۔"عریانًا" سے بالکل ننگے ہو کر نہانا مراد نہیں ہے بلکہ تہبند کے علاوہ کوئی کپڑا جسم پر نہیں تھا یہ مراد ہے اس بات کی تائید آگے کی عبارت سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے:"یَحْثِیْ فِیْ ثَوْبِہٖ" کہ آپ ٹڈی کو پکڑ پکڑ کر اپنے کپڑے میں جمع کر رہے تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اگر بالکل ننگے ہو کر نہانا بھی مراد ہو تو تنہائی اور پوشیدہ جگہ پر اس طرح نہانا بھی جائز ہے۔ ہاں بہتر اور مستحب تو یہی ہے کہ اس وقت میں بھی اپنے پروردگار سے حیاء وشرم کی جائے اور ستر پوشی کر لی جائے۔(مرقات)

فَجَعَلَ اَیُّوْبُ یَحْثِیْ فِیْ ثَوْبِہٖ: حضرت ایوب علیہ السلام ان ٹڈیوں کو اپنے کپڑے میں رکھنے لگے۔

اس میں محدثین کے کئی اقوال ہیں:

(۱)......اسی تہبند میں رکھ رہے تھے جس کو پہن کر نہا رہے تھے۔

(۲)...... غسل کر کے جو کپڑا پہننا تھا اس میں جمع کرنا شروع کر دیا۔

(۳)...... غسل کرنے کے وقت جو کپڑا قریب میں رکھا تھا اس میں جمع کرنا شروع کر دیا۔(مظاہر حق)

فَنَادَاہُ رَبُّہٗ: اللہ نے آواز دی۔ محدثین فرماتے ہیں اللہ جل شانہ کا اس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو مخاطب کرنا بطور عتاب اور ناراضگی کے نہیں تھا بلکہ بطور شفقت اور محبت کے تھا۔(تعلیق الصبیح)

وَلٰكِنْ لَاغِنٰى بِىْ عَنْ بَرَكَتِكَ: دوسری روایت میں "مَنْ يَّشْبَعُ عَنْ رَّحْمَتِكَ" کہ آپ کی رحمت سے کوئی سیراب نہیں ہوسکتا لیکن میں تیری نعمت کی کثرت سے بے نیاز نہیں ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا اس طرح انہماک سے ٹڈیوں کو جمع کرنا دنیا کی حرص اور مال و دولت میں اضافہ کی خواہش کی بناء پر نہیں تھا بلکہ اللہ کی نعمت سے فائدہ اُٹھانے کی بناء پر تھا۔ ملا علی قاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جائز مال و دولت میں اضافہ کی حرص اس شخص کے لیے جائز ہے جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ اس مال و دولت پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی نہیں ہو گی۔ (مرقاۃ)

....

باب فضل الغَنِيِّ الشّاكر وهو من أخذ المال من وجهه وصرفه في وجوهه المأمور بهَا

غنی شاکر کی فضیلت یعنی جو مال جائز طریقے پر حاصل کرلے اور ان مصارف میں صرف کرے جن میں صرف کرنیکا حکم ہے

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ﴾ [الليل: ٥٧] .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھائی کی تصدیق کی تو ہم اسے آسانی کی طرف پہنچادیں گے۔" (اللیل:۵)

تفسیر: پہلی آیت میں فرمایا کہ جو شخص خیر کے کاموں میں اپنے مال کو صرف کرتا ہے اور اللہ کی خشیت اس کے دل میں جاگزیں ہے اور وہ ہر مرحلے پر اپنے رب سے ڈرتا رہتا ہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایات کو سچ جانتا ہے اور بشارات ربانی کو صحیح سمجھتا ہے اس کے لیے ہم نیکی کا راستہ آسان کردیں گے اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام میں پہنچادیں گے جس کا نام جنت ہے۔ (تفسیر عثمانی' معارف القرآن)

وقال تعالى: ﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴾ [الليل: ١٧٢١] .

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"بچالیا جائے گا اس کو جہنم سے جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضاجوئی کے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے' یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔" (اللیل:۱۷)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اس خرچ کرنے سے کسی کا بدلہ اتارنا مقصود نہیں ہے بلکہ خالص رضائے مولیٰ اور دیدار الٰہی کی تمنا میں گھر بار لٹا رہا ہے تو وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کردیا جائے گا۔ اگرچہ یہ مضمون عام ہے لیکن بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا نزول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ہوا اور یہ بہت بڑی دلیل ان کی فضیلت و برتری کی ہے۔ زہے نصیب اس بندے کے جس کے اتقی ہونے کی تصدیق قرآن کریم میں کی جائے اور اسے ''وَلَسَوْفَ يَرْضٰى'' کی بشارت سنائی جائے۔ (تفسیر عثمانی، تفسیری مظہری)

وقال تَعالَى : ﴿ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الفُقَراءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾ [البقرة : ٢٧١] ،

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''اگر تم ظاہر کر کے صدقہ دو جب بھی اچھی بات ہے اور اگر اس کو مخفی طور سے فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں۔'' (البقرہ:۲۷۱)

تفسیر: تیسری آیت میں فرمایا کہ اگر تم علی الاعلان راہ حق میں صرف کرو اور کھلم کھلا وجوہ خیر میں خرچ کرو کہ اس سے دیکھنے والوں کو بھی رغبت اور شوق پیدا ہو اور وہ بھی وجوہ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگیں تو یہ بہت خوب ہے اور اگر چھپا کر خیرات کرو تا کہ تمہارا عمل شائبہ ریا سے پاک ہو تو یہ بھی اچھا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال صرف کرنا اور وجوہ خیر میں دینا ہر حال میں بہتر ہے خواہ اس کا اظہار ہو یا اخفاء کہ دونوں ہی بہتر ہیں۔ البتہ موقع اور مصلحت کا لحاظ ضروری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبوب چیز صدقہ کرنا

وقال تَعالَى : ﴿ لَنْ تَنالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾ [آل عمران : ٩٢] والآيات في فضلِ الإنفاقِ في الطاعاتِ كثيرة معلومة .

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''تم نیکی کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ اس کو خوب جانتے ہیں۔'' (آل عمران:۹۲)

طاعتوں میں مال خرچ کرنے کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں جو مشہور و معلوم ہیں۔

تفسیر: چوتھی آیت میں فرمایا کہ کمال بر تو اسی وقت حاصل ہوگا جب اپنا محبوب ترین مال اللہ کے راستے میں دو گے جس قدر پیاری اور محبوب چیز ہو اور جس قدر خلوص اور اخلاص نیت ہو اسی کے مطابق اللہ کے یہاں سے اس کا صلہ ملے گا۔

دو آدمیوں پر حسد کرنا جائز ہے

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لاَ حَسَدَ إلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ القُرْآنَ ، فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهارِ ، وَرَجُلٌ آتَاهُ مَالاً ، فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهارِ " متفقٌ عَلَيْهِ . " الآناء " : السَّاعاتُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو باتوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا اور وہ اس پر عمل پیرا ہے شب و روز کے تمام اوقات میں اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرے شب و روز کے تمام اوقات میں۔ (متفق علیہ)

الاناء۔ اناء کے معنی ساعات یعنی اوقات ہیں۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں حسد کا لفظ استعمال ہوا۔ حسد کے معنی ہیں کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر اس کے زوال کی تمنا کرنا۔ بعض علماء نے کہا کہ حسد وہ ہے کہ یہ تمنا کرے کہ دوسرے سے نعمت زائل ہو جائے اور اسے مل جائے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ حسد کے معنی زوال نعمت غیر کے ہیں مگر اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ ہے جس کے معنی ہیں کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر تمنا کرنا کہ میرے پاس بھی یہ نعمت ہو لیکن دوسرے کے پاس سے اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہ کرے۔ یعنی اگر کسی کے پاس مال ہو اور کوئی شخص اپنے دل میں یہ آرزو کرے کہ اگر اللہ مجھے بھی مال عطا کر دے تو میں بھی اللہ کے راستے میں خرچ کروں تو یہ غبطہ (رشک) ہے اور اسی کے بارے میں حدیث میں فرمایا کہ رشک کے جواز کی بھی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ کسی کے پاس مال ہو اور وہ اس مال کو شب و روز اللہ کے راستے میں خرچ کر رہا ہو۔ دوسرا آدمی جس کے پاس مال نہیں ہے وہ یہ خواہش کرے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو میں بھی اسی طرح اللہ کے راستے میں خرچ کروں اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے قرآن کا علم اور اس کا فہم عطا فرمایا ہے اور وہ شب و روز خود بھی اس کے مطابق عمل کر رہا ہے اور لوگوں کو بھی تعلیم دے کہ قرآن کو سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔

علماء کرام نے فرمایا کہ حسد کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور مجازی۔ حقیقی حسد کسی کے پاس موجود نعمت کے زوال کی تمنا کرنا، یہ حسد حرام ہے اور اس کی حرمت پر اُمت کا اجماع ہے۔ مجازی حسد وہ ہے جسے غبطہ (رشک کہا جاتا ہے) جس کے معنی ہیں اس نعمت کی تمنا کرنا جو دوسرے کے پاس ہے بغیر اس کے کہ دوسرے شخص سے اس نعمت

کے زوال کی تمنا کرے اگر اس کا تعلق مباح اُمور سے ہے تو یہ رشک مباح ہوگا اور اگر اس کا تعلق طاعات سے ہے تو یہ مستحب ہوگا۔(روضۃ المتقین:۲/۷۱۶ اشرح صحیح مسلم للنووی:۶/۸۴)

تسبیحات فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت

وعن أَبي هريرة رضي الله عنه : أَنَّ فُقَراءَ المُهَاجرينَ أَتَوْا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقَالُوا : ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُور بالدَّرجَاتِ العُلَى ، وَالنَّعِيم المُقيم ، فَقَالَ : " وَمَا ذَاكَ ؟" فَقَالوا : يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي ، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ ، وَيَتَصدَّقُونَ وَلاَ نَتَصدَّقُ ، وَيَعْتِقُونَ وَلاَ نَعْتِقُ ، فَقَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَفَلا أُعَلِّمُكُمْ شَيْئاً تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ ، وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ ، وَلاَ يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إلاَّ مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ ؟ " قالوا : بَلَى يَا رسول الله ، قَالَ : " تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتَحْمِدُونَ ، دُبُرَ كُلِّ صَلاَةٍ ثَلاثاً وَثَلاثِينَ مَرَّةً " فَرَجَعَ فُقَرَاء المُهَاجرينَ إِلَى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فقالوا : سَمِعَ إِخْوَانُنَا أَهلُ الأَمْوال بمَا فَعَلْنَا ، فَفَعَلُوا مِثْلَهُ ؟ فَقَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ " متفقٌ عَلَيْهِ ، وَهَذَا لفظ رواية مسلم . " الدُّثُور " : الأَمْوَالُ الكَثِيرَةُ ، وَالله أعلم .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ارباب ثروت بلند درجات اور دائمی نعمتیں لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں مگر وہ صدقہ دیتے ہیں جو ہم نہیں دے پاتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کے ذریعے تم ان کو پالو جو تم سے آگے نکل گئے اور ان سے آگے نکل جاؤ جو تمہارے بعد ہیں اور کوئی تم سے زیادہ فضیلت والا نہ ہو۔ جب تک وہی عمل نہ کرے جو تم کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھا کرو۔ فقراء مہاجرین دوبارہ خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے دولت مند بھائیوں کو ہمارے عمل کا علم ہو گیا اور وہ بھی اسی طرح کرنے لگے جس طرح ہم کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمادے۔ (متفق علیہ) حدیث کے یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

الدُّثور۔ کثیر مال کو کہتے ہیں

حدیث کی تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اعمال خیر میں مسابقت فرماتے اور ان کی سعی و کوشش ہوتی کہ اعمال خیر میں جس قدر ہو سکے اضافہ ہو اور جو بات لسان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہو اس

پر فوراً عمل کریں۔اسی جذبہ شوق عمل کے تحت بعض فقراء مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان میں سے ایک حضرت ابوذر غفار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور ایک حضرت ابودرداء تھے جیسا کہ نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ان حضرات نے عرض کیا کہ ارباب ثروت آخرت کے بلند مقامات اور جنت کی دائمی نعمتوں میں ہم پر بازی لے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کیسے ؟عرض کیا کہ جسمانی اور بدنی عبادتیں جو ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ جو مالی عبادات انجام دیتے ہیں ہم مال نہ ہونے کی بناء پر ان سے محروم ہی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ۳۳، ۳۳، ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔"ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ عمل شروع کیا تو تمام صحابہؓ کو علم ہو گیا اور سب تسبیح، تحمید اور تکبیر کرنے لگے۔یہ حضرات پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ جو عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہمارے بھائیوں کو اس کا علم ہو گیا اور وہ بھی یہ عمل کرنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے اللہ جس کو چاہے عطا فرمادے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں حدیث سے متعلق متعدد پہلوؤں پر گفتگو کی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کیا غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔اکثر صوفیاء کی رائے یہ ہے کہ فقیر صابر افضل ہے کہ طریقت کا مدار تہذیب نفس اور اس کی ریاضت پر ہے اور یہ وصف فقراء میں بہ نسبت اغنیاء کے زیادہ ہوتا ہے۔امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہی پسند ہے جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آپ کے صحابہؓ کے لیے پسند فرمایا یعنی فقر اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ فقراء مسلمین جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے اور اغنیاء جنت اور جہنم کے درمیان پل پر روک لیے جائیں گے اور وہاں ان سے ان کے زائد اموال کے بارے میں سوال ہو رہا ہو گا۔(فتح الباری:۱۱/۲۰۱، ارشاد الساری:۲/۵۰۳، عمدۃ القاری:۷/۱۸۳، شرح صحیح مسلم للنووی:۵/۷۹)

باب ذكر الموت وقصر الأمل
موت کو یاد کرنے اور آرزوؤں کو کم کرنے کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى : ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴾[آل عمران : ۱۸۵] ،

ترجمہ:"اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے تم کو پوری پاداش قیامت ہی کے دن ملے گی جو شخص جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا دنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکہ کا سودا ہے۔"

تفسیر: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ: جو شخص بھی دنیا میں آیا ہے اس کو موت کا مزہ چکھنا ہو گا۔علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ بغوی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے حضرت

آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تو زمین کی مٹی نے شکایت کی کہ میرا ایک جز (حصہ) لیا گیا ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا تو اللہ جل شانہ نے زمین سے وعدہ کیا کہ جو کچھ بھی مٹی سے لیا ہے وہ تجھے ہم واپس کر دیں گے۔ چنانچہ جو شخص بھی مٹی سے بنا ہو گا وہ اسی مٹی میں مل جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری: ۲/۴۴۱)

وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اگر اچھے عمل کیے تو اس کا اچھا بدلہ ملے گا اور اگر برے عمل کیے ہیں تو اس کا برا بدلہ ملے گا۔ (معارف القرآن: ۲/۲۵۵)

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ: جو جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو پورا کامیاب وہ ہوا خواہ وہ جنت میں ابتداءً داخل ہو جیسے کہ انبیاء، صلحاء وغیرہ یا سزا بھگتنے کے بعد جیسا کہ گنہگار مسلمان کہ یہ بھی آخر کار جہنم سے نجات پا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت کی نعمتوں کے مالک بن جائیں گے بخلاف کفار کے کہ ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ (تفسیر مظہری: ۲/۴۴۲)

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ:

"متاع" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا گھاس کی سبزی اور لڑکیوں کی گڑیوں کی طرح ہے جس کا کوئی حاصل نہیں۔ (تفسیر مظہری: ۲/۴۴۲)

وقال تعالى: ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ [لقمان: ٣٤]

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔"

وقال تعالى: ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ [النحل: ٦١]،

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: پھر جب ان کا وقت معین آپہنچے گا اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔"

تفسیر: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہر آدمی کی موت کا ایک وقت مقرر فرمادیا ہے۔ جب وہ وقت مقرر آجاتا ہے پھر اس کے بعد نہ آگے ہو سکے گا نہ پیچھے۔

سوال: آگے ہونا تو سمجھ میں آتا ہے پیچھے ہونا یہ کیسے ہو گا؟ یہ محاورتاً کہا گیا ہے جیسے کہ آدمی بائع سے کہتا ہے کہ اس چیز میں کچھ کمی بیشی ممکن ہے مقصود کمی ہوتی ہے بیشی اس کے ساتھ لگادیا جاتا ہے۔ اسی طرح آیت بالا کو سمجھ لینا چاہیے۔

سوال: بعض روایات میں بعض اعمال پر وعدہ کیا ہے کہ ان اعمال کے کرنے سے عمر بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً صدقہ کہ اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس سے موت کا وقت مؤخر ہو جاتا ہے؟

جواب: موت کے مؤخر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ موت کا وقت آگے ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی جتنی زندگی ہے اسی میں اللہ اس سے اتنا کام لے لیتے ہیں جتنی لمبی زندگی والا کرتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ○ وَلَن يُؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْساً إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○ (سورۃ المنافقون:۹ تا ۱۱)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آئے پھر وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر و خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب اس کی میعاد آجاتی ہے ہر گز مہلت نہیں دیتا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔“

تفسیر: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ:۔ ذکر اللہ سے پانچ وقت کی نماز یا حج یا زکوٰۃ یا قرآن اور بقول حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تمام ہی طاعات و عبادات مراد ہیں۔ مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ آدمی اپنی اولاد اور مال کے ساتھ اشتغال اور تعلق رکھے مگر اس حد تک نہ رکھے کہ یہ چیزیں آدمی کو اللہ کی اطاعت سے دور کر دیں۔ (تفسیر قرطبی)

وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ: مفسرین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ“ موت کے آجانے سے موت کے آثار آجانا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت کے آثار آنے سے پہلے پہلے اپنی صحت و قوت کی حالت میں اپنے اموال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرلو ورنہ موت کے بعد یہ مال وغیرہ کچھ بھی کام نہیں دیں گے۔ اسی وجہ سے ایک روایت میں آتا ہے کہ جب ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ سب سے زیادہ اجر والا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسے وقت میں خرچ کرے جب کہ آدمی تندرست ہو اور اپنی آئندہ ضروریات کے پیش نظر یہ خوف بھی ہو کہ مال خرچ کر ڈالا تو کہیں میں محتاج نہ ہو جاؤں۔ (رواہ البخاری فی الصحیح)

فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ: مفسر اُمت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی اور اس نے ادا نہیں کی یا حج فرض تھا اور ادا نہیں کیا موت سامنے آجانے کے بعد اس کی وہ تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹ جاؤں تاکہ میں یہ کام کرلوں۔ (معارف القرآن:۸/۴۵۹)

، وقال تَعَالَى: ﴿ حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ

فَلاَ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَومَئِذٍ وَلاَ يَتَسَاءلُونَ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ تَلْفَحُ وَجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴾ إِلَى قَوْله تَعَالَى : ﴿ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْماً أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْئَلِ العَادِّينَ قَالَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلاَّ قَلِيلاً لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُم تَعْلَمُونَ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لاَ تُرْجَعُونَ ﴾

ترجمہ: اور فرمایا کہ: "یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے کہ میں اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ یہ تو صرف ایک بات ہے جس کا یہ قائل ہے ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اُٹھنے تک۔ پس جب کہ صور پھونک دیا جائے اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے نہ آپس کی پوچھ گچھ۔ جن کے ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ نجات والے ہوں گے اور جن کے ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کرلیا جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی اور وہ وہاں بدشکل بنے ہوئے ہوں گے۔ کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں، پھر بھی تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ کہیں گے اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی واقعی ہم تھے ہی گمراہ۔ اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو، میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لاچکے ہیں تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے لیکن تم انہیں مذاق ہی میں اڑاتے رہے، یہاں تک کہ تم نے میری یاد بھلا دی اور تم ان سے مذاق ہی کرتے رہے۔ میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا کہ وہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں باعتبار برسوں کی گنتی کے کس قدر رہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم گنتی گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو، اے کاش! تم اسے پہلے ہی جان لیتے، کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہیں جاؤ گے۔" (المؤمنون:۹۹۔۱۱۵)

تشریح: تفسیر: پانچویں نمبر پر جو آیات قرآنی آئی ہیں ان میں ارشاد ہوا ہے کہ جب ان کافروں کی موت کا وقت آئے گا تو ان میں سے کوئی کہے گا کہ اے اللہ! مجھے واپس بھیج دے میں پھر سے عمل صالح کروں گا اور جو تقصیرات سرزد ہوئی ہیں ان کی تلافی کروں گا لیکن اجل کا اور موت کا ایک وقت مقرر ہے وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ ابھی تو مرحلہ موت کا ہے جب آگے ایک برزخ آتا ہے جس سے جہاں والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور

مردوں کے درمیان اور دنیا کے لوگوں کے درمیان آخرت تک یہ پردہ قائم رہے گا کہ مرنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جاسکتا اور جب صور پھونکا جائے گا اور تمام مخلوق کو ایک میدان میں جمع کر دیا جائے گا اس وقت ہر شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا' اولاد' ماں' باپ سے بھائی بھائی اور میاں بیوی سے کوئی سروکار نہ رکھے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ اب کے اعمال صالحہ کا وزن زیادہ ہوگا وہ کامیاب ہوں گے اور جن کی میزان عمل خالی ہوگی وہ اپنی جان ہار بیٹھے' اب وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے' جہاں جھلس دے گی ان کو جہنم کی آگ اور وہاں بد شکل ہو رہے ہوں گے یعنی جہنم میں جلتے جلتے بدن سوج جائے گا' نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائے گا اور زبان باہر نکل کر زمین پر لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا اب بتاؤ جو آیات تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی تھیں وہ جھوٹی تھیں یا سچی؟ کہیں گے اے ہمارے رب! اس وقت ہمارے اوپر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی اور ہم راستے سے بھٹک گئے تھے' اب آپ ہمیں اس عذاب سے نکال لیجئے۔ اب ہم دوبارہ نافرمانی کریں تو ہم بڑے ظالم ہوں گے' کہا جائے گا کہ پھٹکارے پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو' جو کیا تھا اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد فریاد منقطع ہو جائے گی اور زفیر و شہیق کے سوا کوئی کلام نہ کر سکیں گے۔

اہل ایمان دنیا کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحمت فرما اور آپ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والوں میں سے ہیں لیکن ان کا مذاق اڑایا اور ان کے استہزاء کو تم نے ایسا مشغلہ بنایا کہ تمہیں ہماری یاد بھی باقی نہ رہی۔ اہل ایمان نے تمہاری اس ایذاء رسانی پر صبر کیا اور آج انہیں انکے صبر کا پھل مل گیا اور وہ کامیاب و کامران قرار پائے۔ کہا جائے گا کہ یہ درست ہے کہ تم دنیا میں بہت کم رہے اور واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہے لیکن اگر اس حقیقت کا ادراک اس وقت کر لیتے یعنی دنیا کی بے ثباتی اور فنا کی حقیقت کو سمجھ کر آخرت کی تیاری کر لیتے تو آج اس انجام سے دوچار نہ ہوتے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ سارا کارخانہ ایک کھیل تماشا ہے اور اس کے بعد کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ اگر اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی نہ ہو تو یہ سارا نظام عبث ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ (تفسیر عثمانی' معارف القرآن)

وقال تعالى: ﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴾ [الحديد: ١٦] ، وَالآيات في الباب كثيرةٌ معلومة.

ترجمہ: "کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔" (الحدید:۱۶)

اس مضمون سے متعلق آیات بکثرت ہیں اور معلوم ہیں۔

شان نزول۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب بعض مسلمانوں کے دل میں کچھ سستی محسوس فرمائی اس پر یہ آیت بالا نازل ہوئی۔

امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کچھ معاشی سہولتیں اور آرام ملا تو اعمال میں کچھ کمی اور سستی آئی تو اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

تفسیر: چھٹی آیت میں فرمایا کہ وقت آگیا ہے کہ اہل ایمان کے دل قرآن 'اللہ کی یاد اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں اور نرم ہو کر گڑگڑانے لگیں اور ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں یہ باتیں اپنے رسولوں کے ذریعے معلوم ہوئیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان کے دل سخت ہوگئے اور نافرمانی پر اُتر آئے۔ اب مسلمانوں کی باری آئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی تعلیمات سے مستفید ہو کر نرم دلی انقیاد کامل اور خشوع لذکر اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور اس بلند مقام پر پہنچیں جہاں آج تک کوئی اُمت نہیں پہنچی۔ (تفسیر عثمانی)

صحت میں بیماری اور زندگی میں موت کو پار کرو

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : أخذ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنْكَبِي ، فَقَالَ : ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ)) .وكَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما ، يقول : إِذَا أَمْسَيْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ المَسَاءَ ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ . رواه البخاري .

ترجمہ۔ "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مونڈھوں کو پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کہ کوئی مسافر یا راہ گزر رہتا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی فرمایا جب تم شام کرلو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرلو تو شام کا انتظار مت کرو اور اپنی صحت کے زمانے میں بیماری کیلئے اور اپنی زندگی میں موت کیلئے تیاری کرلو"۔ (بخاری)

تفسیر: حدیث بالا میں دنیا کی امیدوں کو ختم کرنے اور زندگی کی بے ثباتی کو بیان کیا جارہا ہے کہ جب آدمی شام کرے تو اس کو صبح کا انتظار نہ ہو بلکہ وہ یہ خیال کرے کہ اس سے پہلے ہی میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اس حال میں وہ دنیا سے کیا دل لگائے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف نے ایسی ہی زندگی گزاری۔ پھر اس سلسلہ میں ایک دو واقعات نہیں لاکھوں واقعات ہیں۔

ایک نیک عورت کا واقعہ

ایک نیک عورت ہیں جن کا نام تاریخ میں حضرت معاذہ عدویہ رحمہا اللہ سے مشہور ہے۔ ان کے بارے میں علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ وہ ساری رات نماز پڑھتیں اور جب نیند کا

غلبہ ہوتا تو ٹہلتی رہتیں اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتیں اے نفس! نیند تو تیرے سامنے ہے اور تیرا اس سے سابقہ پڑے تو سولینا ان کی خادمہ کہتی ہیں کہ حضرت معاذہ عدویہ یہ فرماتی جاتیں اور آنکھوں سے آنسو جاری رہتے اور اسی میں صبح کر دیتیں۔ صفہ الصفوہ لابن جوزی ان کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔

یہی معاذہ عدویہ رحمہا اللہ ہیں جب دن کی روشنی نکلتی تو فرماتیں یہی دن ہے جس کا مجھ کو انتظار تھا۔ اسی دن میں دنیا سے سفر کروں گی۔ یہ کہہ کر پورا دن خوف الٰہی میں رونے اور عبادت میں گزار دیتیں۔ اسی طرح جب شام ہوتی تو فرماتیں یہی رات ہے جس میں، میں دنیا سے رخصت ہوں گی اور پھر سجدہ میں صبح کر دیتیں۔

وصیت نامہ لکھ کر اپنے پاس رکھے

وعنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ ، لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ " متفقٌ عَلَيْهِ ، هَذَا لفظ البخاري .

وفي روايةٍ لمسلم : " يَبِيتُ ثَلاثَ لَيَالٍ " قَالَ ابن عمر : مَا مَرَّتْ عَلَيَّ لَيْلَةٌ مُنْذُ سَمِعْتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَلِكَ إلاَّ وَعِنْدِي وَصِيَّتِي .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی آدمی کیلئے یہ جائز نہیں کہ اس کے پاس کچھ ہو جس میں وہ وصیت کرنا چاہے اور وہ دو راتیں ایسی گزارے اور اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود نہ ہو۔ (متفق علیہ)

کلماتِ حدیث: یوصی: وصیت کرنا چاہتا ہے۔ لہ مال یوصی فیہ: اس کے پاس مال ہے جس میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہے۔ اوصی ایصاء (باب افعال) وصیت کرنا۔

حدیث کی تشریح: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفہوم حدیث یہ ہے کہ مؤمن کو چاہیے کہ موت سے کسی وقت غافل نہ رہے اور ہر وقت موت کی تیاری میں رہے۔ اسی تیاری میں سے ایک وصیت کا لکھا ہوا موجود ہونا ہے اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ آدمی وصیت لکھ کر رکھ لے۔ وصیت کا جلد لکھ لینا اور صحت کے زمانے میں لکھ لینا مستحب ہے اور اس پر دو گواہ بھی بنالے۔ اس لیے کہ ارشاد الٰہی ہے:

يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ ۝

"اے ایمان والو! اپنے درمیان گواہ بنالو تم میں سے دو عادل گواہ وصیت کے وقت جب تم میں سے کسی کو موت آئے۔" (المائدہ:۱۰۶)

اکثر فقہاء کے نزدیک وصیت مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ بہر حال وصیت کے لکھنے میں جلدی کرنا مستحب ہے کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کب آئے گی۔ (شرح صحیح مسلم للنووی:۱۱/۶۴، روضۃ المتقین:۲/۲۴۴، دلیل الفالحین:۳/۸)

آدمی کی لمبی آرزو اور موت

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطُوطاً ، فَقَالَ : " هَذَا الإنْسَانُ ، وَهَذَا أجَلُهُ ، فَبَيْنَما هُوَ كَذَلِكَ إذْ جَاءَ الخَطُّ الأَقْرَبُ " رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ انسان ہے اور یہ اسکی موت ہے ابھی وہ تمناؤں کے درمیان ہوتا ہے کہ موت اسے آلیتی ہے۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: انسان اس دنیا کی زندگی میں آرزوؤں اور تمناؤں میں پھنسا رہتا ہے اور موت اچانک آکر دبوچ لیتی ہے اور تمنائیں تشنہ تکمیل رہ جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکیم اور مربی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دقیق معانی کو مثالوں کے ذریعے سمجھاتے تھے اور واقعات و مثال سے ان کی وضاحت فرماتے تھے اور کبھی بر موقعہ اور برجستہ جملہ فرمادیتے جو سامعین کی توجہ اس نکتہ کی طرف مبذول کر دیتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذہن نشین کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے کچھ لوگ اپنے چھپر کی مرمت کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا چھپر کی مرمت کر رہے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ موت اس سے پہلے ہے۔ یعنی چھپر کی مرمت اور پھر اس سے مستفید ہونا تو آرزوئیں ہیں اور موت ان آرزوؤں کو منقطع کر دینے والی ہے' موت کا آنا یقینی اور اٹل ہے اور تمناؤں کو پورا کرنا غیر یقینی اور موہوم ہے۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لکیریں کھینچیں' محدثین کرام نے احادیث کی روشنی میں ان کے متعدد نقشے بنائے ہیں جو فتح الباری میں دیئے گئے ہیں۔

آدمی حوادث سے بچ سکتا ہے مگر موت سے نہیں

وعن ابن مسعود رضي الله عنه ، قَالَ : خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطّاً مُرَبَّعاً ، وَخَطَّ خَطّاً في الوَسَطِ خَارِجاً مِنْهُ ، وَخَطَّ خُطَطاً صِغَاراً إلَى هَذَا الَّذِي في الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي في الوَسَط ، فَقَالَ : ((هَذَا الإنْسَانُ ، وَهذَا أجَلُهُ مُحِيطاً بِهِ أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ وَهذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ ، وَهذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الأَعْرَاضُ ، فَإنْ أخْطَأَهُ هَذَا ، نَهَشَهُ هَذَا ، وَإنْ أخْطَأَهُ هَذَا ، نَهَشَهُ هَذَا)) رواه البخاري . وَهذِهِ صُورَتُهُ :

ترجمہ۔ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع قسم کا خط کھینچا اور اس کے درمیان میں ایک خط کھینچا جو اس سے باہر نکل رہا تھا اور درمیان والے خط کے ساتھ چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اس کے بعد فرمایا یہ درمیان والا خط انسان ہے اور

مربع شکل کا خط اس کی موت ہے جس نے اس کو گھیر رکھا ہے اور باہر نکلنے والا خط اس کی امیدیں ہیں اور چھوٹی چھوٹی لکیریں حوادث ہیں اگر ایک حادثہ اس سے خطا کر جاتا ہے تو دوسرا اسے آدبوچتا ہے اور اگر اس سے جان چھوٹتی ہے تو کوئی دوسرا اسے آپکڑتا ہے (بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث کا مطلب محدثین یہ بیان فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی پیہم حادثوں کا نام ہے کہ جب یہ ایک حادثے سے بچنا چاہتا ہے تو پھر دوسرا حادثہ اس کو آگھیرتا ہے اسی کشمکش اور حادثوں میں اس کی زندگی گزرتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں آرزوؤں اور امیدوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بھی ہوتا ہے ابھی یہ اپنی امیدوں کی تکمیل کی کوشش میں ہوتا ہے کہ اس کو موت آجاتی ہے۔(دلیل الفالحین)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقشہ بنا کر سمجھایا

اسی بات کو سمجھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ لکیریں کھینچ کر سمجھایا کہ آدمی کس طرح اپنی امیدوں کے پورا کرنے میں لگا رہتا ہے کہ اس کو موت آجاتی ہے۔اس کی صورت علماء نے مختلف بنائی ہے ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے جو زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے:

کہ درمیانی لکیر تو آدمی ہے اور چاروں طرف سے جو اس کو گھیر رہی ہے وہ اس کی موت ہے کہ آدمی اس سے کسی بھی حالت میں نکل نہیں سکتا اور جو لکیر باہر نکل رہی ہے وہ اس کی امیدیں ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے بھی آگے کی طرف نکلی ہوئی ہیں اور چھوٹی چھوٹی لکیریں وہ اس کی بیماریاں اور حوادث ہیں جو اس کی طرف متوجہ ہیں کہ وہ ایک سے بچ جائے تو دوسری مسلط ہوتی ہے اور وہ موت کے اندر تو گھرا ہی ہے۔"وَكَمْ حَسَرَاتٍ فِيْ بُطُوْنِ الْمَقَابِرِ" (فضائل صدقات)

لمبی امیدوں کے نقصانات

اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں جس کی امیدیں لمبی ہوتی ہیں وہ چار طرح کے عذابوں میں مبتلا رہتا ہے۔

(۱)......عبادت میں سستی پیدا ہوتی ہے۔

(۲)......دنیا کا ہر وقت غم سوار رہتا ہے۔

(۳)......مال کے جمع کرنے اور بڑھانے کی فکر ہر وقت مسلط رہتی ہے۔

(۴)......دل سخت ہو جاتا ہے۔(تنبیہ الغافلین)

سات چیزوں سے پہلے پہلے موت کی تیاری کرلیں

(۳) وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أَنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((بَادِرُوا بِالأَعْمَالِ سَبْعاً ، هَلْ تَنْتَظِرُونَ إِلاَّ فَقْراً مُنْسِياً ، أَوْ غِنىً مُطْغِياً ، أَوْ مَرَضاً مُفْسِداً ،

أَوْ هَرَماً مُفَنِّداً ، أَوْ مَوْتاً مُجْهِزاً ، أَوْ الدَّجَّالَ ، فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ ، أَوْ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ ؟!)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن)) .

ترجمہ۔''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سات چیزوں سے پہلے پہلے نیک اعمال میں جلدی کیا کرو کیا تم بھلا دینے والے فقر کا انتظار کر رہے ہو' یا سرکش کر دینے والی مالداری کا' فاسد کر دینے والی بیماری کا یا سٹھیا دینے والے بڑھاپے کا یا تیزی سے آجانے والی موت کا یا دجال کا پس وہ ایک بدترین غائب چیز ہے جس کا انتظار کیا جارہا ہے یا قیامت کا پس وہ دہشت ناک اور کڑوی ہے۔ترمذی حدیث حسن ہے''۔

حدیث کی تشریح: بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا: یہ سات اعمال وہ ہیں جو اعمال صالحہ سے انسان کو روکتے ہیں اس لیے ترغیب دی جارہی ہے کہ ان چیزوں کے آنے سے پہلے پہلے نیک کام کر لیں ورنہ افسوس کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

اَوْغِنًى مُطْغِيًا: ایسی دولت کا انتظار ہے جو گناہ میں ڈالنے والی ہے کہ ایک آدمی فقر میں ہے وہ فقر پر صبر و استقامت کی راہ اختیار کرتے ہوئے نیک اعمال میں لگا رہے' مالداری کا انتظار نہ کرے کیونکہ مال داری عموماً آدمی کو اللہ سے دور ہی کر دیتی ہے اور اس کی وجہ سے آدمی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔(مظاہر حق:۴/۶۷۸)

فَقْراً مُنسِيًا: کیا فقر کا انتظار ہے جو خدا کو بھلا دینے والا ہے۔اس جملہ میں امیر آدمی کو ترغیب ہے کہ وہ اپنی امیری میں اللہ کو نیک اعمال کے ذریعے چاہے ورنہ کبھی آدمی پر جب فقر و فاقہ آتا ہے تو وہ شخص بھوک و برہنگی کے مصائب میں پریشان ہو کر اور ضروریات زندگی کی فراخی کے چکر میں پھنس کر خدا کی اطاعت و عبادت کو بھول جاتا ہے۔

أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا: یا بیماری جو آدمی کے بدن کو خراب و تباہ کر دیتی ہے۔اس میں صحت مند آدمی کو ترغیب ہے کہ اسی صحت کو غنیمت سمجھ کر عبادت میں لگاؤ ایسا نہ ہو کہ بیماری آجائے جس میں آدمی کا بدن کمزور اور سست ہو جاتا ہے پھر عبادت کرنا چاہے تب بھی عبادت نہیں کر سکتا۔(مظاہر حق:۴/۶۷۸)

أَوْهَرَمًا مُفَنِّدًا: یا ایسا بڑھاپا جو بد حواس اور بے عقل بنا دیتا ہے اس میں جوان لوگوں کو ترغیب ہے کہ اسی جوانی کو عبادت میں لگادیں ورنہ بڑھاپا آجائے گا جس میں آدمی کی نہ عقل کام کرتی ہے اور نہ ہی اس کے اعضاء کام کرتے ہیں۔

حدیث کے دوسرے جملوں کے مطلب کو اسی طرح قیاس کر لیا جائے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نصیحت

اسی وجہ سے حضرت حکیم الامت حضرت اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ذکر اللہ اور اللہ کی اطاعت کے لیے سکون و اطمینان کا انتظار نہ کرو جس حالت میں بھی ہو فوراً خدا کی یاد میں' عبادت میں لگ جاؤ اللہ جل شانہ خود ہی اطمینان نصیب فرمادیں گے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے:

گفت قطب شیخ گنگوہی رشید ذکر را یابی بہ ہر حالت مفید

حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ذکر کو خواہ سکون میں کیا جائے یا بے سکونی میں ہر حالت میں مفید ہے۔

موت کو کثرت سے یاد کرو

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ " يَعْنِي : الْمَوْتَ . رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن " .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کا خاتمہ کردینے والی بات موت کو کثرت سے یاد کرو۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: موت' احوال موت اور آخرت کو کثرت سے یاد کرنا چاہیے کہ موت کی یاد سے دنیا کی رغبتوں میں کمی ہوتی ہے اور امیدیں دم توڑ دیتی ہیں اور انسان آخرت کی تیاری کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور گناہوں سے توبہ کی توفیق ملتی ہے اس وجہ سے موت کا یاد کرنا زبان سے بھی اور دل سے بھی مستحب ہے کہ اس کی یاد کی وجہ سے آدمی معصیتوں سے احتراز کرتا اور اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کا خاتمہ کرنیوالی موت کو کثرت سے یاد کرو کہ اگر کوئی تنگی معاش میں اسے یاد کرتا ہے تو اس پر وسعت ہو جاتی ہے اور جو وسعت ہو جاتی ہے اور جو وسعت میں یاد کرتا ہے وہ اس پر تنگی کر دیتی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷/۱۰۱' دلیل الفالحین: ۳/۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو آخرت یاد دلانا

وعن أُبَيِّ بن كعبٍ رضي الله عنه : كَانَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ قَامَ ، فَقَالَ : " يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، اذْكُرُوا اللهَ ، جَاءتِ الرَّاجِفَةُ ، تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ " قُلْتُ : يَا رسول الله ، إِنِّي أُكْثِرُ الصَّلاَةَ عَلَيْكَ ، فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلاَتِي ؟ فَقَالَ : " مَا شِئْتَ " قُلْتُ : الرُّبُع ، قَالَ : " مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ " قُلْتُ : فَالنِّصْف ؟ قَالَ : " مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ " قُلْتُ : فَالثُّلُثَيْنِ ؟ قَالَ : " مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ " قُلْتُ : أجعَلُ لَكَ صَلاَتِي كُلَّهَا ؟ قَالَ : " إذاً تُكْفَى هَمَّكَ ، وَيُغْفَر لَكَ ذَنْبُكَ " رواه الترمذي ، وقال : " حديث حسن " .

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک تہائی رات گزر جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھڑے ہو جاتے اور فرماتے کہ اے لوگو! اللہ کو یاد کرو کہ لرزہ طاری کر دینے والی اور اس کے پیچھے آنے والی آگئی یعنی موت اپنی ساری ہولناکیوں کے ساتھ آگئی موت اپنی ساری ہولناکیوں کے ساتھ آگئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اکثر آپ پر درود پڑھتا ہوں میں کتنا وقت درود کیلئے مقرر کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جتنا چاہو میں نے عرض کیا کہ چوتھائی' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم چاہو اور اگر زیادہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ آدھا' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم چاہو اور زیادہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ دو تہائی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جو تم چاہو اور زیادہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ میں اپنا سارا وقت آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پر درود پڑھنے کیلئے مقرر کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے تیرے غموں کی تلافی کر دی جائے گی۔ اور تیرے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تھے تو سب اہل خانہ کو اور متعلقین کو بیدار فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے کہ

اے لوگو! اُٹھو اور اللہ کو یاد کرو کہ قیامت قریب آگئی اور موت قریب ہو چکی ہے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں اپنا سارا وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھنے میں صرف کروں گا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے سارے غموں کی تلافی کی جائے گی اور تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے کہا کہ میں نے اپنا سارا دُرود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا اور آخرت کے جملہ امور کو کافی ہو جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود و سلام بھیجنے کی بڑی فضیلت اور اس کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ دُرود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں بلکہ بعض روایات میں تو آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار مرتبہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ (دلیل الفالحین: ۱۴۱/۳' روضۃ المتقین: ۱۲۸/۲)

باب استحباب زيارة القبور للرجال وما يقوله الزائر

مردوں کا قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے

اور زیارت کرنیوالا کیا کہے قبر کی زیارت کیا کرو

عن بُرَيْدَةَ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عن زِيَارَةِ القُبُورِ فَزُورُوها)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ ''حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے روک دیا تھا پس (اب) تم زیارت کیا کرو۔(مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص قبروں کی زیارت کرنا چاہے پس وہ زیارت کرے بے شک قبروں کی زیارت آخرت کو یاد دلانے والی ہے''۔

ابتداءِ اسلام میں زیارت قبور کی ممانعت تھی بعد میں اجازت ہوگئی

حدیث کی تشریح

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں زیارت قبور سے ممانعت فرمائی تھی کیونکہ جاہلیت کا زمانہ قریب تھا اس لیے یہ اندیشہ ہوا کہ شاید لوگ قبروں پر جاکر کفر وشرک کی باتیں کریں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ اب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں میں اسلام راسخ ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

اب تمام ہی علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہو گیا کہ قبروں کی زیارت کے لیے جانا مستحب ہے۔(مرقاۃ)

اسکی وجہ سے آدمی کو موت کی یاد آتی ہے' دل نرم ہوتا ہے' دل ودماغ میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ دنیا فانی ہے۔(روضۃ المتقین)

مرنے کے بعد اللہ کو منہ دکھانا ہے اس کے بہت سے فوائد علماء نے لکھے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں کبھی جنت البقیع تشریف لے جاتے

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : كَانَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّما كَانَ

لَيْلَتُهَا مِنْ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ إِلَى البَقِيعِ ، فَيقولُ : ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ، وَأَتَاكُمْ مَا تُوعَدُونَ ، غَداً مُؤَجَّلُونَ ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لأَهْلِ بَقِيعِ الغَرْقَدِ((٢)))) رواه مسلم .

ترجمہ۔''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کی رات کی باری میں قیام فرماتے تو رات کے آخری حصہ میں بقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلامتی ہوا ے مؤمنین کے گھر تمہارے پاس وہ کل آ گیا جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہیں ملنے والے ہیں اے اللہ! بقیع والوں کی مغفرت فرما''۔(رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح:یَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ: رات کے آخری حصہ میں قبرستان بقیع تشریف لے جاتے۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ دن میں تو قبرستان جانا جائز ہی ہے بلکہ رات کو بھی جائز ہے جیسے کہ حدیث بالا سے معلوم ہو رہا ہے۔دوسری بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ قبرستان میں جا کر دعا مذکور بھی پڑھنا مسنون ہے۔ (اس دعا کے علاوہ احادیث میں دوسری دعا بھی آتی ہے۔وہ یہ ہے):

''السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر''

جنت البقیع میں مدفون صحابہ

لِاَهْلِ الْبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ:اس قبرستان کو جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے غرقد بھی کہتے ہیں کیونکہ وہاں پہلے جھاڑیاں اور درخت تھے اور بقیع بھی کہتے ہیں۔(دلیل الفالحین) اس قبرستان میں بے شمار صحابہ کرامؓ اور اولیاء اور عامۃ المؤمنین مدفون ہیں۔بقول امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مدینہ منورہ میں دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں۔(لباب وغنیۃ)

قبرستان میں داخل ہوتے وقت کونسی دعا پڑھنی چاہیے

وعن بريدة رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى المَقَابِرِ أَنْ يَقُولَ قَائِلُهُمْ : ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهلَ الدِّيَارِ مِنَ المُؤْمِنِينَ وَالمُسلمينَ ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ للاَحِقونَ ، أَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ العَافِيَةَ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔''حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ قبروں کی طرف جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سکھاتے کہ وہ یہ دعا پڑھیں۔اے مؤمنوں اور مسلمانوں کی بستیوں والو!تم پر سلامتی ہو اگر اللہ نے چاہا تو ہم یقیناً تم سے آملیں گے ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں''۔(رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح:اِذَا خَرَجُوْا اِلَی الْمَقَابِرِ:جب لوگ قبرستان جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ دعا سکھاتے۔ وہ دعا یہ ہے:"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ ، أَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَةَ" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسے مؤمن بھائی کی قبر پر پہنچے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا پھر اس پر سلام پیش کرتا ہے تو صاحب قبر اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔(مرقاۃ)

قبرستان میں دعا پڑھتے وقت رخ کہاں ہو

وعن ابن عباسٍ رضي الله عنهما ، قَالَ : مرَّ رسولُ الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبورٍ بالمدِينَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ ، فَقَالَ : ((السَّلامُ عَلَيْكُمْ يا أَهْلَ القُبُورِ ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحنُ بالأَثَرِ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن)) .

ترجمہ۔"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی قبروں کے پاس سے گزرتے تو اپنا رخ ان کی جانب کر کے فرماتے:اے قبروں والو!تم پر سلامتی ہو اللہ ہمارے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے تم ہم سے پہلے آگئے اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں"۔

حدیث کی تشریح:فَاَقْبَلَ عَلَیْھِمْ بِوَجْھِہٖ:آپ اپنے چہرہ انور کو قبر کی طرف متوجہ کر کے دعا پڑھتے۔

علماء فرماتے ہیں دعا پڑھتے وقت آدمی کا چہرہ قبر کی طرف ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی جمہور علماء و مجتہدین کا مسلک ہے مگر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ قبر پر حاضر ہونے والا دعائے مغفرت کرتے وقت اپنا چہرہ قبلہ کی طرف رکھے۔(مظاہر حق)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میت کی زیارت اس کی زندگی کی ملاقات کی طرح ہونی چاہیے کہ اگر دنیا میں وہ اس شخص سے ملاقات کے وقت میں اس سے دور بیٹھتا تھا تو اب اس کی قبر کی زیارت کے وقت میں بھی فاصلہ سے کھڑا ہو یا بیٹھے اور اگر زندگی میں بوقت ملاقات اس کے قریب میں بیٹھتا تھا تو اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی اس کے قریب میں کھڑا ہو یا بیٹھے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر کی زیارت کے وقت کم از کم ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔(مرقاۃ)

بابُ كراهة تمنّي الموت بسبب ضُرّ نزل بِهِ وَلاَ بأس بِهِ لخوف الفتنة في الدين

کسی تکلیف کے آنے پر موت کی آرزو کرنے کی کراہیت کا بیان اور دین میں فتنہ کے خوف سے موت کی آرزو کرنے کا جواز

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((لا يَتمَنَّ((٢)) أحَدُكُمُ المَوْتَ ، إمَّا مُحْسِناً فَلعَلَّهُ يَزْدَادُ ، وَإمَّا مُسِيئاً فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ)) متفقٌ عَلَيْهِ ، وهذا لفظ البخاري .

وفي رواية لمسلم عن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((لاَ يَتمَنَّ أَحَدُكُمُ المَوْتَ ، وَلاَ يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ أنْ يَأتِيَهُ ؛ إنَّهُ إِذَا مَاتَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ ، وَإنَّهُ لاَ يَزِيدُ المُؤْمِنَ عُمُرُهُ إلاَّ خَيْراً)) .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ اچھے اعمال کرنے والا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ مزید اعمال کرے اور اگر وہ برے اعمال کرنے والا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اسے توبہ کی توفیق مل جائے۔ (متفق علیہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں)

اور صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کی دعاء کرے کیونکہ آدمی کے مرنے کے ساتھ اس کے اعمال بھی منقطع ہو جاتے ہیں اور مومن کی عمر کی زیادتی اس کی بھلائی میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔

حدیث کی تشریح: موت کی تمنا سے منع فرمایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک آدمی کے اعمال صالحہ میں عمر کے بڑھنے کیساتھ اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر آدمی برے اعمال کا مرتکب ہے تب بھی یہ امید ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کرلے اور اپنے مالک کو راضی کرلے لیکن فرمایا کہ موت کی تمنا یا موت کی دعاء موت کے آنے سے پہلے نہ کرے لیکن اگر موت کا وقت آگیا تو پھر زندگی کی تمنا نہ کرے کہ یہ بظاہر اللہ سے ملاقات سے گریز کے مترادف ہوگا۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وفات قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللّٰھُمَّ الحقنی بالرفیق الاعلیٰ" اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی یا موت کے اختیار کا حق دیا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے پاس مقامات بلند کا انتخاب فرمایا۔

غرض جو شخص اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہے اور اعمال صالحہ میں مصروف اور وہ تمام کام انجام دے رہا ہے جو رضائے الٰہی کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں تو اس کی عمر میں اضافہ ہوگا اسی قدر جنت کی نعمتوں میں بھی اضافہ ہوگا اور اخروی زندگی میں درجات بلند ہوں گے اور جس کے اعمال ایسے نہیں ہیں تو ممکن ہے کہ وہ زندہ رہا تو توبہ کرے اور اللہ کی طرف رجوع کرے اور محسنین میں داخل ہو جائے۔ (فتح الباری: ۸۴/۳، ارشاد الساری: ۱۹۵/۱۵، عمدۃ القاری: ۸/۲، دلیل الفالحین: ۱۹/۳)

تکلیف کی بنا پر موت کی آرزو کرنا جائز نہیں

وعن أنسٍ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((لاَ يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ المَوْتَ لِضُرٍّ أصَابَهُ ، فَإنْ كَانَ لاَ بُدَّ فَاعِلاً ، فَلْيَقُلْ : اللَّهُمَّ أحْيِني مَا كَانَتِ الحَيَاةُ خَيْراً لِي ، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَت الوَفَاةُ خيراً لِي)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص تکلیف پہنچنے کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرے اگر اس نے ضروری ہی کرنی ہے تو یہ کہے اے اللہ! مجھ کو اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہو اور مجھے موت اس وقت دے جب میرے لئے موت بہتر ہو"۔

حدیث کی تشریح: لَایَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ اَصَابَہٗ: تم میں سے کوئی شخص تکلیف وغیرہ پہنچنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، دنیاوی تکالیف ومصائب مثلاً مرض تنگدستی وغیرہ کی وجہ سے موت کی تمنا و آرزو کرنا منع ہے کیونکہ اس میں بے صبری اور تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہونے کی علامت ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دینی فتنہ و فساد کے خوف سے موت کی تمنا کی جاسکتی ہے۔ (روضۃ المتقین)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے طاعون عمواس کے وقت موت کی تمنا کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ شہادت کی تمنا کرنا جائز ہے بلکہ علماء نے اس کو مستحب لکھا ہے۔ (مرقاۃ)

جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہادت اور مدینہ کی موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ جیسے کہ صحیح روایت میں ان کی یہ دعا منقول ہے:

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ" (مرقاۃ بحوالہ بخاری)

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے اپنے راستے کی شہادت نصیب فرما اور اپنے رسول کے شہر میں موت عطا فرما۔"

مکان کی تعمیر پر خرچ کرنے کا اجر نہیں ملتا

وعن قيس بن أبي حازم ، قَالَ : دَخَلْنَا عَلَى خَبَّاب بن الأرتِّ رضي الله عنه نَعُودُهُ وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعَ كَيَّاتٍ ، فَقَالَ : إنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ سَلَفُوا مَضَوْا ، وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا ، وَإنَّا أَصبْنَا مَا لاَ نَجدُ لَهُ مَوْضِعاً إلاَّ التُّرَابَ وَلولا أنَّ النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أنْ نَدْعُوَ بالمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ . ثُمَّ أتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى وَهُوَ يَبْنِي حَائِطاً لَهُ ، فَقَالَ : إنَّ الْمُسْلِمَ لَيُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يُنْفِقُهُ إلاَّ فِي شَيْءٍ يَجْعَلُهُ فِي هَذَا التُّرَابِ . متفقٌ عَلَيْهِ ، وهذا لفظ رواية البخاري .

ترجمہ۔"حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کرنے گئے اور انہوں نے سات داغ لگوائے تھے۔انہوں نے کہا ہمارے وہ ساتھی جو پہلے گزر چکے ہیں جو چلے گئے ان کو دنیا نے عیب ناک نہیں کیا اور ہمیں اتنا مال حاصل ہو گیا ہے کہ ہم اس کیلئے مٹی کے سوا اور کوئی جگہ نہیں پاتے۔اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرماتے تو میں اس کی ضرور دعا کرتا پھر ہم دوبارہ ان کے پاس آئے تو وہ اپنی دیوار بنا رہے تھے پس انہوں نے کہا کہ مؤمن جہاں بھی خرچ کرتا ہے تو اسے اجر ملتا ہے سوائے اس خرچ کے جو وہ اس مٹی پر کرتا ہے"۔

حدیث کی تشریح

وَقَدِ اكْتَوٰى سَبْعَ كَيَّاتٍ: انہوں نے بطور علاج کے سات داغ لگوائے۔داغ لگانا یہ علاج تھا زمانہ جاہلیت میں کہ لوہا گرم کر کے متعلقہ حصوں پر داغ دیا جاتا تھا جس سے شفا ہو جاتی تھی۔ابتداء اسلام میں اس سے منع کر دیا گیا پھر اس کی اجازت دے دی گئی تو حدیث بالا میں حضرت خباب نے اپنی بیماری کے علاج کے لیے ایک دو بار نہیں سات بار داغ لگوایا مگر شفاء نہیں ہوئی کیونکہ شفاء تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَهُوَ يَبْنِيْ حَائِطًا لَهٗ: کوئی دیوار بنا رہے تھے۔بقدر ضرورت مکان بنانا جس سے آدمی اپنا سر چھپا سکے اور سردی وگرمی بارش وغیرہ سے بچاؤ کر سکے۔یہ تو ضرورت ہے ایسے مکان بنانے پر تو اجر وثواب بھی ملے گا۔

''اِنَّ الْمُسْلِمَ لَيُؤْجَرُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ يُنْفِقُهٗ اِلاَّ فِيْ شَيْءٍ يَجْعَلُهٗ فِيْ هٰذَا التُّرَابِ''

ترجمہ:"مؤمن جس پر بھی خرچ کرے اسے اجر ملتا ہے اس خرچ کے علاوہ جو مٹی پر کرتا ہے۔"

ایسی تعمیر جو ضرورت سے زائد ہو یا ضرورت کے بقدر تعمیر تو ہو مگر اس پر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے اس کے لیے یہ وعید ہے اگر ضرورت کے بقدر ہو تو اس کے لیے یہ وعید نہیں ہو گی۔(روضۃ المتقین)

باب الورع وترک الشبہات
ورع اور ترک شبہات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّناً وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌo

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ترجمہ ”اور تم اس کو ہلکی بات سمجھتے ہو اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی بات ہے۔“ (النور:۱۵)

تفسیر: آیت مبارکہ کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت سے ہے کہ جو بعض لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان لگایا جسے ”افک“ کہتے ہیں۔ اس کی برأت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر لگائی گئی تہمت کا ازالہ ایک بچے سے کرایا گیا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی برأت کی تصدیق ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی کرائی گئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔

مقصود یہ ہے کہ سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے نقل کرنا برائی ہے۔ اگر کسی خاتون کی عصمت کے بارے میں ہو تو بہت ہی بڑی برائی ہے۔ تم اس بات کو ہلکا اور معمولی سمجھ رہے ہو لیکن یہ اللہ کے یہاں ایک عظیم جرم عظیم ہے۔ (معارف القرآن)

وَقَالَ تَعَالٰی: اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِo

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”بے شک تیرا رب گھات میں ہے۔“ (الفجر:۱۴)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور یہ سارے اعمال اللہ کے فرشتے لکھ رہے ہیں۔ تمہارا کوئی عمل اور کوئی حرکت اللہ سے مخفی نہیں ہے پھر تمہیں حساب کے لیے ہمارے سامنے پیش ہونا ہے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ (معارف القرآن)

حلال اور حرام واضح ہیں

وعن النعمان بن بشير رضي الله عنهما ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((إنَّ الحَلاَلَ بَيِّنٌ ، وَإنَّ الحَرامَ بَيِّنٌ ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهُنَّ كَثيرٌ مِنَ النَّاسِ ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ ، اسْتَبْرَأَ لِدِينهِ وَعِرْضِهِ ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الحَرَامِ ، كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الحِمَى يُوشِكُ أنْ يَرْتَعَ فِيهِ ، ألاَ وَإنَّ لكُلِّ مَلِكٍ حِمَىً ، ألاَ

وَاِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ ، أَلاَ وَاِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَت صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلاَ وَهِيَ القَلْبُ)) متفقٌ عَلَيْهِ ، ورروياهِنْ طرق بألفاظٍ متقاربةٍ

ترجمہ۔"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں چیزوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو شخص شبہات میں گر پڑا تو وہ حرام میں مبتلا ہو گیا کہ وہ چرواہا جو چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں بھی چرانے لگے۔ خبر دار ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے۔ خبر دار اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ خبر دار جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہوا تو سارا جسم صحیح اور اگر وہ خراب ہوا تو تمام جسم خراب ہوتا ہے' خبر دار وہ ٹکڑا دل ہے (بخاری و مسلم)
اور ان دونوں نے اس روایت کو مختلف طریقوں سے متقارب الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے"۔

حدیث کی تشریح: اس حدیث کی اہمیت بعض حضرات نے اس حدیث کو ثلث الاسلام کہا ہے ان حضرات کے نزدیک اسلام کا خلاصہ تین احادیث میں جمع ہے۔

(۱)...... حدیث بالا

(۲)......اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

(۳)......مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَالاَ یَعْنِیْهِ (عمدة القاری)

امام ابو داؤد کا پانچ لاکھ احادیث میں سے چار احادیث کا انتخاب

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے اپنی کتاب ابو داؤد شریف میں چار ہزار آٹھ سو احادیث کو جمع کیا۔ وہ فرماتے ہیں انسان کے لیے چار احادیث کافی ہیں۔

(۱)......اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

(۲)...... مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَالاَ یَعْنِیْهِ

(۳)...... لَایَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِنًا حَتّٰی یَرْضٰی لِاَخِیْهِ مَایَرْضٰی لِنَفْسِهٖ

(۴)......اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ (یعنی حدیث بالا) (سیر اعلاء النبلا)

اس حدیث کی اہمیت کی وجہ حضرات محدثین یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک طرف تو اس میں کھانے پینے وغیرہ میں حلال کا استعمال ارشاد فرمایا اور ترک حرام کو بتانے کے ساتھ مشتبہات کو چھوڑنے کا ارشاد فرمایا اور ان سب باتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال کے ذریعہ ارشاد فرمایا۔ پھر آخر میں اہم ترین امر یعنی احوال دل کی مراعات و نگرانی کے بارے میں بھی تاکید فرمادی۔ (عمدۃ القاری)

''إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَايَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ''
حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اس جملہ کا مطلب علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ بہت سی چیزیں حلال ہیں اور وہ واضح ہیں اور بہت سی چیزیں حرام ہیں وہ بھی واضح ہیں اور بہت سی چیزیں مشتبہات میں ہیں اس سے بچنا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر وہ فی نفسہ حرام ہے تو آدمی حرام سے محفوظ رہے گا اور اگر وہ فی نفسہ مباح ہے تو بھی اس نیت حسنہ کی وجہ سے کہ وہ حرام کے خوف سے چھوڑ رہا ہے اس کو چھوڑنے پر اجر اور ثواب ملے گا۔ (فتح الباری)
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشتبہات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن میں حرمت اور حلت کے دلائل متعارض موجود ہوں تو اب اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ (شرح مسلم للنووی)
''كَالرَّعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشَكُ اَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ''
جیسے کہ چرواہا چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے تو قریب ہے کہ وہ جانوروں کو اس میں داخل کر دے گا۔ قدیم زمانے کا دستور یہ تھا کہ بادشاہ اور بڑے لوگ زمین کا کچھ حصہ اپنے لیے مخصوص کر لیتے تھے اس میں سبزہ ہوتا تھا اگر کسی دوسرے کا جانور اس میں آجاتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی اور چرواہے کی سمجھداری یہ ہے کہ وہ ایسی چراگاہ کے قریب بھی اپنے جانوروں کو نہ لے جائے تاکہ اس میں وہ داخل نہ ہو جائے تو اس مثال سے سمجھایا جا رہا ہے کہ آدمی حرام کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہات سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے ورنہ حرام میں پڑ جائے گا۔ (فضل الباری)
''اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً'' آگاہ ہو کہ جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے۔
ایک دوسری روایت میں آتا ہے: ''اَلْقَلْبُ مَلِكٌ وَلَهُ جُنُوْدٌ وَ اِذَا صَلَحَ الْمَلِكُ صَلَحَتْ جُنُوْدُهُ وَاِذَا فَسَدَ الْمَلِكُ فَسَدَتْ جُنُوْدُهُ'' (بیہقی فی شعب الایمان) کہ دل کی مثال انجن کی طرح ہے یہ جس طرف ڈبے کو کھینچے گا اسی طرف ڈبے جائیں گے۔ (فضل الباری)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقہ نہیں کھاتے تھے

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ' وَجَدَ تَمْرَةً فِي الطَّرِيْقِ' فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستے میں کھجور پڑی ہوئی ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقہ کی ہوگی تو میں کھا لیتا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت پر صدقہ حلال نہیں تھا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں آل محمد کو صدقہ حلال نہیں ہے۔ اگر راستہ میں کسی کو کوئی شے پڑی ہوئی ملے جس کے بارے میں خیال ہو کہ اس کا مالک اس کی تلاش میں نہیں نکلے گا تو اسے اُٹھا کر استعمال میں لانا صحیح ہے اور اس کی تعریف کی (یعنی لوگوں کو بتانے اور اعلان کرنے کی) ضرورت نہیں۔ (فتح الباری: ۱/۸۶۱۰۸ارشاد الساری: ۵/۱۷)

گناہ اور نیکی کی پہچان

وعن النَّواسِ بن سمعان رضي الله عنه ، عن النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((البِرُّ : حُسْنُ الخُلُقِ، وَالإِثْمُ : مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) رواه مسلم.
((حَاكَ)) بالحاء المهملةِ والكاف : أيْ تَرَدَّدَ فِيهِ .

ترجمہ۔ ”حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' نیکی' اچھے اخلاق ہیں اور برائی وہ ہے جو تیرے نفس میں کھٹکے اور تو اس کو ناپسند کرے کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو جائے“۔ (مسلم)

حاک۔ جائے مہملہ اور کاف کے ساتھ یعنی جس میں شک ہو۔

حدیث کی تشریح: اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے۔ اسلام میں اچھے اخلاق کی بار بار ترغیب دی گئی ہے۔ اچھے اخلاق میں لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا' لوگوں کو تکلیف نہ دینا' ان کو آرام و سہولت پہنچانا' لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور نیک کام میں تعاون کرنا' یہ سب اچھے اخلاق میں داخل ہیں۔

”وَالْاِثْمُ مَاحَاكَ فِيْ صَدْرِكَ“:

مطلب یہ ہے کہ کوئی کام ایسا کیا جائے جس سے آدمی کے دل و دماغ میں یہ ڈر پیدا ہو جائے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو میں کیا جواب دوں گا؟ حدیث بالا میں شر اور گناہ کے کام کی دو علامات بیان کی جا رہی ہیں۔

(۱)......حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ: دل میں کھٹکا پیدا ہو جائے۔

(۲)...... كَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ: کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو یہ ناپسند کرے اور تمنا کرے کہ اس بات کی لوگوں کو اطلاع نہیں ہونا چاہیے۔ (دلیل الطالبین)

حدیث بالا سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ اگر آدمی اپنے دل کو مسخ نہ کرے تو اللہ نے اس دل میں یہ خوبی رکھی ہے کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل جانے۔ ہاں اگر اس نے اپنے دل کو مسخ کر دیا تو اب یہ حق کو باطل اور باطل کو حق جانے گا۔

گناہ وہ ہے جو دل میں شک پیدا کرے

وعن وَابِصَةَ بن مَعبدٍ رضي الله عنه ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ: ((جِئتَ تَسْأَلُ عَنِ البرِّ ؟)) قُلْتُ : نعَمْ ، فَقَالَ : ((اسْتَفْتِ قَلْبَكَ ، البرُّ : مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفسُ ، وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ القَلْبُ ، وَالإثْمُ : مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ ، وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ ، وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتُوكَ)) حديث حسن ، رواه أحمد والدَّارمِيُّ في مُسْنَدَيْهِمَا .

ترجمہ۔ ”حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نیکی کے متعلق سوال کرنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے دل سے پوچھو نیکی وہ ہے جس پر نفس مطمئن ہو اور دل بھی اس پر مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو نفس میں کھٹکے اور دل میں تردد (شک) ہو اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دے دیں اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دے دیں۔ یہ حدیث حسن ہے احمد اور دارمی نے اپنی مسند کتابوں میں روایت کی ہے“۔

حدیث کی تشریح :مَااطْمَأَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ: اس حدیث میں نیکی اور بدی کو پہچاننے کے لیے ایک ایسی واضح علامت بتائی گئی ہے جسے ہر ایک عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے کہ جس قول یا عمل پر طبیعت میں خلش و چبھن اور دل میں شک پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ قول یا فعل برا ہے اور جس میں یہ بات پیدا نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نیکی ہے۔

وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ: کہ گناہ وہ ہے جس سے انسان کا دل خلش محسوس کرے اور اسکے دل میں شک پیدا ہو جائے۔ اگرچہ لوگ اس کے صحیح ہونے پر فتویٰ بھی دے دیں۔ اس کی مثال یوں سمجھ لینی چاہیے کہ مثلاً ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اسکے پاس حلال اور حرام دونوں قسم کا مال ہے وہ تم کو اس میں سے کچھ دینا چاہتا ہے تمہارا دل اس بات پر مطمئن ہو کہ جو مال دے رہا ہے وہ حلال مال میں سے ہے تو اسکو لے لو اور اگر دل یہ کہے کہ یہ حرام مال دے رہا ہے اگرچہ زبانی طور سے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال ہے تب بھی اس کو نہ لو۔ اس کی اس بات پر کہ یہ حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال ہے اس پر مفتی فتویٰ بھی دے دے کہ اس مال کا لینا جائز ہے تب بھی نہ لو۔(مظاہر حق)

فائدہ

علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ اس دل کی بات ہے جو قلب سلیم ہو کہ اس نے نفسانی خواہشات سے دل کو مسخ نہ کر لیا ہو اگر دل مسخ ہو چکا ہو تو اب یہ دل حق کو حق نہیں جانے گا۔(مظاہر حق)

رضاعت میں شک کی بنیاد پر نکاح نہ کرے

وعن أبي سِرْوَعَةَ - بكسر السين المهملة وفتحها - عُقْبَةَ بنِ الحارثِ - رضي الله عنه - : أنَّهُ تَزَوَّجَ ابنَةً لأبي إهَابِ بن عزيز ، فَأتَتْهُ امْرَأةٌ ، فَقَالَتْ : إنّي قَدْ أرضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي قَدْ تَزَوَّجَ بِهَا . فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ : مَا أعْلَمُ أنَّك أرضَعْتِنِي وَلاَ أخْبَرْتِنِي ، فَرَكِبَ إِلَى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بِالمَدِينَةِ ، فَسَألَهُ : فَقَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((كَيْفَ ؟ وَقَد قِيلَ)) فَفارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجاً غَيْرَهُ . رواه البخاري .

((إهَابٌ)) بكسر الهمزة وَ((عَزِيزٌ)) بفتح العين وبزاي مكررة .

ترجمہ: حضرت ابو سروعہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو اہاب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کرلیا۔ان کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے عقبہ کو اور اس عورت کو جس کے ساتھ انہوں نے نکاح کیا ہے دودھ پلایا ہے۔ عقبہ نے اس سے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے پہلے کبھی بتایا۔ وہ سوار ہوئے اور مدینہ منورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیسے جب کہ یہ بات کہہ دی گئی۔ عقبہ نے اس عورت سے علیحدگی اختیار کرلی اور اس عورت نے کسی اور سے نکاح کرلیا۔(بخاری)

اہاب۔ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ۔ عزیز یمین کے زیر کے ساتھ اور دو زاء کے ساتھ۔

حدیث کی تشریح: حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک رضاعت کے اثبات کے لیے دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثبوت رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک اس حدیث کا تعلق ورع اور تقویٰ سے ہے کہ احتیاط کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر ایک عورت بھی کہے تب بھی رضاعت کے معاملے میں جدائی بہتر ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا گیا ہو۔(فتح الباری:۱/۲۹۵، روضۃ المتقین:۲/۱۴۰، دلیل الفالحین:۳/۲۹، مظاہر حق:۳/۳۲۶)

شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ دینا

وعن الحسن بن علي رضي الله عنهما ، قَالَ : حَفِظتُ من رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((دَعْ مَا يريبُكَ إِلَى ما لاَ يَرِيبُكَ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) . معناه : اتْرُكْ مَا تَشُكُّ فِيهِ ، وَخُذْ مَا لاَ تَشُكُّ فِيهِ .

ترجمہ۔ ''حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے یاد کیا ہے کہ آپ نے فرمایا چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اسے اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے (ترمذی حدیث صحیح حسن ہے) اسکے معنی ہیں جس میں تمہیں شک ہو وہ چھوڑ دو جس میں شک نہ ہو اختیار کر لو"۔

حدیث کی تشریح: دَعْ مَایُرِیْبُكَ اِلٰی مَالاَ یُرِیْبُكَ: چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اسے اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔ محدثین اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس چیز کی حلت و حرمت میں انسان کا دل شک میں مبتلا ہو جائے اس کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ انسان کا دل اگر صحیح ہو تو وہ غلط چیز کی طرف رہنمائی نہیں کرتا اس چیز میں شک کا آنا اس چیز کے غلط ہونے کی نشانی ہے اور جس چیز کے بارے میں انسان کا دل مطمئن ہو تو یہ اس کے حق اور سچ ہونے کی نشانی ہے۔ بہر کیف حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں کے ساتھ بہت سی مباح چیزوں سے بچنا ہوگا کہ کہیں اس کے ذریعے سے غلط امور میں نہ پھنس جائیں۔ (مرقاۃ ۶/۴۳ مظاہر حق: ۳/۴۳)

اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے دس حلال حصوں میں سے نو حصے چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے کہ ہم نے حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے مباح کے ستر حصے چھوڑ دیئے۔ (مظاہر حق: ۳/۴۶)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حرام چیز پیٹ میں جانے کے باعث قے کر دی

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : كَانَ لأبي بَكر الصديق رضي الله عنه غُلاَمٌ يُخْرِجُ لَهُ الخَرَاجَ ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خَرَاجِهِ ، فَجَاءَ يَوْماً بِشَيءٍ ، فَأكَلَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ ، فَقَالَ لَهُ الغُلاَمُ : تَدْرِي مَا هَذَا ؟ فَقَالَ أَبُو بكر : وَمَا هُوَ ؟ قَالَ : كُنْتُ تَكَهَّنْتُ((٢)) لإنْسَانٍ في الجَاهِلِيَّةِ وَمَا أُحْسِنُ الكِهَانَةَ ، إلاَّ أنّي خَدَعْتُهُ ، فَلَقِيَنِي ، فَأَعْطَانِي لِذلِكَ ، هَذَا الَّذِي أكَلْتَ مِنْهُ ، فَأدْخَلَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِي بَطْنِهِ . رواه البخاري . ((الخَرَاجُ)) : شَيْءٌ يَجْعَلُهُ السَّيِّدُ عَلَى عَبْدِهِ يُؤدِّيهِ كُلَّ يومٍ ، وَبَاقِي كَسْبِهِ يَكُونُ لِلْعَبْدِ .

ترجمہ۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ کیلئے کماتا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کمائی سے کھاتے تھے ایک دن وہ غلام کوئی چیز لایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کھالیا کھانے کے بعد اس غلام نے کہا آپ نے جو کھایا ہے کیا چیز ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کیلئے نجومیوں والا کام کیا تھا حالانکہ میں نجومیوں والے علم سے اچھی

طرح واقف بھی نہیں پس میں نے اس کو دھوکہ دیا تھا۔ آج وہ مجھے ملا اور اس نے مجھے یہ چیز دی جس سے آپ نے کھایا پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈالا اور اس چیز کو پیٹ سے قے کر کے باہر نکال دیا"۔

خراج۔ وہ رقم جو آقا روزانہ اپنے غلام پر خرچ کرتا ہے اور غلام کما کر واپس کرتا ہے اور باقی خود رکھ لیتا ہے۔

حدیث کی تشریح: كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ: کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کے لیے نجومیوں والا کام کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عربوں میں علم نجوم کا سلسلہ بہت عام تھا۔ اسلام نے آکر اس سلسلہ کو حرام قرار دیا اور اس کی آمدنی کو ناجائز قرار دیا۔

فَأَدْخَلَ أَبُوْبَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِيْ بَطْنِهِ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ میں منہ میں ڈال کر پیٹ میں جو کچھ تھا اس سب کو قے کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ یہ کہانت (نجومی) کی کمائی کی حرام چیز تھی اس لیے انہوں نے قے کر کے اس کو نکال دیا۔ (بخاری)

حرام چیز کو پیٹ میں جانے کے بعد بھی نکالنا ضروری ہے یا نہیں؟

علماء فرماتے ہیں کہ جو حرام چیز پیٹ میں چلی گئی اب اس کا نکالنا ضروری نہیں ہے مگر یہاں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو نکالا اس کی وجہ کمال احتیاط اور کمال تقویٰ کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ورع یعنی تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے تھا۔ (مظاہر حق)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بالا سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی حرام چیز کھالی ہو اور یہ چیز اس نے جان کر کھائی ہو یا بغیر جان کے کھائی تو اس پر لازم ہے کہ اس کو قے کر کے پیٹ سے باہر نکال دے۔ (مظاہر حق)

حضرت عمر نے اپنے بیٹے ابن عمر کا وظیفہ کم مقرر فرمایا

وعن نافِع : أن عُمَرَ بن الخَطّاب رضي الله عنه كَانَ فَرَضَ لِلمُهَاجرينَ الأَوَّلِينَ أرْبَعَةَ الآفٍ وَفَرَضَ لابْنِهِ ثَلاثَةَ آلافٍ وَخَمْسَمئةٍ ، فَقيلَ لَهُ : هُوَ مِنَ المُهَاجرينَ فَلِمَ نَقَصْتَهُ ؟ فَقَالَ: إنَّمَا هَاجَرَ بِهِ أبُوهُ . يقول : لَيْسَ هُوَ كَمَنْ هَاجَرَ بنَفْسِهِ . رواه البخاري .

ترجمہ۔ "حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اولین کیلئے چار چار ہزار اور اپنے بیٹے کیلئے ساڑھے تین ہزار وظیفہ مقرر فرمایا ان سے پوچھا گیا کہ یہ بھی تو مہاجرین میں سے ہیں پھر آپ نے ان کا وظیفہ کیوں کم کر دیا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے ساتھ ان کے باپ نے بھی ہجرت کی تھی مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہے جنہوں نے انفرادی طور پر ہجرت کی ہو"۔

حدیث کی تشریح: فَقِيلَ لَهُ هُوَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَلِمَ نَقَصْتَهُ؟ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مہاجرین میں سے ہیں تو ان کا وظیفہ کیوں کم کر دیا؟ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ورع و تقویٰ کا بیان ہے کہ انہوں نے بیت المال میں سے اپنے بیٹے کا وظیفہ پانچ سو درہم کم کر دیا۔ صرف اس بناء پر کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والدین کے ساتھ ہجرت کی اس لیے ان کا مجاہدہ کم ہو گیا بنسبت ان مہاجرین کے جنہوں نے اکیلے ہجرت کی اس لیے ان مہاجرین کا وظیفہ پانچ سو درہم زیادہ مقرر کیا۔ (روضۃ المتقین)

هَاجَرَبِهِ اَبُوْهُ: اپنے والد کے ساتھ ہجرت کی۔ بخاری کی دوسری روایت میں "هَاجَرَبِهِ اَبَوَاهُ" کا لفظ ہے کہ والدین کے ساتھ ہجرت کی۔

باب استحباب العزلة عند فساد الناس والزمان أو الخوف من فتنة في الدين ووقوع في حرام وشبهات ونحوها

فسادِ زمانہ یا کسی دینی فتنہ میں مبتلا ہونے یا حرام کام یا شبہات میں مبتلا ہونے کے خوف سے عزلت نشینی کا انتخاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌo

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ترجمہ "دوڑو اللہ کی جانب میں میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔" (الذاریات: ۵۰)

تفسیر: خالق ارض و سماء اللہ تعالیٰ ہے انسان کا خالق و مالک اور رازق اللہ تعالیٰ ہے' انسان کو پھر اللہ کے حضور میں حاضر ہونا اور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اللہ کی طرف دوڑو' اس کی طرف رجوع کرو اور اس کے حضور میں توبہ اور انابت کرو' اگر تم اللہ کی طرف رجوع نہ ہوئے تو اس کی کامل بندگی اختیار نہ کی تو میں تمہیں صاف صاف لفظوں میں ایک بہت برے انجام سے ڈراتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

پرہیزگار بے نیاز مومن اللہ کو محبوب ہے

وعن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقول : ((إنَّ الله يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الغَنِيَّ الْخَفِيَّ)) رواه مسلم .والمُرَادُ بـ ((الغَنِيّ)) غَنِيُّ النَّفْسِ ، كَمَا سَبَقَ في الحديث الصحيح .

ترجمہ۔ "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت رکھتا ہے جو پرہیزگار' مخلوق سے بے نیاز اور پوشیدہ ہو''۔ (مسلم)

غنی سے مراد غنی نفس ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے ایک حدیث میں آیا ہے۔

حدیث کی تشریح: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ: اللہ جل شانہ اس بندے سے محبت کرتے ہیں جو پرہیزگار ہو' متقی ہو۔ یہی بات قرآن مجید کی اس آیت میں بھی آتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (سورۃ التوبہ)

علماء کہتے ہیں کہ متقی اس کو کہتے ہیں جو محرمات کے ساتھ ساتھ مکروہات بلکہ مشتبہات سے بھی اپنے آپ کو بچاتا ہو۔ (روضۃ المتقین)

''اَلْغَنِيَّ'': جو بے نیاز ہو' یہاں غنی سے دنیاوی مال دولت والا مراد نہیں ہے بلکہ دل کا غنی ہونا مراد ہے جیسے کہ دوسری روایت میں آتا ہے:

اَلْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ ''اصل غنی تو دل کا غنی ہوتا ہے۔'' (روضۃ المتقین)

''الخفی'' چھپا ہوا ہو یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ فساد زمانہ اور لوگوں سے اختلاط کی صورت میں دین کا محفوظ رکھنا مشکل ہو۔ علماء فرماتے ہیں ابھی یہ وقت نہیں آیا کہ آدمی لوگوں کو چھوڑ کر جنگل میں چلا جائے اور عبادت میں لگ جائے۔

ایمان بچانے کی خاطر پہاڑ کی گھاٹی میں بندگی کرنا

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رَجُلٌ : أيُّ النَّاسِ أفْضَلُ يَا رسولَ الله ؟ قَالَ : ((مُؤْمِنٌ مُجَاهِدٌ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبيلِ اللهِ)) قَالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((ثُمَّ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ)) . وفي رواية : ((يَتَّقِي اللهَ ، وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ کسی شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کون شخص افضل ہے فرمایا کہ وہ مؤمن جو اپنی جان اور مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کرے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو لوگوں سے کنارہ کش ہو کر کسی گھاٹی میں بندگی رب میں لگا ہوا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ سے ڈرتا ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ کیا ہوا ہو۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے سوالات کا حکیمانہ جواب ارشاد فرماتے اور جواب دیتے وقت سائل کی حاضرین مجلس کی اور وقت اور موقعہ کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔ یہ سوال متعدد صحابہ کرام نے کیا کہ **ای الناس افضل** (کہ کون شخص افضل ہے؟) چنانچہ بعض روایات میں **خیر الناس منزلاً** (لوگوں میں مرتبہ میں بہتر) اور بعض روایات میں **ای الناس اکمل ایماناً** (کہ کون شخص ہے جس کا ایمان زیادہ کامل ہے؟)

سوال کی اساس یہ ہے کہ اگر سب مؤمن ہوں اور جملہ فرائض و واجبات ادا کر رہے ہوں تو ان میں افضل یا اکمل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو ہیں ایک مجاہد فی سبیل اللہ جو اپنی جان اور مال سے اللہ کے راستے میں جہاد میں لگا ہوا ہے اور دوسرا وہ جو کہیں چھپ کر اللہ کی بندگی میں لگا ہوا ہو اور اس کی عزلت نشینی نے لوگوں کو اس کے شر سے بچایا ہو۔ ایک اور موقعہ پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ **ای المسلمین خیراً** (کون سا مسلم زیادہ اچھا ہے؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اس حدیث سے بعض علماء نے عزلت نشینی کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہنا زیادہ افضل ہے بشرطیکہ آدمی احکام شریعت کا پابند اور فتنوں سے مجتنب رہنے پر قادر ہو۔ فتنوں کے زمانے میں تنہا رہنا اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہنا تاکہ فتنوں اور آزمائشوں سے احتراز ہو سکے زیادہ بہتر ہے۔ (فتح الباری: ۲/۴۴ا، روضۃ المتقین: ۲/۱۴۵، دلیل الفالحین: ۳/۳۵)

فتنہ کے زمانے میں آدمی لوگوں سے الگ تھلگ رہے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((يُوشِكُ أنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الجِبَالِ ، وَمَوَاقعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الفِتَنِ)) رواه البخاري . و((شَعَفُ الجِبَالِ)) : أعْلاَهَا .

ترجمہ۔ "سابق راوی ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش برسنے والی جگہوں پر چلا جائے گا اس کا یہ فرار فتنوں سے اپنے دین کو بچانے کیلئے ہوگا"۔ (بخاری)

شعف الجبال. پہاڑوں کی بلندی

حدیث کی تشریح: خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ: علماء فرماتے ہیں بکری کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کے اندر مسکنت اور تواضع ہوتی ہے اور اس کو اٹھا کر انسان پہاڑی پر جا کر خلوت نشینی اختیار کر سکتا ہے اور

بعض علماء نے اس کی دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ بکری منفعت میں زیادہ ہے اور مشقت میں کم ہے کہ اگر اس کے لیے آپ دانہ اور چارے کا انتظام نہ کر سکیں تو وہ خود اپنے چارے کا انتظام کر لیتی ہے اور اس کا دودھ غذا اور مشروب دونوں کا کام دیتا ہے اور اس کی نسل بھی زیادہ ہوتی ہے۔(امدادالباری)

''مَوَاقِعَ الْقَطْرِ'' : بارش برسنے کی جگہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں پر زیادہ بارش ہوتی ہے جیسے وادیاں، صحرا، اور جنگلات وغیرہ۔(فتح الباری)

''یَفِرُّ بِدِیْنِہٖ مِنَ الْفِتَنِ'': اس کا یہ بھاگنا فتنوں سے اپنے دین کو بچانے کے لیے ہوگا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتن سے مراد عرف شرع میں یہ ہے کہ دینی امور کی مخالفت عام ہو جائے اور اس کی حفاظت مشکل ہو جائے اور اس کے اسباب وذرائع مفقود ہو جائیں تو کمزوروں کو اجازت ہے کہ وہ حفاظت دین کی خاطر نکل جائیں۔

گوشہ نشینی کب جائز ہے؟

علماء فرماتے ہیں کہ اگر فتنوں کا زمانہ نہ ہو تو اختلاط بہتر ہے کیونکہ اس میں بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جو گوشہ نشینی میں حاصل نہیں ہو سکتے۔(درس بخاری)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَالْمُخْتَارُ تَفْضِیْلُ الْخلطَةِ لِمَنْ لاَ یَغْلِبُ عَلٰی ظَنِّهٖ الْوُقُوْعُ فِی الْمَعَاصِیْ'' (فتح الباری)

ترجمہ: ''اختلاط اولیٰ اور افضل ہے اس شخص کے لیے جس کو اپنے دین میں نقصان کا خطرہ نہ ہو۔ ہاں اگر فتنے کا دور ہے اور وہ شخص فتنوں کے دبانے پر قادر نہیں تو اب اس کے لیے تنہائی اور یکسوئی اختیار کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔(عمدۃ القاری)

انبیاء علیہم السلام کا بکریاں چرانا

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيّاً إلاَّ رَعَى الْغَنَمَ)) فَقَالَ أصْحَابُهُ : وأنْتَ ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ، كُنْتُ أرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ((٥)) لأَهْلِ مَكَّةَ)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا ہے اس نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے مکہ والوں کی بکریاں چند قراریط کے عوض چرائی ہیں۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں بیان ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بکریاں چرائیں اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی بنا کر مبعوث کیے گئے انہوں نے بکریاں چرائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا انہوں نے بکریاں چرائیں اور خود میں نے اجیاد میں اپنے اہل کی بکریاں چرائیں۔“

انسانوں کا معاملہ بھی بکریوں کی طرح ہے ان کو بھی ایک گلہ بان کی ضرورت ہے جو ان کو صحیح راستہ پر لے کر چلے‘ راستے میں بھیڑیوں اور درندوں سے ان کی حفاظت کرے‘ ہر ایک انسان پر نظر رکھے کہ کہیں وہ گلے سے علیحدہ تو نہیں ہو گیا۔ یہ بھی دیکھے کہ کسی کے پیر میں کانٹا تو نہیں چبھ گیا یا کوئی خار دار جھاڑی میں تو نہیں اُلجھ گیا‘ پھر ان سب کو اندھیرا پھیلنے سے پہلے بحفاظت منزل تک پہنچا دے۔ انسانوں کا گلہ بان اللہ کا فرستادہ رسول ہوتا ہے۔ گلہ اُمت ہے‘ راستہ راہ حق ہے‘ راستے کے خطرات وہ فتنے ہیں جو دین پر چلنے میں پیش آتے ہیں۔ منزل آخرت کی فلاح اور کامیابی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو بکریوں کے چرانے کی ذمہ داری اس لیے سپرد ہوتی ہے کہ انہیں بعد میں انسانوں کو تعلیم و تربیت دینا اور ان کو راہ حق پر لے کر چلنا اور منزل کی جانب رہنمائی کرنا آسان ہو جائے۔ جو تکلیف و مشقت اور محنت و مصیبت بکریاں چرانے میں پیش آتی ہیں اسی طرح کی تکالیف کو سہنا مصائب کا برداشت کرنا اور صبر و ضبط اور استقلال کا مظاہرہ کرنا انسانوں کی تعلیم و تربیت میں بھی لازم ہے۔ اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے اور اس راستے میں پیش آنے والی صعوبتیں انتہائی گراں اور بے شمار ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ”سب سے زیادہ ابتلاء سے گزرنے والے انبیاء ہیں۔“ (اشد الناس بلاءً الانبیاء) (فتح الباری: ۱/۱۱۴۶‘ عمدۃ القاری: ۱۲/۱۱۲)

جہاد میں نکلنے کے لیے تیار رہنے والا اللہ کو محبوب ہے

وعنه ، عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أنَّه قَالَ : ((مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لهم رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبيلِ الله، يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً ، طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي القَتْلَ ، أَوْ المَوْتَ مَظَانَّه ، أَوْ رَجُلٌ فِي غُنَيمَةٍ فِي رَأسِ شَعَفَةٍ مِنْ هذِهِ الشَّعَفِ ، أَوْ بَطنِ وَادٍ مِنْ هذِهِ الأَوْدِيَةِ ، يُقِيمُ الصَّلاَةَ ، وَيُؤتِي الزَّكَاةَ ، وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتَّى يأتِيَهُ اليَقِينُ ، لَيسَ مِنَ النَّاسِ إلاَّ فِي خَيْرٍ)) رواه مسلم . ((يَطِيرُ)) : أيْ يُسْرِعُ . وَ((مَتْنُهُ)) : ظَهْرُهُ . وَ((الهَيْعَةُ)) : الصوتُ للحربِ . وَ((الفَزعَةُ)) : نحوه .

وَ((مَظَانُّ الشَيْءِ)) : المواضعُ الَّتي يُظَنُّ وجودُهُ فِيهَا . وَ((الغُنَيْمَة)) بضم الغين : تصغير الغنم . وَ((الشَّعَفَةُ)) بفتح الشين والعين : هي أعلى الجَبَل .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بہتر زندگی اس آدمی کی ہے جو اللہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے اس کی پشت پر بیٹھا اڑا چلا جاتا ہو۔ جب بھی کوئی خوفناک آواز یا گھبراہٹ سنتا ہے تو شہادت کے یا موت کے مواقع تلاش کرتا ہوا اس آواز کی طرف اڑ کر چلا جاتا ہے۔ یا وہ شخص ہے جو اپنی بکریوں میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی وادی میں رہ کر نماز ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے اور موت تک اللہ کی عبادت کرتا ہے لوگوں سے اس کا واسطہ صرف خیر کا اور بھلائی کا واسطہ ہے۔ (مسلم)

یطیر : اڑ کر جاتا ہے یعنی جلدی کرتا ہے۔ متنہ : اس کی پشت۔ ھیعۃ : جنگ کی آواز۔ فزعۃ : خوفناک آواز۔ مظان الشی : وہ مواقع جہاں کسی شئے کا وجود متوقع ہو۔ غنیمہ : غین کے پیش کے ساتھ چھوٹی بکری۔ شعفہ : پہاڑ کی چوٹی۔

حدیث کی تشریح: سب سے عمدہ زندگی اس مجاہد فی سبیل اللہ کی ہے جو گھوڑے کی پشت پر سوار میدان کار زار میں مصروف جہاد رہتا ہے جہاں اسے حق و باطل کی کوئی رزم گاہ نظر آئی وہ وہاں اُڑ کر پہنچ گیا' وہ شوق شہادت میں تلواروں کی جھنکار میں راحت و چین پاتا ہے یا اس شخص کی زندگی بہترین ہے جو اپنی بکریاں لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چلا گیا یا کسی وادی میں پہنچ گیا۔ اب وہ ہر طرف سے مستغنی ہو کر اللہ کی بندگی میں مصروف ہے۔ لوگوں سے اس کا تعلق صرف خیر اور بھلائی کا تعلق ہے اور اس کے سوا کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عزلت اور گوشہ نشینی آدمی کو غیبت سے برائیوں سے اور منکرات سے بچاتی ہے تو عزلت سے بہتر کوئی شے نہیں ہے اور حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برے ساتھی کی مصاحبت سے وحدت بہتر ہے اور نیک اور صالح آدمی کی صحبت وحدت سے خوب تر ہے' اچھی بات بتلانا سکوت سے بہتر ہے اور بری بات منہ کے نکالنے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/۳۰' روضۃ المتقین: ۲/۱۴۸)

باب فضل الاختلاط بالناس وحضور جمعهم وجماعتهم ومشاهد الخير، ومجالس الذكر معهم، وعيادة مريضهم، وحضور جنائزهم، ومؤاساة محتاجهم، وارشاد جاهلهم، وغير ذلك من مصالحهم لمن قدر على الامر بالمعروف والنهي عن المنكر، وقمع نفسه عن الايذاء، وصبر على الاذى

لوگوں سے میل جول رکھنے کی فضیلت کے بیان میں 'نماز جمعہ 'جماعتوں میں' نیکی کے مقامات میں 'ذکر مجالس میں لوگوں کے ساتھ حاضر ہونا' بیمار کی عیادت کرنا' جنازوں میں شامل ہونا' محتاجوں کی غم خواری کرنا' جاہل کی رہنمائی کرنا وغیرہ 'مصالح کیلئے لوگوں سے ربط و تعلق رکھنا' اس شخص کیلئے جو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی قدرت رکھتا ہو' اور لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے اپنے نفس کو باز رکھے اور تکلیف پہنچنے پر صبر کرے

اعْلم أنَّ الاختلاط بالنَّاسِ عَلَى الوجهِ الَّذِي ذَكَرْتُهُ هُوَ المختارُ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وسائر الأنبياء صلواتُ اللهِ وسلامه عَلَيْهِمْ ، وكذلك الخُلفاءُ الرَّاشدون ، ومن بعدَهُم مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ ، وَمَن بَعدَهُم من عُلَماء المُسلمين وأَخْيَارِهم ، وَهُوَ مَذْهَبُ أكثرِ التَّابعينَ وَمَنْ بَعدَهُمْ ، وبه قَالَ الشافعيُّ وأحمدُ وأكثَرُ الفقهاء((١)) رضي اللهُ عنهم أجمعين. قَالَ اللهُ تَعالَى: ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى البرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ [المائدة : ٢٠] والآيات في معنى مَا ذكرته كثيرة معلومة .

ترجمہ۔"یاد رکھو کہ لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھنے کی صورت جس کا میں نے ذکر کیا ہے پسندیدہ صورت ہے اسی پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام 'حضرات خلفاء راشدین' صحابہ کرام' تابعین علماء و صلحا کاربند ہیں' اکثر تابعین اور مابعد کے لوگوں کا بھی یہ مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور اکثر فقہاء اسی کے قائل ہیں"۔

گوشہ نشینی افضل ہے یا اختلاط؟

اس میں دو مذہب ہیں:

پہلا مذہب: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو فیصلہ کیا ہے کہ اختلاط رکھنا لوگوں کے ساتھ افضل ہے یہی مسلک ہے امام شافعی اور جمہور علماء کا۔

دوسرا مذہب:۔ زاہدان طریقت کا مسلک یہ ہے کہ کنارہ کشی کرنا یہ افضل ہے علامہ کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں بھی گوشہ نشینی افضل ہے کیونکہ عام مجالس شاذونادر ہی معاصی سے خالی ہوتی ہیں۔ (شرح کرمانی شرح بخاری)

جواب: جمہور علماء فرماتے ہیں لوگوں سے کنارہ کشی افضل اس صورت میں ہے جب کہ فتنوں سے بھرپور زمانہ ہو یہ آدمی لوگوں کی ایذاء کو برداشت بالکل نہ کر سکتا ہو یا یہ کہ اس کی شرارت سے لوگ سالم نہ رہتے ہوں ان صورتوں میں گوشہ نشینی ہی ایسے لوگوں کے لیے بہتر ہے کیونکہ لوگوں کے ساتھ رہنے میں جو فوائد ہیں وہ اکیلے رہنے میں نہیں ہیں۔ مثلاً جمعہ' جماعت کی نماز' نماز جنازہ وغیرہ اکیلے رہنے والا آدمی ان سے محروم رہتا ہے۔ (عمدۃ القاری)

اس کی تائید میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بھی آتی ہے:

"اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی آذَاهُمْ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لاَ یُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ یَصْبِرُ عَلٰی آذَاهُمْ" (ابن ماجہ کتاب الفتن باب الصبر علی البلاء)

ترجمہ: "وہ مومن جو لوگوں سے اختلاط رکھتا ہو اور ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہو یہ اجر کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اس مؤمن سے جو لوگوں سے اختلاط نہ رکھتا ہو اور نہ ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہوں۔"

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (سورۃ المائدہ:۲)

ترجمہ: "ارشاد خداوندی ہے نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

تفسیر: مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس آیت میں ایک ایسے اصولی اور بنیادی مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے جو پورے عالم کی روح ہے کہ جس طرح ہر آدمی کی صلاح و فلاح ضروری ہوتی ہے اسی طرح دوسرے کی مدد کرنا بھی اس پر ضروری ہے۔

اسی کو حدیث پاک میں: "اَلدَّالُّ عَلَى الْخَیْرِ کَفَاعِلِهٖ" کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیکی کا راستہ بتادے تو اس کا ثواب ایسا ہی ہے جیسے اس نیکی کو خود اس نے کیا ہو۔

اسی طرح دوسری روایت میں فرمایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کو ہدایت اور

نیکی کی طرف دعوت دیتا ہے تو جتنے آدمی اس کی دعوت پر نیک عمل کریں گے ان سب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کم کیا جائے۔اسی طرح گناہ کا معاملہ ہوگا۔

مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ہے قرآن وسنت کی وہ تعلیم جس نے دنیا میں نیکی انصاف ہمدردی اور خوش اخلاقی پھیلانے کے لیے ملت کے ہر فرد کو ایک ولی بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔اس حکیمانہ تعلیم وتربیت کا نتیجہ جو صحابہ و تابعین کے قرون میں دیکھا گیا آج بھی ملت یہ منظر دیکھ سکتی ہے۔کاش آیت بالا پر عمل ہو جائے تو۔(معارف القرآن ۲۵/۳)

باب التواضع وخفض الجناح للمؤمنين

تواضع اور اہل ایمان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [الشعراء : ٢١٥] ،

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اور مؤمنین میں سے جو تمہاری اتباع کرنے والے ہیں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔“ (الشعراء ۲۱۵)

تفسیر: پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ اہل ایمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور رشتہ اخوت کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ بہت مہربانی اور نرمی کا سلوک ہو تو اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو آپ کے متبعین ہیں آپ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور اپنی محبت ومودت کا پہلو ان کے لیے جھکا دیجئے۔(تفسیر عثمانی تفسیر مظہری)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يَا يُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِيْنِهِ فَسَوْفَ يَأْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ٥

ترجمہ:۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:”اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرمادے گا جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے مؤمنوں کے لیے وہ نرم ہوں گے اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔“ (المائدہ:۵۴)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ کا یہ دین آخری دین ہے یہ ہمیشہ باقی رہے گا کہ یہ پیغام ابدی اور سرمدی ہے اس لیے اب قیامت تک یہی دین ہے اور اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اس لیے مسلمانوں کے کسی گروہ یا جماعت کو یہ خیال نہ ہوگا کہ اگر وہ اس دین سے پھر گئے تو یہ دین بھی باقی نہیں رہے گا بلکہ حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ جو اس دین سے پھرے گا وہ اپنا ہی کچھ نقصان کرے گا۔اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔حق تعالیٰ مرتدین کے بدلے میں ایسی جماعت لے آئے گا جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے اور اللہ بھی انہیں محبوب رکھے گا۔وہ مسلمانوں پر شفیق ومہربان اور دشمنان اسلام کے خلاف غالب اور زبردست ہوں گے۔(معارف القرآن تفسیر عثمانی)

وَقَالَ تَعَالٰی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْo

ترجمہ:۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے پھر تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو' اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔" (الحجرات:۱۳)

تفسیر: تیسری آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر ان سے ان کے کنبے اور قبیلے بنائے یہ سارے کنبے قبیلے خاندان قومیں اور نسلیں پہچان اور تعارف کے لیے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان اس طرح باہم گم ہوتے جس طرح بکریوں کے ریوڑ میں بکریاں گم ہوتی ہیں۔ غرض یہ تقسیمات انسانوں کے باہمی تعارف کے لیے ہیں اور چونکہ سب ایک مرد و عورت سے پیدا ہوئے اس لیے سب یکساں ہیں اور ایک جیسے ہیں کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ خاندان اور قبیلہ سے کوئی امتیاز اور کوئی فضیلت قائم نہیں ہوتی کیونکہ سارے قبیلوں اور قوموں کا منتہا ایک مرد اور ایک عورت ہیں۔ اس لیے فضیلت امتیاز کا ایک ہی معیار ہے کہ کون اپنے خالق و مالک کا زیادہ فرمانبردار ہے جو شخص جس قدر نیک خصلت مؤدب اور پرہیز گار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔ (معارف القرآن' تفسیر مظہری)

وَقَالَ تَعَالٰی: فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰo

ترجمہ:۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "تم اپنے آپ اپنی پاکیزگی نہ بیان کرو وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔" (النجم:۳۲)

تفسیر: چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اپنی پاکیزگی نہ بیان کرو اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے بزرگ نہ ظاہر کرو۔ وہ سب کی بزرگی اور پاک بازی کو بہت خوب جانتا ہے اور اسوقت سے جانتا ہے جب سے تم نے ہستی کے اس دائرے میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے جس کی ابتداء مٹی سے تھی پھر بطن مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا اس کے بعد کتنی جسمانی اور روحانی کمزوریوں سے دوچار ہوا۔ آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے کسی مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں۔ (تفسیر عثانی)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالاً يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُواْ مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَo أَهَـٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ادْخُلُواْ الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَo

ترجمہ:۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جنہیں وہ پہچانیں گے پکاریں

گے، کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا بڑا سمجھنا کچھ کام نہ آیا کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہ کرے گا ان کو یہ حکم ہو گا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔" (اعراف: ۴۸، ۴۹)

تفسیر: پانچویں آیت میں فرمایا کہ اہل اعراف اہل جہنم سے کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا کچھ کام نہ آیا اور تم اپنے تکبر کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ دیکھو! ان مسلمانوں کو جنت میں عیش کرر ہے ہیں۔ یہ وہی مسلمان ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ اپنی رحمت نہیں کرے گا۔ دیکھ لو ان پر اتنی بڑی رحمت ہوئی کہ انہیں کہا گیا کہ جاؤ جنت میں جہاں تم پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہو گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اہل اعراف کا سوال و جواب اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کے ساتھ ہو چکے گا اس وقت رب العالمین اہل جہنم کو خطاب کر کے یہ کلمات فرمائیں گے کہ تم لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان کی مغفرت نہ ہو گی اور ان پر کوئی رحمت نہ ہو گی، سواب دیکھو! ہماری رحمت اور اس کے ساتھ ہی اہل اعراف کو خطاب ہو گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تمہیں پچھلے معاملات کا کوئی خوف ہونا چاہیے اور نہ آئندہ کا کوئی غم و فکر۔ (معارف القرآن، تفسیر ابن کثیر)

ایک دوسرے پر فخر اور زیادتی نہ کرو

وعن عِيَاضِ بنِ حمار رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّ الله أوْحَى إلَيَّ أنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لاَ يَفْخَرَ أحَدٌ عَلَى أحَدٍ ، وَلاَ يَبْغِي أحَدٌ عَلَى أحَدٍ)) رواه مسلم.

آپس میں تواضع اختیار کرو

ترجمہ۔ "حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ آپس میں تواضع اختیار کرو حتی کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کسی پر زیادتی کرے"۔ (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: تَوَاضَعُوْا: آپس میں تواضع اختیار کرو۔ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ عاجزی، نرمی اور محبت سے پیش آنا اور مال و دولت، حسب، نسب، جمال وغیرہ کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھنا اور کسی پر ظلم نہ کرنا۔ اگر ان میں سے کسی کو اللہ نے کوئی چیز عطا فرمائی ہے تو اس کو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ وہ اس پر غرور اور تکبر کرے۔

تواضع اختیار کرنیوالے کا مرتبہ اونچا ہوتا ہے

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زادَ اللهُ عَبْداً بعفو إلاَّ عِزّاً، وَمَا تَوَاضَعَ أحَدٌ للهِ إلاَّ رَفَعَهُ اللهُ)) رواه مسلم.

ترجمہ۔"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا صدقہ خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ عزت کو بڑھاتے ہیں اور جو کوئی اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اسے سرفرازی عطا فرماتے ہیں"۔

معاف کرنے سے اللہ عزت بڑھاتے ہیں

حدیث کی تشریح: مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ:۔ محدثین اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ صدقہ دینے کے بعد بقیہ مال میں اتنی برکت عطا فرمادیتے ہیں جس سے مال کی ظاہری کمی پوری ہو جاتی ہے اور مزید یہ کہ آخرت میں اس صدقہ پر اللہ کی طرف سے بہترین انعام ملے گا۔

وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلاَّ عِزًّا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں معاف کرنے والے کو لوگ عاجز اور کمزور سمجھتے ہیں مگر اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ اس معاف کرنے کا نتیجہ بالآخر عزت اور سرفرازی کی صورت میں حاصل ہوگا اور آخرت میں بھی اللہ جل شانہ اس کو عزت نصیب فرمائیں گے۔(روضۃ المتقین)

وَمَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ: مطلب یہ ہے کہ تواضع اختیار کرنے میں آدمی کا بظاہر چھوٹا پن ظاہر ہوتا ہے مگر اس کی تواضع میں اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے کہ لوگوں کی نگاہ میں ہم اس کو بڑا بنادیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کو سلام کرنا

وعن أنس رضي الله عنه : أَنَّهُ مَرَّ عَلَى صبيانٍ ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ، وقال : كَانَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يفعله . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سلام کیا' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہی تھا(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت شفقت فرماتے اور ان کے ساتھ محبت اور تواضع سے پیش آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو سلام کرتے اور انہیں سلام کرنے میں پہل فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار صحابہؓ سے ملاقات کے لیے تشریف لے

جاتے تو ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بچوں کے پاس آئے اس وقت میں بھی بچہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا۔ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو دیکھ کر فرماتے: "السلام علیکم یاصبیان"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بچوں کو سلام کرنا مستحب ہے اور اگر بچہ بڑے کو سلام کرے تو اس پر سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ بچوں کو سلام کرنے میں تواضع کا ایسا پہلو ہے کہ اس سے تکبر کی چادر اتر جاتی ہے اور تواضع اور نرم مزاج بن جاتی ہے۔

(فتح الباری: ۳/۲۶۵، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۴/۱۲۵، روضۃ المتقین: ۲/۱۵۳، دلیل الفالحین: ۳/۴۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کی مثال

وعنه' قال : ان كَانَتِ الأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ الْمدِينَةِ لَتَأخُذُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَائت' (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی بھی باندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی اور اپنی ضرورت کیلئے جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی"۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: اِنْ كَانَتِ الْاَمَةُ مِنْ اِمَاءِ الْمَدِيْنَةِ لَتَأخُذُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مدینہ کی باندیوں میں کوئی باندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیتی۔ علماء فرماتے ہیں اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور بے مثال تواضع کا بیان ہے۔

لَتَأخُذُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ہاتھ پکڑنے سے حقیقتاً ہاتھ پکڑنا مراد نہیں ہے بلکہ اس بات کا اشارہ ہے کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی بات کرتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پورا کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ (روضۃ المتقین)

فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَ تْ: اپنی ضرورت کے لیے جہاں چاہتیں لے جاتیں۔ ایک دوسری روایت میں "فَتَنْطَلِقُ بِهِ فِيْ حَاجَتِهَا" کا لفظ بھی وارد ہوا ہے۔ (رواہ احمد) علماء فرماتے ہیں اس جملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کی حاجت اور ضرورت پورا کرنے کے جذبہ کا بیان ہے۔ (دلیل الطالبین)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کے کام میں مدد فرماتے تھے

وعن الأَسْوَدِ بن يَزِيدَ ، قَالَ : سُئِلَتْ عائشةُ رضي الله عنها مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ ؟ قالت : كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ يعني : خِدمَة أهلِه فإذا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ ، خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے تھے جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کیلئے تشریف لے جاتے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے کام اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت ہشام بن عروہ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے سیتے اور وہ کام کرتے جو مرد اپنے گھروں میں کرتے۔

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ”جوتے کی مرمت فرماتے، کپڑے سیتے اور ڈول کی مرمت کرتے۔“

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے درست کرتے اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنے سارے کام کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں میں نرم مزاج سب سے زیادہ کریم تھے اور تمہارے مردوں میں سے ایک مرد تھے مگر یہ کہ آپ بسام (بہت مسکرانے والے) تھے۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام خود کرتے اور جوں ہی نماز کا وقت ہوتا یا اذان ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے جاتے۔ (ارشاد الساری: ۲/۳۱۸، فتح الباری: ۱/۴۳۵، روضۃ المتقین: ۲/۱۵۴، دلیل الفالحین: ۳/۴۷) (ریاض الصالحین ص ۲۲۸)

آپ خطبہ کے دوران دین کی باتیں سکھائیں

وعن أَبي رِفَاعَةَ تَمِيم بن أُسَيْدٍ رضي الله عنه ، قَالَ : انْتَهَيْتُ إلَى رَسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يخطب ، فقلت : يَا رسول الله ، رَجُلٌ غَرِيبٌ جَاءَ يَسْأَلُ عن دِينِهِ لا يَدْرِي مَا دِينُهُ ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيَّ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وتَرَكَ خُطْبَتَهُ حَتَّى انْتَهى إلَيَّ ، فَأُتِيَ بِكُرْسِيٍّ ، فَقَعَدَ عَلَيْهِ ، وَجَعَلَ يُعَلِّمُنِي مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ ، ثُمَّ أَتَى خُطْبَتَهُ فَأَتَمَّ آخِرَهَا . رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت ابو رفاعہ تمیم بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک مسافر آدمی اپنے دین کے بارے میں پوچھنے آیا ہے کیونکہ وہ اپنے دین کے بارے میں نہیں جانتا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنا خطبہ چھوڑ دیا حتیٰ کہ میرے پاس آگئے پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیلئے ایک کرسی لائی گئی جس پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف فرما ہو گئے آپ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھے دین کیا حکامات کی تعلیم دینے لگے جن کا علم اللہ جل شانہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا مجھ سے فارغ ہو کر پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پہلے والے خطبہ کو مکمل فرمایا"۔

حدیث کی تشریح: رَجُلٌ غَرِیْبٌ جَاءَ یَسْأَلُ عَنْ دِیْنِهٖ: ایک مسافر آدمی اپنے دین کے بارے میں پوچھنے آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلف ہو کر دین کا سوال کر لیتا تھا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور عاجزی معلوم ہوتی ہے۔(دلیل الفالحین)

وَتَرَكَ خُطْبَتَهٗ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ چھوڑ دیا۔ علماء فرماتے ہیں یہ عام خطبہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے تھے وہ مراد ہے جمعہ کا خطبہ نہیں ہے۔ مگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر جمعہ کا ہی خطبہ ہو تو جب تک طویل فاصلہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔(روضۃ المتقین)(واللہ اعلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرسی پر کیوں بیٹھے؟

فَأُتِیَ بِکُرْسِیٍّ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کرسی لائی گئی۔ اس کی وجہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ پہلے سے بھی مجمع زیادہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرسی پر اس لیے تشریف فرما ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ سب ہی لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بھی سن لیں۔(روضۃ المتقین)

ثُمَّ اَتٰی خُطْبَتَهٗ: پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب کوئی اسلام میں داخل ہونے کے لیے آئے یا ایمان کے بارے میں کوئی اہم بات معلوم کرنے آئے تو اس کو فوراً بتانا چاہیے۔(دلیل الفالحین)

لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھالینا چاہئے

وعن أنس رضي الله عنه : أن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَاماً ، لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلاَثَ . قَالَ : وقال : ((إِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عنها الأذى ، وليأكُلْها وَلاَ يَدَعْها لِلشَّيْطان)) وأمرَ أن تُسلَتَ القَصْعَةُ(۳)) ، قَالَ : ((فإنَّكُمْ لاَ تَدْرُونَ فِي أيِّ طَعَامِكُمُ البَرَكَة)) رواه مسلم .

ترجمہ۔"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس سے مٹی وغیرہ صاف کر کے کھالے اور اس کو شیطان کیلئے نہ چھوڑے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا کہ پیالے کو چاٹ کر کے صاف کیا جائے اور فرمایا تم نہیں جانتے تمہارے کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے"۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلاَثَ: علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تین انگلیوں سے

کھانا سنت ہے۔ الا یہ کہ چوتھی اور پانچویں انگلی ملانا ضروری ہو جائے۔ پھر ان انگلیوں کو چاٹ لے۔(روضۃ المتقین)

انگلی چاٹنے میں ترتیب

پہلے بیچ کی انگلی، پھر اس کے برابر والی پھر آخر میں انگوٹھا''اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ''جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر لقمہ میں کوئی نجاست و گندگی لگی نہ ہو تو کھالے ورنہ اس کو کتے، بلی کو کھلا دے ضائع نہ کرے۔(مظاہر حق)

وَلَایَدَعْهَا لِلشَّیْطَانِ: بعض علماء فرماتے ہیں یہ حقیقت پر محمول ہے کہ وہ کھالیتا ہے۔ بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ لقمہ کو ضائع کرنے سے اس نے گویا اس لقمہ کو حقیر سمجھا تو متکبر لوگوں میں شامل ہو گیا اور متکبرین والے اعمال کرنا شیطانی افعال میں سے ہے۔(مرقات)

تُسْلَتَ الْقَصْعَةُ: برتن کو چاٹ لے کہ معلوم نہیں جو برتن میں سالن رہ گیا ہے اسی میں برکت ہو تو یہ برکت سے محروم نہیں ہو گا۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمت خواہ مقدار میں کتنی ہی کم کیوں نہ ہو ضائع نہیں کرنا چاہیے اس کی بھی قدر دانی ضروری ہے۔(دلیل الطالبین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، عن النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا إلاَّ رَعَى الغَنَمَ)) قَالَ أصْحَابُهُ : وَأنْتَ ؟ فَقَالَ : ((نَعَمْ ، كُنْتُ أرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لأَهْلِ مَكَّةَ)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا اس نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: نبوت سے قبل ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ اخلاق سے متصف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی متواضع تھے اور اس کمال تواضع کے تحت چند قراریط پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہ حدیث اور اس کی شرح پہلے (حدیث ۶۰۰) گزر چکی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمولی دعوت بھی قبول فرمالیتے تھے

وعنه ، عن النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((لَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ أَوْ ذِرَاعٍ لأَجَبْتُ ، ولو أُهْدِيَ إِلَيَّ ذراعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے بکری کے پائے یا بازو کھانے کی دعوت دی جائے تو میں جاؤں گا اور اگر مجھے بازو یا پائے ہدیہ کے طور پر دیئے جائیں تو میں اسے قبول کروں گا۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق کریمانہ اور تواضع کی بناء پر جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتا اس کے گھر تشریف لے جاتے اگرچہ پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ جو کھانا وہ پیش کرے گا وہ معمولی ہوگا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم تالیف قلب کے طور پر معمولی سے معمولی ہدیہ بھی قبول فرمالیا کرتے تھے۔(فتح الباری: ۲/ ۵۴، ارشاد الساری: ۵/ ۳۶۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی "عضباء" کا واقعہ

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : كَانَتْ ناقةُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ العضْبَاءُ لاَ تُسْبَقُ ، أَوْ لاَ تَكَادُ تُسْبَقُ ، فَجاءَ أعْرَابيٌّ عَلَى قَعودٍ لَهُ ، فَسبَقَها ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حَتَّى عَرَفَهُ ، فَقَالَ : ((حَقٌّ عَلَى اللهِ أنْ لاَ يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا إلاَّ وَضَعَهُ)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اونٹنی تھی جس سے آگے کوئی اونٹ نہ نکلتا تھا ایک اعرابی اونٹ پر سوار آیا اور اپنا اونٹ اس سے آگے نکال لے گیا۔ مسلمانوں پر یہ بات گراں گزری یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اندازہ ہوگیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار حاصل ہے کہ دنیا میں جو شئے بلند ہو وہ اسے پست فرمادے۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی عضباء تھی، کوئی بھی اونٹ اس کی تیز روی کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی اپنا اونٹ لے کر آیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سے آگے نکل گیا۔ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طبیعت پر گراں گزری۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی ہر شے زوال وفنا سے گزرتی ہے اور کبھی کوئی شے ایسی نہیں ہوتی جو بلند ہو اور اس پر ضعف وانحطاط نہ آئے اور وہ پست نہ ہو جائے کیونکہ اس دنیا کی ہر شے مائل بہ زوال ہے اور اس کلیہ میں کہیں استثناء نہیں ہے۔ جب دنیا کی ہر شے کا یہ حال ہے تو اس کی کسی شے پر فخر ومباہات کے کوئی معنی نہیں ہیں۔(فتح الباری: ۲/ ۱۷۰)

باب تحریم الکبر والإعجاب
تکبر اور خود پسندی کی حرمت

قَالَ اللہ تَعَالَی : ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لاَ يُرِيدُونَ عُلُواً فِي الأَرْضِ وَلاَ فَسَاداً وَالعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ [القصص : ۸۳] ،

ترجمہ:"اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: آخرت کا گھر ہم نے ایسے لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام نیک تو پرہیز گاروں کا ہی ہے۔"

تفسیر: **تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ**: اس سے مراد جنت ہے۔" **نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوّاً فِى الْأَرْضِ وَلَا فَسَاداً**" جو زمین میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔

"**عُلُوًّا**" سے مراد تکبر ہے۔ یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر جاننا۔"**فساداً**" اس سے لوگوں پر ظلم کرنا یا ہر معصیت اور گناہ مراد ہے کیونکہ معصیت اور گناہ کی وجہ سے دنیا میں بے برکتی آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو لوگ دنیا میں تکبر اور معصیت کا ارادہ کرتے ہیں ان کا آخرت میں حصہ نہیں۔

علامہ کلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فساد سے مراد اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کی طرف بلانا نیز عکرمہ فرماتے ہیں ناحق لوگوں کا مال لینا مراد ہے ان سب گناہوں کی وجہ سے جنت سے آدمی محروم ہو جاتا ہے۔(تفسیر مظہری:۹/۱۵۰)

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ: انجام نیک تو پرہیز گاروں کا ہی ہے۔ علامہ قتادہ فرماتے ہیں مراد جنت ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نیکیوں کے انجام کو عاقبت کہا جاتا ہے اور برائیوں کے انجام کو عتاب کہا جاتا ہے۔(نفس مصادر)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: "وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا" (سورۃ الاسراء:۳۷)

ترجمہ:"اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: زمین پر اکڑ کر مت چلو۔"

تفسیر: زمین پر اکڑتے ہوئے چلنا منع ہے کیونکہ اس سے تکبر ظاہر ہوتا ہے جس کو شریعت نے حرام کہا ہے۔ تکبر کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو دوسرے سے افضل واعلیٰ سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا۔

تکبر کی مذمت

متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں تکبر کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تواضع اور پستی اختیار کرو کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی پر فخر اور اپنی بڑائی ظاہر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔(مظہری ۷/۲۴۷)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا راز ہے جو شخص مجھ سے اس کو چھینے گا تو میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ.

وَمَعْنٰى "تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ" أَيْ: تَمِيلُهُ وَتُعْرِضُ بِهٖ عَنِ النَّاسِ تَكَبُّرًا وَالْمَرَاحُ اَلتَّبَخْتُرُ ٥ (سورۃ لقمان:۱۸)

ترجمہ: "اور نہ لوگوں کے لیے اپنا منہ پھیرو نہ زمین پر اترا کر چلو۔ بے شک اللہ جل شانہ ہر تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو ناپسند کرتے ہیں۔ "وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ" اس کا معنی یہ ہے تو اپنا چہرہ لوگوں سے تکبر کے ساتھ نہ پھیرو اور "المراح" اکڑ کر چلنے کو کہتے ہیں۔"

تفسیر: "وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ" "صِعْر" کہتے ہیں اونٹ کی وہ بیماری جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے جیسے کہ انسانوں میں لقوہ ہو جاتا ہے جس سے اس کا چہرہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے ملاقات اور بات کرتے وقت ان سے منہ پھیر کر بات نہ کرو جو ان سے اعراض کرنے اور تکبر کرنے کی علامت ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً: زمین پر تکبرانہ چال کے ساتھ نہ چلو کہ اس سے اللہ جل شانہ کی ناراضگی ہوتی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ اللہ جل شانہ پسند نہیں فرماتے کسی بھی متکبر اور فخر کرنے والے کو۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی تکبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جبارین (یعنی انتہائی ظالم اور مغرور) میں اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے پھر اس پر وہی عذاب آئے گا جو ان پر آیا تھا۔ (ترمذی شریف)

وقال تعالَى : ﴿ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالعُصْبَةِ أُولِي القُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الفَرِحِينَ ﴾ [القصص : ٧٦] ، إِلَى قَوْله تعالَى : ﴿ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الأَرْضَ ﴾ الآيات .

ترجمہ: "قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیئے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت بمشکل اُٹھاتی تھی۔ جب اس سے اس کی قوم نے کہا مت اِترا' اللہ جل شانہ اِترانے والے کو پسند نہیں کرتے' اللہ کے اس قول تک "پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔"

تفسیر: درمیان کی آیات اور ان کا ترجمہ:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ

إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ o قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِندِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعاً وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَo فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِيْنَتِهِ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيْمٍo وَقَالَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَo

ترجمہ: ’’اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے کما لے۔ پچھلا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ پر اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں' اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے' بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے' کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ غارت کر چکا ہے اس سے پہلے کتنی جماعتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور' اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع اور پوچھے نہ جائیں گناہ گاروں سے ان کے گناہ' پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ طالب تھے دنیا کی زندگی کے۔ اے کاش! ہم کو بھی ملا ہوتا جیسا کچھ کہ ملا قارون کو بے شک اس کی بڑی قسمت ہے اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ' اے خرابی تمہیں! اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے ان کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا۔ اور یہ بات انہی کے دل میں پڑی ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔‘‘ (معارف القرآن)

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسیٰ: قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بیٹا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران اور قارون کے والد کا نام بصیرہ تھا۔ کہتے ہیں کہ قارون تورات کا حافظ تھا اس کو حسد تھا کہ ہارون شریک نبوت جب ہوئے تو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ میرا اس سیادت و قیادت میں حصہ کیوں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ (تفسیر قرطبی)

فَبَغٰى عَلَيْهِمْ: کہ مال و دولت کے نشے میں اس نے دوسروں پر ظلم کرنا شروع کر دیا اور فرعون نے اس کو سردار بھی بنا دیا تھا تو امارت کے عہدے میں اس نے بنی اسرائیل کو ستایا۔ (معارف القرآن)

وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا: کنوز کنز کی جمع ہے۔ مدفون خزانہ کو کہتے ہیں۔ حضرت عطاء سے روایت ہے کہ قارون کو حضرت یوسف کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا۔ (مظہری ۹/۱۴۰)

إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ: ’’عصبۃ‘‘ بمعنی جماعت۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے خزانے کی چابیاں اتنی زیادہ تھیں کہ ایک قوی جماعت بھی اس کے اُٹھانے کے بوجھ سے جھک جاتی۔ بعض نے ستر افراد اور بعض نے چالیس قوی ترین آدمی بتائے ہیں۔ (معارف القرآن ۶/۶۶۵)

إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ: جب اس کی قوم نے کہا مت خوش ہو۔

شبہ: دوسری جگہ پر آتا ہے: "فَبِذَالِكَ فَلْيَفْرَحُوْا" چاہیے کہ خوش ہوں۔ اور اوپر والی آیت میں خوش ہونے کو منع کیا جارہا ہے؟

ازالہ: حدود کے اندر خوش ہونا صحیح ہے اور ایسی خوشی جس میں تکبر ہو اور حدود سے تجاوز ہو تو وہ منع ہے۔ (معارف القرآن ۶/۶۶۵)

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ :اس زمانے کے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے قارون کو نصیحت کی کہ اپنے مال ودولت سے تم اللہ کو راضی کرو اور آخرت کے گھر کی فکر کرو۔

وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا: یعنی دنیاوی زندگی میں آخرت والے اعمال کو نہ بھولا جائے جس میں صدقہ، خیرات بھی داخل ہے اور یہی دنیا کا حصہ تیرا ہے جو آخرت کا سامان بن جائے باقی دنیا تو دوسرے کا حصہ ہے۔ (تفسیر مظہری ۹/۱۴۴)

وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ: کہ اللہ کی عبادت اچھی طرح کرو ہمیشہ اس کو یاد کرو جیسے کہ اللہ نے بھلائی کی ہے اور اس پر تم پر بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي :"علم" سے مراد علم تورات ہے کیونکہ یہ تورات کا حافظ اور عالم تھا یا علم سے مراد معاش کا علم ہے کہ جو کچھ مجھ کو مال ملا ہے وہ میری سمجھداری اور کارگزاری کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ: اللہ جل شانہ اس بات کے جواب میں کہ یہ مال میرے کمال سے مجھ کو ملا ہے فرمارہے ہیں کہ بالفرض اگر یہ مال ذاتی کمال سے ہی حاصل ہوا ہے مگر خود مال ودولت کوئی کمال وفضیلت کی چیز تو نہیں ہے کیونکہ پہلے زمانے میں بڑے بڑے سرمایہ داروں نے سرکشی کی تو ان پر اللہ کا عذاب آیا، پھر مال ان کے کسی کام نہ آسکا۔ (نفس مصادر)

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ: حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قارون سفید خچر پر جس پر سنہری زین اور چار ہزار گھوڑے سوار، تین سو باندیاں وہ بھی سفید خچروں پر سوار اور ان پر زیور اور سرخ لباس تھے ان کے ساتھ قارون نکلا۔ (معارف القرآن ۶/۶۶۷)

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ :اس آیت میں أُوتُوا الْعِلْمَ سے مراد علماء ہیں اس کے مقابل میں الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا اس سے مراد علم سے بے بہرہ لوگ ہیں اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کا ارادہ اور اس کو مقصود بنانا اہل علم کا کام نہیں اہل علم کے سامنے تو ہمیشہ آخرت کی منفعت ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ۶/۶۶۷)

تکبر والا آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((لاَ يَدْخُلُ الجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّة مِنْ كِبْرٍ !)) فَقَالَ رَجُلٌ : إنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أنْ يَكُونَ

ثَوْبُهُ حَسَناً ، ونَعْلُهُ حَسَنَةً ؟ قَالَ : ((إنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الجَمَالَ ، الكِبْرُ : بَطَرُ الحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) رواه مسلم .((بَطَرُ الحَقِّ)) : دَفْعُهُ وَرَدُّهُ عَلَى قَائِلِهِ ، وَ((غَمْطُ النَّاسِ)) : احْتِقَارُهُمْ

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا ایک آدمی نے سوال کیا کہ آدمی کو یہ پسند ہوتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔''

تکبر یہ ہے کہ حق کی بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔''بَطَرُ الْحَقِّ'' حق کو ٹھکرادینا اور اس کے قائل پر اس کو لوٹادینا۔''غَمَطُ النَّاسِ'' لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

حدیث کی تشریح :لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ:۔ ذرہ سے مراد یا تو چھوٹی چیونٹی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سو چیونٹیاں مل کر ایک جو کے وزن کے برار ہوتی ہیں یا بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذرہ سے مراد وہ باریک باریک غبار کے ریزے ہیں جو روشنی میں نظر آتے ہیں۔ بہر حال اندازہ لگایا جائے کہ اللہ جل شانہ تکبر کو ذرہ برابر بھی پسند نہیں فرماتے۔(مظاہر حق)

فَقَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا: ایک آدمی نے سوال کیا کہ آدمی کو یہ پسند ہوتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو؟

یہ آدمی کون تھے؟

بعض نے حضرت ربیعہ بن عامر اور بعض نے عبداللہ بن عمر اور بعض نے معاذ بن جبل فرمایا ہے (مرقاۃ) تو ان صحابی کو شبہ ہوا کہ جب آدمی اعلیٰ و نفیس کپڑے پہنتا ہے اور جوتے کو استعمال کرتا ہے مگر اس کے دل میں یہ خیال نہ ہو کہ اس سے میں اپنی امارت و بڑائی کا رعب لوگوں پر ڈالوں گا یا میں دوسرے غریب لوگوں کو ذلیل و حقیر سمجھ لوں گا تو اب کیا اس شخص پر بھی تکبر کا اطلاق ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ اچھے لباس پہننا یا جوتے وغیرہ اچھے استعمال کرنا جس کو شریعت نے منع نہیں فرمایا' یہ تو اس کی خوش ذوقی کی علامت ہے اس کو کبر نہیں کہتے۔(مظاہر حق ۴/۶۲۶)

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ: اللہ جل شانہ جمیل ہے کہ اللہ اپنی ذات و صفات میں اوصاف کاملہ سے موصوف ہیں اور ہر قسم کا ظاہری و باطنی حسن و جمال اسی کے جمال کا عکس ہے۔یا مطلب یہ ہے کہ اللہ جمیل ہے کہ اللہ آراستہ کرنے والے اور جمال بخشنے والے ہیں۔ بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اپنے بندوں کا اچھا کارساز ہے۔

کبر کی تعریف

اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ: مطلب یہ ہے کہ کبر وہ ہے کہ جو آدمی کو حق سے ہٹادے اور حق و صداقت سے سرکش کردے اور وہ شخص مخلوق خدا کو اپنے سامنے ذلیل و حقیر سمجھے۔

بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے والے کی مذمت

وعن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه : أنّ رَجُلاً أكَلَ عِنْدَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بشمالِهِ ، فقَالَ : ((كُلْ بيَمِينِكَ)) قَالَ : لاَ أَسْتَطِيعُ ! قَالَ : ((لا اسْتَطَعْتَ)) مَا مَنَعَهُ إلاَّ الكِبْرُ . قَالَ : فما رفَعها إلَى فِيهِ . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سیدھے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا کہ میں نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ میں اس کی طاقت نہ ہو۔ اس شخص کو صرف تکبر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ماننے سے روکا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ آدمی اپنا داہنا ہاتھ اپنے منہ تک نہ لے جا سکا۔(رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیدھے ہاتھ سے کھاؤ' اس نے تکبر کے ساتھ کہا کہ میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے اس کی طاقت نہ ہو اور اس کے بعد وہ کبھی اپنا دایاں ہاتھ منہ تک نہ لے جا سکا۔ اس شخص کا نام بسر بن راعی الاشجعی ہے اس وقت تک یہ اسلام نہ لائے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابۃ میں ان کو صحابہ کرامؓ میں ذکر کیا ہے۔

داہنے ہاتھ سے کھانا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ہرگز اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ پئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/۱۲۶' روضۃ المتقین: ۲/۱۰۷)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

کون کون سے لوگ جہنم میں جائیں گے

وعن حارثة بن وهْبٍ رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يقول : ((ألا أُخبِرُكُمْ بأهْلِ النَّار : كلُّ عُتُلٍ جَوّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ)) متفقٌ عَلَيْهِ ، وتقدم شرحه في بابِ ضعفةِ المسلمين .

جہنم میں کس قسم کے لوگ داخل ہوں گے؟

ترجمہ۔ ''حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر سرکش، بخیل اور متکبر جہنمی ہے(بخاری و مسلم)

اس کی شرح ''باب ضعفة المسلمین'' میں گزر چکی ہے''۔

تشریح: یہ حدیث اگرچہ پہلے "باب فضل ضعفة المسلمین" میں گزر چکی ہے مگر مصنف دوبارہ یہاں پر اس لیے لائے کہ تکبر یہ ایسی مذموم صفت ہے کہ اس کے حامل شخص کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔"اعاذنا الله منه"

جنت اور جہنم کا مکالمہ

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((احْتَجَّتِ الجَنَّةُ وَالنَّارُ ، فَقَالَت النَّارُ : فِيَّ الْجَبَّارُونَ والْمُتَكَبِّرُونَ . وقالتِ الجَنَّةُ : فِيَّ ضُعفاءُ الناس ومساكينُهُم ، فقضى اللهُ بينهُما : إنكِ الجنّةُ رَحْمَتِي أرْحَمُ بِك مَنْ أشاءُ ، وَإنَّكِ النَّارُ عَذَابِي أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أشاءُ ، وَلِكِلَيْكُمَا عَلَيَّ مِلْؤُهَا)) رواه مسلم .

ترجمہ۔"حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت اور دوزخ نے باہم جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا میرے اندر بڑے بڑے سرکش اور متکبر لوگ ہوں گے اور جنت نے کہا میرے اندر کمزور اور مسکین قسم کے لوگ ہوں گے۔ تو اللہ جل شانہ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ اے جنت! تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے سے جس پر چاہوں گا رحم کروں گا اور اے دوزخ! تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا اور تم دونوں کے بھرنے کی ذمہ داری مجھ پر ہے"۔

حدیث کی تشریح: اگرچہ یہ حدیث "باب فضل المسلمین" میں گزر چکی ہے مگر مصنف دوبارہ یہاں پر اس لیے لائے کہ متکبرین کا انجام بد اور اس کے مرنے کے بعد ٹھکانا جہنم ہوگا۔

اَرْحَمُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ: جس پر میں چاہوں گا رحم کروں گا۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ یوں ہی جسے چاہیں جنت میں اور جس کو چاہیں جہنم میں بھیج دے گا بلکہ اس کے لیے اللہ جل شانہ نے اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں کہ جو نیک اعمال کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اور جو اللہ جل شانہ کی نافرمانی کریں گے تو ان کیلئے جہنم مقدر ہے۔

اپنی چادر ٹخنے سے نیچے لٹکانے پر وعید

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((لاَ يَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَراً)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہیں فرمائیں گے جس نے تکبر کی وجہ سے اپنی چادر ٹخنے سے نیچے کھینچی۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ اس شخص کی جانب نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جو اپنی ازار کو تکبر کے طور پر کھینچ

کر چلتا ہو اور صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہیں کریں گے جو اپنے کپڑے کو تکبر سے کھینچ کر چلتا ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ازار ہو یا قمیص یا عمامہ اس کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے اور اگر تکبر کے بغیر ہو تو مکروہ ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تکبر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں لباس کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور قمیص اور ازار کا نصف ساق تک رکھنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "مؤمن کی ازار اس کے نصف ساق تک ہو اور نصف ساق سے کعبین (ٹخنوں) تک کے درمیان ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہو اور بغیر تکبر ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (فتح الباری: ۱۰۸/۳، دلیل الفالحین: ۶۰/۳)

تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن نظر رحمت نہ فرمائیں گے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ القِيَامَة ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ ، وَلاَ يَنْظُرُ إلَيْهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ : شَيْخٌ زَانٍ ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ)) رواه مسلم .((العَائِلُ)) : الفَقِيرُ .

ترجمہ۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت والے دن نہ کلام فرمائیں گے نہ ان کو پاک فرمائیں گے اور نہ انکی طرف نظر (رحمت) سے دیکھیں گے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔ (۱) بوڑھا زنا کرنے والا۔ (۲) جھوٹا بادشاہ۔ (۳) تکبر کرنے والا فقیر۔ "العائل"، فقیر کو کہتے ہیں"۔

حدیث کی تشریح: لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ: اللہ تعالیٰ بات نہیں کریں گے یعنی رضا خوشنودی والی بات نہیں کریں گے یا بالکل ہی بات نہیں کریں گے۔

وَلَا يُزَكِّيهِمْ: مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اس قسم کے لوگوں کو گناہوں کی نجاست سے پاک وصاف نہیں کریں گے۔ (مظاہر حق)

شَيْخٌ زَانٍ: زنا تو بہت برا فعل ہے خواہ جوان آدمی کرے یا بوڑھا آدمی۔ مگر بوڑھے آدمی کی زیادہ مذمت ہے کیونکہ اس کی طبیعت پر جنسی خواہش اور قوت مردانگی وہ غلبہ نہیں ہوتا تو اب بڈھے آدمی کا زنا کرنا اس کی نہایت بے حیائی اور خبث طبیعت پر دلالت کرتا ہے۔ (مرقاۃ)

وَمَلِكٌ كَذَّابٌ: اسی طرح جھوٹ بولنا ہر آدمی کے لیے برا ہے مگر خاص کر کے بادشاہ وقت جس کے جھوٹ کا اثر صرف ایک دو پر نہیں بلکہ پورے ملک پر ہوتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ آدمی جھوٹ بولتا ہے کسی فائدہ کے

حصول یا کسی نقصان سے بچنے کے لیے مگر بادشاہ کو اس قسم کے جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ اس کے بغیر بھی وہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور نقصان سے بچ سکتا ہے۔(مرقاۃ)

وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ: تکبر ہر آدمی کے لیے برا ہے مگر خاص کر کے جو بالکل فقیر و مفلس ہو تو اس کا تکبر کرنا اور زیادہ برا ہے۔

تکبر اللہ تعالیٰ کیساتھ مقابلہ ہے

وعنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((قَالَ الله عز وجل : العِزُّ إزَارِي ، والكبرياءُ رِدائي ، فَمَنْ يُنَازِعُنِي فِي وَاحِدٍ منهما فَقَد عَذَّبْتُهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عزت میری ازار اور کبریا میری رداء ہے۔ جو اسے مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے عذاب میں مبتلا کروں گا۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ میں سے ایک اس کی کبریائی اور اس کی عظمت اور اس کا ہر شے سے بڑا ہونا ہے وہی غالب اور قدرت والا ہے اور وہی مالک اور قاہر ہے اور ہر شے اس کی مخلوق ہے جس پر اسے پوری قدرت اور مکمل اختیار حاصل ہے' کسی بھی مخلوق کے لیے یہ امر زیبا نہیں ہو سکتا کہ وہ خالق کی ہمسری کرے کسی بھی محکوم کے لیے یہ موزوں نہیں ہو سکتا کہ وہ حاکم کی برابری کرے اور کسی مملوک کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مالک سے ہمسری کرے' اس لیے فرمایا کہ بڑائی اور عظمت میرا لباس ہے جو بڑائی کرتا ہے تکبر کرتا ہے وہ گویا میرا لباس کبریائی مجھ سے کھینچتا ہے۔(روضۃ المتقین: ۲/ ۱۶۴)

تکبر کرنے والے کا عبرتناک انجام

وعنه : أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ رَأْسَهُ ، يَخْتَالُ فِي مَشْيَتِهِ ، إذْ خَسَفَ اللهُ بِهِ ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الأَرْضِ إلَى يَوْمِ القِيَامَةِ)) متفقٌ عَلَيْهِ . ((مُرَجِّلٌ رَأسَهُ)) : أيْ مُمَشِّطُهُ، ((يَتَجَلْجَلُ)) بالجيمين : أيْ يَغُوصُ وَيَنْزِلُ.

ترجمہ۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی عمدہ جوڑے میں ملبوس سر میں کنگھی کیے ہوئے اتراتا ہوا اکڑ کر چل رہا تھا کہ اللہ جل شانہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا پس وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا جائے گا۔(بخاری و مسلم)

مرجل رأسه. بالوں میں کنگھی کی ہوئی۔ يتجلجل. اتر جائے گا۔

حدیث کی تشریح: اس حدیث کے بارے میں محدثین نے دو احتمال ظاہر کیے ہیں۔

پہلا احتمال: یہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے جیسے کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ "اِنَّ رَجُلاً مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" (رواہ مسلم) کہ تم سے پہلے لوگوں میں سے تھا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی کسی اُمت کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ اس کے تکبر کی وجہ سے اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (روضۃ المتقین)

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشین گوئی کے ارشاد فرمائی کہ کسی آنے والے وقت میں ایسا ہوگا کیونکہ ایسا ہونا یقینی امر ہے اس لیے اس کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے۔ (مرقات)

تنبیہ: یہ واقعہ قارون کا نہیں ہے کیونکہ اس کا زمین میں دھنسنا مال کے سبب سے تھا۔

تکبر کرنے والے شخص کا انجام

وعن سَلَمَةَ بن الأكْوَعِ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لاَ يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ حَتَّى يُكْتَبَ فِي الجَبَّارِين ، فَيُصِيبَهُ مَا أَصَابَهُمْ)) رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن)) . ((يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ)) أيْ : يَرْتَفِعُ وَيَتَكَبَّرُ .

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی تکبر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سرکشوں میں لکھا جاتا ہے پس اس کو وہی سزا ملے گی جو ان کو ملے گی (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ حدیث حسن ہے) یذھب بنفسہ بڑائی اور تکبر کرتا ہے۔

حدیث کی تشریح: آدمی اپنے آپ کو بلند سمجھتا رہتا ہے اور اس حسن ظن میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور عظیم آدمی ہے یہاں تک کہ وہ تکبر کے مختلف درجے طے کرتا ہوا متکبر سرکش اور ظالم لوگوں کے درجے کو پہنچ جاتا ہے اور اس کا نام ان کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر خصال حمیدہ اور اخلاق حسنہ پروان چڑھانے کی کوشش کرے اور برے اخلاق سے بچے اور کوشش اور سعی کر کے اچھی عادات اختیار کرے۔ (روضۃ المتقین: ۲/۱۶۶، دلیل الفالحین: ۳/۶۳)

....

باب حسن الخلق
حسن اخلاق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "بے شک آپ اعلیٰ اخلاق پر ہیں۔" (القلم: ۴)

تفسیر: پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ ترین اخلاق پر مبعوث فرمایا، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں مکارم اخلاق کی تتمیم کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا، یعنی لسان نبوت پر قرآن

جاری تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال وعادات قرآن کی تفسیر تھے۔ قرآن نے جس جس نیکی، بھلائی اور اچھائی کی تعلیم دی وہ ساری کی ساری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں موجود تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کا عملی پیکر تھے اور قرآن کریم نے جن برائیوں کا ذکر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے طبعاً نفور اور عملاً بہت دور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کی ساخت آپ کی طبیعت کا رنگ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کا اسلوب ہی اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حرکت و عمل تناسب و اعتدال سے اور اللہ کے بنائے ہوئے قانون فطرت سے سر مو تجاوز نہ کر سکتی تھی۔ (تفسیر عثمانی، معارف القرآن)

وَقَالَ تَعَالَىٰ: وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۝

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اور وہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔" (آل عمران: ۱۳۴)

تفسیر: دوسری آیت کریمہ میں اخلاق کے چند پہلوؤں کو واضح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل تقویٰ وہ ہیں جو راحت و تکلیف ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ فی الواقع غصہ کو پی جانا بہت بڑا کمال ہے اور اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتیوں یا غلطیوں کو بالکل معاف فرمادیتے ہیں اور نہ صرف معاف کر دیتے ہیں بلکہ حسن سلوک اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک تھے

وعن أنس رضي الله عنه ، قال : كَانَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاس خُلُقاً . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق کا مجموعہ تھے"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: دنیا کے سارے ہی مذہبوں کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ اللہ جل شانہ نے جتنے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے سب کی یہی تعلیم رہی ہے لیکن مذہب اسلام کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سب سے آگے رہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کا نمونہ پیش فرمایا اس سے سب عاجز ہو گئے بلکہ آپ صلی اللہ علہ وسلم نے ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا: "بعثت لاتمم حسن الاخلاق" میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق حال کے لیے مکہ بھیجا کہ "وہ کیسے نبی ہیں؟" تو ان کے بھائی نے یہ کہا "رأیتہ یامر بمکارم الاخلاق" میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور دشمن کے لیے یکساں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کا بیان

(۳) وعنه ، قَالَ : مَا مَسِسْتُ دِيبَاجاً وَلاَ حَرِيراً أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَلاَ شَمَمْتُ رَائِحَةً قَطُّ أَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ رسولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَلَقَدْ خدمتُ رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سنين ، فما قَالَ لي قَطُّ : أُفٍّ، وَلاَ قَالَ لِشَيءٍ فَعَلْتُهُ : لِمَ فَعَلْتَه ؟ وَلاَ لشَيءٍ لَمْ أفعله : ألاَ فَعَلْتَ كَذا ؟ متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کوئی دیباج یا ریشم اتنا نرم نہیں پایا جتنی نرم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی تھی اور کوئی خوشبو اس قدر لطیف کبھی نہیں سونگھی جتنی لطیف خوشبو آپ کے جسم کی تھی میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کبھی اف نہیں کہا اور جو کام میں نے کیا آپ نے اس کے بارے میں کبھی یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اور اس کے بارے میں آپ نے کبھی نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و جمال باطنی کے ساتھ ظاہری حسن و جمال کا بھی پیکر تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کف دست حریر اور ریشم سے زیادہ نرم اور ملائم تھے اور جسد اقدس میں ایسی لطیف خوشبو تھی کہ ایسی خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے مصافحہ فرماتے سارا دن اس کے ہاتھ میں خوشبو رہتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کسی عطار کی ہتھیلی کی طرح تھی آپ اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کی بناء پر دوسرے بچوں سے ممتاز ہو جاتا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال رہا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو میری عمر دس سال تھی مجھے میری ماں نے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دے دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک آپ کے ساتھ رہا۔ اس دس سال کے طویل عرصے میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوں تک نہیں کہا کسی کام کو یہ نہیں کہا کہ کیوں کیا اور کسی کام کو یہ نہیں کہا کہ کیوں نہیں کیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سال تک سفر و حضر میں گھر میں اور باہر ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ (فتح الباری: ۲/۷۷۲، روضۃ المتقین: ۲/۱۶۸)

محرم کیلئے شکار کا ہدیہ لینا جائز نہیں

وعن الصعب بن جَثَّامَةَ رضي الله عنه ، قَالَ : أهديتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ حِمَاراً وَحْشِيّاً ، فَرَدَّهُ عَلَيَّ ، فَلَمَّا رأى مَا في وجهي ، قَالَ : ((إنّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إلاَّ لأنّا حُرُمٌ ((۲)))) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک وحشی گدھا ہدیہ کے طور پر پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مجھے واپس لوٹا دیا پس جب آپ نے میرے چہرے کے (اثرات) دیکھے تو فرمایا ہم نے تیرا ہدیہ اس لئے واپس کیا کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں"۔

حدیث کی تشریح: اَهْدَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًا:

محرم شکار کھا سکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں جمہور علماء جن میں آئمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، شافعی واحمد وغیرہ ہیں، کہتے ہیں کہ غیر محرم نے محرم کے لیے شکار کیا تو اب اس سے محرم کو کھانا جائز نہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو اور محرم نے نہ اشارہ کیا ہو اور نہ دلالت کی ہو تو اب محرم کو اس سے کھانا جائز ہے۔ (اوجز المسالک ۶/۳۵۱)

امام ابو حنیفہ کے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکار کیا تو وہ اپنے محرم بھائیوں کو کھلایا تو بعض نے کھایا اور بعض نے نہیں کھایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ملاقات ہوئی تو مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محرموں نے اشارہ یا حکم تو نہیں کیا تو ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھانے والوں کو کچھ نہیں کہا۔ (مشکوٰۃ)

اگر زندہ جانور محرم کو دیا جائے تو اب محرم کو لینا جائز نہیں۔ اسی حدیث بالا کو امام بخاری نے عنوان دیا ہے کہ جب محرم کو زندہ گدھا وحشی ہدیہ کے طور سے دیا جائے تو وہ اس کو قبول نہ کرے۔

آپؐ نے فرمایا نیکی اچھا اخلاق ہے

وعن النَّوَّاس بنِ سمعان رضي الله عنه ، قَالَ : سألتُ رسولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن البرِّ وَالإثم ، فَقَالَ : ((البرُّ : حُسنُ الخُلقِ ، والإثمُ : مَا حاكَ في صدرِك ، وكَرِهْتَ أن يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بر حسن اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جس کی تمہارے دل میں کھٹک محسوس ہو اور تمہیں پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو۔ (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا ہے۔ اگر انسان کی یہ فطرت بدستور سلیم باقی رہے اور گناہوں کی آلودگیوں میں ملوث ہو کر زنگ خوردہ نہ ہو جائے تو انسان جان سکتا ہے کہ برائی اور گناہ کیا ہے اس کا قلب کبھی بھی گناہ اور برائی پر اطمینان محسوس نہیں کرے گا بلکہ اس کے دل میں ایک کسک سی پیدا ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی انسان یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اسے برا سمجھیں یا اس کی کسی برائی کا ذکر کریں اس لیے وہ لوگوں سے اس برائی کو چھپانا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر قلب زنگ خوردہ ہو جائے اور فطرت سلیمہ منقلب ہو جائے تو انسان کے سینے میں آویزاں یہ خیر و شر کی میزان بے اثر ہو جاتا ہے۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بر (نیکی) حسن اخلاق ہے اور اثم (گناہ) ہر وہ کام یا بات ہے جس سے دل میں کسک ہو اور آدمی یہ چاہے کہ کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو نہیں تھے

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما ، قَالَ : لَمْ يكن رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشاً وَلاَ مُتَفَحِّشاً ، وكان يَقُولُ : ((إنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلاَقاً)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ۔ "حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعاً فحش گو تھے اور نہ ہی تکلفاً فحش گوئی فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اچھے اخلاق والا ہو"۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ جو زیادہ اچھے اخلاق والا ہو گا وہ لوگوں میں سب سے بہتر ہو گا۔ اسی اخلاق سے آدمی اللہ کا اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دنیا والوں کے نزدیک محبوب بنتا ہے۔

ایک راوی حضرت عمرو بن شعیب کی روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ کامل انسان کے بارے میں اطلاع نہ دوں؟ تو لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ ہاں! اللہ کے رسول بتادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان ۶/ ۲۳۴)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں ایمان کے اعتبار سے کامل ترین وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہو اور اپنی عورتوں کے حق میں بھی بہتر ہو۔ (بیہقی فی شعب الایمان ۶/ ۲۳۲)

حسن اخلاق میزان عمل پر بہت بھاری ہو گا

وعن أَبي الدرداءِ رضي الله عنه : أن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((مَا مِنْ شَيْءٍ

أثْقَلُ في مِيزَانِ العبدِ المُؤْمِنِ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ حُسْنِ الخُلُقِ ، وَإنَّ الله يُبْغِضُ الفَاحِشَ البَذِيَّ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) . ((البَذِيُّ)) : هُوَ الَّذِي يتكلَّمُ بِالفُحْشِ ورديء الكلام .

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت مومن کے میزان میں کوئی عمل حسن خلق سے وزنی نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ فحش گوئی اور بدزبانی کرنے والے کو ناپسند فرماتے ہیں۔(الترمذی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بذی وہ ہے جو فحش گوئی اور بدزبانی کرے۔

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کے اعمال وزن ہوں گے اور وہاں معانی اور مفاہیم بھی مجسد ہو جائیں گے۔ جیسا کہ فرمایا کہ موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور روز قیامت صرف انہی اعمال کا وزن ہوگا جو ایمان کے ساتھ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں کافر کے اعمال کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

”فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا“ (الکہف:۱۰۵)

اور وہاں کے پیمانے اس دنیا کے پیمانوں سے مختلف ہوں گے جو باتیں اس دنیا میں ہلکی تصور کی جاتی ہوں یا دنیا دار لوگوں کی نظر میں بے قیمت ہوتی ہیں حساب کے روز ان کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا:

”کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم.“

”دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری ہیں وہ یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔“

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ناپسند فرماتے ہیں جو بدزبان اور فحش گو ہو۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بذی کے معنی ہیں بدگو، بےحیا اور بیہودہ باتیں کرنے والا اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بذی کے معنی بداخلاق کے ہیں کہ پہلے اخلاق حسنہ کا ذکر تھا تو یہاں اس کے بالمقابل بدخلقی کا ذکر فرمادیا۔(تحفۃ الاحوذی:۱۳۰/۶، روضۃ المتقین:۲/۲۰۷، دلیل الفالحین:۳/۶۷)

اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : سُئِلَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أكثرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ ؟ قَالَ : ((تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الخُلُقِ)) ، وَسُئِلَ عَنْ أكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، فَقَالَ : ((الفَمُ وَالفَرْجُ)) رواه الترمذي، وقال : ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ۔”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل ایسا ہے جس سے لوگ بہت زیادہ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق۔ پھر پوچھا گیا کہ کون سی

چیزیں انسان کو سب سے زیادہ جہنم میں لے جائیں گی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا منہ اور شرم گاہ۔ (ترمذی اور صاحب ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے)"

حدیث کی تشریح: علماء فرماتے ہیں یہ حدیث بہت جامع حدیث ہے۔ "تقوی اللّٰہ" اللہ کا ڈر۔ جس میں اللہ کا ڈر ہو گا اس کا تعلق اللہ سے اچھا ہو گا۔ "حُسْنُ الْخُلُقِ" اچھے اخلاق سے اس کا تعلق مخلوق خدا سے اچھا ہو گا جب یہ دونوں باتیں کسی بندے میں جمع ہو جاتی ہیں تو اب وہ نہ حقوق اللہ میں کمی کرے گا اور نہ ہی حقوق العباد میں کمی کرے گا۔ ان ہی دونوں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ اسی وجہ سے ان صفات والے لوگ جنت میں بکثرت چلے جائیں گے۔ (شرح طیبی)

وَسُئِلَ عَنْ اَكْثَرِ مَايُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ فَقَالَ اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ

جس وجہ سے لوگ جہنم میں زیادہ جائیں گے وہ بھی دو چیزیں ہیں:

(۱) منہ: اسی منہ کے ذریعے یہ بڑے بڑے حرام کام کا ارتکاب کرے گا۔ مثلاً غیبت' بہتان' گالم گلوچ' بیہودہ گوئی وغیرہ۔

(۲) شرم گاہ: یہ بدکاری کا سبب ہے تو اس کی وجہ سے لوگ جہنم میں زیادہ داخل ہوں گے۔

حدیث بالا میں ترغیب ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو تقویٰ اور اچھے اخلاق سے مزین کرے اور زبان اور شرم گاہ کے فتنہ سے اپنے آپ کو بچائے تاکہ جنت میں چلا جائے اور جہنم سے بچ جائے۔

اچھے اخلاق کامل ایمان والے ہیں

وعنه، قال: قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أَكْمَلُ الْمُؤمنينَ إِيمَاناً أَحسَنُهُمْ خُلُقاً، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے بہتر ہوں (ترمذی' اور صاحب ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے)"۔

حدیث کی تشریح: **اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا:** حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اچھے اخلاق یہ ہیں کہ تم لوگوں سے کشادہ پیشانی سے ملو' اچھے اخلاق کا برتاؤ کرو اور تکلیف دہ امور سے ان کو بچاؤ۔ (اتحاف السادات ۷/۳۲۶)

کنز العمال میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ مکارم اخلاق یہ ہیں کہ اللہ کے لیے ایک دوسرے کی ملاقات' آنے والے کا اکرام' جو کچھ ملے تو اس پر خوش ہو اگرچہ پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ (کنز العمال ۸/۳۹)

حضرت ابو العباس ابن احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس نے بلند مرتبہ پایا حسن اخلاق ہی کی وجہ سے پایا۔

(اتحاف السادۃ ۷/۳۲۶)

"خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ" علماء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن برتاؤ کرنا ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا' حضرات انبیاءؑ اور اہل اللہ کی شان ہے۔ (شمائل کبریٰ ۳/۴۱)

اچھے اخلاق والوں کیلئے خوشخبری

وعن أبي أُمَامَةَ الباهِلِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيتٍ فِي رَبَضِ الجَنَّةِ((٦)) لِمَنْ تَرَكَ المِرَاءَ ، وَإنْ كَانَ مُحِقّاً ، وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الكَذِبَ ، وَإنْ كَانَ مَازِحاً ، وَبِبَيْتٍ فِي أعلَى الجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ)) . حديث صحيح ، رواه أبُو داود بإسناد صحيح . ((الزَّعِيمُ)) : الضَّامِنُ .

ترجمہ۔"حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کے لئے بیرونی جنت میں محل دلانے کی ضمانت لیتا ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دے اور اس شخص کو جنت کے درمیان میں محل دلانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھوٹ بولنا ترک کردے اگرچہ وہ مزاح کے طور پر ہی کیوں نہ ہو اور اس شخص کو جنت کے بلند ترین حصہ میں محل دلانے کی ضمانت لیتا ہوں جس کے اخلاق اچھے ہوں"۔ (ابوداؤد)

الزعیم: کا معنی ہے کفیل ہونا۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں تین قسم کے لوگوں کو جنت میں نمایاں مقامات دلانے کا وعدہ کیا جارہا ہے۔"أَنَا زَعِيمٌ" علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کفیل ہونا' ضامن ہونے کے ساتھ کیا ہے۔

لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ: جو شخص جھگڑے کو حق پر ہونے کے باوجود چھوڑ دے بشرطیکہ وہ معاملہ اس قسم سے نہ ہو جس میں سکوت سے دین میں نقصان ہوتا ہو اگر خاموش ہونے سے دین کا نقصان ہوتا ہے اب اس کو خاموش رہنا صحیح نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کسی دینی معاملہ میں کوئی بحث و مناظرہ اس مقصد کے علاوہ اور کسی اور وجہ سے نہیں کرتا کہ صرف مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق ثابت ہو جائے' جھگڑا کرنا کبھی بھی مقصد نہیں ہوتا۔ (مظاہر حق ۴/۴۶۸)

خلاصہ یہ ہوا کہ آدمی جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔

لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ:۔ اگرچہ مذاق میں ہی کیوں نہ ہو مگر اس صورت سے چند جگہیں مستثنیٰ ہیں مثلاً لوگوں کے درمیان صلاح کے لیے' میدان جنگ میں مسلمانوں کا مال بچانے کے لیے۔

حَسُنَ خُلُقُهُ:۔ ان سب میں اچھے اخلاق کی اہمیت سب سے زیادہ ہو گی کہ کیونکہ جھگڑا ختم کرنا اور جھوٹ نہ بولنا حسن اخلاق کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لیے حسن اخلاق سب کی بنیاد ہے۔ اس وجہ سے سب سے اعلیٰ جنت کا وعدہ حسن اخلاق والوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

وعن عائشة رضی الله عنها قالت: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: ان المومن لیدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم'' (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مؤمن اپنے حسن اخلاق سے وہ درجہ پا لیتا ہے جو ایک روزہ دار شب بیدار شخص پاتا ہے۔ (ابوداؤد)

حدیث کی تشریح: اصل بات اللہ کے راستے میں چلنے کی سعی اور مجاہدہ ہے۔ قیامِ لیل ایک مجاہدہ ہے اور صوم نہار ایک مجاہدہ اور مختلف و متنوع لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ دیانت وامانت کے ساتھ اور صدق و صفا کے ساتھ معاملہ کرنا بھی مجاہدہ ہے اور اس مجاہدے سے گزر کر مؤمن قائم اور صائم کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اگرچہ اس کی نفلی نمازیں کم ہوں اور نفلی روزوں کی تعداد کم ہو۔ (دلیل الفالحین: ۳/۶۹۔ روضۃ المتقین: ۲/۱۷۳)

....

باب الحلم والأناة والرفق

حلم' بردباری اور نرمی کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَالكَاظِمِينَ الغَيْظَ وَالعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۴]

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔''

معاف کرنے والوں کے فضائل

تفسیر: آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کر دینا چاہیے اس کی متعدد روایات اور احادیث میں فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:

''مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُشْرَفَ لَهُ الْبُنْيَانُ وَتُرْفَعَ لَهُ الدَّرَجَاتُ فَلْيَعْفُ عَنْ مَّنْ ظَلَمَهُ وَيُعْطِ مَنْ حَرَمَهُ وَيَصِلُ مَنْ قَطَعَهُ''

''ترجمہ: جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنت میں اونچے اونچے ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں اس کو چاہیے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس کو معاف کر دے اور جس نے اس کو کچھ نہ دیا ہو اس کو بخشش کرے اور جس نے اس سے ترک تعلقات کیا ہو یہ اس سے صلہ رحمی کرے۔''

ایک دوسری روایت میں آتا ہے قیامت کے دن اللہ جل شانہ کی طرف سے اعلان ہوگا جس شخص کا اللہ جل شانہ پر کوئی حق ہے تو وہ کھڑا ہو جائے تو اس وقت وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کے ظلم کو دنیا میں معاف کیا ہوگا۔ (معارف القرآن ۲/۱۸۹)

وقال تَعَالَى : ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الجَاهِلِينَ ﴾ [الأعراف : ۱۹۹] ،

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عفو و درگزر کو اختیار کرو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔"

تفسیر: اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق فاضلہ کی ہدایت دی گئی ہے۔

خذ العفو: آپ قبول کر لیا کریں اس چیز کو جو لوگ آسانی سے کر سکیں۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال و اخلاق میں سرسری اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا ہے' میں نے عزم کر لیا ہے جب تک میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں ایسا ہی عمل کروں گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعض کہتے ہیں کہ عفو کے معنی ہیں درگزر کرنا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو جبریل امین نے اللہ جل شانہ سے پوچھنے کے بعد بتایا کہ جو شخص آپ پر ظلم کرے' آپ اس کو معاف کر دیں اور جو آپ کو کچھ نہ دے آپ اس کو دیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع تعلق کرے آپ اس کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ: مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برائی اور ظلم سے پیش آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے انتقام نہ لیں' معاف کر دیں بلکہ ان کو نیک کام کی ہدایت بھی کرتے رہیں۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ: مطلب یہ ہے کہ جاہلوں سے آپ کنارہ کشی اختیار کریں اور ظلم کا انتقام چھوڑ کر خیر خواہی اور ہمدردی کریں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کنارہ کشی کا یہ مطلب ہے کہ آپ ان کی برائی کا برائی سے بدلہ نہ دیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہدایت کرنا چھوڑ دیں یہ تو وظیفہ رسالت و نبوت کے شایان شان نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر و معارف القرآن ۴/۱۵۷)

وقال تَعَالَى: ﴿ وَلاَ تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلاَ السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلاَّ الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلاَّ ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴾ [فصلت: ۳۴،۳۵] ،

ترجمہ: "بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی' برائی کا اس طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم

دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا سرگرم دوست بن جائے گا۔ یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنیوالے ہیں اور ان کو ہی نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیبوں والے ہوتے ہیں۔"

تفسیر: وَلَاتَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ: اس آیت میں دین کے کام کرنے والوں کو ایک خصوصی ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے کبھی نہ دیں بلکہ ہمیشہ برائی کا بدلہ صبر اور احسان کے ساتھ دیں۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ: برائی کا بدلہ برائی سے نہ دینا بلکہ معاف کردینا تو یہ عمل اچھا ہوگا اس کے ساتھ احسان کا معاملہ بھی کیا جائے یہ عمل احسن ہے اور آیت میں بھی احسن عمل کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔

مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت بتارہی ہے کہ جو غصہ کرے تو تم صبر کرو اور جو تم سے جہالت سے پیش آئے تو تم اس کے ساتھ بردباری کا معاملہ کرو اور جو تم کو ستائے تم اس کو معاف کردو۔ (تفسیر مظہری ۱۰/۲۸۴)

" فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ"

کہ اگر تم نے معاف کردیا تو اب وہ تمہارا گہرا دوست بن جائے گا کہ اس کو خود ہی شرمندگی ہو جائے گی اور پھر ہمیشہ کیلئے وہ تمہارا مطیع اور فرمانبردار ہو کر رہے گا۔ (تفسیر مظہری ۱۰/۲۸۵)

وقال تَعَالَی: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الأُمُورِ ﴾ف[الشوری: ۴۳].

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: جو صبر کرے اور قصور معاف کردے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

تفسیر: آیت میں ترغیب دی جارہی ہے اس بات کی کہ جو تم پر ظلم کرے تو تم ظلم نہ کرو بلکہ صبر کرو انتقام کے بجائے معاف کرو، صبر کرنے کی بہت سی احادیث میں بھی ترغیب دی گئی ہے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ: عزم کا معنی ہے مطلوب۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک ایسا آدمی افضل الناس ہوگا۔ حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ صبر ان امور میں سے ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ (تفسیر مظہری ۱۰/۳۳۲)

معاف کردینا درحقیقت بڑے ہمت کا کام ہے، ہر آدمی معاف نہیں کرسکتا۔

دو عادتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں

وعن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لأَشَجِّ عَبْدِ القَيْسِ : ((إنَّ فيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ : الْحِلْمُ وَالأَنَاةُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے اشج عبد القیس سے فرمایا کہ تمہارے اندر دو عادتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں ایک حلم اور دوسرے سوچ سمجھ کر کام کرنا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: قبیلہ عبد القیس کے چودہ افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی آمد کا سبب یہ ہوا کہ منقذ بن حیان زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ تجارت کے لیے آیا کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد بھی لحاف اور کھجوریں لے کر مدینہ منورہ آئے۔ منقذ بن حیان بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے۔ حضرت منقذ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم منقذ بن حیان تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟ پھر آپ نے ان کی قوم کے اشراف کے نام لے لے کر پوچھا۔ منقذ کو حیرت ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے نام کیسے معلوم ہیں؟ بہر حال انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور سورۃ فاتحہ اور سورہ اقراء یاد کی اور ہجر روانہ ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگوں کے نام خط بھی بھیجا وہ خط لے گئے اور کچھ روز اس خط کو اپنے پاس چھپائے رکھا۔

ان کی بیوی جو منذر بن عائذ کی بیٹی تھی جن کے چہرے پر نشان تھا اور اس نشان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے انہیں اشج کہا تھا۔ غرض منقذ بن حیان کی بیوی نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے ذکر کیا اور کہا کہ جب سے منقذ یثرب سے آیا ہے عجیب باتیں دیکھنے میں آرہی ہیں اپنے اعضاء دھوتا ہے قبلہ رُو ہو جاتا ہے کمر جھکاتا ہے اور پیشانی زمین پر ٹیکتا ہے۔ دونوں نے منقذ سے ملاقات کی اور باپ بیٹی دونوں مسلمان ہوگئے۔ پھر منذر بن عائذ اشج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر کو اپنی قوم عصر اور محارب پر پیش کیا اور انہیں یہ تحریر پڑھ کر سنائی جسے سن کر وہ سب مسلمان ہوگئے اور سب وفد کی صورت میں مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ طور پر اپنے صحابہ کرامؓ کو دی اور فرمایا کہ اہل مشرق کے بہترین لوگ وفد عبد القیس آرہا ہے جس میں اشج عصری بھی ہیں۔

،جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو تمام شرکاء وفد فرط اشتیاق سے آپ کی زیارت کے لیے دوڑے اور شرف ملاقات حاصل کر لیا۔ مگر اشج جو نوجوان بھی اور سردار قوم بھی تھے انہوں نے پہلے اونٹوں کو باندھا' غسل کیا اور عمدہ لباس زیب تن کیا اور پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے برابر بٹھایا۔

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم اپنے نفسوں پر اور اپنی قوم پر بیعت کرو گے سب نے کہا کہ جی ہاں اشج بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسی امر سے کسی کو ہٹانا اس قدر دشوار نہیں ہے جتنا دشوار کسی کو اس کے دین سے ہٹانا ہے اس لیے اولاً ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اور اپنی قوم کے پاس داعی بھیجتے ہیں پھر جو ہمارے ساتھ چلے تو درست ورنہ ہم اس کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے صحیح کہا تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں ایک حلم اور دوسرے سوچ سمجھ کر کام کرنا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اشج کے طرز عمل اور ان کی گفتگو سے ان کے حلم و تدبر اور ان کی فہم و فراست ظاہر ہے کہ انہوں نے سوچ سمجھ کر بات کہی اور عواقب و نتائج پر نظر ڈال کر آئندہ کے لائحہ عمل ترتیب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان کی کوشش سے ان کی قوم کے لوگ اسلام قبول کر لیں گے اور ان کے اندر موجود خوبیاں اسلام کی اشاعت کا سبب اور ذریعہ بنیں گی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ان خوبیوں کی تعریف فرمائی۔ اشج نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ دو خوبیاں میرے اندر جبلی ہیں یا اکتسابی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں ان خوبیوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اس پر اشج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسی خصلتوں کے ساتھ پیدا فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہیں۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱/ ۱۶۲، روضۃ المتقین: ۲/ ۲۷۱، دلیل الفالحین: ۳/ ۴۷)

اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند فرماتے ہیں

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((إنَّ اللهَ رفيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الأَمْرِ كُلِّه)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ ”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والے ہیں اور ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں“۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: إِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ:

علماء فرماتے ہیں ”رفق“ یہ ضد ”عنف“ ہے بمعنی نرمی کہ آدمی اپنے ساتھیوں کے حق میں مہربان و نرم خو ہو انکے ساتھ اچھی طرح پیش آئے اور ہر کام کو اطمینان و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے۔ (مظاہر حق ۴/ ۶۰۵)

ان سب کے مجموعہ کا نام نرمی ہے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کا نرمی اور مہربانی کو پسند کرنا خود بندوں کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ آپس میں شفقت اور مہربانی اور نرمی کے ساتھ زندگی گزاریں۔ اگر اس طرح کی زندگی ہوگی تو یہ معاشرہ پرسکون اور امن کا گہوارہ بن جائے گا پھر ایسے معاشرہ پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے خیر و برکت نازل ہوتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ (مظاہر ۴/ ۶۰۷)

اللہ تعالیٰ کا نرمی اختیار کرنے والوں کے ساتھ معاملہ

وعنها : أنَّ النبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفقَ ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفق ، مَا لاَ يُعْطِي عَلَى العُنْفِ ، وَمَا لاَ يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والے ہیں اور نرمی کو پسند فرماتے ہیں اور نرمی کرنے پر وہ نعمتیں عطا فرماتے ہیں جو سختی کرنے پر عطا نہیں فرماتے بلکہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر بھی نہیں فرماتے۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں اس لیے بندوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ آپس میں نرمی کا' مہربانی کا اور حسن سلوک کا معاملہ کریں اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا بخشش سب سے زیادہ بلکہ ہر چیز سے زیادہ نرمی اختیار کرنے پر ہوتی ہے اور اس میں دنیاوی فائدہ بھی ہے کہ نرمی اختیار کرنے سے باہمی تعلق محبت اور مودت میں اضافہ ہوگا اور لڑائی جھگڑے کم ہوں گے اور معاشرے میں امن وسکون اور عافیت میں اضافہ ہوگا۔(شرح صحیح مسلم للنووی:۱۶؍۱۲۰)

نرمی نہ ہونے سے کام میں عیب پیدا ہوتا ہے

وعنها : أنَّ النبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إنَّ الرِّفْقَ لاَ يَكُونُ في شَيْءٍ إلاَّ زَانَهُ ، وَلاَ يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إلاَّ شَانَهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس بات میں نرمی ہو وہ اس کو مزین بنادیتی ہے اور جس بات سے نرمی جاتی رہے وہ عیب دار ہو جاتی ہے(مسلم)

حدیث کی تشریح: نرم خوئی انسان کا ایسا وصف ہے جس سے انسان لوگوں کے درمیان محبوب ومقبول ہو جاتا ہے اور کیونکہ طبیعت کی نرمی دراصل اصل سرچشمہ ہے تمام اخلاق حسنہ کا کہ اچھے اخلاق وعادات تمام کے تمام وصف رحمت سے پیدا ہوتے اور تمام صفات رذیلہ طبیعت کی سختی تندی اور غلاظت سے پیدا ہوتی ہے۔ جتنا انسان رحیم وکریم ہوگا اتنے ہی اس کے اخلاق اچھے اور عمدہ ہوں گے اور جس قدر سخت مزاج اور کھردرا ہوگا اسی قدر اخلاق رذیلہ اس کے اندر موجود ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شے کو خوبصورتی اور حسن عطا فرمادیتے ہیں جس میں نرمی ہو اور جس بات سے نرمی جاتی رہے وہ عیب دار ہو جاتی ہے اس لیے مؤمن کے طرز عمل کا ہر ہر پہلو نرمی اور محبت کا ہونا چاہیے سختی اور ترش روئی کا نہ ہونا چاہیے۔(شرح صحیح مسلم للنووی:۱۶؍۱۲۱)

دیہاتی کا مسجد میں پیشاب کرنے کے ساتھ معاملہ

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ، قَالَ : بَال أعْرَابيٌّ في المسجدِ ، فَقَامَ النَّاسُ إلَيْهِ لِيَقَعُوا فِيهِ ، فَقَالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((دَعُوهُ وَأرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلاً مِنْ مَاء ، أوْ ذَنُوباً مِنْ مَاء ، فَإنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَم تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ)) رواه البخاري . ((السَّجْلُ)) بفتح السينِ المهملة وإسكان الجيم : وَهِيَ الدَّلو المُمْتَلِئَةُ مَاءً ، وَكَذلِكَ الذَّنُوبُ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں پیشاب کردیا لوگ اس کی جانب لپکے کہ اسے کچھ کہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہادو کہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں بنا کر بھیجے گئے ہو۔ (بخاری)

السجل: پانی سے بھرا ہوا ڈول اور یہی معنی ذنوب کے ہیں۔

حدیث کی تشریح: ایک اعرابی مسجد میں آیا اور اس نے پیشاب کر دیا اس اعرابی کا نام اقرع بن حابس تھا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس کا نام عیینہ بن حصین یا ذوالخویصرہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اولاً تو اس نے آکر کہا کہ اے اللہ! مجھ پر اور محمد پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ کر۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے تو بہت وسیع شے کو محدود کر دیا' لوگ اس کی جانب بڑھے کہ اس کو روکیں یا کچھ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہادو۔

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک زمین پر پانی بہانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین پانی بہانے سے پاک ہو جاتی ہے' دھوپ سے خشک ہو کر بھی پاک ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہے اور تنگی پیدا کرنے والا بنا کر مبعوث نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بطور خاص اور تمام اُمت کا علی وجہ العموم یہ فریضہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتے ہوئے ہر دور اور زمانے میں دعوت دین کا کام سرانجام دیں اور کار دعوت میں نرمی اور تیسیر کا پہلو اختیار کریں۔

(فتح الباری: ۱/۳۵۵' ارشاد الساری: ۱/۴۴۵' عمدۃ القاری: ۱۸۹/)

خوشخبری دو' نفرتیں نہ پھیلاؤ

وعن أنس رضي الله عنه ، عن النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا ، وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آسانی کرو' سختی نہ کرو خوش خبری دو اور نفرت نہ دلاؤ"۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: یَسِّرُوْا وَلاَ تُعَسِّرُوْا: آسانی کرو' سختی نہ کرو۔ حدیث بالا میں بھی داعیان تبلیغ کو ایک اہم اصول کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ دعوت کا کام کرنے والے نرمی اور آسانی کا معاملہ کریں کہ نرمی اور آسانی سے ہی لوگوں کو قریب کیا جا سکتا ہے۔ اگر سختی کی جائے گی تو اس سختی سے لوگ دور بھاگیں گے دین کا کام پھر نہیں کیا جا سکے گا۔ علاوہ ازیں اسلوب ایسا نہ ہو جس سے نفرت پیدا ہو بلکہ ایسا ہو جس سے بشارتیں معلوم ہوں۔

نرمی سے محروم ہونیوالا ہر بھلائی سے محروم ہوتا ہے

وعن جرير بن عبدِ اللهِ رضي الله عنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يقولُ : ((مَنْ يُحْرَمِ الرفْقَ ، يُحْرَمِ الخَيْرَ كلَّهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ "حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ ہر قسم کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا"۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص نرمی و مہربانی والی خوبی سے خالی ہو تو وہ تمام ہی بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ نیز اس حدیث میں نرمی مہربانی والی خوبی کی فضیلت کو بیان کیا جارہا ہے اور اس کے حاصل کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور اس سے محرومی کے نقصانات کو بیان کیا جارہا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نرمی تمام بھلائیوں کے حاصل ہونے کا سبب و ذریعہ بھی ہے۔(مرقاۃ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کہ غصہ نہ ہوا کرو

وعن أبي هريرة رضي الله عنه : أنَّ رَجُلاً قَالَ للنبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أوْصِنِي . قَالَ : ((لاَ تَغْضَبْ)) ، فَرَدَّدَ مِرَاراً ، قَالَ : ((لاَ تَغْضَبْ)) رواه البخاري .

ترجمہ۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا غصہ نہ ہوا کرو۔ اس نے کئی بار اپنا سوال دہرایا تو آپ نے (ہر مرتبہ) فرمایا کہ غصہ نہ ہوا کرو"۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: یہ حدیث اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔ مگر مصنف علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ اس باب میں اس لیے لائے کہ آدمی کو نصیحت حالات کو دیکھ کر کرنا چاہیے جیسے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ صحابی (جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرمارہے ہیں) مزاج میں تیز اور غصہ والے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو نصیحت فرمائی کہ غصہ مت کیا کرو۔

اپنے ذبیحوں کو ذبح کے وقت راحت پہنچانا

وعن أبي يعلى شَدَّاد بن أوس رضي الله عنه ، عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : ((إنَّ الله كَتَبَ الإحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإذَا قَتَلْتُم فَأحْسِنُوا القِتْلَة ، وَإذَا ذَبَحْتُمْ فَأحْسِنُوا الذِّبْحَة ، وَلْيُحِدَّ أحَدُكُمْ شَفْرَته ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کو اچھے طریقہ سے کرنے کو لازم قرار دیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی کو قتل کرو تو وہ بھی اچھی طرح کرو اور ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری کو خوب تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس بات کو فرض اور لازم قرار دیا ہے کہ وہ ہر بات کو اور ہر کام کو عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ کرے حتیٰ کہ اگر تم کسی آدمی کو قتل کرنے لگو یعنی میدان جنگ میں کسی دشمن کو یا کسی کو قصاصاً قتل کرنے لگو تو اس میں بھی اچھا طریقہ اختیار کرو یعنی اس کو مارنے میں کوئی ظالمانہ طریقہ اختیار نہ کرو اس کی انسانیت کی تکریم کو برقرار رکھو اور اس طرح قتل کرو کہ اسے کم سے کم تکلیف ہو اور مرنے کے بعد اس کا مثلہ نہ کرو۔

اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت چھری کی دھار تیز کر لو' کند چھری سے نہ ذبح کرو کہ اس طرح جانور کو زیادہ تکلیف ہو گی۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/۹۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسان کام کو اختیار فرماتے تھے

وعن عائشة رضي الله عنها، قالت: مَا خُيِّرَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلاَّ أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْماً، فَإِنْ كَانَ إِثْماً، كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ. وَمَا انْتَقَمَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ، إِلاَّ أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ الله، فَيَنْتَقِمَ للهِ تَعَالَى. متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ۔"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے زیادہ آسان کام کو اختیار فرمایا' بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا ہو اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ بھاگنے والے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کسی معاملے میں کبھی بھی انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ جل شانہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض اللہ کیلئے انتقام لیتے" (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: مَاخُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَمْرَيْنَ قَطُّ اِلاَّ اَخذَ اَيْسَرَهُمَا: مطلب یہ ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے بارے میں اختیار دیا گیا مثلاً دو سزاؤں کے درمیان تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسان سزا کو اختیار فرمایا۔ اسی طرح جنگ اور صلح کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کو اختیار فرمایا۔ بشرطیکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو اور اس میں اللہ جل شانہ کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو بھی سبق دیا ہے کہ جب دو باتیں سامنے آئیں تو آسان پہلو کو اختیار کیا جائے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔

نرمی کرنے والوں کیلئے خوشخبری

وعن ابن مسعود رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((ألا

أخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّار ؟ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّار ؟ تَحْرُمُ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ ، هَيِّنٍ ، لَيِّنٍ ، سَهْلٍ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن)) .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر حرام ہیں یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے ہر وہ شخص جو قریب آنے والا آسانی کرنے والا نرمی برتنے والا اور نرم خواس پر آگ پر حرام ہے۔(ترمذی)اور ترمذی نے کہاکہ یہ حدیث حسن ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں تعلیم ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اچھے اخلاق اور عادات حسنہ اختیار کریں اور لوگوں سے میل جول اور ان کے ساتھ معاملات میں دیانت اور امانت کے ساتھ نرمی اور لطف اور سہولت کے ساتھ پیش آئیں۔ لوگوں کے ساتھ دین کی حدود و قیود میں رہتے ہوئے میل جول رکھیں اور ان کے کام آئیں' ان کی خدمت کریں اور ان کے ساتھ تواضع وانکساری کا معاملہ کریں اور یہ طرز زندگی اللہ کی رضا کے لیے اختیار کریں۔(روضۃ المتقین:۱/۱۸۲' دلیل الفالحین:۳/۸۱)

....

۷۵- باب العفو والإعراض عن الجاهلين
عفوودرگزراور جاہلوں سے اعراض

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ○

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "عفوودرگزر کو اختیار کرواور نیکی کا حکم دواور جاہلوں سے اعراض کرو۔" (الاعراف:۱۹۹)

تفسیر: پہلی آیت ایک جامع ہدایت ہے جو تین نکات پر مشتمل ہے۔ عفو، امر بالمعروف اور اعراض عن الجاہلین۔ مفسرین نے عفو کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہیں ہر ایسے کام کو قبول کرلینا جو بغیر کسی کلفت کے آسانی کے ساتھ انجام پاجائیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال واخلاق میں، سرسری اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا ہے اور میں نے عزم کیا ہے کہ جب تک میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں میں ایسا ہی عمل کروں گا۔ عفو کے دوسرے معنی درگزر کے ہیں۔ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے اس کا مطلب دریافت کیا۔ جبریل امین نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کرنے کے بعد یہ مطلب بتایا کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کرے اسے معاف کردیں جو آپ کو نہ دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بخشش کریں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع تعلق کرے آپ ان سے بھی ملاکریں۔

پہلے اور دوسرے معنی میں بظاہر فرق ہے لیکن حاصل دونوں کا ایک ہی یعنی درگزر کرنا اور سختی سے گریز کرنا۔

دوسرا جملہ ہے وامر بالعرف عرف کے معنی ہیں ہر اچھے اور مستحسن کام کو عرف کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برائی اور ظلم سے پیش آئیں آپ انہیں معاف کردیں اور انہیں نیک اور اچھے بھلے کاموں کی ہدایت کرتے رہیں۔

تیسرا جملہ واعرض عن الجاهلين ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلوں سے کنارہ کش ہوجائیں یعنی ظلم کا بدلہ لینے کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کریں۔

(معارف القرآن)(ریاض الصالحین ص۵،۲۳)

وَقَالَ تَعَالٰی: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ○ ترجمہ اور فرمایا کہ: "تم ان لوگوں سے اچھی طرح درگزر کرو۔" (الحجر:۸۵)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ لوگوں کی ایذاء رسانی اور ان کی تکلیف دہ باتوں کا جواب نہ دیں بلکہ

ان سے در گزر فرمائیں اور خوبصورتی کے ساتھ ان کو معاف فرمادیں۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی کو برا بھلا کہا جائے اور وہ جواب نہ دے تو فرشتے اس کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور جب وہ جواب دیتا ہے تو فرشتے آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)(ریاض الصالحین ص ۲۳۵)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ○

ترجمہ اور فرمایا کہ: ''چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کردیں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادیں۔'' (النور:۲۲)

تفسیر: تیسری آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مالی مدد کیا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ افک میں حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک ہوگئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی امداد بند کردی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ مغفرت فرمادے اور آپ نے ان کی امداد کا سلسلہ دوبارہ شروع کردیا۔
(تفسیر مظہری، معارف القرآن)(ریاض الصالحین ص ۲۳۵)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (آل عمران:۱۳۴)

ترجمہ اور فرمایا کہ: ''لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتے ہیں۔''

تفسیر: چوتھی آیت کریمہ میں اہل تقویٰ کی صفات حمیدہ کا بیان ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، تنگی ہو یا فراخی اور غصہ کو پی لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کردینا انسانی اخلاق میں ایک بڑا درجہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب آخرت میں نہایت اعلیٰ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ کی طرف سے منادی ہوگی کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے وہ کھڑا ہوجائے تو اس وقت وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کے ظلم وجور کو معاف کردیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)(ریاض الصالحین ص ۲۳۵)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

ترجمہ اور فرمایا کہ: ''جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یہ یقیناً ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (الشوریٰ:۴۳)

وَالْاٰيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيْرَةٌ مَعْلُوْمَةٌ اس باب میں متعدد آیات ہیں جو معلوم اور مشہور ہیں۔

تفسیر: پانچویں آیت میں ارشاد ہوا کہ غصہ کو پی جانا اور ایذائیں برداشت کرکے ظالم کو معاف کردینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر ظلم ہوا ہو اور وہ اللہ کے واسطے اسے معاف کردے تو اللہ اس کی عزت بڑھائے گا اور مدد کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)(ریاض الصالحین ص ۲۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کے سفر میں تکلیف برداشت کرنا

وعن عائشة رضي الله عنها : أنها قالت للنبي - صلى الله عليه وسلم - : هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ ؟ قَالَ : ((لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ ، وَكَانَ أَشَدُّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ ، فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ ، فَانطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي ، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلاَّ وأنا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ((٢)) ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي ، وَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جبريلُ - عليه السلام - ، فَنَادَانِي ، فَقَالَ : إِنَّ الله تَعَالَى قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَد بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الجبالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ . فَنَادَانِي مَلَكُ الجبالِ ، فَسَلَّمَ عَلَيَّ ، ثُمَّ قَالَ : يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ ، وَأَنا مَلَكُ الجبالِ ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبِّي إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ ، فَمَا شِئْتَ ، إِنْ شِئْتَ أَطْبَقْتُ عَلَيهِمُ الأَخْشَبَيْنِ)) . فَقَالَ النبي - صلى الله عليه وسلم - : ((بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلاَبِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً)) متفقٌ عَلَيْهِ . ((الأَخْشَبَانِ)) : الجَبَلانِ المُحيطانِ بمَكَّةَ . وَالأخشبُ : هُوَ الجبلُ الغليظُ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یوم احد سے زیادہ سخت دن آیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہاری قوم کی طرف سے تکلیفیں اٹھائیں اور سب سے زیادہ تکلیف مجھے عقبہ والے دن پیش آئی۔ جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا۔ اس نے میری دعوت کو جس طرح میں چاہتا تھا قبول نہیں کیا۔ میں وہاں سے اس حال میں چلا کہ میں بہت غمگین تھا مجھے اس غم سے اس وقت افاقہ ہوا جب میں قرن ثعالب کے مقام پر پہنچا۔ میں نے ذرا سر اٹھایا تو ایک بادل کو اپنے اوپر سایہ فگن پایا میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبرئیل ہیں۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم کی بات سن لی اور جو جواب انہوں نے دیاوہ بھی سن لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں پر مقرر فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ ان کے بارے میں جو چاہیں اس کو حکم دیں۔ پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ اے محمد اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ بات سن لی جو انہوں نے آپ سے کہی ہے میں پہاڑوں پر مقرر فرشتہ ہوں اور مجھے میرے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے حکم دیں جو آپ چاہیں' اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ملا دوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا کرے جو ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کیساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: غزوہ احد ۳ھ میں ہوا۔ اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر زخم آئے اور دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے جسے کسی کافر نے کھودا تھا اور اس غزوہ میں ستر سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احد سے بھی زیادہ سخت دن آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قوم کی طرف سے مجھے شدید ترین تکالیف عقبہ کے دن پہنچیں۔ اس عقبہ سے منٰی میں وہ عقبہ مراد ہے جس سے جمرۃ العقبہ منسوب ہے۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عم محترم حضرت ابو طالب انتقال کر گئے اور آپ بالکل بے سہارا ہو گئے۔ اُدھر قریش کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی اور آپ کی دعوت کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے اور دعوت اسلام قبول کرنے والوں کو ستانے پر تل گئے۔

ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ آپ طائف جا کر دعوت دین کی سعی کریں مکہ سے طائف کا سفر کوئی آسان سفر نہیں تھا کہ طائف کا مکہ سے فاصلہ سو میل سے زائد کا ہے' راستہ پہاڑی سنگستانی اور پر مشقت ہے' سواری سے آدمی چار دن میں پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر دعوت کو قریش سے مخفی رکھنے کے لیے یہ راستے پیدل طے کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پُر مشقت سفر طے کر کے طائف پہنچے اور وہاں کے سرداروں کے سامنے دعوت اسلام رکھی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اور استہزاء کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اوباش لڑکوں کو لگا دیا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے جس سے قدم مبارک خون آلود ہو گئے اور سر پر بھی زخم آئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ربیعہ کے باغ میں پہنچ گئے اور تھک کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وهو انى على الناس يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين وانت ربى اِلٰي، من تكلني الى بعيد يتهجمنى ام الى عدو ملكته امرى ان لم يكن بك علىّ غضب فلا أبالي غير أن عافيتك أوسع لى أعوذ بنور وجهك الذى اشرقت له الظلمات وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة من أن تنزل بى غضبك او يحل على سخطك لك العتبى حتىٰ ترضىٰ ولا حول ولا قوة الأ بك.

"اے اللہ! میں آپ کی بارگاہ میں اپنی کمزوری' بے سروسامانی اور لوگوں کی نظروں میں بے حیثیت ہونے کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین آپ کمزوروں کے رب ہیں۔ آپ میرے رب ہیں تو مجھے کس کے سپرد

کرتا ہے؟ کسی دشمن کے جو مجھے دبائے یا کسی دوست کے قبضے میں میرے سب کام دے رہا ہے۔ تو اگر آپ مجھ سے ناخوش نہ ہو تو مجھے ان میں سے کسی چیز کی پروا نہیں ہے پھر بھی تیری دی ہوئی عافیت مجھے زیادہ وسیع ہے میں تیری ذات گرامی کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس نے آسمانوں کو روشن کر رکھا ہے اور اس سے ظلمتیں چمک اُٹھی ہیں اور اس سے دنیا اور آخرت کے کام درست ہیں' تیری پناہ اس امر سے کہ تو مجھ پر اپنا غصہ اتارے اور مجھ پر اپنی ناخوشی نازل کرے اور حق ہے کہ تو ہی منایا جائے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور نہ کوئی بچاؤ ہے۔ (گناہ) سے اور نہ کوئی طاقت ہے (عبادت کی) مگر تیری ہی مدد سے۔"

بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے غمگین واپس ہوئے اور آپ کی طبیعت کو اس وقت تک افاقہ نہ ہوا جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرن الثعالب (قرن المنازل جو اہل نجد کی میقات ہے) نہ پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادلوں میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور پہاڑ کے فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو میں مکہ کے دونوں پہاڑوں کو ملا کر ان کے درمیان بسنے والوں کو کچل دوں مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ آئیں گے جو ایک اللہ کی عبادت کرنے والے ہوں گے۔

حدیث مبارک میں بیان ہے اس امر کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دین اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں کس قدر تکالیف برداشت کیں اور کس قدر عظیم صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور ان تمام تکالیف اور ایذاء پر معاف فرمایا اور درگزر کیا۔ (فتح الباری:۲/۲۶۸' عمدۃ القاری:۱۵/۱۹۳' دلیل الفالحین:۳/۸۴' روضۃ المتقین:۲/۱۸۴' الطبقات الکبریٰ:۱/۱۰۲' السیرہ النبویۃ لابن کثیر:۲/۱۵۰) (ریاض الصالحین ص ۲۳۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے علاوہ کسی کو نہیں مارا

وعنها ، قالت : مَا ضَرَبَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - شَيْئاً قَطُّ بيَدِهِ ، وَلاَ امْرَأةً وَلاَ خَادِماً ، إلاَّ أنْ يُجَاهِدَ فِي سَبيلِ اللهِ ، وَمَا نِيلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيْنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهِ ، إلاَّ أن يُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللهِ تَعَالَى ، فَيَنْتَقِمُ للهِ تَعَالَى . رواه مسلم .

ترجمہ۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی چیز کو' نہ کسی عورت کو' نہ خادم کو اپنے ہاتھ سے مارا۔ ہاں! مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے اور کبھی ایسا بھی نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی کی طرف سے تکلیف پہنچی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ لیا ہو۔ ہاں اگر اللہ کے محارم میں سے کسی چیز کی بے حرمتی محسوس فرماتے تو اللہ کیلئے انتقام لیتے"۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح :مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلاَ امْرَأَةً وَّلاَ خَادِمًا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو بھی نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو اپنے ہاتھ سے مارا۔اس حدیث کی وضاحت حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟(روضۃ المتقین)

اِلاَّ اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اس میں بھی ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی میں میدان جہاد میں بھی صرف ایک آدمی کو مارا جس کا نام ابی بن خلف تھا۔اس کے علاوہ کسی کو خود نہیں مارا۔(زاد المعاد)(ریاض الصالحین ص ۲۳۶)

وَمَانِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهٖ:ایسا نہیں ہوا کہ کسی کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے لیے بدلہ لیا ہو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے بدلہ نہیں لیا۔ہاں!جب اللہ کی حدود کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی غیرت وحمیت جوش میں آتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بدلہ لیتے تھے اور اس کو ضرور سزا دیتے۔(ریاض الصالحین ص ۲۳۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق اور صبر و تحمل

وعن أنس - رضي الله عنه - ، قَالَ : كُنْتُ أمشي مَعَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانيٌّ غَليظُ الحَاشِيَةِ ، فأدْرَكَهُ أعْرَابِيٌّ فَجبَذَهُ بِردَائِهِ جَبْذَةً شَديدةً ، فَنظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبيِّ - صلى الله عليه وسلم - ، وَقَدْ أثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الرِّدَاء مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهِ ، ثُمَّ قَالَ : يَا مُحَمَّدُ ، مُر لِي مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ . فَالتَفَتَ إِلَيْهِ ، فَضَحِكَ ثُمَّ أمَرَ لَهُ بعَطَاء . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر نجران کی بنی ہوئی موٹے کنارے والی چادر تھی۔ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک کو اس نے سختی کے ساتھ کھینچا۔میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے مبارک کی جانب دیکھا تو چادر کے کنارے سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے اس میں نشان پڑ گئے تھے۔پھر اس دیہاتی نے کہا:اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس جو مال اللہ کا ہے اس میں سے میرے لئے بھی دینے کا حکم فرمائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دینے کا حکم ارشاد فرمایا"۔(بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ: نجران کی بنی ہوئی چادر۔ نجران یہ حجاز اور یمن کے درمیان مشہور جگہ کا نام ہے۔ وہاں کی چادر بہت مشہور ہوتی تھی۔ "غَلِيْظُ الْحَاشِيَةِ" اس کے کنارے موٹے ہوتے تھے۔ عموماً کنارے پتلے ہوتے ہیں اس کے موٹے تھے اس لیے اس کو بیان کیا جارہا ہے۔ (روضۃ المتقین)

فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرائے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق اور صبر وضبط کو بیان کیا جارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی کی اس نازیبا حرکت پر غصہ ہونے کے بجائے مسکراہٹ کے ساتھ اس کو نظر انداز فرمادیا۔ یہی قرآن نے بھی کہا ہے: "اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" کہ اچھے انداز سے بدلہ دو۔ (دلیل الطالبین) (ریاض الصالحین ص ۲۳۶)

وعن ابن مسعود – رضي الله عنه – ، قَالَ : كأني أنظر إِلَى رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يَحْكِي نَبِيّاً مِنَ الأنبياءِ ، صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلامُه عَلَيْهِمْ ، ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأدْمَوْهُ ، وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ ، ويقول : ((اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي ؛ فَإنَّهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کا واقعہ سناتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ اس نبی کو اس کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتا تھا اور کہتا تھا اے اللہ! میری قوم کو معاف فرمادے کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأَدْمَوْهُ: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کون سے نبی تھے؟ اس کی وضاحت کسی حدیث میں نہیں آتی۔ (فتح الباری)

نبی سے کون سے نبی مراد ہیں؟

بعض دوسرے علماء نے اس میں دو احتمال ظاہر کیے ہیں۔ پہلا نوح علیہ السلام کہ ان کی قوم نے بھی ان کو بہت زیادہ تکلیف دی مگر پھر بھی وہ یہ کہتے تھے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ" کہ اے اللہ! میری قوم کو معاف فرمادے کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں پر مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ہیں اور یہ انداز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اخلاق پر دلالت کرتا ہے کہ آپ پر بیتی ہوئی تکلیف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبہم انداز میں بیان فرمارہے ہیں کہ اس میں اپنی قوم کی مذمت نہ ہوسکے۔ (نزہۃ المتقین)

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه-: أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، قَالَ((لَيْسَ الشَّدِيدُ بالصُّرَعَةِ، إنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) متفقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ طاقتور وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں متعدد اور مختلف قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ اس میں قوت بہیمی بھی ہے اور قوت روحانی بھی کیونکہ انسان مٹی سے پیدا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے حکم سے روح ودیعت فرمائی۔ تمام شہوانی اور نفسانی قوتوں کا تعلق قوت بہیمہ سے ہے اور تمام اعلیٰ اور ارفع محاسن وفضائل کا تعلق قوت روحانی سے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات کمال انسانیت نہیں ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو پچھاڑ دے کہ یہ قوت تو ایک حیوان میں بھی موجود ہے انسانی شرف وکمال تو اس میں ہے کہ آدمی اپنے نفس پر اس قدر قابو یافتہ ہو کر غصہ آئے اور اور اس کے مقتضاء پر عمل نہ ہو بلکہ ''وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ'' پر عمل ہو۔ (دلیل الفالحین: ۳/۸۸)

....

۷۶- باب احتمال الأذى

اذیت اور تکلیف برداشت کرنے کے بیان میں

قَالَ الله تَعَالَى: ﴿ وَالْكَاظِمِينَ الغَيْظَ والْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ واللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ [آل عمران : ١٣٤] ،

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کردینے والے اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔''

تفسیر: اس آیت کی مکمل تشریح اس سے قبل ''باب الحلم والاناۃ والرفق'' کے اندر گزر چکی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۳۷)

وقال تَعَالَى: ﴿ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الأُمُورِ ﴾ [الشورى : ٤٣]

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: جو صبر کرے اور قصور معاف کردے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

تفسیر: اس کے متعلق تمام تفسیری باتیں ''باب الحلم والاناۃ والرفق'' کے اندر گزر چکی ہیں۔

وفی الباب: الا حادیث السابقة فی الباب قبله۔ ان آیات کی تفسیر اس سے قبل باب میں گزر چکی ہے۔

قطع رحمی پر صبر کرنا

(١)- وعن أبي هريرة رضي الله تَعَالَى عنه: أنَّ رَجُلاً ، قَالَ : يَا رسول الله ، إنّ لي قَرَابَةً

أصِلُهم وَيَقْطَعُونِي ، وَأُحْسِنُ إلَيْهِمْ وَيُسِيئُونَ إلَيَّ ، وَأَحْلُمُ عنهم وَيَجْهَلُونَ عَلَيَّ ! فَقَالَ : ((لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ ، فَكأنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ ، وَلاَ يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ تعالَى ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذَلِكَ)) رواه مسلم . وقد سَبَقَ شَرْحُهُ في بَابِ صلة الأرحام .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اپنے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ اچھائی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ تحمل سے پیش آتا ہوں وہ میرے ساتھ جاہلانہ رویہ اختیار کرتے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسی طرح جس طرح تم کہہ رہے ہو تم گویا ان کے منہ پر گرم راکھ ڈال رہے ہو اور جب تک تم اس طرح کرتے رہو گے اس وقت تمہارے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک مددگار (فرشتہ) مقرر رہے گا اس کی شرح باب صلة الارحام میں گزر چکی ہے۔(مسلم)

اللہ کی رضا کی خاطر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرنا اور درگزر کردینا ایک عظیم اخلاقی خوبی ہے اور اللہ کے یہاں اس کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ○

"جو صبر کرے اور قصور معاف کردے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔" (دلیل الفالحین:۳/۸۹)(ریاض الصالحین ص۲۳۷)

اس حدیث کی شرح باب صلة الارحام میں گزر چکی ہے۔

۷۷- باب الغضب إذا انتهكت حرمات الشّرع والانتصارَ لدين الله تعالى

احکام شرعیہ کی بے حرمتی پر ناراض ہونا اور دین کی حمایت کرنا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ○

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "جو شخص اللہ کے محترم کردہ امور کی تعظیم کرے گا اس کے لیے اس کے رب کے پاس اجر ہے۔" (الحج:۳۰)

تفسیر: پہلی آیت مبارکہ میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ کے محترم کردہ امور کی تعظیم و تکریم پر اللہ کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اچھا کام کرنے والے کے حسن عمل کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا بلکہ ہر محسن کا

اجر اس کے یہاں نشو ونما پاتا ہے اور بڑھتا رہتا ہے۔ اللہ کی محترم اشیاء اور وہ امور جن کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والا قرار دیا ہے عمومی طور پر تمام احکام شریعت ہیں لیکن بطور خاص وہ امور جو اسلام کی خصوصیات اور اس کے امتیازی نشانات ہیں ان کا احترام اور بھی زیادہ ہے جن کو شعائر اللہ فرمایا ہے۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۳۷)

وَقَالَ تَعَالٰی: إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ○

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کرے گا۔" (محمد: ۷)

تفسیر: دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی اللہ کے دین پر عمل کرو گے اور اس کی، تبلیغ کرو گے اور اسے لوگوں تک پہنچاؤ گے اور جہاں کوئی کسی دینی بات کو زک پہنچا رہا ہو تم اس کی مدافعت کرو گے اور اس کی حمایت میں کھڑے ہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ اور نصرت عطا فرمائیں گے اور جہاد و حق پر تمہیں ثابت قدمی عطا فرمادیں گے۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۳۷)

وَفِی الْبَابِ حَدِيْثُ عَائِشَةَ السَّابِقُ فِیْ بَابِ الْعَفْوِ

امام کو نماز میں مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے

وعن أبي مسعود عقبة بن عمرو البدري - رضي الله عنه - ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبيِّ - صلى الله عليه وسلم - ، فَقَالَ : إنِّي لأَتَأخَّرُ عَن صَلاةِ الصُّبْحِ مِنْ أَجْلِ فلان مِمَّا يُطِيلُ بِنَا ! فَمَا رَأيْتُ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - غَضِبَ في مَوْعِظَةٍ قَطُّ أشَدَّ مِمَّا غَضِبَ يَوْمَئذٍ ؛ فَقَالَ : ((يَا أيُّها النَّاسُ ، إنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ ، فَأيُّكُمْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيُوجِزْ ؛ فَإنَّ مِنْ وَرَائِهِ الكَبيرَ وَالصَّغِيرَ وَذَا الحَاجَةِ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میں صبح کی نماز میں اس لئے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ فلاں آدمی ہمیں نماز لمبی پڑھاتا ہے۔ پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی وعظ میں اتنے غصہ میں نہیں دیکھا جیسا کہ اس دن غصے میں آئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرائے اسے چاہئے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے اس لئے کہ اس کے پیچھے بوڑھے بچے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: جَاءَ رَجُلٌ: اس سے مراد حزم بن ابی بن کعب ہیں۔ (متفق علیہ) بعض حرام بن ملحان بھی کہتے ہیں بعض نے کئی اور نام بھی شامل کیے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں: حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو چاہیے کہ ہلکی

نماز پڑھائے۔احناف کے نزدیک امام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ تسبیحات وغیرہ کو اتنا طویل کرے کہ لوگ اکتا جائیں۔ چنانچہ یہ مکروہ ہے اگر تمام ہی مقتدیوں کا کہنا یہ ہو کہ لمبی نماز پڑھائی جائے تو اب اس میں کراہت نہیں آئے گی۔(مرقاۃ)

چند مستنبط مسائل

(۱)......دین کے معاملہ میں غصہ ہونا جائز ہے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی پر ناراض ہوئے۔

(۲)......امام کو ہدایت ہے کہ وہ مقتدیوں کا خیال رکھے اور اتنی لمبی نماز نہ پڑھائے جس سے لوگ اکتا جائیں۔

(۳)......عذر شرعی کی بناء پر جماعت سے پیچھے رہنا جائز ہے۔

(۴)......جس تکلیف میں عمومی لوگ مبتلا ہوں تو اس کی شکایت کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے جیسے کہ اس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔(روضۃ المتقین)

اللہ کی صفت خلق کی مشابہت کرنے والوں پر قیامت کے دن عذاب

وعن عائشة رضيِ الله عنها ، قالت : قَدِمَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - مِنْ سَفرٍ ، وَقَدْ سَتَرْتُ سَهْوَةً لِي بِقِرَامٍ فِيهِ تَمَاثيلُ، فَلَمَّا رَآهُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - هتكَهُ وَتَلَوَّنَ وَجهُهُ ، وقال : ((يَا عائِشَةُ ، أَشَدُّ النَّاسِ عَذَاباً عِنْدَ اللهِ يَوْمَ القيامَةِ الَّذِينَ يُضَاهُونَ بخَلْقِ اللهِ !)) متفقٌ عَلَيْهِ .((السَّهْوَةُ)) : كَالصُّفَّةِ تَكُونُ بَيْنَ يدي البيت . وَ((القِرام)) بكسر القاف : سِتر رقيق ، وَ((هَتَكَه)) : أفْسَدَ الصُّورَةَ الَّتي فِيهِ .

ترجمہ۔"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے واپس لوٹے اور میں نے گھر کے سامنے چبوترے پر ایک پردہ ڈالا ہوا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھا تو اس کو پھاڑ دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا اور فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک وہ لوگ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے جو اللہ کی صفت خلق کی مشابہت کرتے ہیں"۔(بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ سفر غزوہ تبوک کا تھا۔(بیہقی) نسائی کی روایت میں راوی کا شک ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ غزوہ تبوک سے واپسی تھی یا خیبر سے۔(ریاض الصالحین ص ۲۳۸)

بِقِرَامٍ فِیْہِ تَمَاثِیْلُ: جس میں تصویریں تھیں۔ بعض محدثین کا کہنا ہے کہ اس پر گھوڑے کی تصویر تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھاڑ کر کپڑے کو ضائع کر دیا۔(مظاہر حق ۴/۲۴۷)

تَلَوَّنَ وَجْھُہٗ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ محدثین فرماتے ہیں کہ جب کوئی بری چیز دیکھی جائے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے اور اس پر مزید اپنے غم و غصہ کا اظہار کرے۔(مظاہر حق)

اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ مراد تصویر اور صورت بنانا ہے یعنی جو یہ کام کرتا ہے گویا کہ وہ اللہ کے فعل کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔ ابن ملک فرماتے ہیں کہ اگر تصویر بنانے والے کا مقصد یہ ہو کہ میں اللہ جل شانہ کی مشابہت اختیار کر رہا ہوں تو اس عقیدے سے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر یہ عقیدہ ہو تو پھر سب سے زیادہ عذاب کا ہونا ظاہر ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو پھر اس حدیث کو تہدید اور دھمکی پر محمول کریں گے۔ (مظاہر حق)

حدود اللہ ساقط کرنے کے لیے سفارش کرنا گناہ ہے

وعنها: أن قريشاً أهَمَّهُمْ شَأنُ المَرأَةِ المخزومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ، فقالوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رسول الله - صلى الله عليه وسلم -؟ فقالوا: مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إلاَّ أُسَامَةُ بنُ زَيْدٍ حِبُّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم -؟ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ. فَقَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: ((أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ تَعَالَى؟!)) ثُمَّ قامَ فَاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: ((إنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ، وَايْمُ اللهِ، لَوْ أنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کو اس مخزومی عورت کا معاملہ جس نے چوری کی تھی بہت اہم معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اس کی کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کی ہمت کرے گا سوائے اسامہ کے کہ وہ محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید کے صاحبزادے ہیں۔ اسامہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم حدود اللہ میں سے ایک میں سفارش کرتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: قریش کی ایک مخزومی عورت جس کا نام فاطمہ بنت اسد لوگوں سے چیز مستعار لے کر مکر جایا کرتی تھی۔ پھر اس نے چوری کی، بنی مخزوم قریش کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ ابو جہل کا بھی تعلق اس قبیلہ سے تھا۔ قریش کے لوگوں کو اس کی بڑی فکر ہوئی کہ اگر اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو اتنے بڑے قبیلے کی بے عزتی ہوگی اس لیے انہوں نے سوچا کہ اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب حضرت زید کے فرزند حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے

بات کریں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کر رہے ہیں۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے لیے اللہ سے معافی طلب کیجئے۔

بعد میں یا شام کے وقت آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ اگر ان کے معزز آدمی نے چوری کی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور اگر کسی کمزور نے چوری کی تو اس پر حد جاری کر دی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کا نام لیا اور اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل نے مالداروں سے حدود ساقط کر دی تھیں اور ضعفاء پر جاری کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کے معاملے میں شفاعت کو اس قدر اہم سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت اسد کے بجائے فاطمہ بنت محمد بھی ہوتیں تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حد کا مقدمہ قاضی کے پاس یا عدالت میں پہنچنے کے بعد سفارش کرنا حرام ہے۔ البتہ اگر مقدمہ عدالت تک نہ پہنچا ہو اور ملزم عادی مجرم نہ ہو اور لوگ اس سے تنگ نہ پڑ گئے ہوں تو سفارش کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری: ۲/ ۳۵۲، تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۸۰۰، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۱/ ۱۵۴) (ریاض الصالحین ص ۲۳۸)

قبلہ کی طرف تھوکنا منع ہے

(۲)- وعن أنس - رضي الله عنه - : أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - رأى نُخامَةً في القبلَةِ ، فَشقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ حَتَّى رُؤِيَ في وَجْهِهِ ؛ فقَامَ فَحكَّهُ بيدِهِ ، فقَالَ : ((إن أحدَكُمْ إذَا قَامَ فِي صَلاَتِهِ فَإنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ ، وَإنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وبَيْنَ القِبلْةِ ، فَلاَ يَبْزُقَنَّ أحَدُكُمْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ)) ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ ، ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ ، فَقَالَ : ((أَوْ يَفْعَلُ هكذا)) متفقٌ عَلَيْهِ . وَالأمرُ بالبُصَاقِ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ هُوَ فِيما إِذَا كَانَ فِي غَيْرِ المسجدِ ، فَأمَّا فِي المسجدِ فَلاَ يَبصُقُ إلاَّ فِي ثَوْبِهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ کی جانب تھوک لگا ہوا دیکھا۔ آپ کی طبیعت پر اس سے اس قدر گرانی ہوئی کہ اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر دیکھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور دست مبارک سے اسے رگڑ کر صاف کر دیا اور فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب اس کے درمیان اور قبلہ کے درمیان ہے اس لئے تم میں سے کسی کو قبلہ کی طرف نہیں تھوکنا

چاہئے بلکہ بائیں جانب یا اپنے پیر کے نیچے تھوکے پھر آپ نے اپنی چادر کا کونہ پکڑا اور اس میں تھوکا پھر اس کے ایک حصے کو دوسرے حصے پر رگڑ دیا اور فرمایا کہ یا اس طرح کرے۔ بائیں جانب یا قدموں کے نیچے تھوکنے کا حکم مسجد کے باہر ہے مسجد کے اندر صرف اپنے کپڑے میں تھوکے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: نماز کی روح بندے کی اپنے خالق و مالک سے مناجات ہے اور اس مناجات کا تقاضا ہے کہ حد درجہ تواضع و انکساری کا اظہار ہو، آدمی مؤدب کھڑا ہو اور کوئی خلاف ادب حرکت نہ کرے بس خلوص دل حسن نیت کے ساتھ اللہ کی تحمید اور تمجید میں مصروف ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ کھنکار کر گلا صاف کرنا اور تھوک یا بلغم وغیرہ نماز میں خلاف ادب اور روح مناجات کے برخلاف ہے اور قبلہ کی طرف تھوکنا تو اور بھی برا ہے کہ قبلہ رُخ ہو کر تو وہ نماز میں کھڑا ہے۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبلہ رُو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اور مقصود توجہ اللہ کی تعظیم اور اس پر اللہ کی جانب سے اجر و ثواب ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے جانب قبلہ ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنا حرام ہے اور قبلہ کی جانب تھوکنا تو اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک مسجد میں تھوکنا مکروہ تحریمی ہے۔ غرض آداب مسجد کا تقاضا ہے کہ اسے ہر گندگی اور آلودگی سے پاک رکھا جائے اور مسجد کی صفائی اور اس میں نفاست اور پاکیزگی کو برقرار رکھنے کی سعی کار ثواب ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۴۳۲، ارشاد الساری: ۲/ ۲۷، شرح صحیح مسلم للنووی: ۵/ ۳۳، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱/ ۲۸۹) (ریاض الصالحین ص ۲۳۸)

٧٨- باب أمر وُلاة الأمور بالرفق برعاياهم ونصيحتهم والشفقة عليهم والنهي عن غشهم والتشديد عليهم وإهمال

حاکموں کو اپنی رعایا کے ساتھ نرمی کرنے اور ان کی خیر خواہی کرنے اور ان پر شفقت کرنے کا حکم اور ان پر سختی کرنے اور ان کے مصالح کو نظر انداز کرنے اور ان کی ضرورتوں سے غفلت برتنے کی ممانعت کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [الشعراء : ٢١٥] ،

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے:...... آپ اپنے متبعین مؤمنوں کے لیے اپنے بازو کو پست رکھیں۔"

تفسیر: وَاخْفِضْ: بمعنی نرم رویہ اختیار کرو۔ اسی طرح جب پرندہ اوپر سے نیچے اترتا ہے تو اپنے بازوؤں کو نیچے جھکا لیتا ہے تو یہاں پر بھی بطور استعارہ کے نرمی اور خوش اخلاقی کے لیے اس کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ (تفسیر مظہری ۸/ ۵۵۷)

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ: علماء فرماتے ہیں "من" بیانیہ ہے یعنی تمام ہی اتباع کرنے والے مراد ہیں خواہ اتباع کامل والے ہوں جیسے پکے مؤمنین یا اتباع ناقص ہو جیسے گناہ گار مؤمن۔ بعض فرماتے ہیں یہاں پر "من" تبعیضیہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور مؤمنین

کالفظ عام ہے کامل اتباع کرنے والے مؤمن ہوں یا ناقص اتباع کرنے والے گنہگار مؤمن ہوں۔ (تفسیر مظہری ۸/۵۵۷)
خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے نرم معاملہ فرمائیں۔ اس سے وہ دین کے قریب آئیں گے اور ان کو پھر دین سیکھنا آسان ہو جائے گا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۳۹)
وقال تعالَى : ﴿ إنَّ اللهَ يَأْمُرُ بالْعَدْلِ وَالإحْسَانِ وَإيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ [النحل : ۹۰] .
ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتے ہیں اور بے حیائی، منکرات اور ظلم زیادتی کرنے سے منع فرماتے ہیں وہ تمہیں نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"
تفسیر: علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں آیت بالا قرآن مجید کی جامع ترین آیت ہے اس میں پوری تعلیمات کو چند الفاظ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی جامع ترین یہی آیت بالا ہے اسی وجہ سے اسلاف کے زمانے سے آج تک جمعہ اور عیدین میں اس آیت کے پڑھنے کا معمول چلا آرہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)
اسی وجہ سے جب اس آیت کو ولید بن جعفر نے سنا تو اس نے اپنی قوم قریش کے پاس جاکر کہا:
"وَاللهِ اِنَّ لَهُ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَاِنَّ اَصْلَهُ لَمُوْرُوْقٌ وَاَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ بَشَرٍ" (نفس مصادر)
ترجمہ: "خدا کی قسم! اس میں ایک خاص حلاوت ہے اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔"
اس آیت میں تین کاموں کا حکم ہے (۱) عدل (۲) احسان (۳) اہل قرابت کو بخشش کرنا اور تین چیزوں سے روکا گیا ہے (۱) فحش کام (۲) ہر برا کام (۳) ظلم سے عدل کا حکم ہے یعنی دوسرے کا حق پورا دے اور اپنا حق وصول کرے پھر احسان کا ذکر ہے کہ دوسرے کو اس کا پورا حق دے اور اپنا حق وصول کرنے میں چشم پوشی کرے، مل جائے تو صحیح ورنہ نہیں اور رشتہ داروں کو بخش دے مال سے یا جسم سے یعنی بیمار پرسی، خبر گیری، ہمدردی وغیرہ اس میں داخل ہیں۔
تین کاموں سے منع کیا گیا ہے پہلا "اَلْفَحْشَاءُ" "الفحشاء" اس کو کہتے ہیں جس کی برائی بالکل واضح ہو اور "منکر" اس کو کہتے ہیں جو شریعت سے معلوم ہو کہ یہ عمل ناجائز ہے اور "بغی" کے معنی ہے حد سے تجاوز کرنا اس کا اثر دوسرے تک متعدی ہوتا ہے۔ آیت بالا کے احکام انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مکمل اصلاح کا نسخہ اکسیر ہے۔ (معارف القرآن ۵/۳۷۵ تا ۵/۳۸۰) (ریاض الصالحین ص ۲۳۹)

ہر شخص اپنے ماتحت افراد کا مسئول ہے

وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول

: ((كُلُّكُمْ رَاعٍ ، وَكُلُّكُم مَسؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ : الإمَامُ رَاعٍ وَمَسؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أهلِهِ وَمَسؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، وَالمَرْأةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا ، وَالخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ، وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم سب نگران ہو اور تم سب سے اپنی زیر نگرانی افراد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام نگران ہے اس سے اس کے زیر نگران افراد کے بارے میں سوال ہوگا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگران ہے اسے ان افراد کے بارے میں سوال ہوگا جو اس پر زیر نگرانی ہیں عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اس سے اس کی زیر نگرانی افراد کے بارے میں سوال ہوگا اور خادم اپنے مالک کے مال کا ذمہ دار اور نگران ہے اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ غرض تم میں سے ہر ایک مسئول ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: معاشرے کا ہر فرد اپنے مقام پر اور اپنی حیثیت میں مسئول اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے سوال ہوگا کہ اس نے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے پر پورا کیا یا نہیں؟ حکمران اپنی زیر نگرانی تمام افراد کے بارے میں ذمہ دار اور مسئول ہے۔ آدمی اپنے اہل خانہ کے بارے میں جوابدہ ہے عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کے بارے میں مسئول ہے اور خادم اپنے مالک کے مال کے بارے میں جوابدہ ہے۔ یعنی معاشرے کا کوئی فرد مسئولیت اور جوابدہی سے ماوراء نہیں ہے۔ (نزہۃ المتقین: ۱/ ۷ ۵۲) (ریاض الصالحین ص ۲۳۹)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے حدیث میں گزر چکی ہے۔

اپنی رعایا کے ساتھ دھوکہ کرنے والے پر جنت حرام ہے

وعن أبي يعلى مَعْقِلِ بن يَسار - رضي الله عنه - ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((مَا مِنْ عَبْدٍ يَسترْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً ، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ ، إلاَّ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الجَنَّة)) متفقٌ عليه .

وفي رواية : ((فَلَمْ يَحُطْهَا بِنُصْحِهِ لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الجَنَّة)) . وفي رواية لمسلم : ((مَا مِنْ أميرٍ يلي أمور المُسْلِمينَ ، ثُمَّ لا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ لَهُمْ ، إلاَّ لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ)) .

ترجمہ: حضرت ابو یعلی بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا نگران بنادیتا ہے وہ اس حال میں مرتا ہے کہ اس نے اپنی رعیت کو دھوکہ دیا ہو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر اس نے خیر خواہی کے ساتھ حقوق کی حفاظت نہیں کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو حاکم مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار بنتا ہے پھر ان کے حقوق کی ادائیگی کی سعی نہیں کرتا اور ان کی خیر خواہی نہیں کرتا تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

راوی کے حالات: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے اور صلح حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور بیعت رضوان کے موقعہ پر ایک درخت کی شاخ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سایہ کیے رہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۳۴ا احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک متفق علیہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں انتقال ہوا۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ)

حدیث کی تشریح: انسان کو اس دنیا میں ایک ذمہ دار مخلوق بنا کر بھیجا گیا یہ بالکل آزاد پھرنے والے جانوروں کی طرح نہیں ہے بلکہ زندگی میں اپنے سارے طرز عمل کا اور جملہ اعمال و اقوال کا جواب دہ ہے اور جو شخص اسلام لا کر شہادتین اپنی زبان سے ادا کر لیتا ہے وہ ان تمام احکام پر عمل کرنے کی ذمہ داری اور ان میں کمی اور کوتاہی پر جوابدہی کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے مختلف مراحل کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

مسلمان حکمران کی ذمہ داریاں اور اس کے فرائض و واجبات ایک عام مسلمان سے بہت زیادہ ہیں۔ حکمران اس امر کا ذمہ دار ہے اور اس پر اللہ کے یہاں جواب دہ ہے اور وہ تمام مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کرے، ان کی دینی اور دنیاوی بھلائی اور خیر خواہی کی ہر وقت فکر کرے اور ان کے جملہ حقوق ادا کرے اور ان پر نہ خود ظلم و زیادتی کرے اور نہ کسی کو کرنے دے۔

ان حقوق و فرائض میں سے اگر کسی امر میں کوتاہی ہوگئی اور ان کی تکمیل کی تندہی سے کوشش نہ کی اور جو مسلمانوں کی طرف سے اس پر ذمہ داری عائد ہوئی تو اس نے ان کی امانت میں خیانت کی اور ان کو دھوکہ دیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دے گا اور وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظالم حکمرانوں کے لیے یہ ایک سخت ترین وعید ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نگران اور حکمران بنایا اور وہ ان کے حقوق کی پاسبانی اور فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہا اور ظلم و ستم سے کام لیا تو ظاہر ہے کہ وہ اس عظیم اُمت کی ذمہ داریوں سے کیسے سبکدوش ہو سکے گا۔

(فتح الباری: ۳/۴۴۷، روضۃ المتقین: ۲/۱۹۵، شرح مسلم للنووی: ۲/۱۴۱) (ریاض الصالحین ص ۲۳۹)

حاکم جو معاملہ اپنی رعایا کے ساتھ کرے گا اسی کے ساتھ اللہ وہی معاملہ کرے گا

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : سَمِعْتُ رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ،

يقول في بيتي هَذَا : ((اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئاً فَشَقَّ عَلَيْهِمْ ، فاشْقُقْ عَلَيْهِ ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئاً فَرَفَقَ بِهِمْ ، فَارْفُقْ بِهِ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اپنے اس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے اور ان کو مشقت میں ڈالے تو اے اللہ! تو بھی اس پر مشقت فرما اور جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا حاکم بنے اور اس کے ساتھ نرمی کرے تو اے اللہ! تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما"۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں ترغیب دی جا رہی ہے کہ جو قوم کا بڑا بنے تو اس کو چاہیے کہ وہ ان پر نرمی کا معاملہ کرے، سختی کا معاملہ نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی حدیث صحیح میں آتا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے نرمی والے اور سہولت والے امر کو قبول فرماتے تھے۔ اسی طرح مشکوٰۃ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو کسی علاقے میں گورنر بنا کر بھیجتے تو ان کو من جملہ نصیحت کے یہ بھی فرماتے کہ لوگوں پر نرمی اور سہولت کا معاملہ کرنا۔

قیامت کے نگرانوں سے سوال کیا جائے گا

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((كَانَتْ بَنُو إسرَائِيلَ تَسُوسُهُم الأَنبياء ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبيٌّ خَلَفَهُ نَبيٌّ ، وَإنَّهُ لاَ نَبيَّ بَعْدِي ، وَسَيكُونُ بَعْدِي خُلَفَاءُ فَيكثُرُونَ)) ، قالوا : يَا رسول الله ، فَمَا تَأْمُرُنَا ؟ قَالَ : ((أَوْفُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّل فَالأَوَّل ، ثُمَّ أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ ، وَاسْأَلُوا اللهَ الَّذِي لَكُمْ ، فَإنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ)) متفقٌ عليه .

ترجمہ۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔ جب بھی کوئی نبی ہلاک ہوا تو اس کے پیچھے دوسرا نبی آیا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میرے بعد خلفاء آئیں گے جو تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس سے پہلے بیعت کرو اسے پورا کرو پھر اس کے بعد والے سے بیعت کرو پھر ان کو ان کے حق عطا کرو اور اپنے حق کا سوال اللہ سے کرو۔ پس بے شک اللہ ان سے سوال کرے گا جو نگرانی ان کے حوالے کردی تھی"۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: بِبَیْعَةِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ: علماء اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جو امیر پہلے بنا لیا گیا ہو اس کی اطاعت کرو اس کے بعد دوسرا امیر بنایا جائے پھر اس کی اطاعت کرنا یعنی جس طرح علی الترتیب ایک کے بعد دوسرا خلیفہ مقرر ہو، اسی طرح تم بھی اسی ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت و اطاعت کرنا۔ (مظاہر حق ۳/۶۶۵)

اَعۡطُوۡهُمۡ حَقَّهُمۡ: یعنی ان حکمرانوں کے حقوق ادا کرتے رہنا۔ اگرچہ وہ تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں۔ ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ اللہ جل شانہ خود ہی قیامت کے دن ان سے حساب لے لے گا اور رعایا کے حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (روضۃ المتقین)

بدترین حاکم رعایا پر ظلم کرنے والے ہیں

وعن عائِذ بن عمرو - رضي الله عنه - : أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُبَيْد اللهِ بن زيادٍ ، فَقَالَ لَهُ : أيْ بُنَيَّ، إنِّي سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((إنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الحُطَمَةُ)) فَإيَاكَ أنْ تَكُونَ مِنْهُمْ . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بدترین حاکم رعایا پر ظلم کرنے والے ہیں۔ پس تو اس سے بچ کہ تو ان میں سے ہو"۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: یہ حدیث پہلے "باب فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر" میں گزر چکی ہے۔ یہاں پر امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باب کی مناسبت کی وجہ سے اس کو دوبارہ ذکر کر رہے ہیں کہ اس میں بھی ظالم حکمرانوں کے لیے وعید ہے اور اصل میں حطمہ ایسے چرواہے کو کہتے ہیں جو اپنے ریوڑ کو سختی سے ہانکتا ہے کہ جانور ایک دوسرے پر چڑھ جاتے ہیں تو اسی طرح بعض حکمران ہوتے ہیں جو اپنی رعایت پر سختی کرتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے حدیث میں حکمران کو اپنی رعایا پر نرمی کا حکم دیا گیا ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۳۹)

حاکم کو رعایا کے حالات سے واقف ہونا ضروری ہے

وعن أَبي مريم الأزدِيِّ - رضي الله عنه - : أنه قَالَ لِمعاوية - رضي الله عنه - : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((مَنْ وَلاَّهُ اللهُ شَيْئاً مِنْ أُمُورِ المُسْلِمِينَ ، فَاحْتَجَبَ دُونَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ ، احْتَجَبَ اللهُ دُونَ حَاجَتِهِ وَخَلَّتِهِ وَفَقْرِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) فجعل معاوية رجلاً عَلَى حوائج النَّاسِ . رواه أَبُو داود والترمذي .

ترجمہ: حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس کو مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا والی بنا دے اور وہ ان کی ضرورتوں' حاجتوں اور فقر کی تکمیل میں رکاوٹ بن جائے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی ضرورتوں' حاجتوں اور اس کے فقر کے درمیان رکاوٹ ڈال دے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت ایک آدمی مقرر کر دیا کہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کرے۔ (ابوداؤد' ترمذی)

راوی کے مختصر حالات: حضرت ابو مریم ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کسی نے کہا ابو مریم ازدی اور ابو مریم غسانی ایک ہی ہیں اور کسی نے کہا کہ دو ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا نام ابو عمرو بن صرۃ الجہنی ہے۔ صحابی ہیں شام میں وفات پائی۔ ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے۔

(دلیل الفالحین: ۲/ ۱۰۲، تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۶۴۲) (ریاض الصالحین ص ۲۴۰)

حدیث کی تشریح: حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو مسلمانوں کے امور کا نگران اور والی بنادے اور وہ ان کی ضروریات کو پورا نہ کرے ان کی حاجتوں کی تکمیل نہ کرے اور ان کی احتیاج رفع کرنے کا سامان نہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی روز قیامت اس کی حاجات اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل نہیں فرمائے گا۔

(تحفۃ الاحوذی: ۴/ ۶۴۲) (ریاض الصالحین ص ۲۴۰)

....

۷۹- باب الوالي العادل

والی عادل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ○

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے عدل اور احسان کا۔'' (النحل: ۹۰)

تفسیر: پہلی آیت قرآن کریم کی ایک جامع ترین آیت ہے جس میں دین اسلام کی اعلیٰ ترین تعلیمات کو سمودیا گیا ہے۔ عدل کے معنی برابر کرنے کے ہیں یعنی انسانوں کے درمیان ہر معاملے میں مساوات برتنا کہ نہ کسی کے ساتھ زیادتی ہو اور نہ ناانصافی اور نہ ایسا ہو کہ کسی کا حق ادا ہونے سے رہ جائے یا کسی کو اس کے حق سے زیادہ دے دیا جائے۔ احسان کے معنی اچھا کرنے کے ہیں۔ اسلام میں ہر معاملے میں اور ہر بات میں احسان پسندیدہ ہے۔ عدل و احسان کرنا ہر مسلمان پر ہر بات میں لازم ہے لیکن اگر کسی پر کسی کی کوئی ذمہ داری عائد ہو تو اس کا یہ فریضہ بڑھ جاتا ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ عدل واحسان کے ساتھ پیش آئے۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۴۰)

قَالَ تَعَالٰى: وَأَقْسِطُوا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''انصاف کرو اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔'' (الحجرات: ۹)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ جب باہم دو گروہ برسرپیکار ہوں تو ان کے درمیان صلح کرادیں اور ان کے درمیان اس طرح عدل وانصاف سے فیصلہ کریں کہ جس میں کسی کی طرف داری یا جانب داری کا شائبہ تک نہ ہو اور یہ اس لیے کریں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عرش کے سایہ میں جگہ پانے والے سات خوش قسمت آدمی

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، عن النبيِّ - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ الله في ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إلاَّ ظِلُّهُ : إمَامٌ عادِلٌ ، وَشَابٌ نَشَأ في عِبادة الله تَعَالَى ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ في المَسَاجِدِ ، وَرَجُلاَن تَحَابَّا في اللهِ اجتَمَعَا عَلَيْهِ ، وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأةٌ ذاتُ مَنْصِبٍ وجَمَالٍ ، فَقَالَ : إنِّي أخَافُ الله ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ الله خَالِياً فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سات افراد ہیں جن کو اللہ تعالی اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا انصاف کرنے والا حکمران وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پلا بڑھا ہو۔ وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو وہ دو آدمی جو صرف اللہ کیلئے آپس میں محبت کرتے ہوں اس پر ملتے ہوں اور اسی پر جدا ہوتے ہوں اور وہ آدمی جس کو کوئی حسین اور مرتبہ والی عورت دعوت گناہ دے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ آدمی جو اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو علم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا اور وہ آدمی جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی یاد میں اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: سات آدمی ہیں جو روز قیامت اللہ کے سایہ رحمت میں ہوں گے جبکہ اس کے سایہ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ مسلمانوں کا حکمران جو عدل وانصاف سے حکومت کرے' ایسا نوجوان جس نے عنفوان شباب سے اپنی زندگی اللہ کی عبادت میں گزاری ہو اور گناہوں سے باز رہا ہو' وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو' وہ آدمی جو دوسرے سے صرف اللہ کی خاطر محبت کرتا ہو اور اس کی محبت میں کوئی دنیاوی غرض شامل نہ ہو' وہ آدمی جو گناہ کے سارے دواعی موجود ہونے کے باوجود محض اللہ کے خوف سے اس سے باز رہے اور وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں اس طرح چھپا کر خرچ کرے کہ خود اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

اس حدیث میں سات افراد کا ذکر فرمایا ہے قیامت کے دن ان کی قسموں کی تعداد ستر تک پہنچ جائے گا۔ جیسا کہ حافظ سخاوی نے فرمایا ہے اور علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ سات کے عدد پر اکتفاء ان اعمال کی اہمیت اور ان کی فضیلت کی وضاحت کے لیے ہے۔

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے (حدیث ۳۷۷) میں گزر چکی ہے۔ (نزهۃ المتقین: ۱/۳۳۶)

عادل حکمرانوں کیلئے خوشخبری

وعن عبدِ اللهِ بن عَمرو بن العاص رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله - صلى الله

عليه وسلم - : ((إنَّ المُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ : الَّذِينَ يَعْدِلُونَ في حُكْمِهِمْ وأَهْلِيْهِم وَمَا وَلُوْا)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے وہ لوگ جو اپنی حکومتوں میں اپنے گھر والوں میں اور ان لوگوں میں جن کے وہ والی ہیں انصاف کرتے ہیں۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: عدل وانصاف کرنے والے روز قیامت نور کی بلندیوں پر ہوں گے اور انہیں بلند اور رفیع نورانی مقامات حاصل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عدل وانصاف کریں گے یعنی ان کو جو بھی ذمہ داری اور جس درجہ کی حکمرانی سپرد ہوگی وہ اس میں عدل وانصاف سے کام لیں گے خواہ وہ عمومی حکمرانی ہو یا خصوصی جیسے قضا اور احتساب وغیرہ یا اس کا تعلق یتیموں کی دیکھ بھال یا صدقات کے انتظام سے یا اہل خانہ کے حقوق وواجبات کی ادائیگی سے ہو وہ ہر جگہ اور ہر موقعہ پر عدل وانصاف کرتے ہیں۔(شرح صحیح مسلم للنووی:۱۲/۱۷۷)

اچھے اور برے حاکم کی پہچان

وعن عوفِ بن مَالِكٍ - رضي الله عنه - ، قَالَ : سَمِعْتُ رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((خِيَارُ أئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ . وشِرَارُ أئِمَّتِكُم الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ ، وَتلعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ !)) ، قَالَ : قُلْنَا : يَا رسول اللهِ ، أفَلاَ نُنَابِذُهُم ؟ قَالَ : ((لاَ ، مَا أقَامُوا فِيكُمُ الصَّلاَةَ . لاَ ، مَا أقَامُوا فِيكُمُ الصَّلاَةَ)) رواه مسلم . قَوْله : ((تصلّون عَلَيْهِمْ)) : تدعون لَهُمْ .

ترجمہ۔"حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں تم ان کے حق میں دعا کرو اور وہ تمہارے حق میں دعا کریں اور بدترین حکمران تمہارے وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہوئے اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں"۔

راوی نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم ان کی بیعت توڑ دیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کرتے رہیں نہیں جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کرتے رہیں۔

تصلون علیھم: تم ان کے لیے دعا کرتے ہو۔

ینتضل: تیر اندازی میں مقابلہ۔ **جشر:** چراگاہ میں چرنے والے مویشی، وہ مویشی جو چراگاہوں میں چرتے اور وہیں رات گزارتے ہیں۔ **یرقق بعضھا بعضا:** یعنی ایک دوسرے کو ہلکا کر دینے والا ہوگا بعض کے

نزدیک اس کے معنی ہیں کہ ایک فتنہ دوسرے کا شوق دلائے گا اور اس کے دل میں اس کی تزئین پیدا کرے گا اور بعض نے کہا کہ ہر فتنہ دوسرے سے ملتا جلتا ہو گا۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں اچھے اور برے حکمرانوں کی نشاندہی کی گئی ہے اچھے حکمران وہ ہیں جو عوام کے خیر خواہ اور ان کے حق میں عدل وانصاف کا خیال رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ حکمران اپنی رعایا کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور عوام بھی ان کے لیے دعائیں کرتے ہوں۔

برے حکمران وہ ہیں جن کو صرف اپنے اقتدار اور حفاظت سے غرض ہوتی ہے' عوام کے عدل و انصاف سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ: اس پر محدثین فرماتے ہیں جب کسی امیر میں شرائط امارت موجود ہوں اور اس کی امارت متحقق ہو جائے تو اب اس امیر اور حاکم کے خلاف بغاوت یا منازعت جائز نہیں البتہ جب ان کی طرف سے کفر بواح یعنی کھلم کھلا کفر اور اس کی حکومت سے اسلام کا نقصان ہو تو اب ایسے امیر کو معزول کیا جا سکتا ہے۔ اسی کو حدیث بالا میں نماز کے قائم کرنے کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۱)

تین آدمیوں کیلئے جنت کی خوشخبری

وعن عِياضِ بن حِمار - رضيَ الله عنه - ، قَالَ : سَمِعْتُ رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((أهلُ الجَنَّةِ ثَلاثَةٌ : ذُو سُلطان مُقْسِطٌ مُوَفَّقٌ ، وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَقِيقُ القَلْبِ لكُلِّ ذي قُرْبَى ومُسْلِم ، وعَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ ذو عِيَال)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین قسم کے لوگ جنتی ہیں' انصاف کرنے والا حکمران جسے بھلائی کی توفیق ملی ہو' مہربان آدمی جس کا دل ہر رشتہ دار اور ہر مسلمان کیلئے نرم ہو۔ وہ پاک دامن جو عیالدار ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: تین آدمی اہل جنت میں سے ہیں۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کوئی اختیار یا اقتدار عطا فرمایا اور وہ اللہ کی توفیق سے ان لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کرتا ہے جو اس کی زیر حکمرانی ہیں اور ان کی خیر خواہی اور ان کی بھلائی میں لگا رہتا ہے۔ دوسرا وہ رقیق القلب رحم دل انسان جو عزیز و اقارب یا اجنبی اور بعید ہر ایک ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آتا ہے اور تیسرے وہ عفت مآب انسان جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اللہ پر توکل کیے رہتا ہے نہ کسی سے سوال کرتا ہے اور نہ اپنی اور اپنے عیال کی کفالت کے لیے مال حرام کی جانب مائل ہوتا ہے۔

(روضۃ المتقین: ۲/ ۲۰۲ 'نزہۃ المتقین: ۱/ ۵۳۲) (ریاض الصالحین ص ۲۴۱)

۸۰- باب وجوب طاعة ولاة الأمر في غير معصية وتحريم طاعتهم في المعصية

جائز کاموں میں حکمرانوں کی اطاعت کے واجب ہونے اور ناجائز کاموں میں ان کی اطاعت حرام ہونے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ يَا يُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ [النسـاء : ۵۹] .

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کی جو تمہارے حکمران ہیں۔"

تفسیر: آیت بالا میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور ان دونوں کی اطاعت بالذات مقصود ہے اس لیے دونوں کے ساتھ "اَطِیْعُوْا" کا جملہ ہے مگر اولی الامر سے مراد اگر حکمران بھی ہوں تو تب بھی ان کی اطاعت مستقل نہیں بلکہ جب یہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے اور ان کا حکم اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے موافق ہوگا تو ان کی اطاعت ہوگی ورنہ نہیں اسی نکتہ کے لیے قرآن نے "اُوْلِی الْاَمْرِ" کے ساتھ "اَطِیْعُوْا" ارشاد نہیں فرمایا۔(ریاض الصالحین ص ۲۴۱)

"اولی الامر" سے کون لوگ مراد ہیں؟

اسکی تفسیر میں مفسرین نے گیارہ اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے پانچ زیادہ معروف و مشہور ہیں۔(عمدة القاری ۱۸/۱۷۶)

(۱)...... علامہ مجاہد کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں۔(تفسیر قرطبی ۵/۲۵۹، فتح الباری ۸/۲۵۴، عمدة القاری ۱۸/۱۷۸)

(۲)...... ابن کیسان کے بقول اس سے عقل مند اصحاب الرائے لوگ مراد ہیں۔(تفسیر قرطبی ۵/۲۶۰، عمدة القاری ۱۸/۱۷۶)

(۳)...... مقاتل اور کلبی اور مہران وغیرہ کا ارشاد ہے کہ اس سے مراد سرایا کے امراء ہیں۔(تفسیر قرطبی ۵/۲۶۰)

(۴)...... ابو العالیہ اور حضرت جابر بن عبداللہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد علماء اور فقہاء ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(نفس مصدر)

(۵)...... اس سے مراد امراء ہیں۔ اسی کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے۔(فتح الباری ۸/۲۵۴)

امام نووی کا میلان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو واضح فرمایا ہے۔(ریاض الصالحین ص ۲۴۱)

معصیت کے کاموں میں حاکم کی اطاعت کا حکم

۱ وعن ابن عمر رضي الله عنهما ، عن النبيِّ - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((عَلَى المَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ والطَّاعَةُ فِيمَا أحَبَّ وكَرِهَ ، إلاَّ أنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيةٍ ، فَإذَا أُمِرَ بِمَعْصِيةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کیلئے لازم ہے کہ وہ سنے اور اطاعت کرے خواہ کوئی حکم اس کو پسند ہو یا نہ پسند ہو الا یہ اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو اس میں سمع وطاعت نہیں ہے۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امر پر علماء کا اتفاق ہے کہ جب حکمران شرعی طور پر متعین ہوا ہو تو جائز امور میں اس کی اطاعت لازم ہے لیکن اگر وہ کسی ایسی بات کا حکم دے جس میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہو تو اس میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ یہ مضمون متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ کوئی حبشی غلام تمہارے اوپر حاکم بنا دیا گیا ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں سنوں اور اطاعت کروں۔ اگرچہ حکمران کوئی ناک کان کٹا غلام ہو۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تمہارے اوپر کوئی ایسا حبشی غلام حاکم بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ اگر کوئی بالشت بھر بھی جماعت سے جدا ہوا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔

(فتح الباری: ۳۳/۱۳۷، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۹۰/۱۲، روضۃ المتقین: ۲۰۵/۲)(ریاض الصالحین ص: ۲۴۱)

اپنی طاقت کے بقدر حاکم کی اطاعت ضروری ہے

وعنه ، قَالَ : كُنَّا إذَا بَايَعْنَا رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - عَلَى السَّمْعِ والطَّاعَةِ ، يَقُولُ لَنَا : ((فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی بیعت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ ان چیزوں میں جس میں تم طاقت رکھتے ہو"۔(بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: علماء فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں ایک طرف تو رعایا کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم مسلم حکمران کی مکمل اطاعت کرو بشرطیکہ وہ حکم اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ دوسری طرف حاکموں کو بھی خطاب ہے کہ تم عوام کو ایسی مشقت میں نہ ڈالو کہ جس کا بوجھ وہ عوام نہ اُٹھا سکیں بلکہ ایسا قانون ہو جس پر عمل کرنا ان کے لیے سہل ہو اور اس پر عمل کرنا ان کی طاقت کے اندر ہو۔(نزہۃ المتقین ار۴۷۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات جوامع الکلم ہوتے ہیں اس لیے یہ دونوں ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

(ریاض الصالحین ص ۲۴۱)

جو حاکم کی اطاعت نہ کرے اس کی موت جاہلیت کی ہو گی

وعنه ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((مَنْ خَلَعَ يَداً مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ حُجَّةَ لَهُ ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) رواه مسلم . وفي رواية لَهُ : ((وَمَنْ مَاتَ وَهُوَ مُفَارِقٌ لِلجَمَاعَةِ ، فَإنَّهُ يَمُوتُ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) . ((المِيتَةُ)) بكسر الميم .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہو گی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔(مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی جماعت سے جدا ہو کر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ میم کا لفظ میم کے زیر کے ساتھ ہے۔

حدیث کی تشریح: اسلام نے مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کی تعلیم دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام مسلمان باہم مل کر ایک مضبوط عمارت کی طرح ہیں جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کی مضبوطی کا باعث ہے۔ اتحاد و اتفاق کے لیے نظم ملت لازمی ہے اس لیے خلفاء اور حکمرانوں کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا اور ان کی بیعت کر لینے کے بعد یعنی ان کی حکمرانی تسلیم کر لینے کے بعد ان کی اطاعت سے نکلنا جماعت کے نظم سے نکل جانا ہے جو جائز اور درست نہیں ہے اس لیے فرمایا کہ جس نے اطاعت امیر کا عہد کر کے اسے توڑ دیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ یعنی جس طرح زمانہ جاہلیت میں عرب منتشر اور پراگندہ قبائل میں بکھرے ہوئے تھے اور ان کا کوئی سربراہ یا حاکم ایسا نہیں ہوتا تھا جس کی سب اطاعت کرتے ہوں۔ اسی طرح اس شخص کی موت ہو گی یعنی ایک گنہگار کی موت مرا۔(دلیل الفالحین: ۳/۱۰۹، روضۃ المتقین: ۲/۲۰۴)(ریاض الصالحین ص ۲۴۱)

حاکم غلام کی بھی اطاعت ضروری ہے

وعن أنسٍ - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((اسْمَعُوا وأطِيعُوا ، وَإن استُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشيٌّ ، كأنَّ رأْسَهُ زَبيبةٌ)) رواه البخاري

ترجمہ۔"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو ہی حاکم مقرر کردیا جائے گویا کہ اس کا سر انگور ہے"۔(بخاری)

حدیث کی تشریح:وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ:

محدثین فرماتے ہیں حدیث بالا میں مبالغہ فرمایا جارہا ہے کہ اگر غلام کو بھی امیر و حاکم بنادیا جائے تب بھی اس کی نافرمانی اور بغاوت کرنا جائز نہیں ہے اس کی اطاعت پر جمع رہنا چاہیے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی چڑیا کے گھونسلے کے برابر مسجد بنادے تو اس کو بھی جنت میں محل ملے گا تو چڑیا کا گھونسلہ فرما کر مسجد بنانے کی اہمیت فرمائی گئی۔اسی طرح حدیث بالا میں بھی عبد حبشی فرما کر اطاعت کی اہمیت بتائی جارہی ہے۔(نزہۃ المتقین)

شبہ:شریعت میں تو غلام کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے تو اب اس کی اطاعت کا کیا مطلب؟

(ازالہ) پہلے بھی بات آچکی ہے یہاں پر غلام کی مثال مبالغہ اطاعت پر دی جارہی ہے کہ اگر بالفرض غلام کو بھی امیر اور حاکم بنادیا جائے تب بھی اس کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے؟

ازالہ:(۲) حاکم سے مراد خلیفہ نہیں ہے بلکہ علاقے کا عامل گورنر وغیرہ ہیں۔پورے ملک کا خلیفہ بنانا تو غلام کو جائز نہیں ہے مگر علاقہ کا گورنر بنایا جاسکتا ہے۔(مظاہر حق ۶۵۹/۳)(ریاض الصالحین ص ۲۴۲)

ہر حال میں حاکم کی اطاعت کی جائے

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ في عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ ، وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ ، وَأثَرَةٍ عَلَيْكَ)) رواه مسلم.

ترجمہ:حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اوپر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے۔ تنگی ہو یا آسانی ہو یا ناخوشی ہر حال میں اطاعت کرنا بلکہ اگر تمہارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے جب بھی اطاعت لازم ہے۔(مسلم)

حدیث کی تشریح:اصول یہ ہے کہ اجتماعی مصلحت کو انفرادی مصلحت پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اجتماعی اور ملی مصلحت کا مقتضا ہر حال میں حکمران کی اطاعت ہے تاکہ ملی شیرازہ بندی قائم رہے اور انتشار وافتراق پیدا نہ ہو یہ مصلحت اور اس کے ساتھ دیگر اجتماعی مصالح کے پیش نظر اگر ایک فرد یا چند افراد بعض احکام کی تعمیل میں تنگی یا

دشواری محسوس کریں یا انہیں وہ احکام یا پالیسیاں اچھی نہ معلوم ہوں تو یہ حکمران کی اطاعت سے نکلنے کا جواز فراہم نہیں کرتیں بلکہ ہر حالت میں اطاعت و انقیاد لازمی ہے اور اس صورت میں بھی لازم ہے جب کوئی شخص کسی منصب کا خود کو اہل سمجھتا ہو اور اس کو چھوڑ کر کسی اور کو مقرر کر دیا جائے۔ غرض ایک مرتبہ اطاعت قبول کر لینے کے بعد ہر حالت میں اطاعت لازم ہے۔ (روضۃ المتقین: ۲/۲۰۶، دلیل الفالحین: ۳/۱۱۰، مظاہر حق: ۳/۶۶۱) (ریاض الصالحین ص ۲۴۲)

آخری زمانہ فتنہ اور آزمائش کا ہوگا

وعن عبدِ اللهِ بن عمرو رضيَ الله عنهما ، قَالَ : كنا مَعَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في سَفَرٍ ، فَنزَلْنَا مَنْزلاً ، فَمِنَّا مَنْ يُصلِحُ خِبَاءهُ ، وَمِنّا مَنْ يَنْتَضِلُ ، وَمِنَّا مَنْ هُوَ في جَشَرِهِ ، إذْ نَادَى مُنَادِي رسولِ الله - صلى الله عليه وسلم - : الصَّلاَةَ جَامِعَةً ((٢)). فَاجْتَمَعْنَا إلَى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، فَقَالَ : ((إنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبيٌّ قَبْلِي إلاَّ كَانَ حَقّاً عَلَيْهِ أنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ ، وَيُنْذِرَهُم شَرَّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ . وَإنَّ أُمَّتَكُمْ هذِهِ جُعِلَ عَافِيَتُهَا في أوَّلِهَا ، وَسَيُصيبُ آخِرَهَا بَلاَءٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا ، وَتَجِيءُ فِتنَةٌ يُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضاً ، وَتَجِيءُ الفتنَةُ فيقُولُ المُؤْمِنُ : هذه مُهلكتي ، ثُمَّ تنكشفُ ، وتجيء الفتنةُ فيقولُ المؤمنُ : هذِهِ هذِهِ . فَمَنْ أحَبَّ أنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّار ، ويُدْخَلَ الجَنَّةَ ، فَلْتَأْتِهِ مَنيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ باللهِ واليَوْمِ الآخِرِ ، وَلْيَأتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أنْ يُؤتَى إِلَيْهِ . وَمَنْ بَايَعَ إمَاماً فَأعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ ، وَثَمرَةَ قَلْبِهِ ، فَلْيُطِعْهُ إنِ استَطَاعَ ، فإنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)) رواه مسلم .قَوْله : ((يَنْتَضِلُ)) أيْ : يُسَابِقُ بالرَّمْي بالنَّبل والنُّشَّاب . وَ((الجَشَرُ)) : بفتح الجيم والشين المعجمة وبالراء ، وهي : الدَّوابُّ الَّتي تَرْعَى وَتَبيتُ مَكَانَهَا . وَقَوْلُه : ((يُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعضاً)) أيْ : يُصَيِّرُ بَعْضُهَا بَعْضاً رقيقاً : أيْ خَفِيفاً لِعِظَمِ مَا بَعْدَهُ ، فالثَّانِي يُرَقِّقُ الأَوَّلَ . وقيل مَعنَاهُ يُشَوِّقُ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ بتحسينهَا وَتَسويلِهَا ، وقيل : يُشبهُ بَعْضُهَا بَعضاً .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک مقام پر قیام کیا۔ ہم میں سے کچھ اپنے خیمے درست کر رہے تھے اور کچھ تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے اور بعض مویشیوں میں مصروف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے آواز دی کہ نماز تیار ہے۔ ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے جو نبی ہوا اس پر لازم تھا کہ وہ اپنی امت کو ان سب بھلائی کے کاموں کو بتلائے جن کو وہ جانتا تھا اور ان برائی کی باتوں سے ان کو ڈرائے

جن کو وہ جانتا تھا کہ وہ بری ہیں تمہاری اس امت کی عافیت اس کی پہلے حصے میں ہے اور اس کے آخر میں آزمائش رکھی گئی ہے اور ناگوار امور پیش آئیں گے اور ایسے فتنے پیش آئیں گے کہ بعد والوں کے سامنے پہلے فتنے ہلکے معلوم ہوں گے۔ایک فتنہ آئے گا اور مومن سمجھے گا کہ میں اس میں ہلاک ہو گیا' پھر وہ ختم ہو جائے گا اور ایک فتنہ سر ابھارے گا تو مومن کہے گا کہ اس میں میری ہلاکت یقینی ہے اب جو شخص چاہے کہ اسے جہنم سے ہٹادیا جائے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے تو اس کو اس حال میں موت آنی چاہئے کہ وہ اللہ پر یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
جو شخص امام کی بیعت کر چکا ہو' اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے چکا ہو اور اس کی امامت پر دل سے راضی ہو چکا ہو وہ جہاں تک ہو سکے اس کی اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا آکر اس سے منازعت کرے تو اس دوسرے کی گردن ماردے۔(مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس اُمت کا پہلا حصہ فتنوں سے عافیت میں ہے اور اس کے آخری حصے میں فتنے ہوں گے عجیب عجیب امور پیش آئیں گے اور فتنوں کا سلسلہ اس طرح قائم ہو جائے گا کہ ہر فتنہ کے بعد دوسرا فتنہ ہو گا اور ہر آنے والے فتنہ کے سامنے پہلا فتنہ ہلکا معلوم ہو گا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلامتی اور عافیت کے دور سے مراد پہلے تین خلفائے راشدین کا زمانہ ہے کہ اس دور میں اُمت متحد اور متفق رہی اور ان کی دنیا درست اور دین مستقیم رہا۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔یعنی اُمت کے اول حصے سے مراد عصر خلفائے راشدین اور اس کے آخری حصے سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے لے کر آخر تک تمام زمانہ ہے۔

فتنوں کے بعد فتنے مسلسل آئیں گے اور آنے والے فتنے کو دیکھ کر خیال ہو گا کہ پہلا فتنہ اس کے سامنے ہلکا تھا اور مؤمن سمجھے گا کہ اس فتنے میں اس کی ہلاکت ہے اور ختم ہو جائے گا تو دوسرے فتنے کے بارے میں کہے گا کہ یہ تو بہت شدید ہے اور اس میں میری ہلاکت ہے جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ جہنم سے ہٹادیا گیا اور جنت میں داخل ہو گیا۔(روضۃ المتقین:۲/۲۰۶'دلیل الفالحین:۳/۱۱۱)

حاکم تمہارے حقوق پورا نہ کریں پھر بھی ان کی اطاعت کرو

وعن أبي هُنَيْدَةَ وَائِلِ بن حُجرٍ – رضي الله عنه – ، قَالَ : سَأَلَ سَلَمَةُ بن يَزيدَ الجُعفِيُّ رسولَ الله – صلى الله عليه وسلم – ، فَقَالَ : يَا نَبِيَّ الله ، أرأيتَ إنْ قامت عَلَيْنَا أُمَراءُ يسألُونَا حَقَّهُم ، ويَمْنَعُونَا حَقَّنَا ، فَمَا تَأْمُرُنَا ؟ فَأَعْرَضَ عنه ، ثُمَّ سَأَلَهُ ، فَقَالَ رسولُ الله – صلى الله عليه وسلم – : ((اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا ، فإنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا ، وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ ''حضرت ابوھنیدہ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ مسلمہ بن یزید جعفی نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں بتائیں اگر ہم سے حاکم اپنا حق مانگیں لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں۔ تو ہمارے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ سن کر اعراض فرمایا: انہوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تم انکی بات سنو اور مانو ان کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور جو ذمہ داریاں تم پر ہیں تم انہیں پورا کرو''۔

حدیث کی تشریح: ایک طرف حکومت پر کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ دوسری طرف رعایا پر بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ حکومت کا نظام اسی وقت صحیح چلے گا جب کہ دونوں اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ انداز میں ایک طرف امراء و سلاطین کو رعایا کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی اور دوسری طرف رعایا کو بھی اہل حکومت کے حقوق ادا کرنے پر توجہ دلائی اور جب ایک دوسرے کی طرف سے ان کے حقوق کی ادائیگی میں کمی ہو تو صبر و تحمل سے کام لیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی دونوں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا خیال رکھا گیا تو قومیں خوش حال رہیں اور جن قوموں نے ان اُصولوں کو چھوڑا اور وہ بدامنی اور شر و فساد میں مبتلا رہیں۔ (اشرف التوضیح)

حاکم کے حق اداء کرو اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو

وعن عبد الله بن مسعود - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((إنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أثَرَةٌ(٣) وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا !)) قالوا : يَا رسول الله ، كَيْفَ تَأمُرُ مَنْ أدْرَكَ مِنَّا ذَلِكَ ؟ قَالَ : ((تُؤَدُّونَ الحَقَّ الَّذِي عَلَيْكُمْ ، وَتَسْألُونَ اللهَ الَّذِي لَكُمْ)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ترجیحی سلوک ہو گا اور ایسے امور پیش آئیں گے جو اوپرے ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسے کیا حکم فرماتے ہیں جو ہم میں سے اس صورت حال کو پائے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو حق ان کا تمہارے ذمہ ہو' اسے ادا کرو اور جو تمہارا حق ان کے ذمہ ہو اس کا اللہ سے سوال کرو۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک کا مقصود یہ ہے کہ اگر حکمران ترجیحی سلوک کریں اور مستحق پر غیر مستحق کو اور اہل پر نااہل کو ترجیح دینے لگیں اور ان سے ایسے امور ظاہر ہونے لگیں جن سے لوگ واقف نہ ہوں تو بھی ان کی اطاعت لازم ہے اور اس صورت میں لوگ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہیں گے اور ان کے ذمہ

حکمرانوں کے جو حقوق ہیں انہیں ادا کرتے رہیں اور اپنے حق کے بارے میں اللہ سے دعا کریں۔

(روضۃ المتقین: ۲/۲۰۹، دلیل الفالحین: ۳/۱۱۵) (ریاض الصالحین ص ۲۴۳)

اس حدیث کی شرح باب الصبر میں بھی گزر چکی ہے۔

امیر کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((مَنْ أطَاعَنِي فَقَدْ أطَاعَ اللهَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ ، وَمَنْ يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أطَاعَنِي ، وَمَنْ يَعصِ الأميرَ فَقَدْ عَصَانِي)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ○

"جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

اور فرمایا جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ○

"جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔"

اس کے بعد فرمایا جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ یعنی امیر کی اطاعت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو اس کی اطاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی نافرمانی ہے جو امیر اللہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل پیرا ہو تو اس کی اطاعت دراصل احکام شریعت کی اتباع ہے اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

(فتح الباری: ۸/۳۸۷، روضۃ المتقین: ۲/۲۰۸، دلیل الفالحین: ۳/۱۱۶، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۲/۱۸۷) (ریاض الصالحین ص ۲۴۳)

حاکم کی ناپسندیدہ بات کی وجہ سے اطاعت ترک نہ کرے بلکہ صبر کرے

وعن ابن عباس رضي الله عنهما : أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((مَنْ كَره مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئاً فَلْيَصْبِرْ ، فَإنَّهُ مَنْ خَرجَ مِنَ السُّلطَانِ شِبْراً مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے حاکم کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کہ جو شخص امیر کی اطاعت سے ایک بالشت کے برابر بھی باہر نکلا وہ جاہلیت کی موت مرا۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: متعدد احادیث مبارکہ میں امیر کی اطاعت کے لازم ہونے کو بیان کیا گیا ہے جس سے مقصود مسلمانوں کے باہمی اتحاد واتفاق کو برقرار رکھنا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کوئی ناگوار امر دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے اور اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلے کہ جو سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر نکلا اور اسی حال میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ جاہلیت کی موت مرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جاہلیت کے لوگ گمراہ اور منتشر اور بے نظام تھے اور کسی امام کی اطاعت میں نہیں تھے اسی طرح یہ موت بھی ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر مرا بلکہ گنہگار ہونے کی حالت میں مرا۔ ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کا مقصود زجر وتنبیہ ہو کہ ایک مسلمان کے لیے یہ موزوں نہیں ہے کہ وہ امیر کی اطاعت سے باہر نکل جائے اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو جائے۔

(فتح الباری: ۳/ ۶۹۴، روضۃ المتقین: ۲/ ۲۱۰)(ریاض الصالحین ص ۲۴۳)

جس نے نیک دل حاکم کی توہین کی تو گویا اس نے اللہ کی توہین کی

وعن أبي بكرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((مَنْ أهانَ السُّلْطَانَ أَهَانَهُ الله)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن)) .وفي الباب أحاديث كثيرة في الصحيح . وَقَدْ سبق بعضها في أبواب .

ترجمہ۔"حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے حاکم کی بے عزتی کی اللہ اس کو ذلیل کرے گا (ترمذی) صاحب ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس مسئلہ میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں ان میں سے کچھ احادیث اس سے پہلے ابواب میں گزر چکی ہیں"۔

حدیث کی تشریح: مَنْ اَهَانَ السُّلْطَانَ اَهَانَهُ اللّٰهُ:

حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ جس کو امیر یا حاکم بنایا گیا ہے اس کی اطاعت کی جائے۔ جب اس کی نافرمانی

ہو گی تو اب اس حاکم یا امیر کی ذلت ہو گی۔ پھر اس کے حکم کی کوئی وقعت لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں ہو گی اور پھر جرائم پیشہ اور قانون شکن عناصر کو اپنی کارروائیاں کرنے کی جسارت ہو جائے گی۔ اس نیک دل حاکم کی ذلت ہو گی اس کے مقابل حکمران میں جب تک کھلا کفر نہ دیکھا جائے اور وہ نماز اور دیگر شعائر اسلام کو قائم رکھیں تو اب ایسے حکمران کی جب اطاعت کی جائے گی تو اب اس حکمران کا وقار اور جلال ہو گا اور جو حاکم سے مقصود امن واستحکام ہے وہ وجو میں آئے گا۔ (دلیل الطالبین ۱/۵۶۶) (ریاض الصالحین ص ۲۴۳)

یہی مفہوم ایک روایت میں آتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ اَكْرَمَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِى الدُّنْيَا اَكْرَمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِى الدُّنْيَا اَهَانَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

ترجمہ: "جو حاکم کا اکرام کرے دنیا میں اللہ اس شخص کا اکرام فرمائیں گے۔ قیامت کے دن اور جو کسی بادشاہ کو ذلیل کرے دنیا میں تو اللہ اس شخص کو قیامت کے دن ذلیل فرمائیں گے۔"

....

۸۱- باب النهي عن سؤال الإمارة واختيار ترك الولايات إذا لَمْ يتعين عليه أَوْ تَدْعُ حاجة إِلَيْهِ

طلب امارت کی ممانعت اور عدم تعین اور عدم حاجت کی صورت میں امارت سے گریز

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَo

ترجمہ: ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "آخرت کا گھر ہم نے انہی لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور اچھا انجام پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔" (القصص: ۸۳)

تفسیر: آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کامیابی اچھا انجام اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے ہے جو تکبر نہیں کرتے اور زمین میں فساد کا ارادہ نہیں کرتے، تکبر کی تمام صورتیں اور شکلیں ممنوع ہیں اور ہر گناہ فساد ہے۔ آخرت کی کامیابی بہت بڑی کامیابی ہے اور یہ کامیابی ان کے لیے جو ملک میں شرارت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے۔ (تفسیر عثمانی) (ریاض الصالحین ص ۲۴۳)

وعن أبي سعيدٍ عبدِ الرحمان بن سَمُرَةَ - رضي الله عنه -، قَالَ: قَالَ لي رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: ((يَا عَبْدَ الرَّحمان بن سَمُرَةَ، لاَ تَسْأَلِ الإمَارَةَ؛ فَإنَّكَ إنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْراً مِنْهَا، فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينكَ)) متفقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ۔ ''حضرت ابو سعید عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرۃ! تم امارت کا سوال نہ کرنا اگر بغیر خواہش کے امارت مل جائے تو اس میں مدد دی جاتی ہے اور سوال کرنے کے بعد امارت ملی تو اب تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور جب تم کوئی قسم کھاؤ اور اسکے خلاف کو اس سے بہتر دیکھو تو جو بہتر ہے وہ کام کرلو اور قسم کا کفارہ دے دو''۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: لَاتَسْأَلِ الْاَمَارَةَ:

حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے آدمی کو امارت یا کوئی اور منصب ہو۔ خود سے اس کی آرزو اور طلب نہیں کرنی چاہیے (نزہۃ المتقین) کیونکہ اس منصب کے ساتھ ذمہ داری کو پورا کرنا یہ ایک اہم معاملہ ہے اور اگر اس نے اس کو طلب کیا تو اللہ کی طرف سے اس کی مدد نہیں ہوگی (روضۃ المتقین) تو اس منصب کو پورا کرنا اور مشکل کام ہو جائے گا اور اگر لوگوں نے زبردستی اس کو منصب دے دیا اس کے ناپسند کرنے کے باوجود تو اب اس پر اللہ کی مدد ہوگی۔

جیسے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین دن تک پانچوں نمازوں کے بعد اعلان کرتے رہے کہ میرے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنالو مگر لوگوں نے ان کے سوا کسی دوسرے کو پسند نہیں کیا تو ان کے زمانے میں جب ارتداد وغیرہ کی آگ جلنا شروع ہوئی، اللہ کی مدد ہوئی اور وہ سب ختم ہو گئی۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۴)

وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِيْنٍ: جب تم کسی بات پر قسم اُٹھاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی نے کسی کام کے بارے میں قسم کھائی کہ میں نہیں کروں گا مگر بعد میں اس نے اس کام کے کرنے میں بہتری کو پایا تو اب وہی کام کرلے اور پھر بعد میں اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۴)

قسم کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا اور جو ان سب کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھ لے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۴)

وعن ابی ذر رضی الله عنه قال: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا ابا ذر انی اراك ضعیفا وانی احب لك ما احب لنفسی، لا تأمرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم" رواه مسلم

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر میں دیکھتا ہوں کہ تم ضعیف ہو میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے کرتا ہوں دیکھو کبھی دو آدمیوں کا امیر نہ بننا اور کسی یتیم کے مال کا ذمہ دار نہ بننا۔ (مسلم)

کلمات حدیث: لاتامرن: تم ہرگز امیر نہ بننا۔ ولا تولین: اور ہرگز ولی نہ بننا۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوذر جو بات مجھے اپنے لیے پسند ہے وہی تمہارے لیے پسند ہے تم ضعیف ہو تمہارے اندر حکومت کے سنبھالنے کی قوت وقدرت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر زہد کا غلبہ تھا اور دنیا کی باتوں سے گھبراتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو کبھی دو آدمیوں کے بھی امیر نہ بننا اور نہ کبھی یتیم کے مال کے متولی بننا۔

کسی منصب کو قبول کرنے کی دو بنیادی شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ آدمی اس منصب کے تقاضوں کو جانتا اور پوری طرح سمجھتا ہو اور اس کو اس کے بارے میں علم ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ جسمانی اور ذہنی طور پر اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی قدرت اور طاقت رکھتا ہو۔ ان دو شرطوں کو قرآنِ کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

﴿إِنی حفیظ علیم﴾ "میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔"

امارت قیامت کے روز باعث ندامت ہوگی

وعنه ، قَالَ : قُلْتُ : يَا رسول الله ، ألا تَسْتَعْمِلُني ؟ فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي ، ثُمَّ قَالَ : ((يَا أَبَا ذَرٍّ ، إنَّكَ ضَعِيفٌ ، وإنّها أمانةٌ ، وَإنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ ، إلاَّ مَنْ أخَذَهَا بِحَقِّهَا ، وَأدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مجھے کسی جگہ عامل نہ مقرر فرمادیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے شانے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ابوذر تم ضعیف ہو اور یہ قیامت رسوائی اور ندامت کا سبب ہوگی سوائے اس کے کہ کوئی اسے حق کے ساتھ لے اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرے جو اس پر عائد ہوتی ہیں۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: قرآن کریم میں اجتماعی مناصب میں سے کسی منصب کا اہل ہونے کے لیے چار شرائط بیان کی گئی ہیں۔ یہ چار شرائط اس قدر جامع ہیں اور اس قدر محیط ہیں کہ اہلیت وصلاحیت اور استعداد کی ان سے زیادہ جامع شرائط بیان نہیں کی جاسکتیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا: "اِنِّی حَفِیظٌ عَلِیمٌ" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بیان ہوا۔ "انه لقوی امین" یعنی جو کام اور ذمہ داری سپرد کی جائے اس کا جاننے والا ان ذمہ داریوں کو دیانت اور امانت کے ساتھ ادا کرنے والا اور ان ذمہ داریوں کے پورا کرنے پر جسمانی اور علمی طور پر قدرت رکھنے والا اور ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں جو مال اور جو اشیاء اس کی تحویل میں آئیں ان کی حفاظت کرنے والا ہو۔

اگر کوئی آدمی کسی منصب کا اہل نہ ہو یا اس میں استعداد موجود نہ ہو اس کو وہ منصب سپرد کرنا خیانت اور بددیانتی ہے اور اس شخص کا قبول کرنا گناہ ہے اور آخرت کی جوابدہی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث حکومت وسیادت سے کنارہ کش رہنے اور مناصب کے قبول کرنے سے اجتناب کرنے کے ایک بہترین

اصول کا بیان ہے۔ خاص طور پر جس شخص میں اہلیت اور استعداد نہ ہو ہر گز کوئی منصب قبول نہ کرے۔

(شرح مسلم للنووی: ۱۲/۱۷۶، روضۃ المتقین: ۲/۲۱۴، دلیل الفالحین: ۳/۱۲۰)(ریاض الصالحین ص ۲۴۴)

امارت کے حرص کرنے والے کی پیشین گوئی

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((إنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الإمَارَةِ ، وَسَتَكونُ نَدَامَةً يَوْمَ القِيَامَةِ)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم عنقریب امارت کی حرص کرو گے جو روز قیامت ندامت اور شرمندگی ہوگی۔(بخاری)

حدیث کی تشریح: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حب مال اور دنیا کی محبت سے بہت دور تھے وہ صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے اور ان کا ہر عمل آخرت کے لیے تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشین گوئی فرمائی کہ عنقریب امارت اور مناصب کی حرص کرنے لگو گے حالانکہ ان مناصب کو حاصل کر کے ان کی ذمہ داریوں کو دیانت اور امانت کے ساتھ پورا نہ کرپانا اور عدل وانصاف میں کوتاہ دست ہو جانے کا حتمی نتیجہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ''اولها ملامة وثانيها ندامة و ثالثها عذاب يوم القيامة'' منصب وامارت کا قبول کرنا اولاً ملامت ثانیاً ندامت اور ثالثاً عذاب قیامت میں مبتلا ہونا ہے۔

غرض ایسے شخص کا امارت یا منصب کا طلب کرنا جو اس کی پوری استعداد اور مطلوبہ صلاحیت سے بہرہ ور نہ ہو اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، ممنوع ہے۔ اسی طرح ایسے شخص کو منصب یا امارت سپرد کرنا بھی ممنوع ہے۔(فتح الباری: ۳/۴۴۷، ارشاد الساری: ۱۵/۹۶، عمدۃ القاری: ۲۵/۳۳۸)(ریاض الصالحین ص ۲۴۴)

....

۸۲- باب حث السلطان والقاضي وغيرهما من ولاة الأمور عَلَى اتخاذ وزير صالح وتحذيرهم من قرناء السوء والقبول منهم

امیر قاضی اور دیگر حکام کو نیک وزیر مقرر کرنے کی ترغیب اور برے ہم نشینوں سے ڈرانے اور ان کی باتوں کو قبول نہ کرنے کا بیان

قَالَ الله تَعَالَى : ﴿ الأَخِلاَّءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلاَّ الْمُتَّقِينَ ﴾ [الزخرف : ٦٧] .

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔''

تفسیر: آیت بالا میں اللہ کے لیے دوستی کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ میدان حشر میں آپس میں اللہ کے لیے محبت کرنے والے اللہ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دوست مؤمن تھے اور دو ہی دوست کافر تھے۔ مؤمن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا تو اس کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی تو اس دوست نے اپنے دنیاوی دوست کے لیے دعا کی۔ اے اللہ! فلاں میرا دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید کرتا تھا' بھلائی کا حکم کرتا اور برائی سے روکتا تھا۔ اے اللہ! اس کو میرے بعد گمراہ نہ کرنا تاکہ وہ بھی جنت میں وہ مناظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں۔ آپ اس سے بھی ایسے راضی ہو جائیں جیسے کہ آپ مجھ سے ہوئے ہیں۔

پھر جب دوسرے دوست کا انتقال ہوا اور دونوں کی ارواح جمع ہوئیں تو اللہ جل شانہ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہنے لگا کہ بہترین بھائی' بہترین ساتھی اور بہترین دوست ہے۔

اس کے برعکس جب ان دو کافروں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اس کو معلوم ہوا کہ مجھے جہنم میں ڈالا جائے گا تو اب اس کو اپنا دوست یاد آیا اس وقت یہ دعا کی کہ اے اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے کا حکم کرتا تھا' برائی کی تاکید اور بھلائی سے روکتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ آخرت میں کوئی اللہ کے سامنے پیش ہونا نہیں ہے۔ اے اللہ! اس کو ہدایت نہ دینا تاکہ وہ بھی جہنم میں یہی مناظر دیکھے اور آپ اس سے بھی اسی طرح ناراض ہوں جس طرح آپ مجھ سے ناراض ہوئے ہیں۔ پھر جب دوسرے کافر دوست کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کی روحیں آپس میں جمع ہوئیں ان سے کہا گیا کہ اپنے ساتھی کی تعریف کرے تو ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کے بارے میں کہا کہ بدترین بھائی' بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔

(ابن کثیر ۴ر۴ ۱۳ بحوالہ مصنف عبدالرزاق وابن ابی حاتم) (ریاض الصالحین ص ۲۴۴)

ہر حاکم کے دو دوست ہوتے ہیں

وعن أَبي سعيدٍ وأبي هريرة رضي الله عنهما : أنَّ رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبيٍّ ، وَلاَ اسْتَخْلَفَ مِنْ خَليفَةٍ إلاَّ كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَان : بِطَانَةٌ تَأمُرُهُ بالمَعْرُوفِ وتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، وَالمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللهُ)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا اور اس کے بعد جس کو خلیفہ بنایا اس کے دو دوست ہوتے تھے ایک نیکیوں کا حکم دیتا اور ان پر آمادہ کرتا اور دوسرا برائیوں کا حکم دیتا اور ان پر اکساتا معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: مقصود حدیث یہ ہے کہ ہر شخص کو اور خاص طور پر حکام کو اور سربراہان مملکت کو چاہیے کہ وہ اپنے قریبی ایسے ساتھیوں کو منتخب کریں جو نیک ہوں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے والے ہوں اور ان کے دل خشیت الٰہی سے لبریز ہوں تاکہ وہ ان کو صحیح مشورہ دیں' انہیں اچھی باتوں کی جانب رہنمائی کریں اور امور خیر پر آمادہ کریں اور ایسے لوگوں سے گریز کریں جو بداعمال اور بداطوار ہوں اور انہیں برائیوں کی طرف مائل کریں اور بداعمالیوں پر اکسائیں اور اپنے آپ کو شر اور فتنہ سے بچانے کے لیے اللہ سے دعا بھی کریں کہ معصوم وہی ہے جس کو اللہ اپنی حفاظت میں لے لے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی نے کوئی منصب سنبھالا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو وہ اس کے لیے صالح وزیر مقرر فرمادے گا' اگر بھول جائے تو یاد دلائے گا اور اگر یاد ہو تو مددگار ہوگا۔

ابن التین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں مذکورہ بطانتین کے لفظ سے دو وزیر بھی مراد ہو سکتے ہیں اور فرشتہ اور شیطان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور کرمانی نے فرمایا کہ بطانتین سے مراد نفس امارہ اور نفس لوامہ مراد ہوں اور جملہ معانی مراد لینا زیادہ بہتر ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی اور کسی اور کے ساتھ کوئی اور ہے۔

(فتح الباری: ۱۳/۱۷۷' ارشاد الساری: ۱۵/۱۶۱' عمدۃ القاری: ۲۵/۴۰۰) (ریاض الصالحین ص ۱۴۵)

حاکم کو اچھا مشیر مل جانا سعادت ہے

وعن عائشة رضى الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ا راد الله بالامير خيراً جعل له وزير صدق ان نسى ذكره ' وان ذكرا عانه' واذاا رادبه غير ذلك جعل له وزير سوء ان نسى لم يذكر لم يعنه' رواه ابو دائود باسناد جيد على شرط مسلم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی امیر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے ایک سچا وزیر عطا فرمادیتے ہیں کہ اگر وہ بھول جائے تو اسے یاد دلاتا ہے اور اگر یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کچھ اور ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ ایک برا وزیر مقرر کردیتے ہیں کہ اگر وہ بھول جائے اسے یاد نہیں دلاتا اور اگر اسے یاد ہو تو اس کی مدد نہیں کرتا۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے بسند جید روایت کیا اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے)

حدیث کی تشریح۔ حاکم اور سربراہ مملکت کیلئے ضروری ہے کہ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو شریک کار کرے جو اپنے کاموں کے ماہر ہونے کے ساتھ بھی مخلص ہوں اور مسلمانوں کے بھی ہمدرد اور خیر خواہ ہوں تاکہ وہ اس کی بروقت رہنمائی کرسکیں اگر ایسا ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی رضامندی کی دلیل ہے۔ نیز حدیث مبارک میں تنبیہ ہے کہ حکمران برے کردار کے حامل افراد کو رازدار نہ بنائیں جو ان کے بگاڑ اور سرکشی کا ذریعہ بنیں۔

(نزھۃ المتقین: ۱/۵۴۳' روضۃ المتقین: ۲/۲۱۷)

۸۳- باب النهي عن تولية الإمارة والقضاء وغيرهما من الولايات لمن سألها أوْ حرص عليها فعرَّض بها

امارت' قضا اور دیگر مناصب ان کے حریص طلب گاروں کو دینے کی ممانعت.... عہدہ کے حریص کو عہدہ نہ دیا جائے

عن أبي موسى الأشعريِّ - رضي الله عنه - ، قَالَ : دَخَلْتُ عَلَى النَّبيِّ - صلى الله عليه وسلم - أنَا وَرَجُلاَنِ مِنْ بَنِي عَمِّي ، فَقَالَ أحَدُهُمَا : يَا رسول الله ، أمِّرْنَا عَلَى بَعْض مَا ولاَّكَ اللهُ - عز وجل - ، وقال الآخرُ مِثلَ ذَلِكَ ، فَقَالَ : ((إنَّا وَاللهِ لاَ نُوَلِّي هَذَا العَمَلَ أحَداً سَألَهُ ، أوْ أحَداً حَرَصَ عَلَيْهِ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو چچازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن علاقوں کو اللہ نے آپ کی ولایت میں دیا ہے ہمیں ان میں سے کسی علاقے کا امیر بنا دیں' دوسرے نے بھی اسی طرح کی التماس کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم ہم اس کام پر اس شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرے یا اس کا حریص ہو۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: طلب منصب کی ممانعت فرمائی گئی اس لیے کہ جو شخص منصب کا خواہش مند اور حریص ہو تو اس کو اللہ کی جانب سے نصرت وحمایت حاصل نہ ہوگی۔ جیسا کہ سابق حدیث میں بیان ہوا ہے نیز یہ کہ جو خواہش مند ہے اور حریص ہے۔ یقیناً اس کا اس میں دنیاوی مفاد ہے اور وہ مسلمانوں کے مال اور ان کے منصب سے ذاتی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ بات بجائے خود اس کو نااہل قرار دینے والی ہے اور نااہل کو کوئی منصب سپرد کرنا درست نہیں ہے۔

ابن المہلب فرماتے ہیں کہ مناصب کی حرص اور امارت کا لالچ ہی قتل وغارت کی بنیاد اور فساد فی الارض کی اصل جڑ ہے۔ اگر یہ حرص ختم ہو جائے اور اس لالچ کا سد باب ہو جائے کہ کسی منصب کے طلب گار کو منصب نہ دیا جائے تو قتل وغارت اور فساد فی الارض اور مال کی لوٹ مار اور چھینا جھپٹی ختم ہو جائے۔

(فتح الباری: ۳۰۴/۳' عمدۃ القاری: ۳۴۹/۲۵' ارشاد الساری: ۹۸/۱۵' روضۃ المتقین: ۲۱۸/۲) (ریاض الصالحین ص ۲۴۵)

۸٤- باب الحياء وفضله والحث على التخلق به

حیااور اسکی فضیلت اور حیا اختیار کرنے کی ترغیب کا بیان... حیاء ایمان کا حصہ ہے

عن ابن عمر رضي الله عنهما : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الأنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ أخَاهُ في الحَيَاءِ ، فَقَالَ رسولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - : ((دَعْهُ ، فَإنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الإيمَانِ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو شرم و حیا کرنے کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دے یقیناً شرم و حیا کرنا تو ایمان کا حصہ ہے"۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: **مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ:** حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باوجود کوشش کے اس انصاری کا جو اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا ہے اور جو سن رہا ہے نام معلوم نہ ہو سکا۔ (فتح الباری ۱/۴۷)

دَعْهُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ حیاء تو ایمان کا حصہ ہے۔ یہ حیاء اگرچہ ایک فطری وصف ہے یعنی بہت سے لوگ پیدائشی طور پر شرمیلے ہوتے ہیں تاہم ان کی اگر تربیت کی جائے اور ان کا رُخ نیکیوں کی طرف موڑ دیا جائے تو شرم و حیاء کے جذبے میں مزید اضافہ بھی ہو جاتا ہے اور یہی اسلام میں مطلوب ہے۔

اس میں اس بات کا جواب بھی ہو چکا کہ حیاء تو ایک فطری چیز ہے فطری چیز تو غیر اختیاری ہے تو اس پر اجر کیونکر ملتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ آگیا کہ جو فطری حیاء ہے وہ مراد نہیں بلکہ اس فطری حیاء کو موڑ کر مزید اضافہ کر کے اختیاری بنایا جائے اس کو ایمان کا جزء کہا گیا ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۵)

حیاء ساری کی ساری خیر ہے

وعن عمران بن حصين رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((الْحَيَاءُ لاَ يَأْتِي إلاَّ بِخَيْرٍ)) متفقٌ عَلَيْهِ .وفي رواية لمسلمٍ : ((الحياءُ خَيْرٌ كُلُّهُ)) أَوْ قَالَ : ((الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ)) .

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیا خیر ہی لاتی ہے۔ (متفق علیہ)

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حیاء ساری کی ساری خیر ہے۔

حدیث کی تشریح:حیاء سراسر خیر ہے۔ حیاء پوری کی پوری خیر ہے اور حیاء کا کوئی نتیجہ نہیں۔ سوائے خیر کے حیاء خیر ہے اور خیر سے ہی خیر ہی بر آمد ہو گی۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا حیاء دین کا حصہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء پورا دین ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں لے جانے والا ہے۔ غرض حیاء انسان کو برائیوں سے روکتی ہے اور اللہ کی نافرمانیوں سے باز رکھتی ہے اس لیے حیاء دین بھی ہے اخلاق بھی ہے اور ایمان بھی ہے۔(فتح الباری: ۲۱۵/۳، روضۃ المتقین: ۲۱۹/۲)(ریاض الصالحین ص ۲۴۵)

ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((الإيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً : فَأفْضَلُهَا قَوْلُ : لاَ إلهَ إلاَّ الله ، وَأدْنَاهَا إمَاطَةُ الأذَى عَنِ الطَّرِيقِ ، وَالحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإيمَانِ)) متفقٌ عَلَيهِ . ((البِضْعُ)) بكسر الباء ويجوز فتحها : وَهُوَ مِنَ الثَّلاَثَةِ إِلَى العَشَرَةِ . وَ((الشُّعْبَةُ)) : القِطْعَةُ وَالخَصْلَةُ . وَ((الإمَاطَةُ)) : الإزَالَةُ . وَ((الأَذَى)) مَا يُؤْذِي كَحَجَرٍ وشوك وَطِينٍ ورماد وَقَذَرٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر یا کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں افضل لاالہ الا اللہ اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹادینا ہے اور حیا بھی ایمان کی شاخ ہے۔(متفق علیہ)

بضع تین سے دس تک عدد۔ الشعبۃ جزء یا خصلت۔ اماطۃ، ازالۃ أذی جس سے تکلیف ہو جیسے پتھر کانٹا مٹی راکھ گندگی اور اس طرح کوئی اور چیز۔

شرحِ حدیث:ایمان اور اعمالِ صالحہ لازم وملزوم ہیں،ایمان اعمال صالحہ پر ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے اور تمام اعمالِ صالحہ ایمان کے اجزاء اور اس کے حصے ہیں۔ حیا بھی عمل صالح ہے اس لیے وہ بھی ایمان کا ایک حصہ ہے اور ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ ساٹھ اور ستر کا عدد بطورِ مثال بیان ہوا لیکن اصل مقصود کثرت اور تعدد ہے۔ غرض فرمایا کہ لاالہ الا اللہ کہنا ایمان کا سب سے افضل شعبہ ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالتوحید تمام اعمالِ صالحہ کی اساس ہے اللہ پر ایمان اور اس کی وحدانیت پر ایمان کے بغیر نہ کوئی عمل مقبول ہے اور نہ وہ عمل صالح ہے اور ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیز کا ہٹادینا ہے۔

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے باب الدلالۃ علی کثرۃ طرق الخیر میں گزر چکی ہے۔

(روضۃ المتقین: ۲۲۱/۲-دلیل الفالحین: ۱۲۷/۳)

علماء کہتے ہیں کہ حیا ایسی خصلت کو کہتے ہیں جو آدمی کو بری چیز کے ترک پر آمادہ کرے اور صاحبِ حق کے حق

میں کوتاہی سے روکے۔ ہم نے ابوالقاسم جنید سے نقل کیا کہ حیا اس حالت کو کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر انعامات دیکھنے اور ان کے بارے میں اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنے سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

حدیث کی تشریح: ایمان اور اعمال صالحہ لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان اعمال صالحہ پر اُبھارتا اور آمادہ کرتا ہے اور تمام اعمال صالحہ ایمان کے اجزاء اور اس کے حصے ہیں۔ حیاء بھی عمل صالح ہے اس لیے وہ بھی ایمان کا ایک حصہ ہے اور ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ ساٹھ اور ستر کا عدد بطور مثال بیان ہوا لیکن اصل مقصود کثرت اور تعدد ہے۔ غرض فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کہنا ایمان کا سب سے افضل شعبہ ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالتوحید تمام اعمال صالحہ کی اساس ہے۔ اللہ پر ایمان اور اس کی وحدانیت پر ایمان کے بغیر نہ کوئی عمل مقبول ہے اور نہ وہ عمل صالح ہے اور ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیز کا ہٹا دینا ہے۔

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے باب الدلالۃ علی کثرۃ طرق الخیر میں گزر چکی ہے۔

(روضۃ المتقین: ۲/۲۲۱، دلیل الفالحین: ۳/۱۲۷) (ریاض الصالحین ص ۲۴۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کی کیفیت

وعن أبي سعيدٍ الخدري - رضي الله عنه - ، قَالَ : كَانَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ العَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا ، فَإِذَا رَأَى شَيْئاً يكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ . متفقٌ عَلَيْهِ . قَالَ العلماءُ : حَقِيقَةُ الحَيَاءِ خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى تَرْكِ القَبِيحِ ، وَيَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِيرِ فِي حَقِّ ذِي الحَقِّ . وَرَوَيْنَا عَنْ أَبِي القَاسم الْجُنَيْدِ رَحِمَهُ اللهُ ، قَالَ : الحَيَاءُ : رُؤْيَةُ الآلاءِ - أيْ النِّعَمِ - ورُؤْيَةُ التَّقْصِيرِ ، فَيَتَوَلَّدُ بَيْنَهُمَا حَالَةٌ تُسَمَّى حَيَاءً ((۱)) . وَاللهُ أعلم .

ترجمہ۔ ”حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا والے تھے جو شرم و حیا کے پیش نظر پردے میں رہتی ہے جب آپ کسی چیز کو ناپسند سمجھتے تو ہم اس کی ناگواری کے اثرات کو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چہرہ انور سے پہچان لیتے“۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری لڑکی سے زیادہ حیا والے تھے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حیاء و شرم کو بیان کیا جارہا ہے کہ ایک تو عورتوں میں حیاء زیادہ ہوتی ہے اور خاص کر کے کنواری عورت تو حیاء و شرم کا پیکر ہوتی ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ حیاء و شرم والے تھے۔

حَقِيْقَةُ الْحَيَاءِ: یہاں سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے حیاء کی تعریف کی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۶)

میاں بیوی کا راز افشاء کرنا بری بات ہے

وعن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((إنَّ مِنْ أشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ القِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى الْمَرْأةِ وتُفْضِي إلَيْهِ ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ براوہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے ہم صحبت ہوتا ہے اور بیوی اس کیساتھ ہم صحبت ہوتی ہے اور وہ اس راز کو کھولتا ہے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: اخلاق رذیلہ میں ایک انتہائی رذیل اور بری بات یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ شب باشی کا قصہ لوگوں کے درمیان بیان کرے' اللہ تعالیٰ کے یہاں روز قیامت یہ سب سے برا انسان ہوگا اور ایک اور حدیث میں اسے عظیم ترین خیانت کہا گیا ہے۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان ہر بات اور فعل امانت ہے اور اس امانت کا افشاء خیانت ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۱/۸' روضۃ المتقین: ۲/۲۲۲) (ریاض الصالحین ص ۲۴۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو مخفی رکھنا

وعن عبدِ الله بن عمر رضي الله عنهما : أنَّ عمرَ - رضي الله عنه - حِيْنَ تأيَّمَتْ بنْتُهُ حَفْصَةُ ، قَالَ : لَقِيتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ - رضي الله عنه - ، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَفْصَةَ ، فَقُلْتُ : إنْ شِئْتَ أنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ ؟ قَالَ : سأنْظُرُ فِي أمْرِي . فَلَبِثْتُ لَيالِيَ ثُمَّ لَقِيَنِي ، فَقَالَ : قَدْ بَدَا لِي أنْ لاَ أتَزَوَّجَ يَوْمِي هَذَا . فَلَقِيتُ أبَا بَكْرٍ - رضي الله عنه - ، فقلتُ : إنْ شِئْتَ أنْكَحْتُكَ حَفْصَةَ بِنْتَ عُمَرَ ، فَصَمتَ أبُو بَكْرٍ - رضي الله عنه - ، فَلَمْ يَرْجِعْ إلَيَّ شَيْئاً ! فَكُنْتُ عَلَيْهِ أوْجَدَ مِنِّي عَلَى عُثْمَانَ ، فَلَبِثَ لَيَالِيَ ثُمَّ خَطَبَهَا النَّبيُّ - صلى الله عليه وسلم - ، فَأنْكَحْتُهَا إيَّاهُ . فَلَقِيَنِي أبُو بَكْرٍ ، فَقَالَ : لَعَلَّكَ وَجَدْتَ عَلَيَّ حِيْنَ عَرَضْتَ عَلَيَّ حَفْصَةَ فَلَمْ أرْجِعْ إلَيْكَ شَيْئاً ؟ فقلتُ : نَعَمْ ، قَالَ : فَإنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أنْ أرْجِعَ إلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ عَلَيَّ إلاَّ أنِّي كُنْتُ عَلِمْتُ أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - ذَكَرَهَا ، فَلَمْ أكُنْ لأُفْشِيَ سِرَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، وَلَوْ تَرَكَهَا النَّبيُّ - صلى الله عليه وسلم - لَقَبِلْتُهَا . رواه البخاري . ((تَأيَّمَتْ)) أيْ : صَارَتْ بِلاَ زَوْجٍ ، وَكَانَ زَوْجُهَا تُوُفِّيَ - رضي الله عنه - . ((وَجَدْتَ)) : غَضِبْتَ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے کہا کہ

تم چاہو تو حفصہ بنت عمر کا نکاح میں تم سے کر دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں غور و کروں گا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کئی روز انتظار کیا پھر ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میرے سامنے یہ بات آئی ہے کہ میں ابھی شادی نہ کروں۔ پھر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ رنجیدہ ہوا میں کچھ دن ٹھہرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حفصہ کیلئے پیغام دیا اور میں نے حفصہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کر دیا اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے کہ تم نے میرے لئے پیغام دیا اور میں نے حفصہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کر دیا اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے کہ تم میرے لئے حفصہ کے نکاح کی بات کی اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو شاید تم مجھ سے ناراض ہو۔ میں نے کہا ہاں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس میں جواب دینے سے اور کسی بات نے نہیں روکا مگر صرف اس بات نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کا ذکر فرمایا تھا اور میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا راز افشاء نہیں کر سکتا تھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان سے نکاح کا ارادہ ترک فرما دیتے تو میں کر لیتا۔ (بخاری)
تایمت کا معنی ہے۔ بغیر شوہر والی (بیوہ) اور ان کا شوہر وفات پا چکے تھے۔ وجدت بمعنی غضبت کے ہے۔
شرح حدیث: قرآن کریم میں ارشاد ہے:
وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ○ "اور اپنی بیوہ عورتوں کے نکاح کرو۔"
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے حضرت حفصہ کے نکاح کی شیخین سے بات کی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے احد میں زخمی ہو گئے تھے اور انہی زخموں سے تاب نہ لا کر انتقال کر گئے تھے۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں باہمی تعلق اخوت و محبت زیادہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں مواخات فرمائی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب نہیں دیا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ناراضگی محسوس کی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل صورت حال بتا کر اس کی تلافی فرمائی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اپنا ارادہ نہ ظاہر فرمایا ہوتا تو میں حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیتا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ (فتح الباری: ۲/۱۰۰۰، روضۃ المتقین: ۲/۲۲۳) (ریاض الصالحین ص ۲۴۷)

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز چھپانا

وعن عائشة رضی الله عنها قالت: کن ازواج النبی صلی الله علیه وسلم عنده فاقبلت فاطمة رضی الله عنها تمشی ما تخطیء مشیتها من مشیة رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئاً، فلما راٰها رحب بها وقال: "مرحبا بابنتی" ثم اجلسها عن یمینه او عن شماله، ثم سارها فبکت بکاء شدیداً، فلما رایٰ جزعها سارها الثانیة فضحکت فقلت لها: خصك رسول الله صلی الله علیه وسلم من بین نسائه بالسرار ثم انت تبکین؟ فلما قام رسول الله صلی الله علیه وسام سألتها: ما قال لك رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قالت ما کنت افشی علی رسول الله صلی الله علیه وسلم سرهٗ، فلما توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم قلت: عزمت علیك بما لی علیك من الحق لما حدثتنی ما قال لك رسول الله صلی الله علیه وسلم؟فقالت: اما الان فنعم اما حین سارنی فی المرة الاولی فاخبرنی ان جبریل کان یعارضهٗ القران فی کل سنة مرة او مرتین وانه عارضه الان مرتین وانی لا اری الاجل الا قد اقترب فاتقی الله واصبری فانه نعم السلف انا لك فبکیت بکائی الذی رایت فلما رأی جزعی سارنی الثانیة فقال: "یافاطمة اما ترضین ان تکونی سیدة نساء المومنین او سیدة نسآء هذه الامة؟فضحکت ضحکی الذی رایت: متفق علیه وهذا لفظ مسلم.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کی ازواج تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتی ہوئی آپ کے پاس آئیں ان کی چال میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو انہیں مرحبا کہا اور فرمایا میری بیٹی خوش آمدید پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا۔ پھر آہستہ سے ان سے کوئی بات کہی جس پر وہ خوب روئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ بے قراری دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ آہستہ سے ان سے کوئی بات کہی جس پر وہ ہنس پڑیں۔ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ نے اپنی ازواج کے درمیان آپ سے کوئی خاص بات بطور راز کے کہی تو آپ رونے لگیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو افشاء کرنے والی نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے ان سے کہا کہ تم پر میرا جو حق ہے میں اس

کے حوالے سے تم پر زور دے کر پوچھتی ہوں کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ، آلہ وسلم سے بات کر رہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تم سے کیا فرمایا تھا۔ اس پر حضرت فاطمہ بولیں اب میں بتا سکتی ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔ نے پہلی مرتبہ مجھ سے آہستہ سے بات کہی تھی وہ بات یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ میرے ساتھ قرآن کا دور کرتے ہیں اب اس سال دو مرتبہ دور فرمایا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میری موت قریب آگئی ہے تو تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ کہ تمہارے لئے بہت اچھا آگے جانے والا ہوں میں یہ سن کر رو پڑی جیسا کہ تم نے دیکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرا شدت گریہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دوبارہ مجھ سے آہستہ سے بات کہی اور فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم مومن عورتوں کی سردار ہو یا فرمایا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو اس پر میں ہنسنے لگی جیسا کہ تم نے دیکھا۔ (یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے اور اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہت محبت فرماتی تھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عادات طیبہ اور خصائص حمیدہ جلوہ گر تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چلنے کا انداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انداز سے اس قدر مشابہ تھا کہ گویا کوئی فرق ہی نہ تھا۔ غرض آپ رضی اللہ عنہا اٹھنے بیٹھنے اور عادات واطوار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مشابہ تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھڑے ہو جاتے پیار کرتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مرض الموت میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواج موجود تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بٹھایا اور ان سے آہستہ سے کہا کہ حضرت جبرئیل سال میں ایک مرتبہ میرے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ میرے دنیا سے جانے کا وقت آگیا ہے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دوبارہ ان سے آہستہ سے فرمایا کہ تم اس امت کی عورتوں کی سردار ہو اور تم سب سے پہلے مجھ سے آکر ملنے والی ہو۔ (فتح الباری: ۲، ۴، ۴۳۴، روضۃ المتقین ۲، ۲۲۲ شرح مسلم للنووی ۱۶، ۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کے راز مخفی رکھنا

وعن ثابت عن انس رضی الله عنه قال: اتی علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا العب مع الغلمان فسلم علینا فبعثنی فی حاجته فأبطأت علی امی فلما جئت قالت ماحبسك فقلت: بعثنی

رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم لحاجة' قالت: ماحاجته' قلت: انها سر قالت: لا تخبرن بسر رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم احداً قال انس: والله لو حدثت به احدا لحدثتك به یاثابت رواه مسلم وروی البخاری بعضه مختصرا.

حضرت ثابت سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میرے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمیں سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیج دیا اور مجھے ماں کے پاس واپس جانے میں دیر ہو گئی۔ جب میں پہنچا تو میری ماں نے کہا کہ کہاں رک گئے تھے۔ میں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے اپنے کسی کام سے بھیجا تھا۔ ماں نے پوچھا کہ کیا کام تھا۔ میں نے کہا کہ یہ راز ہے ماں بولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا راز کبھی کسی کو نہ بتانا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ثابت اگر میں کسی سے بیان کرتا تو میں تم سے ضرور بیان کر دیتا۔ (یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور بخاری نے مختصراً روایت کی ہے)

شرح حدیث۔ راز کی حفاظت کی اہمیت کا بیان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بات اپنی ماں کو بھی نہیں بتائی اور ان کی والدہ نے بھی ان کو یہی تاکید کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی راز کی بات کسی کو نہ بتانا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کی اس قدر پابندی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی کسی کو بتانا پسند نہیں فرمایا۔ (فتح الباری: ۳/۲۸۴، روضۃ المتقین ۲/۲۲۶، دلیل الفالحین ۳/۱۳۶)

حضرت انسؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو چھپا کر رکھا

وعن ثَابتٍ ، عن أنس - رضي الله عنه - ، قَالَ : أَتَى عَلَيَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وَأنَا أَلْعَبُ مَعَ الغِلْمَانِ ، فَسَلمَ عَلَيْنَا ، فَبعَثَني إِلَى حاجَةٍ ، فَأَبطَأتُ عَلَى أُمِّي . فَلَمَّا جِئْتُ ، قالت : مَا حَبَسَكَ ؟ فقلتُ : بَعَثَنِي رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - لِحَاجَةٍ ، قالت : مَا حَاجَتُهُ ؟ قُلْتُ : إنَّهَا سرٌّ . قالت : لا تُخْبِرَنَّ بسرِّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أحَداً ، قَالَ أَنَسٌ : وَاللهِ لَوْ حَدَّثْتُ بِهِ أحَداً لَحَدَّثْتُكَ بِهِ يَا ثَابِتُ . رواه مسلم وروى البخاري بعضه مختصراً .

ترجمہ۔ "حضرت ثابت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے جبکہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہم کو سلام کیا اور مجھے ایک کام کیلئے بھیج دیا چنانچہ مجھے اپنی ماں کے پاس آنے میں دیر ہو گئی۔ پس جب والدہ نے پوچھا کہ تجھے کس چیز نے روک لیا تھا؟ میں نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی کام کیلئے بھیج دیا تھا۔

انہوں نے پوچھا کہ وہ کام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ وہ ایک راز کا کام تھا والدہ نے فرمایا ٹھیک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز کسی کو مت بتلانا"۔

راوی حدیث حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام: ثابت' کنیت ابو حمید' تابعین میں سے ہیں۔ علامہ ذہبی نے ان کو امام وحجت فرمایا ہے۔ ان کے عمل زہد و تقویٰ' عبادت کی وجہ سے اپنے زمانے میں بہت مشہور تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ہر چیز کی چابی ہوتی ہے۔ ثابت تو خیر کی چابی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۲/۲)

بکر بن عبد اللہ فرماتے تھے کہ جسے دنیا میں سب سے بڑا عابد دیکھنا ہو تو وہ ثابت کو دیکھ لے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۱۲)

صائم الدہر تھے کبھی روزے کا ناغہ نہ ہوتا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۱۲)

ایک دن رات میں ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ (تذکرہ) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔ ابن مدائنی فرماتے ہیں کہ ان کی روایات کی تعداد اڑھائی سو ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۲/۲)

وفات: ۱۲۳ھ میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر اسی (۸۰) سال سے اوپر تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۱۲)

حدیث کی تشریح: قُلْتُ اِنَّهَا سِرٌّ: وہ ایک راز ہے۔ حدیث بالا میں بھی راز کو افشانہ کرنے کی تاکید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کہنے پر کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ (اُم سلیم) نے ظاہر کرنے کا اصرار بھی نہیں فرمایا بلکہ اس راز کو چھپائے رکھنے کی تاکید فرمائی۔

خلاصہ: یہ ہوا کہ راز کی حفاظت کرنا چاہیے اور دوسرے کو اس کی اطلاع نہیں کرنا چاہیے۔ الا یہ کہ وہ شخص خود ہی صراحتہً راز کے افشاء کی اجازت دے دے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

....

٨٦- باب الوفاء بالعهد وَإنجاز الوَعد

عہد نبھانے اور وعدہ کے پورا کرنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ وَأَوْفُوا بِالعَهْدِ إِنَّ العَهْدَ كَانَ مَسْئُولاً ﴾ [الإسراء: ٣٤]،

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔"

تفسیر: یہ ابھی گزشتہ باب یعنی باب "حفظ السر" میں گزر چکی ہے۔

وقال تعالى: ﴿ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ ﴾ [النحل: ٩١]،

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اللہ کے عہد کو پورا کرو جو کہ تم نے اس سے عہد کیا ہے۔"

تفسیر: آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب آپس میں کوئی عہد و پیمان کیا جائے تو اس کو پورا کیا جائے مگر مفسرین فرماتے ہیں اس میں وہ عہد داخل نہیں ہوں گے جن کا شریعت میں منع آیا ہو۔ نیز اس میں حقوق العباد اور حقوق

اللہ کے متعلق ہر قسم کے تمام عہد شامل ہیں اور اگر کسی نے عہد و معاہدہ کرنے کے بعد اس کو پورا نہ کیا یعنی عہد شکنی کی تو اب اس پر گناہ تو ہو گا مگر کوئی کفارہ مقرر نہیں مگر آخرت میں سخت عذاب ہو گا جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔ (مشکوۃ) (ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

وقال تَعالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ﴾ [المائدة : ١] ،

اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔"

تفسیر: آیت بالا میں ایمان والوں کو مخاطب فرما کر کہا جارہا ہے کہ اپنے معاہدوں کو پورا کیا کرو۔

أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ: عقود یہ عقد کی جمع ہے بمعنی باندھنا یعنی دو جماعتوں یا دو آدمیوں کے درمیان کا عہد و معاہدہ۔ اس معاہدے سے مراد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اللہ اور بندے کے درمیان کے ایمان و طاعت والے عہدے ہیں اور ابن زید' زید بن اسلم وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں: مراد لوگوں کے آپس کے معاہدے ہیں۔ مثلاً نکاح' بیع و شراء کا معاہدہ وغیرہ۔

محققین مفسرین کے نزدیک ہر قسم کے تمام معاہدات لفظ "أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ" میں داخل ہیں۔

(مفردات القرآن للاصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ)

عہد کی تین قسمیں ہیں

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام ہی معاہدات اس میں شامل ہیں اور ان سب کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......ایک وہ معاہدہ جو انسان کا رب العالمین کیساتھ ہے۔ مثلاً: ایمان لانا' اطاعت کرنا' عبادت وغیرہ کی پابندی کرنا۔

(۲)......انسان کا خود اپنے نفس کیساتھ ہے۔ جیسے کسی چیز کی نذر اپنے ذمہ لینا یا کسی کام کے کرنیکی قسم کھانا وغیرہ۔

(۳)......وہ معاہدے جو دو شخص یا دو جماعتیں یا دو حکومتیں آپس میں کرتی ہیں۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

وقال تَعالَى : ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لاَ تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لاَ تَفْعَلُونَ ﴾ [الصف : ٢-٣] .

اے ایمان والو! تم وہ باپ کیوں کہتے ہو جس کو کرتے نہیں؟

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے ہاں یہ بات بڑی ناراضی والی ہے کہ وہ باتیں کہو جو تم کرو نہیں۔"

شان نزول

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے آپس میں یہ مذاکرہ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے تو ہم اس پر عمل کریں۔ بعض نے کہا کہ اگر ہم کو سب سے زیادہ محبوب عمل معلوم ہو جائے تو ہم اپنی جان و مال سب اس کے لیے قربان کر دیں گے۔

(تفسیر مظہری و بغوی)(ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

تفسیر: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کا دل سے عزم و ارادہ ہی نہ ہو تو یہ ایک محض جھوٹا دعویٰ ہے' نام و نمود ہے اس لیے اس طرح کرنے کو منع کیا گیا۔ ہاں! اگر کسی کام کے کرنے کا دل سے ارادہ ہو اور پھر وہ یہ کہے تو اب اس وعید میں یہ داخل نہیں ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کام آدمی خود نہ کرتا ہو مگر کرنے کی نیت کر کے دوسرے کو کہہ سکتا ہے یہ آدمی اس وعید میں داخل نہیں ہو گا۔ مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کام کرنے کا دعویٰ نہ کرے کہ میں ایسا کر لوں گا یا ایسا کر سکوں گا۔ یہ دعویٰ اللہ کو پسند نہیں اس میں اپنے نفس پر بھروسہ کرنا ہے اور یہ شان عبدیت کے خلاف ہے اور اگر کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید کرے تو وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی جو کام خود نہیں کرتا تو اس کی دعوت اور اس کی نصیحت بھی دوسروں کو نہ کرے بلکہ دوسرے کو کہتا رہے۔ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے اس کو بھی عمل کرنے کی توفیق مل جائے گی۔ جیسا کہ اس کا بکثرت تجربہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن ۴۲۵/۸)(ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

منافق کی تین علامات

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((آيَةُ المُنَافِقِ ثَلاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) متفقٌ عَلَيْهِ . زَادَ في روايَةٍ لمسلم : ((وإنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أنَّهُ مُسْلِمٌ)) .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں جب بولے جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے وعدہ خلافی کرے تو اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں نفاق کی تین علامات بیان کی گئی ہیں اور اُمت مسلمہ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ اس امر کا خیال رکھیں کہ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات اپنے اندر نظر آئے تو اس سے توبہ کریں اور استغفار کریں اور اس سے بچنے کی تدبیر کریں کیونکہ منافق بحکم قرآن جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوگا۔ اصل دین بھی تین باتوں میں منحصر ہے' قول فعل اور نیت۔ جھوٹ سے قول کا فساد نمایاں ہو جاتا ہے خیانت سے عمل کی خرابی کا پتہ چلتا ہے اور وعدہ خلافی سے نیت کی خرابی ظاہر ہو جاتی ہے۔

منافق اگر اپنے نفاق سے توبہ کرلے اور اعمال کو درست کرلے اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لے اور اللہ پر توکل کرے اور ریاء سے دین کو پاک رکھے تو وہ خالص مسلمان ہے اور دین و دنیا میں اہل اسلام کے ساتھ ہوگا۔

یہ حدیث باب الامر بآداء الامانۃ میں گزر چکی ہے۔ (فتح الباری: ۱ر ۲۸۳' ارشاد الساری: ۱ر ۱۷۱' روضۃ المتقین: ۲ر ۲۲۷)

(ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

جس میں چار چیزیں ہوں وہ خالص منافق ہوگا

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما : أنَّ رسول الله – صلى الله عليه وسلم – ، قَالَ : ((أرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقاً خَالِصاً ، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفاقِ حَتَّى يَدَعَهَا : إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چار باتیں جس میں ہوں گی وہ منافق خالص ہے اور جس میں ان میں سے ایک ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک بات ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے جب بولے تو جھوٹ بولے' جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالم گلوچ کرے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: سابق حدیث میں نفاق کی تین علامتیں بیان کی گئی تھیں۔ یہاں چار بیان کی گئی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نفاق کے مختلف درجات ہیں جس طرح کفر کے درجات ہیں اور نفاق کے مختلف درجات کے اعتبار سے متعدد علامتیں ہو سکتی ہیں۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ پہلے وحی کے ذریعے آپ کو تین علامتیں بتائی گئی ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چوتھی علامت بھی بتادی گئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے خود ان علامتوں کا مشاہدہ کیا ہو اور انہیں بیان فرمایا ہو۔ مذکورہ بالا دونوں احادیث سے پانچ علامات بنتی ہیں: جھوٹ' غدر' وعدہ خلافی' خیانت اور فجور۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ منافقین کی اور بھی خصلتیں اور علامتیں ہوں جیسے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ "جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے۔" گویا دینی احکام کی تعمیل میں سستی اور کاہلی اور نماز میں ریاء کاری یہ بھی نفاق کی علامات ہیں۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں: نفاق اعتقادی اور نفاق عملی۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں نفاق فی العقیدہ مراد ہے اور اگر اہل ایمان سے کسی میں یہ علامات یا ان میں سے کوئی علامت پائی تو جائے تو ایسا مؤمن مشابہ منافقین ہوگا۔ بہر حال علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر یہ علامات مسلم مصدق میں پائی جائیں جو اپنی زبان سے اور قلب سے اسلام کی اور اسلامی احکام کی تصدیق کرتا ہو تو اس پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے نہ اسے اس درجہ کا منافق قرار دیا جائے جو مخلد فی النار ہوگا۔ صحیح رائے یہی ہے کہ وہ منافقین کے مشابہ ہے اور اسے اپنے اس نفاق سے توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہیے۔

(فتح الباری: ۱/ ۲۸۳، ارشاد الساری: ۱/ ۱۷۲، روضۃ المتقین: ۲/ ۲۲۹، شرح صحیح مسلم للنووی: ۲/ ۴۱) (ریاض الصالحین ص ۲۴۸)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو پورا کیا

وعن جابر - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ لِي النبيُّ - صلى الله عليه وسلم - : ((لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هكَذَا وَهكَذَا وَهكَذَا)) فَلَمْ يَجِئْ مَالُ الْبَحْرينِ حَتَّى قُبِضَ النَّبيُّ - صلى الله عليه وسلم - ، فَلَمَّا جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ أمَرَ أَبُو بَكْرٍ - رضي الله عنه - فَنَادَى : مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عِدَةٌ أَوْ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا ، فَأَتَيْتُهُ وَقُلْتُ لَهُ : إنَّ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ لي كَذَا وَكَذَا ، فَحَثَى لي حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا ، فَإِذَا هِيَ خَمْسُمِئَةٍ ، فَقَالَ لِي : خُذْ مِثْلَيْهَا . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر بحرین کا مال آیا میں تم کو اتنا اتنا دوں گا۔ پس آپ کی زندگی میں تو بحرین کا مال نہیں آیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اعلان کروایا کہ جس شخص سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی عہد یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی کا کوئی قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے چنانچہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اتنا اتنا مال دینے کا فرمایا تھا۔ پس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دونوں ہتھیلیوں کو بھر کر دیا۔ میں نے شمار کیا تو وہ پانچ سو درہم تھے اس کے بعد مجھ سے فرمایا اس سے دوگنا اور لے لو۔ (تاکہ تین مرتبہ ہتھیلیاں بھر کر ہو جائے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا)"۔

حدیث کی تشریح: **لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ**: اگر بحرین سے مال آیا۔ جزیہ کا مال آنے کی اُمید تھی اور بحرین کے عامل اس وقت حضرت علاء بن الحضرمی تھے۔ (روضۃ المتقین)

اَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا: میں تم کو اتنا اتنا اتنا دوں گا۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔

"وَعَدَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُعْطِيَنِیْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا فَبَسَطَ يَدَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ" (بخاری شریف)

ترجمہ: "مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میں تم کو اتنا اتنا اتنا دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو اس کے لیے تین مرتبہ پھیلایا۔" یہ وعدہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں پورا کر دیا۔ یہاں سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ وعدہ اور عہد اتنا ضروری اور اہم امر ہے کہ یہ وفات کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ ورثاء کی ذمہ داری ہے کہ اس کے اس عہد اور وعدہ کو پورا کریں۔ حکومتی سطح پر کیے گئے وعدے اگر وہ حکومت پورا نہ کر سکی تو پھر نئے آنے والے حکمران کی ذمہ داری ہو گی کہ اس وعدے کو پورا کرے۔ جیسے کہ حدیث بالا میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کو پورا کیا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

"فَإِذَا هِيَ خَمْسُمِائَةٍ فَقَالَ لِي خُذْ مِثْلَيْهَا": مسلم کی دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ اس کو شمار کرو میں نے اس کو شمار کیا تو وہ پانچ سو درہم تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کو دو مثل اور بھی لے لو۔ (مسلم شریف) (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

عادات حسنہ کی حفاظت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۝

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ نعمتوں والے معاملہ کو تبدیل نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ اس چیز کو تبدیل کر دیں جو ان کے دلوں میں ہے۔" (الرعد: ۱۱)

قَالَ تَعَالٰی: وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۝

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "تم اس عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنے سوت کو مضبوط کر لینے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔" (النحل: ۹۲)

"وَالْأَنْكَاثُ" اِجْمَعُ نِكْثٌ وَهُوَ الْغَزْلُ الْمَنْقُوضُ

انکاث نکث کی جمع ہے کاتے ہوئے سوت کے ٹکڑے۔

وَقَالَ تَعَالٰی: وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۝

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "اور نہ وہ ان لوگوں کی طرح ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پس ان پر مدت دراز ہو گئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے۔" (الحدید: ۱٦)

وَقَالَ تَعَالٰی: فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "انہوں نے حق کی رعایت نہ کی جیسا رعایت کرنے کا حق تھا۔" (الحدید: ۲۷)

تفسیر: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نگہبانی اور مہربانی سے جو ہمیشہ اس کی طرف سے ہوتی رہتی ہے کسی قوم کو محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ نہ بدلے۔ جب بدلتی ہے تب آفت آتی ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی نہ کسی کی مدد اس وقت کام دیتی ہے۔ (تفسیر عثمانی) (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔ بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے قول و قرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ (معارف القرآن، تفسیر عثمانی) (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

تفسیر: تیسری آیت میں فرمایا کہ اصل ایمان وہی ہے کہ جس سے دلوں میں گداز پیدا ہو۔ شروع میں اہل کتاب یہ باتیں اپنے پیغمبروں کی صحبت میں سیکھتے تھے۔ مدت کے بعد غفلت چھا گئی، دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثروں نے نافرمانی اور سرکشی اختیار کر لی۔ اب مسلمانوں کی باری ہے کہ وہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اپنے دلوں کی دنیا سنواریں، نرم دلی اور خشوع اور تضرع الی اللہ کی صفات سے متصف ہوں اور گزشتہ قوموں کی طرح سخت دل نہ ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی) (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

تفسیر: چوتھی آیت میں فرمایا کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت خود ابتداع کی تھی اور اسے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا لیکن پھر اس لازم کی ہوئی شے کے حق کو بھی پوری طرح ادا نہ کر سکے۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

قیام اللیل کی عادت بنا کر چھوڑ دینا درست نہیں

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ لي رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((يَا عَبْدَ الله ، لاَ تَكُنْ مِثْلَ فُلانٍ ، كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ۔ ”حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عبد اللہ! تم فلاں شخص کی طرح نہ ہونا، وہ رات کو قیام (تہجد) کیا کرتا تھا پھر اس نے رات کے قیام کو چھوڑ دیا“۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں ایک طرف تورات کے قیام (تہجد) پڑھنے کی تاکید فرمائی جارہی ہے کہ رات کی یہ نماز اگرچہ فرض اور واجب تو نہیں ہے مگر اس کے فضائل بہت زیادہ بیان کیے گئے ہیں اس لیے اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور خاص کر کے جب آدمی کی عادت ہو پھر چھوڑ دے تو اور سخت وعید ہے۔

علماء فرماتے ہیں حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ انسان جو بھی خیر و بھلائی کا کام شروع کرے تو اس کو استقامت اور پابندی کے ساتھ کرنا چاہیے، درمیان میں چھوڑنا نہیں چاہیے ورنہ پھر آدمی آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر بدی کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے اور اس کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

۸۸- باب استحباب طيب الكلام وطلاقة الوَجه عند اللقاء
اچھا کلام اور خندہ پیشانی سے ملاقات کا استحباب

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ [الحجر : ۸۸] ،
اے نبی! اپنے بازو کو مؤمنوں کیلئے نرم رکھیں۔
ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اے نبی! آپ اپنے بازو مؤمنوں کیلئے پست کر دیں۔"
تفسیر: آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور تواضع کا معاملہ فرمائیں مگر کافروں کے لیے یہ حکم نہیں ہے البتہ تبلیغ جو آپ کا فرض منصبی ہے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرتے رہئے اور کافروں کو ڈراتے رہئے، تبلیغ کا کام نہ چھوڑیں۔

وقال تَعَالَى : ﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظّاً غَلِيظَ القَلْبِ لاَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ [آل عمران : ۱۵۹] .
ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھاگ جاتے۔"
تفسیر: مفسرین رحمۃ اللہ تفسیر فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر نرم خوئی اور خوش اخلاقی، لطف و مہربانی وغیرہ صفات اگر نہ ہوتیں تو جو کام اصلاح خلائق کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہے وہ اچھی طرح پورا نہ ہو سکتا تھا۔ لوگ قریب آنے کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور بھاگ جاتے۔ اس سے علماء استدلال کرتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ کرنے والے کے لیے ان صفات سے آراستہ ہونا ضروری ہے جب کہ آپ کی سختی لوگ برداشت نہیں کر سکتے تو پھر کس کی مجال ہے کہ وہ تشدد اور کج خلقی کے ساتھ اللہ کی مخلوق کو اپنے ارد گرد جمع کر سکے اور ان میں اصلاح کا کام کر سکے۔ (معارف القرآن ۲/۲۱۷) (ریاض الصالحین ص ۲۴۹)

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - : أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم -، قَالَ : ((وَالكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ)) متفقٌ عَلَيْهِ ، وَهُوَ بعض حديث تقدم بطولِه
ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اچھی بات بھی صدقہ ہے (متفق علیہ) یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ مفصل حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے۔
حدیث کی تشریح۔ دین کی ہر بات کلمہ طیبہ ہے معنی یہ ہیں کہ کسی کو دین کی کوئی بات بتا دینا بھی صدقہ ہے۔ (دلیل الفالحین) یہ حدیث اس سے پہلے باب بیان کثرۃ طرق الخیر حدیث ۱۲۲ میں گزر چکی ہے۔

کسی نیکی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے

وعن أبي ذَرٍّ - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ لي رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((لاَ تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئاً ، وَلَوْ أنْ تَلْقَى أخَاكَ بوَجْهٍ طَلْق)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کسی نیک کام کو معمولی نہ سمجھنا اگرچہ تمہارا اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو“۔

حدیث کی تشریح: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا : ”معروف“ ہر اس کام کو کہتے ہیں جو شرعی لحاظ سے پسندیدہ ہو ایسے شرعاً مستحسن کام کو چاہے دیکھنے میں وہ کتنا ہی چھوٹا عمل ہی کیوں نہ ہو حقیر اور معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ مثال دی جارہی ہے خندہ پیشانی سے ملنا۔ یہ اگرچہ کوئی خاص عمل نہیں مگر چونکہ اخلاقی اعتبار سے یہ ایک نہایت عمدہ عادت اور باطنی محبت کی علامت ہے اس لیے اس کی شریعت میں قدر کی گئی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۵۰)

....

٨٩- باب استحباب بيان الكلام وإيضاحه للمخاطب وتكريره ليفهم إذا لَمْ يفهم إلا بذلك

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم بات کو تین مرتبہ دُہرانا

عن أنسٍ - رضي الله عنه - : أنَّ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أعَادَهَا ثَلاَثاً حَتَّى تُفْهَمَ عَنْهُ ، وَإِذَا أتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلاثاً . رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب بات فرماتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ خوب سمجھ لی جائے اور جب کسی قوم کے پاس تشریف لاتے تو انہیں تین مرتبہ سلام فرماتے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ دین کے احکام اور شریعت کی باتوں کو بہت واضح کر کے بیان فرماتے اور بات کو تین مرتبہ ارشاد فرماتے تاکہ سب بخوبی سمجھ لیں، ذہن نشین کر لیں اور کلمات طیبہ کو حفظ کر لیں۔ خاص طور پر جبکہ حاضرین کی تعداد زیادہ ہوتی تھی تو یہ اہتمام فرماتے تاکہ بات ہر شخص تک پہنچ جائے اور کوئی محروم نہ رہے۔ اسی طرح سلام تین مرتبہ یعنی زیادہ تعداد میں حاضرین ہوتے تو

دائیں جانب، بائیں جانب اور سامنے سلام فرماتے۔ اسی طرح استیذان (گھر میں آنے کی اجازت طلب کرنے) کے وقت تین مرتبہ سلام فرماتے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ اگر تم میں سے کوئی گھر میں آنے کی تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو وہ واپس ہو جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یہاں استیذان کا طریقہ یہی تھا کہ جس کے گھر جاتے تو دروازے کے باہر السلام علیکم کہتے تھے۔ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکرار کلام اور تکرار سلام تفہیم کے لیے ہوتا تھا تاکہ آپ کی بات بخوبی سمجھ لی جائے۔ سلام کے تکرار کی ایک توجیہ محدثین نے یہ فرمائی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی گھر میں تشریف لے جاتے تو استیذان کے لیے سلام فرماتے، پھر جب اندر تشریف لے جاتے تو سلام کرتے اور پھر رخصت ہونے کے وقت سلام فرماتے۔

(فتح الباری: ۱/۲۹۸، ارشاد الساری: ۱/۲۸۶، دلیل الفالحین: ۳/۱۴۴) (ریاض الصالحین ص ۲۵۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو بالکل صاف اور واضح ہوتی تھی

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : كَانَ كَلاَمُ رسول الله – صلى الله عليه وسلم – كَلاماً فَصْلاً يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ يَسْمَعُهُ . رواه أَبُو داود .

ترجمہ۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو اتنی صاف اور واضح ہوتی جسے ہر سننے والا سمجھ لیتا"۔

حدیث کی تشریح: کَلاَمًا فَصلاً: حدیث کا مطلب واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو بالکل واضح ہوتی تھی کہ ہر ایک سمجھ لیتا تھا۔ بعض علماء نے "فصلا" کا مطلب ٹھہر ٹھہر کر بات کرنے کا بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے نکلنے والا ہر لفظ الگ الگ ہوتا تھا، گڈمڈ الفاظ نہیں ہوتے تھے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامعین کی رعایت رکھتے تھے تاکہ سامعین ہر ایک بات کو سمجھ لیں۔ (نزہۃ المتقین)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو یکے بعد دیگرے ملی ہوئی نہ ہوتی تھی۔ (مرقاۃ)

یہی بات ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات فرماتے تو تھوڑی فرماتے اور تم لوگ تو جلدی جلدی چھینٹ دیتے ہو۔ (سبل الہدیٰ)

٩٠- باب إصغاء الجليس لحديث جليسه الذي ليس بحرام واستنصات العالم والواعظ حاضري مجلسه

ہم نشیں کی ایسی بات جو ناجائز نہ ہو توجہ سے سننا اور عالم یا واعظ کا حاضرین مجلس کو خاموش کرانا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع پر خطاب

عن جرير بن عبدِ اللهِ - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ لي رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ : ((اسْتَنْصِتِ النَّاسَ)) ثُمَّ قَالَ : ((لاَ تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّاراً يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مجھ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو خاموش کراؤ۔ پھر فرمایا کہ تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا تو حاضرین اور سامعین کی ایک بڑی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کے لیے موجود تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں سے کہیں کہ خاموش ہو جائیں۔ یہ حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اور ان کے توسط سے پوری اُمت کو بہت اہم اور وقیع ہدایات فرمائیں اور تبلیغ شریعت اور دعوت دین کا حکم فرمایا اور کہا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ دین کی ان باتوں کو ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اے لوگو! میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو" اس جملے کے علماء نے متعدد مفہوم بیان کیے ہیں۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے کر آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ قاضی اور نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم کافروں کے مشابہ اور ان جیسے نہ ہو جانا کہ جیسے وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں تم بھی ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔ (عمدۃ القاری: ۲/ ۲۸۲، ارشاد الساری: ۱/ ۳۱۸، فتح الباری: ۱/ ۳۱۲، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱/ ۴۸)(ریاض الصالحین ص ۲۵۰)

۹۱- بابُ الوَعظ والاقتصاد فِيهِ

وعظ ونصیحت میں اعتدال رکھنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾ [النحل: ۱۲۵].

ترجمہ: "اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھے وعظ کے ذریعے بلاؤ۔"

تفسیر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا جارہا ہے کہ آپ لوگوں کو دانائی اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ۔ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا یہ انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی ہوتا ہے۔ قرآن میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صفت داعی الی اللہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا. الآية يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ. الآية

اس کے بعد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اُمت پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر دعوت الی اللہ کو فرض کہا گیا ہے جیسے کہ قرآن میں ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ: "تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔"

ایک دوسری جگہ بھی ارشاد ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ. الآية

ترجمہ: "گفتار کے اعتبار سے اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔"

اَلْحِكْمَةِ: اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ایسا درست کلام جو انسان کے دل میں اُتر جائے۔

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ: "وعظ" کہتے ہیں کسی کی خیر خواہی کے لیے۔ بات اس طرح کی جائے کہ مخاطب کا دل اس کو قبول کرنے کے لیے نرم ہو جائے۔ مثلاً اس بات کے ساتھ اس کے کرنے کے ثواب وفوائد اور نہ کرنے پر وعید و عذاب کو بھی بیان کرے۔ کبھی کبھار خیر خواہی کی بات بھی دل خراش عنوان سے یا اس طرح بھی کہی جاتی ہے کہ جس سے مخاطب اپنی اہانت محسوس کرتا ہے اس انداز کو بھی چھوڑنے کے لیے لفظ حسنہ کا اضافہ کیا گیا۔ (معارف القرآن)

اتنا وعظ نہ کیا جائے جس سے لوگ اکتا جائیں

وعن أبي وائلٍ شقيق بن سَلَمَةَ، قَالَ: كَانَ ابنُ مَسْعُودٍ - رضي الله عنه - يُذَكِّرُنَا في كُلِّ خَمِيسٍ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحمانِ، لَوَدِدْتُ أنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ، فَقَالَ: أمَا إنَّهُ

يَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُمِلَّكُمْ ، وَإِنِّي أَتخوَّلُكُمبالْمَوعِظَةِ ، كَمَا كَانَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يَتخوَّلُنَا بهَا مَخافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا . متفقٌ عَلَيْهِ . ((يَتخوَّلُنا)) : يَتعهَّدُنَا .

ترجمہ۔"حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں چاہتے ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ فرمایا کریں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: روزانہ وعظ کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ میں تمہیں اکتاہٹ میں ڈالوں میں وعظ و نصیحت میں تمہارا خیال رکھتا ہوں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارا خیال رکھتے تھے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں"۔

حدیث کی تشریح: ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ: محدثین فرماتے ہیں ہر کام میں اعتدال رکھنا چاہیے۔ یہاں تک کہ وعظ و نصیحت میں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ ہر وقت وعظ و نصیحت ہو تو دل جمعی سے آدمی نہیں سنتا اور اس کا اچھا اثر بھی مرتب نہیں ہوگا بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے دل اُچاٹ بھی ہو جائے۔

اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں جو نصیحت اپنے وقت پر اور نہایت اخلاق اور انتہائی محبت و شفقت سے کی جاتی ہے یعنی مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا یہی بہترین ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ (مظاہر حق)

فقیہ کی علامت

وعن أبي اليقظان عمار بن ياسر رضي الله عنهما ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((إنَّ طُولَ صَلاَةِ الرَّجُلِ ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ ، مَئِنَّةٌ مِنْ فِقهِهِ ، فأطِيلُوا الصَّلاَةَ وَأقْصِرُوا الْخُطْبَةَ)) رواه مسلم .((مَئِنَّةٌ)) بميم مفتوحة ثُمَّ همزة مكسورة ثُمَّ نون مشددة ، أيْ : عَلاَمَةٌ دَالَّةٌ عَلَى فِقْهِهِ .

ترجمہ: حضرت ابوالیقظان عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کے فقہ کی علامت یہ ہے کہ نماز لمبی اور خطبہ مختصر ہو تو نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر کرو۔ (مسلم)

مئنۃ۔ فقہ پر دلالت کرنیوالی علامت

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کے فقہ کی علامت یہ ہے کہ خطبہ مختصر کرے اور نماز طویل کرے کہ نماز اصل مقصود ہے اور خطبہ نماز ہی کی تمہید ہے اور اصل کو مقدم کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کہ خطبہ کا مخاطب نمازی ہیں اور نماز میں اللہ سے مناجات ہے' مناجات رب بندوں سے خطاب پر مقدم ہے۔ اس لیے خطبہ میں اختصار چاہیے اور نماز کو طویل کیا جائے یعنی میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ یعنی یہ

کہ خطبہ ایسا طویل نہ ہو کہ نمازیوں پر گراں ہو اور نہ نماز اتنی مختصر ہو کہ ارکان کا اعتدال مجروح ہو جائے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث ان احادیث کو معارض نہیں ہے جو نماز کے مختصر کرنے اور زیادہ طویل نہ کرنے کے بارے میں ہیں کہ وہاں بھی قصد و اعتدال مقصود ہے۔

(شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳۸/۶ روضۃ المتقین: ۲۳/۲، دلیل الفالحین: ۱۴۹/۳)(ریاض الصالحین ص ۲۵۱)

نماز میں ابتداء بات کرنا جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا

وعن مُعاوِيَة بن الحكم السُّلَمي - رضي الله عنه - ، قَالَ : بَيْنَا أنَا أُصَلِّي مَعَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، إذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ القَوْمِ ، فَقُلْتُ : يَرْحَمُكَ اللهُ ، فَرَمَانِي القَوْمُ بأبْصَارِهِمْ ! فَقُلْتُ : وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ ، مَا شَأنُكُمْ تَنْظُرُونَ إلَيَّ ؟! فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بأيديهم عَلَى أفْخَاذِهِمْ ! فَلَمَّا رَأيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي لكِنِّي سَكَتُّ ، فَلَمَّا صَلَّى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، فَبِأبِي هُوَ وَأُمِّي ، مَا رَأيْتُ مُعَلِّماً قَبْلَهُ وَلاَ بَعْدَهُ أحْسَنَ تَعْلِيماً مِنْهُ ، فَوَاللهِ مَا كَهَرَنِي ، وَلاَ ضَرَبَنِي ، وَلاَ شَتَمَنِي . قَالَ : ((إنَّ هذِهِ الصَّلاَةَ لاَ يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلاَمِ النَّاسِ ، إنَّمَا هِيَ التَّسْبيحُ وَالتَّكْبِيرُ ، وَقِرَاءةُ القُرْآنِ)) ، أَوْ كَمَا قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - . قلتُ : يَا رسول الله ، إنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بجَاهِلِيَّةٍ ، وَقَدْ جَاءَ اللهُ بالإسْلاَمِ ، وَإنَّ مِنَّا رِجَالاً يَأتُونَ الْكُهَّانَ ؟ قَالَ : ((فَلاَ تَأتِهِمْ)) قُلْتُ : وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ ؟ قَالَ : ((ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ في صُدُورِهِمْ فَلاَ يَصُدَّنَّهُمْ)) رواه مسلم .

ترجمہ۔ ”حضرت معاویہ بن الحکم سلمی روایت فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ نمازیوں میں سے ایک شخص کو چھینک آئی تو میں نے کہا ”یرحمک اللہ“ پس لوگ مجھے گھور کر دیکھنے لگے۔ میں نے کہا ہائے ماں کی جدائی (یہ عرب ایک محاورہ کے طور سے استعمال کرتے ہیں) تمہیں کیا ہوا کہ تم مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے ہو، پس وہ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے۔ پس میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا معلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کبھی نہ دیکھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اچھی تعلیم دینے والا ہو، اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ مجھے ڈانٹا اور نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا پس اتنا فرمایا بے شک یہ نماز اس میں انسانوں سے بات کرنا جائز نہیں یہ تو صرف سبحان اللہ، الحمد للہ کہنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا نام ہے یا اس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں زمانہ جاہلیت کے قریب ہوں اور اب میں اسلام لے آیا ہوں اور ہم میں سے کچھ لوگ نجومیوں کے پاس جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم ان کے پاس نہ جاؤ۔ میں نے کہا اور ہم میں سب کچھ لوگ بدشگونی لیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنے سینوں میں محسوس کرتے ہیں' ان کو کام سے ہر گز نہ روکے"۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا سے علماء کرام نے کئی مسائل مستنبط فرمائے ہیں۔ مثلاً

نماز میں ہر قسم کی گفتگو منع ہے۔

چھینک کا جواب دینا بھی صحیح نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نہایت مؤثر اور مشفقانہ انداز بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اچھے طریقے سے انجان لوگوں کو دین کی باتیں سمجھائیں اور ان کی لاعلمی پر مبنی کوتاہیوں کو درست فرمایا۔

رِجَالاً يَأتُونَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلاَ تَأتِهِمْ: نجومیوں کے پاس مستقبل کے حالات اور غیب کی باتیں معلوم کرنے کے لیے جانا ناجائز اور حرام ہے۔ "منا رجال يتطيرون" بدشگونی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا' نیک فالی لینا تو شریعت میں جائز ہے مگر بدشگونی یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی عادتوں میں سے تھی جس کو دین اسلام نے آکر ختم فرمایا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مؤثر وعظ

(۱)- وعن العِرْباض بن ساريَةَ - رضي الله عنه - ، قَالَ : وَعَظَنَا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مَوْعِظَةً وَجلَتْ مِنْهَا القُلُوبُ ، وَذَرَفَتْ مِنْهَا العُيُونُ ... وَذَكَرَ الحَدِيثَ وَقَدْ سَبَقَ بكَمَالِهِ في باب الأمْر بالمُحافَظَةِ عَلَى السُّنَّة ، وَذَكَرْنَا أنَّ التِّرْمِذِيَّ ، قَالَ : ((إنَّه حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایسا موثر وعظ ارشاد فرمایا کہ ہمارے دل لرز اٹھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

شرح حدیث: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر دل میں اتر جانے والی نصیحت فرمائی اور اس قدر دل سوز باتیں ارشاد فرمائیں کہ ہمارے دل کانپ اُٹھے اور ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ یہ حدیث اور اس کی شرح اس سے پہلے والی حدیث میں گزر چکی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۵۲)

۹۲- باب الوقار والسکینة
وقار اور سکون کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماًo

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''رحمٰن کے بندے ایسے ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔'' (الفرقان: ۶۳)

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا وہی اس کا خالق اس کا رازق اور اس کا رب ہے اور انسان اللہ کا بندہ ہے اور بندگی کا مقتضاء یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ہر حکم کو مانے، تسلیم کرے اور برضا و رغبت اس کے مطابق عمل کرے۔ جب اللہ پر ایمان رکھنے والا اللہ کا بندہ اس کی عبودیت میں سرشار ہو جاتا ہے تو اس میں بے شمار خوبیاں اور لاتعداد محاسن پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے بندے زمین میں بہت وقار تواضع اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں اور ان کے چلنے کا یہ انداز اس لیے بن جاتا ہے کہ ان کے قلب و دماغ اور ان کے سارے وجود پر اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمت محیط رہتی ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مؤمنین مخلصین کے تمام اعضاء و جوارح سب اللہ کے سامنے اظہار عجز و نیاز کرتے ہیں اور خشیت الٰہی سے پر سکون ہو جاتے ہیں وہ کسی جاہلانہ بات کی طرف دھیان نہیں دیتے بلکہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۵۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم

وعن عائشة رضي الله عنها، قالت: مَا رَأَيْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مُسْتَجْمِعاً قَطُّ ضَاحِكاً حَتَّى تُرَى مِنهُ لَهَوَاتُهُ، إنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. متفقٌ عَلَيْهِ

اللهوات جمع لهاة. وهي اللحمة التي في اقصى سقف الفم.

لھوات جمع لہاۃ: حلق کا کوا۔ گوشت کا وہ ٹکڑا جو انتہائی حلق میں ہوتا ہے۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنے زور سے ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کے منہ کا کوا نظر آنے لگے، آپ صرف مسکراتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تو تھے مگر کھلکھلا کر نہ ہنستے تھے۔ علامہ مناوی نے شرح شمائل میں لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی عادت مسکرانے کی ہی تھی کھلکھلا کر ہنستے نہیں تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک کو اپنے منہ مبارک پر رکھ لیتے تھے۔ (جامع صغیر)

اس سے معلوم ہوا کہ عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے مگر کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہنسنا بھی ثابت ہے۔ ہنسنا کہتے ہیں جس میں منہ کھل کر دانت نظر آجائیں اور کچھ آواز بھی محسوس ہو اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ مبارک منہ پر رکھ لیا کرتے۔ اس کی وجہ ملا علی قاری نے یہ فرمائی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے ایک خاص روشنی نکلتی تھی جس کا اثر دیواروں پر ظاہر ہوتا اور وہ دیوار بھی چمکنے لگتی تھی۔ (سبل الھدیٰ)

....

۹۳- باب الندب إلَى إتيان الصلاة والعلم ونحوهما من العبَادات بالسكينة والوقار

نماز، علم اور اس قسم کی دیگر عبادات کی طرف سکینت اور وقار کے ساتھ آنا مستحب ہے

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴾ [الحج : ٣٢].

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔''

حدیث کی تشریح: شعائر کی تحقیق شعائر: یہ شعیرہ کی جمع ہے بمعنی علامت نشانی۔ جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامت سمجھی جاتی ہیں ان کو ''شعائر'' کہتے ہیں۔ شعائر اسلام ان خاص احکام کو کہتے ہیں جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ''مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ'' شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقویٰ کی علامت ہے اور ان شعائر کی وہی تعظیم کرتے ہیں جن کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے جب اس دل میں خوف خدا ہوتا ہے تو اس کا اثر تمام اعمال و افعال میں نظر آنے لگتا ہے۔ (معارف القرآن)

نماز میں دوڑ کر آنے کی ممانعت

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه -، قَالَ: سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم -

، يقول : ((إذَا أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ ، فَلاَ تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَونَ ، وَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَمْشُونَ ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ ، فَمَا أدْرَكْتُم فَصَلُّوا ، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم اس کیلئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ (آرام سے) چلتے ہوئے آؤ اور سکینت اختیار کرو جو نماز امام کے ساتھ ملے وہ پڑھ لو اور جو تم سے فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: فَلاَ تَأْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ: بخاری کی روایت "ولا تسعوا" دوڑتے ہوئے نہ آؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی طرف دوڑتے ہوئے آنا یہ وقار اور سکینت کے خلاف ہے اس لیے ترغیب دی جا رہی ہے کہ آدمی جلدی گھر سے نماز کے لیے نکلے اور جب راستے میں چلے تو وقار اور اطمینان سے چلے۔ اگر جماعت نکلنے کا ڈر ہو تو تیز تو چلے مگر نہ دوڑے۔ مگر حضرت عبداللہ بن عمرو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کے نزدیک ایسے وقت میں دوڑ سکتا ہے۔ (روضۃ المتقین)

فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا: جو نماز امام کے ساتھ پالو وہ پڑھ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو نماز امام کے ساتھ پڑھی جائے گی وہ مقتدی کی نماز ہو گی بعد میں یہ اپنی نماز پوری کر لے۔ نماز کی تکمیل امام کے سلام پھیرنے کے بعد ہو گی۔

''فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ يَعْمِدُ اِلَى الصَّلاَةِ فَهُوَ فِيْ صَلاَةٍ'': آدمی جب نماز کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ نماز کی ہی حالت میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی گھر سے وضوء کر کے مسجد کی طرف چلا تو اب اس کو نماز کا ثواب ملنا شروع ہو گیا۔

اس وجہ سے علامہ نووی فرماتے ہیں نماز کی طرف جانے والے فحش باتیں نہ کریں' بد نظری نہ کریں' ہر قسم کی برائی سے اجتناب کریں' اگرچہ یہ نماز میں تو نہیں مگر اس کو نماز میں شمار کیا جا رہا ہے۔ (شرح مسلم للنووی)

سفر میں سواریوں کو دوڑانے کی ممانعت

وعن ابن عباس رضي الله عنهما : أَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النبيُّ - صلى الله عليه وسلم - وَرَاءهُ زَجْراً شَدِيداً وَضَرْباً وَصَوْتاً للإبْلِ ، فَأشَارَ بسَوْطِهِ إلَيْهِمْ ، وقال : ((يَا أيُّهَا النَّاسُ ، عَلَيْكُمْ بالسَّكِينَةِ ، فَإنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بالإيضَاعِ)) رواه البخاري ، وروى مسلم بعضه . ((الْبِرُّ)) : الطَّاعَةُ . وَ((الإيضَاعُ)) بِضادٍ معجمةٍ قبلها ياءٌ وهمزةٌ مكسورةٌ ، وَهُوَ : الإسْرَاعُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عرفہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عرفات سے واپس لوٹ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے بہت ڈانٹنے' مارنے اور اونٹوں کی آوازیں سنیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کوڑے سے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے لوگو! سکون اختیار کرو' نیکی سواریوں کو دوڑانے میں نہیں ہے۔ (بخاری)

مسلم نے اس حدیث کے کچھ حصے کو روایت کیا ہے۔ بِر کے معنی طاعات کے ہیں۔ اور ''ایضاع'' کے معنی تیز روی کے ہیں۔

حدیث کی تشریح: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفہ سے واپس آرہے تھے کہ آوازیں آئیں کہ لوگ اونٹوں کو مار کر ان کو تیز دوڑا رہے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقار اور سکون کے ساتھ چلو اور اونٹوں کے تیز دوڑانے میں کوئی نیکی نہیں ہے، نیکی تو حج کے وہ اعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

۹ ذی الحجہ یوم عرفہ ہے اس روز عرفات میں وقوف فرض ہے۔

(فتح الباری: ۱/ ۹۲۲، روضۃ المتقین: ۲/ ۴۴۲، دلیل الفالحین: ۳/ ۱۵۷) (ریاض الصالحین ص ۲۵۳)

....

٩٤- باب إكرام الضيف
مہمان کے احترام کے بارے میں

قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلاَماً قَالَ سَلاَمٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلاَ تَأْكُلُونَ﴾ [الذاريات: ٢٤-٢٧].

ترجمہ: ''اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: کیا تمہارے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کیا، انہوں نے بھی سلام کیا، انجانے لوگ ہیں، پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک تلا ہوا بچھڑا (بھون) کر لائے اور ان کے قریب کیا، فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟''

تفسیر: یہاں پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تسلی کے لیے سنایا جا رہا ہے کہ جب نبی کو اس کی قوم ایذاء دیتی ہے اس کے بعد اللہ جل شانہ اس نبی پر مدد بھیجتا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اللہ کی مدد آئے گی۔

قَالُوا سَلاَماً: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آتے ساتھ سلام کرنا چاہیے۔

قَوْمٌ مُنْكَرُونَ: اجنبی کو کہتے ہیں۔ فرشتے کیونکہ انسانی شکل میں آئے تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پہچانا نہیں، دل میں یہ جملہ کہا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے ان مہمانوں کے سامنے ہی یہ جملہ کہہ دیا ہو تاکہ تعارف ہو جائے کہ کون لوگ ہیں۔

فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ: مہمانوں کے کھانے کے انتظام کرنے کے لیے گھر میں اس طرح گئے کہ ان مہمانوں کو خبر نہ ہو۔ یہ اس لیے کیا تاکہ وہ مہمان منع نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان سے معلوم نہیں کرنا چاہیے جو کچھ موجود ہو اس کو لاکے رکھ دینا چاہیے اور پھر کھانا رکھنے کے بعد بلانا بھی آداب کے خلاف ہے بلکہ مہمان کے سامنے ہی لا کر رکھ دیا جائے۔ یہی مفہوم ہے: ''**فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ**'' کا۔ (معارف القرآن ۸/ ۱۶۷) (ریاض الصالحین ص ۲۵۳)

وقال تعالَى : ﴿ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَا قَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ﴾ [هود: ۷۸] .

ترجمہ:''اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے: حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ان کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اور اس سے پہلے بھی وہ ان برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو' کیا تم میں سے کوئی بھی سمجھ دار آدمی نہیں ہے؟''

تفسیر: جَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ: ان کی قوم دوڑتی ہوئی آئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ جل شانہ قوم لوط کو عذاب دینے کے لیے چند فرشتے جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی شامل تھے' آئے تو وہ سب حسین لڑکوں کی شکل میں آئے تھے اور قوم لوط میں ایک خبیث عادت یہ تھی کہ مرد مرد کے ساتھ منہ کالا کرتا تھا تو جب یہ فرشتے آئے تو اب ان کی قوم نے ان حسین لڑکوں کو دیکھا تو دوڑے ہوئے آئے۔

قَالَ يَا قَوْمِ هَؤُلَاءِ بناتي : حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے یہ کہا کہ تم سردار لوگ میری بیٹیوں سے شادی کرلو مگر میرے مہمانوں کو کچھ نہ کہو۔

شبہ: ان کی قوم کے سردار تو کافر تھے تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کا نکاح کیسے ہو سکتا تھا؟

ازالہ: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں مسلمان لڑکی کا نکاح کافر سے جائز تھا۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتداء زمانہ تک باقی رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح عتبہ بن ابولہب اور ابوالعاص بن ربیع سے کردیا تھا حالانکہ دونوں کافر تھے۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(تفسیر قرطبی)(ریاض الصالحین ص ۲۵۳)

مہمانوں کا اکرام ایمان کا تقاضا ہے

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - : أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليَوم الآخِرِ ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليَومِ الآخِرِ ، فَلْيَقُلْ خَيراً أَوْ لِيَصْمُتْ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی تکریم کرے اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ بھلائی کی بات کہے یا خاموش رہے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: مہمان نوازی انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور بطور خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر کامل اور مکمل ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ مہمان نوازی کرے۔ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی تخصیص سے مراد مبداء اور معاد پر ایمان ہے یعنی جس شخص کا یہ ایمان ہو کہ مجھے اللہ نے پیدا کیا ہے اور پھر مجھے حساب کتاب کے لیے اس کے سامنے پیش ہونا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ مہمان نوازی کے وصف سے متصف ہو۔ مہمان کی تکریم سے مراد یہ ہے کہ خوشی سے اور قلبی مسرت کے ساتھ اس کا استقبال کرے۔ خود اس کی خدمت کرے اور فوری طور پر کھانے پینے کے لیے پیش کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ مہمان کی تکریم کرو۔ انہوں نے مہمان کے لیے بھنی ہوئی بکری کا اہتمام کیا۔ پھر وحی آئی کہ مہمان کا اکرام کرو انہوں نے بیل ذبح کیا۔ اس کے بعد پھر وحی آئی کہ مہمان کا اکرام کرو۔ انہوں نے اونٹ ذبح کیا' پھر وحی آئی کہ مہمان کا اکرام کرو تو آپ علیہ السلام نے مہمان کی خود خدمت کی اس پر وحی آئی کہ ہاں اب تم نے مہمان کا اکرام کیا۔

اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے اور جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات ہے کہ یا خاموش ہو جائے۔

یہ حدیث اس سے پہلے باب حق الجار ووصیۃ میں گزر چکی ہے۔ (روضۃ المتقین: ۲/۲۴۶' دلیل الفالحین: ۳/۱۶۰) (ریاض الصالحین ص ۲۵۳)

ایک دن ایک رات کی مہمانی مہمان کا حق ہے

وعن أبي شُرَيح خُوَيْلِدِ بن عَمرو الخُزَاعِيِّ - رضي الله عنه - ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكرِمْ ضَيفَهُ جَائِزَتَهُ)) قالوا : وَمَا جَائِزَتُهُ؟ يَا رسول الله ، قَالَ : ((يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ ، وَالضِّيَافَةُ ثَلاثَةُ أيَّامٍ ، فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ)) متفقٌ عَلَيْهِ. وفي رواية لِمسلم: ((لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أنْ يُقِيمَ عِنْدَ أخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ)) قالوا : يَا رسول الله ، وَكَيفَ يُؤْثِمُهُ؟ قَالَ: ((يُقِيمُ عِنْدَهُ وَلاَ شَيْءَ لَهُ يُقْرِيه بِهِ)).

ترجمہ: حضرت شریح خویلد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہئے اور اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔ صحابہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)! اس کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک دن اور رات (اپنی طاقت کے مطابق) بہتر کھانا کھلائے اور مہمان نوازی تین دن ہے پس جو اس کے علاوہ ہو وہ صدقہ ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس (اتنا)

ٹھہرے کہ وہ اسے گناہ گار کر دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)! اس کو گناہ گار کیسے کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کے پاس ٹھہرا رہے اور اس کے پاس کچھ نہ رہے جس کے ساتھ وہ اس کی مہمان نوازی کرے۔

حدیث کی تشریح: يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ:

مطلب یہ ہے کہ ایک دن اور رات کو عمدہ قسم کے کھانے کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے بعد باقی دو دن مزید جو معمول کے مطابق کھانا ہو اس کو کھلا دیا جائے۔ حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن اور ایک رات کی ضیافت واجب ہے اور باقی دو دن کی ضیافت مستحب ہے۔ مگر تمام فقہاء کے نزدیک تینوں دن کی ضیافت مستحب ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ 'امام شافعی اور محمد بن حکم رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ شہر کا علاقہ ہو یا دیہات کا ہر جگہ پر مہمان نوازی مستحب ہے (شروع اسلام میں واجب تھی بعد میں منسوخ ہو گئی) مگر امام مالک وغیرہ کے نزدیک دیہات میں واجب' شہر میں مستحب کہ دیہات میں ہوٹل وغیرہ نہیں ہوتے مگر شہر میں ہوٹل وغیرہ آدمی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں اس لیے شہر میں ضیافت مستحب اور دیہات میں واجب ہو گی۔ (نفع المسلم)

....

۹۵- باب استحباب التبشير والتهنئة بالخير

نیک کاموں پر بشارت اور مبارکباد دینے کے استحباب کا بیان

شریعت کی پابندی کرنے والوں کو بشارت دو

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهُ ○

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "خوشخبری سنا دو میرے بندوں کو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس کی اچھی باتوں پر۔" (الزمر: ۱۸)

تفسیر: پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ کے ان بندوں کو خوشخبری ہو جو اللہ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں خوب دھیان سے اور توجہ سے سنتے ہیں اور ان میں سے اعلیٰ اعلیٰ ہدایات پر عمل کرتے ہیں یا یہ کہ اللہ کی باتیں سن کر ان بہترین باتوں پر عمل کرتے ہیں کہ اللہ کی ساری ہی باتیں بہترین ہیں۔ (تفسیر مظہری' تفسیر عثمانی) (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"ان کا رب ان کو خوش خبری سناتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضا مندی اور ایسے باغوں کی ان کے لیے کہ ان میں دائمی نعمت ہو گی۔" (التوبہ: ۲۱)

تفسیر: دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو بشارت دیتے ہیں رحمت، رضوان اور جنت کی۔ رحمت نتیجہ ہے ایمان کا کہ بغیر ایمان کے رحمت متوجہ نہیں ہو گی۔ رضوان یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا صلہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کا کہ مجاہد فی سبیل اللہ تمام لذتیں ترک کر کے دنیا کا ہر تعلق منقطع کر کے اللہ کے راستے میں مال کی بھی قربانی دیتا ہے اور جان کی بھی۔ اس لیے اس کا صلہ بھی سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والا اللہ کی رضا کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر نئی جگہ آ کر بس جاتا ہے اس لیے اس کا صلہ جنت ہے۔ (تفسیر عثمانی) (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنتُمْ تُوعَدُونَ○

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "خوشخبری سنو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا۔" (فصلت: ۳۰)

تفسیر: تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ کے وہ بندے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر جم گئے اور استقامت اختیار کر لی یعنی دل سے اقرار کیا اور اس حقیقت کو قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں کر لیا اور مرتے دم تک اسی یقین پر قائم رہے اور اس کے مقتضاء پر اعتقاداً و عملاً جمے رہے اور اپنے رب کے عائد کیے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھا اور ان کے مطابق عمل کیا ان اللہ کے بندوں پر موت کے وقت قبر میں پہنچ کر اور قبروں سے اُٹھائے جانے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں انہیں تسکین دیتے ہیں اور جنت کی بشارت سناتے ہیں اور انہیں ابدی راحت اور دائمی مسرت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ (معارف القرآن، تفسیر مظہری) (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

وَقَالَ تَعَالٰی: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ○

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج صاحبزادے کی بشارت دی۔" (الصافات: ۱۰۱)

تفسیر: چوتھی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک حلیم الطبع فرزند یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری سنائی گئی ہے جن کے حلم و فرمانبرداری کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، فوراً بلا تامل کہا کہ ابا جان جو حکم ملا ہے وہ کر گزریئے آپ مجھے شکر گزار بندوں میں سے پائیں گے۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى○

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔" (ہود: ۶۹)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَامْرَأَتُهُ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ○

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "ابراہیم کی اہلیہ کھڑی تھیں وہ ہنس پڑیں ہم نے ان کو بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔" (ہود: ۷۱)

تفسیر: پانچویں اور چھٹی آیت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ حضرت سارہ علیہا السلام کے کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔ قبولیت دعا اور اولاد کی خوشخبری لے کر فرشتے آئے کہ آپ کو اسحاق کی ولادت کی خوشخبری اور اسحاق کے یہاں یعقوب کی ولادت کی خوشخبری' فرشتوں کی خوشخبری سن کر حضرت سارہ ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں بڑھیا ہو کر اولاد جنوں گی اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں' فرشتوں نے کہا کہ تم اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہو؟ اے گھر والو! تم سب پر اللہ کی رحمت ہو۔" (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

وَقَالَ تَعَالٰی: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰيO

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "پکار کر کہا اس سے فرشتوں نے جبکہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے' محراب میں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی۔" (آل عمران: ۳۹)

تفسیر: ساتویں آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام کو بشارت اور خوشخبری دیئے جانے کا ذکر ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام لاولد تھے اور بوڑھے تھے اولاد کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ حضرت مریم علیہا السلام پر اللہ کے فیضان رحمت کی بارش دیکھ کر بہت عاجزی اور زاری سے دعا کی کہ اللہ مجھے بھی اولاد دے دے۔ خوشخبری ملی کہ آپ کے فرزند ہوگا جس کا نام یحییٰ ہوگا' اور نبی صالح ہوگا۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

وَقَالَ تَعَالٰی: إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُO

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتے ہیں کہ ایک کلمہ جو من جانب اللہ ہوگا اس کا نام مسیح ہوگا۔" (آل عمران: ۴۵)

وَالْاٰيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيْرَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ. وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَكَثِيْرَةٌ جِدًّا وَهِيَ مَشْهُوْرَةٌ فِي الصَّحِيْحِ مِنْهَاO

اس موضوع پر قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں اور اسی طرح احادیث بھی بکثرت موجود ہیں جن میں سے بعض یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

تفسیر: آٹھویں آیت میں حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت کے دیئے جانے کا ذکر ہے کہ فرشتے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آئے اور انہیں ایک کلمہ کی خوشخبری سنائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ اس لیے کہا گیا کہ وہ محض حکم الٰہی سے خلاف عادت بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے اس کے معنی مبارک ہیں کہ آپ جس بیمار کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے وہ شفایاب ہو جاتا تھا۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت کی خوشخبری

عن أبي إبراهيم ، ويقال : أبو محمد ، ويقال : أبو معاوية عبد اللهِ بن أبي أوفى رضي الله

عنهما : أنّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بَشَّرَ خَدِيجَةَ رضي اللهُ عنها ببَيْتٍ في الجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ ، لاَ صَخَبَ فِيهِ ، وَلاَ نَصَبَ . متفقٌ عَلَيْهِ . ((القَصَبُ)) : هُنَا اللُّؤْلُؤُ الْمُجَوَّفُ . وَ((الصَّخَبُ)) : الصِّياحُ وَاللَّغطُ . وَ((النَّصَبُ)) : التَّعَبُ .

ترجمہ: حضرت ابو ابراہیم جن کو ابو محمد اور ابو معاویہ بھی کہا جاتا ہے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خوش خبری دی کہ ان کیلئے جنت میں موتیوں کا گھر ہوگا جس میں نہ شور ہوگا اور نہ ہی تھکاوٹ"۔

قصب کے معنی ہیں۔ موتی۔ کھوکھلا موتی۔ صخب 'ستور' نصب 'تکان۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کو بیان کیا جارہا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے انہی سے پیدا ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں فرمائی۔

بَشَّرَ خَدِيْجَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: دنیا میں ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت کی خوشخبری دی گئی اور ان کی جنت کی خصوصیت کو بھی بیان کیا جارہا ہے کہ "قَصَبْ" کا ہوگا۔ یعنی ایسا موتی جو اندر سے خالی ہو کہ اس موتی کے اندر ہی تمام محل بنا ہوا ہوگا۔ "وَلاَ صَخَبَ" کہ جنت میں شور وغل بھی نہیں ہوگا بخلاف دنیا کے کہ یہاں پر آدمی شور وغل وغیرہ سنتا ہی رہتا ہے مگر جنت میں سکون ہوگا کسی قسم کی کوئی بے آرامی نہیں ہو گی۔ (ریاض الصالحین ص ۲۵۴)

بئر اریس کا واقعہ

وعن أبي موسى الأشعري - رضي الله عنه - : أَنَّهُ تَوَضَّأَ في بَيْتِهِ ، ثُمَّ خَرَجَ ، فَقَالَ : لأَلْزَمَنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، وَلأَكُونَنَّ مَعَهُ يَوْمِي هَذَا ، فَجَاءَ الْمَسْجِدَ ، فَسَأَلَ عَنِ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - ، فَقَالُوا وجَّهَ هاهُنَا ، قَالَ : فَخَرَجْتُ عَلَى أَثَرِهِ أَسْأَلُ عَنْهُ ، حَتَّى دَخَلَ بِئْرَ أريس ، فَجَلَسْتُ عِنْدَ البَابِ حَتَّى قضى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - حاجتهُ وتوضأ ، فقمتُ إليهِ ، فإذا هو قد جلسَ على بئر أريس وتوَسَّطَ قُفَّهَا ، وكشَفَ عنْ ساقيهِ ودلاّهُما في البئرِ ، فسلمتُ عَليهِ ثم انصَرَفتُ ، فجلستُ عِندَ البابِ ، فَقُلْتُ : لأَكُونَنَّ بَوَّابَ رسول اللهِ - صلى الله عليه وسلم - الْيَوْمَ ، فَجَاءَ أَبُو بَكْر - رضي الله عنه - فَدَفَعَ الْبَابَ ، فقلتُ : مَنْ هَذَا ؟ فَقَالَ : أَبُو بَكْر ، فقُلتُ : عَلَى رِسْلِكَ ، ثُمَّ ذَهبْتُ ، فقلتُ : يَا رسول الله ، هَذَا أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ ، فَقَالَ : ((ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ)) فَأَقْبَلْتُ حَتَّى قُلْتُ لأَبي بَكْر : ادْخُلْ وَرسول الله - صلى الله عليه وسلم - يُبَشِّرُكَ بالجَنَّةِ ، فَدَخلَ أَبُو بَكرٍ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَمينِ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - مَعَهُ فِي القُفِّ ، وَدَلَّى رِجْلَيْهِ فِي البِئْرِ كَمَا صَنَعَ رسول الله - صلى الله عليه

وسلم - ، وَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ ، ثُمَّ رَجَعْتُ وَجَلَسْتُ ، وَقَدْ تَرَكْتُ أخِي يَتَوَضَّأُ وَيَلْحَقُنِي ، فقلتُ : إنْ يُرِدِ الله بِفُلان - يُرِيدُ أخَاهُ - خَيْراً يَأتِ بِهِ . فَإذَا إنْسَانٌ يُحَرِّكُ الْبَاب ، فقلتُ : مَنْ هَذَا ؟ فَقَالَ : عُمَرُ بن الخَطَّابِ ، فقلتُ : عَلَى رِسْلِكَ ، ثُمَّ جِئْتُ إلَى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ : هَذَا عُمَرُ يَسْتَأذِنُ ؟ فَقَالَ : ((ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بالجَنَّةِ)) فَجِئْتُ عُمَرَ ، فقلتُ : أَذِنَ وَيُبَشِّرُكَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بالجَنَّةِ ، فَدَخَلَ فَجَلَسَ مَعَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في القُفِّ عَنْ يَسَارِهِ وَدَلَّى رِجْلَيْهِ فِي البئر ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَجَلَسْتُ ، فَقُلتُ : إنْ يُرِدِ اللهُ بفُلاَن خَيْراً - يَعْنِي أخَاهُ - يَأْتِ بِهِ ، فَجَاءَ إنْسَانٌ فَحَرَّكَ الْبَابَ . فقُلتُ : مَنْ هَذَا ؟ فَقَالَ : عُثْمَانُ بن عَفَّانَ . فقلتُ : عَلَى رِسْلِكَ ، وجِئْتُ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - فَأخْبَرْتُهُ ، فقالَ : ((ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بالجَنَّةِ مَعَ بَلْوَى تُصِيبُهُ)) فَجِئْتُ ، فقلتُ : ادْخُلْ وَيُبَشِّرُكَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - بالجَنَّةِ مَعَ بَلْوَى تُصيبُكَ ، فَدَخَلَ فَوجَدَ الْقُفَّ قَدْ مُلِئَ ، فجلس وجَاهَهُمْ مِنَ الشِّقِّ الآخر . قَالَ سَعيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ : فَأَوَّلْتُهَا قُبُورَهُمْ . متفقٌ عَلَيْهِ . وزاد في رواية : وأمرني رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - بحفظِ الباب . وَفيها : أنَّ عُثْمانَ حِينَ بَشَّرَهُ حَمِدَ الله تَعَالَى ، ثُمَّ قَالَ : اللهُ الْمُسْتَعانُ . وَقَوْله : ((وَجَّهَ)) بفتحِ الواوِ وتشديد الجيم . أيْ : تَوَجَّهَ . وَقَوْلُهُ : ((بئْر أَرِيسٍ)) هُوَ بفتح الهمزة وكسرِ الراء وبعدها ياءٌ مثناة من تحت ساكِنة ثُمَّ سِين مهملة وَهُوَ مَصروف ومنهم من منع صَرفه ، وَ((القُفُّ)) بضم القاف وتشديد الفاء : وَهُوَ المبنيُّ حول البئر . وَقَوْله : ((عَلَى رِسْلِكَ)) بكسر الراء عَلَى المشهور ، وقيل : بفتحِهَا ، أيْ : ارفق .

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا اور گھر سے نکلا اور یہ ارادہ کیا کہ آج کا دن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہوں گا اور یہ سارا دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گزاروں گا۔ مسجد پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا۔ صحابہؓ نے بتایا کہ اس طرف تشریف لے گئے ہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلا یہاں تک کہ بئیر اریس پہنچا اور دروازے پر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضاء حاجت کے بعد وضو فرمایا تو میں آپ کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ بئیر اریس کی منڈیر پر بیٹھے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پنڈلیاں کھولی ہیں اور ٹانگوں کو کنویں میں لٹکایا ہوا ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا پھر میں واپس آ گیا اور دروازے پر بیٹھ گیا اور میں نے کہا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربان بنوں گا۔

اسی دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے 'جواب دیا ابو بکر' میں نے کہا ٹھہریئے اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ابو بکر آنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اجازت دیدو اور جنت کی خوشخبری دیدو۔ میں واپس آیا اور ابو بکر سے کہا کہ داخل ہو جایئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اندر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب منڈیر پر بیٹھ گئے اور کنویں کے اندر اسی طرح پیر لٹکالئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لٹکائے ہوئے تھے اور اپنی پنڈلیاں کھول لیں۔ پھر میں پلٹ آیا اور آکر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے بھائی کو وضو کرتے ہوئے چھوڑا تھا کہ وہ مجھے آملے گا۔ میں نے کہا کہ اگر اللہ نے فلاں کے ساتھ یعنی میرے بھائی کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہوگا تو اس کو لے آئے گا۔ اسی لمحے ایک انسان دروازے کو حرکت دینے لگا میں نے کہا کہ یہ کون ہے انہوں نے کہا کہ عمر بن الخطاب میں نے کہا کہ ٹھہر جایئے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کر کے عرض کیا کہ عمر اجازت طلب کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں اجازت دیدو اور انہیں جنت کی خوشخبری دیدو میں عمر کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو آنے کی اجازت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب منڈیر پر بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پاؤں کنویں میں لٹکالئے۔ میں پھر لوٹ آیا اور بیٹھ گیا اور میں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فلاں کے ساتھ یعنی میرے بھائی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے تو اس کو لے آئے گا اس لمحے ایک انسان نے آکر دروازے کو حرکت دی میں نے کہا کہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں نے کہا کہ ٹھہریئے اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ انہیں اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری دیدو ایک آزمائش کے ساتھ جوان کو پہنچے گی۔ میں آیا اور میں نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس ابتلاء کے ساتھ جو تمہیں پیش آئے گا۔ وہ داخل ہوئے اور انہوں نے منڈیر کو پر پایا تو وہ ان کے سامنے دوسری جانب بیٹھ گئے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان کے بیٹھنے کی تاویل انکی قبروں سے کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دروازے کی دربانی کا حکم دیا اور اسی روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بشارت ملی تو انہوں نے اللہ کی حمد کی اور کہا کہ اللہ مدد کرنے والا ہے۔

حدیث کی تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ہر وقت مشاق رہتے اور جب موقعہ ملتا تو آپ کے اعمال وافعال کو غور سے اور توجہ سے دیکھتے اور ان کو اسی

طرح اپنے صفحہ قلب پر محفوظ کر لیتے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو یاد کر لیتے اور حرص کرتے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریں اسی طرح کریں اور ہر ہر عمل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پنڈلیاں کھول لیں اور ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی طرح بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کی بشارت دی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی جنت کی بشارت دی اور بطور معجزہ ان کو پیش آنے والے ابتلاء کی خبر دی۔

(فتح الباری: ۲/۴۱۰، ارشاد الساری: ۸/۱۶۵، عمدۃ القاری: ۱۶/۲۶۲)(ریاض الصالحین ص ۲۵۵)

کلمہ توحید کی گواہی دینے والوں کو جنت کی بشارت

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : كُنَّا قُعُوداً حَوْلَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، وَمَعَنَا أَبُو بَكر وَعُمَرُ رضي الله عنهما في نَفَر ، فَقَامَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِنَا فَأَبطَأَ عَلَيْنَا ، وَخَشِينَا أنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا ، فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَزِعَ ، فَخَرَجْتُ أَبْتَغِي رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - ، حَتَّى أتَيْتُ حَائِطاً للأنصَار لِبَنِي النَّجار ، فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أجدُ لَهُ بَاباً ؟ فَلَمْ أجِدْ ! فَإذَا رَبيعٌ يَدْخُلُ في جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَهُ - وَالرَّبيعُ : الجَدْوَلُ الصَّغِيرُ - فَاحْتَفَرْتُ ، فَدَخَلْتُ عَلَى رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، فَقَالَ: ((أَبُو هُرَيْرَة ؟)) فقلتُ : نَعَمْ ، يَا رسول اللهِ ، قَالَ : ((مَا شَأنُكَ ؟)) قُلْتُ : كُنْتَ بَيْنَ أظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَأَبْطَأتَ عَلَيْنَا ، فَخَشِينَا أنْ تُقْتَطَعَ دُونَنَا ، ففزعنا ، فَكُنْتُ أوَّلَ مَنْ فَزِعَ ، فَأَتَيتُ هَذَا الحَائِطَ ، فاحْتَفَرْتُ كَمَا يَحْتَفِرُ الثَّعْلَبُ ، وهؤلاء النَّاسُ وَرَائِي . فقَالَ : ((يَا أَبَا هُرَيرَة)) وَأَعْطَانِي نَعْلَيْهِ ، فَقَالَ : ((اذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ ، فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الحَائِطِ يَشْهَدُ أنْ لا إلهَ إلاَّ اللهُ مُسْتَيْقِناً بِهَا قَلْبُهُ ، فَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ ...)) وَذَكَرَ الحديثَ بطوله ، رواه مسلم . ((الرَّبِيعُ)) : النَّهْرُ الصَّغيرُ ، وَهُوَ الجَدْوَلُ - بفتح الجيم - كَمَا فَسَّرَهُ في الحديث . وَقَوْلُه : ((احْتَفَرْتُ)) رُوِي بالراء وبالزاي ، ومعناه بالزاي : تَضَامَمْتُ وتَصَاغَرْتُ حَتَّى أمْكَنَنِي الدُّخُولُ .

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ لوگوں میں حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ پس اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ہمارے پاس آنے میں کافی تاخیر کی تو ہم ڈر گئے کہ ہماری غیر موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو قتل نہ کر دیا گیا ہو اور ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور میں سب سے پہلے گھبرانے والا تھا۔ پس میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ میں انصار کے بنو نجار قبیلے کے باغ کی چار دیواری تک پہنچ گیا۔ میں اس کے ارد گرد گھوما مگر مجھے کوئی دروازہ نہ مل سکا تاہم ایک چھوٹے سے نالے پر نظر پڑی جو باغ سے باہر ایک کنوئیں سے نکل کر باغ کے اندر جا رہا تھا (اور ربیع چھوٹی سی نہر یا چھوٹے سے نالے کو کہتے ہیں) پس میں اس میں سے سمٹ کر نالے کے راستے سے اندر داخل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہاں تشریف فرماتھے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ؟ میں نے کہا آپ ہمارے درمیان تشریف فرماتھے پس آپ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور واپسی میں آپ نے دیر فرمادی تو ہمیں ڈر محسوس ہوا کہ کہیں آپ کو ہماری غیر موجودگی میں قتل نہ کر دیا گیا ہو؟ چنانچہ ہم گھبرا اٹھے۔ گھبرانے والوں میں سب سے پہلا آدمی میں تھا۔ پس میں اس باغ تک آگیا (اندر آنے کیلئے) اور لوگ میرے پیچھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ! اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے اپنے دونوں جوتے دے کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ میرے یہ دونوں جوتے ساتھ لے جاؤ۔ اس باغ کی دیوار کے باہر جو بھی ملے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس پر اس کے دل میں پورا یقین ہو تو اس کو جنت کی خوشخبری دے دو اور پوری حدیث ذکر کی"۔

الربیع۔ چھوٹی نہر۔ جدول۔ پانی کا راستہ۔ احتفزت۔ اپنے آپ کو سکھیڑنا۔

حدیث کی تشریح: **فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا**: جب دیر ہو گئی۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کس درجہ خیال رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے صحابہؓ کس قدر مستعد رہا کرتے تھے۔ "**حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ**" حائط وہ باغ جس میں چار دیواری ہو۔

"**اَلرَّبِيْعُ اَلْجَدْوَلُ الصَّغِيْرُ**": جدول چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ "ربیع" کی جمع "اربعاء" آتی ہے جیسے نبی کی جمع انبیاء آتی ہے۔ "**يَا اَبَاهُرَيْرَةَ**" تقدیری عبارت یوں ہے "أأنتَ ابوهريرةَ" کہ تم ابو ہریرہ ہو۔

يَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ: جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس پر اس کے دل میں پورا یقین ہو تو اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔

شبہ: کیا صرف کلمہ توحید کے اقرار سے آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا' عبادات کی ضرورت نہیں؟

پہلا ازالہ: ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لا الہ الا اللہ کا یہ اثر اس وقت کا ہے جب کہ اس کو اس کے مخالف سے بچایا جائے اور جب اس میں اس کے مخالف معصیت کی آمیزش ہو گی تو پھر اس کا یہ اثر ظاہر نہیں ہو گا۔

دوسرا ازالہ: قاعدہ ہے: "**اِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِهٖ**" جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے تمام

لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے تو کلمہ توحید کے لوازمات نماز، روزہ، تمام اعمال خود اس میں داخل ہوں گے تو جوان تمام اعمال پر عمل کرے گا تو جنت میں داخل ہو گا۔

تیسرا ازالہ: یہ خوش خبری اس کے لیے ہے جو کلمہ توحید پر ایمان لانے کے فوری بعد مر جائے اس کو عمل کرنے کی مہلت نہ ملے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۵۶)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے وقت کا واقعہ

وعن ابن شِمَاسَة ، قَالَ : حَضَرْنَا عَمْرَو بنَ العَاصِ - رضي الله عنه - وَهُوَ في سِيَاقَةِ الْمَوْتِ ، فَبَكَى طَوِيلاً ، وَحَوَّلَ وَجْهَهُ إلَى الجدَار ، فَجَعَلَ ابْنُهُ ، يَقُولُ : يَا أَبَتَاهُ ، أمَا بَشَّرَكَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - بكَذَا ؟ أمَا بَشَّرَكَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - بكَذَا ؟ فَأقْبَلَ بوَجْهِهِ ، فَقَالَ : إنَّ أفْضَلَ مَا نُعِدُّ شَهَادَةُ أنْ لا إلهَ إلاَّ الله ، وَأنَّ مُحَمَّداً رسول اللهِ ، إنِّي قَدْ كُنْتُ عَلَى أطْبَاقٍ ثَلاثٍ : لَقَدْ رَأيْتُنِي وَمَا أحَدٌ أشَدُّ بُغضاً لرسول الله - صلى الله عليه وسلم - مِنِّي ، وَلاَ أحَبَّ إلَيَّ مِنْ أنْ أكُونَ قدِ استَمكنتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُه ، فَلَوْ مُتُّ عَلَى تلكَ الحَال لَكُنْتُ مِنْ أهْلِ النَّار ، فَلَمَّا جَعَلَ اللهُ الإسلامَ في قَلْبي أتَيْتُ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - ، فَقُلْتُ : ابسُطْ يَمِينَكَ فَلأُبَايِعُك ، فَبَسَطَ يَمِينَهُ فَقَبَضْتُ يَدِي ، فَقَالَ : ((مَا لَكَ يَا عَمْرُو ؟)) قلتُ: أردتُ أنْ أشْتَرِطَ ، قَالَ : ((تَشْتَرِط مَاذا ؟)) قُلْتُ : أنْ يُغْفَرَ لِي ، قَالَ : ((أمَا عَلِمْتَ أن الإسْلاَمَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ، وَأن الهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قبلَهَا ، وَأنَّ الحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ؟)) وَمَا كَانَ أحدٌ أحَبَّ إلَيَّ مِنْ رَسُول الله - صلى الله عليه وسلم - ، وَلاَ أجَلَّ في عَيني مِنْهُ وَمَا كُنْتُ أُطيقُ أن أملأ عَيني مِنْهُ ؛ إجلالاً لَهُ ، ولو سئلت أن أصفه مَا أطقت ، لأني لَمْ أكن أملأ عيني مِنْهُ ، ولو مُتُّ عَلَى تِلْكَ الحال لَرجَوْتُ أن أكُونَ مِنْ أهْلِ الجَنَّةِ ، ثُمَّ وَلِينَا أشْيَاءَ مَا أدْرِي مَا حَالِي فِيهَا ؟ فَإذَا أنَا مُتُّ فَلاَ تَصحَبْنِي نَائِحَةٌ وَلاَ نَارٌ ، فَإذَا دَفَنْتُمُونِي ، فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرابَ شَنّاً ، ثُمَّ أقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزورٌ ، وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا ، حَتَّى أسْتَأنِسَ بِكُمْ ، وَأنْظُرَ مَا أُرَاجِعُ بِهِ رسُلَ رَبِّي . رواه مسلم

ترجمہ: حضرت ابن شماسہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی موت کے وقت ان کے پاس میں موجود تھے۔ وہ دیر تک روتے رہے اور دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ ان کے صاحبزادے نے کہا کہ اے ابا جان کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خوشخبری نہیں دی؟ آپ نے اپنا رخ ادھر کیا اور فرمایا کہ سب سے بہترین چیز ہم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کو سمجھتے ہیں۔ زندگی میں مجھ پر تین ادوار گزرے ہیں۔ میری ایک حالت یہ تھی کہ مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم سے کوئی نفرت کرنے والا نہ تھا مجھے یہ بات سب سے محبوب تھی کہ میرا بس چلے تو میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کردوں‘ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو جہنمی ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنا داہنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیعت کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے عمرو کیا ہوا میں نے عرض کیا کہ میرا ارادہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایک شرط طے کرنا کا ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کیا شرط ہے میں نے کہا کہ میری مغفرت ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے‘ ہجرت اپنے سے پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج اپنے ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہ تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھ کر عظمت والا میری نگاہ میں کوئی اور تھا اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رعب کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا اور اگر مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حلیہ مبارک بیان کرنے کو کہا جائے تو میں اس کی ہمت نہیں رکھتا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں۔ اگر اس حالت میں میری موت آتی تو مجھے امید ہوتی کہ میں جنت میں جاتا‘ پھر ہم بعض چیزوں پر نگران بنائے گئے مجھے نہیں معلوم میرا ان میں کیا حال ہوگا؟ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت نہ ہو اور نہ آگ ہو۔ جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر تھوڑی تھوڑی کر کے مٹی ڈالنا اور میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں اور دیکھ لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے قاصدوں کو میں کیا جواب دیتا ہوں۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے تین ادوار بیان فرمائے اور ان میں سے بہترین دور اس زمانے کو قرار دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرفراز ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد امارت و سیادت میں مصروف ہوئے اور حصہ زندگی کے بارے میں تامل فرمایا کہ کہیں دنیا کے کاموں میں مصروف ہو کر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہوئی ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث مبارک بہت اہمیت کی حامل ہے اور دین کی بہت سی اہم باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اسلام ہجرت اور حج سے پہلے کیے ہوئے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ گناہوں سے مراد حقوق اللہ ہیں حقوق العباد کی ادائیگی اسلام لانے کے بعد بھی لازم ہے جس شخص کی موت کا وقت قریب ہو اس کے سامنے اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا ذکر کرنا مستحب ہے۔ نیاحت یعنی مرنے والے پر رونا پیٹنا حرام ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۲/۱۱۷، روضۃ المتقین: ۲/۲۵۴، دلیل الفالحین: ۳/۱۷۰) (ریاض الصالحین ص ۲۵۷)

....

٩٦- باب وداع الصاحب ووصيته عند فراقه للسفر وغيره والدعاء لَهُ وطلب الدعاء مِنْهُ

ساتھی کو رخصت کرنا اور سفر وغیرہ کی جدائی کے وقت اس کیلئے دعا کرنا اور اس سے دعا کی درخواست کرنا اور اس کا استحباب

وَوَصّٰى بِهَا إِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَo أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاء إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِيْ قَالُواْ نَعْبُدُ إِلٰـهَكَ وَإِلٰـهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰـهاً وَاحِداً وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَo

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: "اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اس بات کی وصیت کی یعقوب نے بھی کہا کہ اے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند کر لیا ہے۔ پس جب تمہیں موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم مسلمان ہو' کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی؟ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے اور تمہارے باپ دادا ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔" (البقرۃ: ۱۳۲-۱۳۳)

تفسیر: آیت کریمہ سے پہلے ارشاد ہوا تھا کہ ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ایسی ملت کے تارک کو کیوں کر احمق نہ کہا جائے جس کی یہ شان ہو کہ اسی کی بدولت ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو رسالت کے لیے منتخب کیا اور اس ملت کے دین کو انسانی فطرت کے مطابق بنایا کہ کوئی سلیم الفطرت انسان اس سے روگردانی نہیں کر سکتا دین ابراہیم کا مرکزی نقطہ توحید الٰہی اور ایک اللہ کی بندگی ہے جس کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں فرمایا: "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (میں نے پروردگار عالم کی اطاعت اختیار کر لی ہے) اور یہی توحید اور ایک اللہ کی بندگی تمام آسمانی مذاہب کا نقطہ اشتراک ہے۔ اسی لیے فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ○

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور ان سے عہد لیا کہ اسلام کے سوا اور کسی ملت پر نہ مرنا مراد اس کی یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اسلام اور اسلامی تعلیمات پر پختگی سے عمل کرتے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارا خاتمہ بھی اسلام ہی پر فرمادے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ تم اپنی زندگی میں جس حالت کے پابند رہو گے اسی حالت پر تمہاری موت بھی ہوگی اور اسی حالت میں محشر میں اُٹھائے جاؤ گے' اللہ جل شانہ کی عادت یہی ہے کہ جو بندہ نیکی کا قصد کرتا ہے اور اس کے لیے اپنے مقدر کے مطابق کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق دیتے ہیں اور یہ کام اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ اصل دائمی اور لازوال دولت سمجھتے ہیں یعنی اسلام وہ ان کی اولاد کو پوری کی پوری مل جائے۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو آخری وقت میں وصیت فرمائی کہ ہمیشہ ملت اسلام پر قائم رہنا۔ یہی وصیت ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمائی کہ دیکھو تمہاری ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

یہ تو موضوع سے متعلق قرآن کریم کی آیت تھی۔ اس موضوع سے متعلق متعدد احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک حضرت زید بن ارقم سے مروی حدیث ہے جو اس سے پہلے باب اکرام اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکی ہے۔ (معارف القرآن) (ریاض الصالحین ص ۲۵۷)

کتاب اللہ اور اہل بیت کے حقوق

وأما الأحاديث فمنها : (١)- حديث زيد بن أرقم - رضي الله عنه - - الَّذِي سبق في بَابِ إكرام أهْلِ بَيْتِ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - - قَالَ : قَامَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فِينَا خَطِيباً ، فَحَمِدَ الله ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ، ثُمَّ قَالَ : ((أمَّا بَعْدُ ، ألاَ أيُّهَا النَّاسُ ، إنَّمَا أنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ ، وَأنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثِقْلَيْنِ ، أوَّلُهُمَا : كِتَابُ اللهِ ، فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ)) ، فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ ، وَرَغَّبَ فِيهِ ، ثُمَّ قَالَ : ((وَأَهْلُ بَيْتِي ، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ في أهْلِ بَيْتِي)) رواه مسلم ، وَقَدْ سَبَقَ بِطُولِهِ .

ترجمہ: احادیث میں سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو باب اکرام اہل بیت رسول اللہ میں گزر چکی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کی' وعظ فرمایا اور نصیحت فرمائی اور فرمایا

اما بعد! اے لوگو! یقیناً میں بھی ایک انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس بھی میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کا پیغام قبول کرلوں۔ میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے' پس تم اللہ کی کتاب پکڑو اور اس کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کے بارے میں رغبت دلائی اور زور دیا اور پھر ارشاد فرمایا (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں (مسلم) یہ روایت اس سے پہلے گزر چکی ہے"۔

حدیث کی تشریح: یہ حدیث اگرچہ پہلے "**باب اکرام بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بیان فضلھم**" میں گزر چکی ہے۔ عنوان پر وصیت کرنے کا تذکرہ ہے۔ حدیث بالا میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی وصیت کی ہے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرا اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۵۷)

جتنا دین سیکھا ہے اتنا دوسرے کو بھی سکھاؤ

وعن أبي سليمان مالِك بن الحُوَيْرِثِ – رضي الله عنه –، قَالَ: أَتَيْنَا رسولَ الله – صلى الله عليه وسلم –، وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ رسولُ الله – صلى الله عليه وسلم – رَحِيماً رَفِيقاً، فَظَنَّ أنَّا قد اشْتَقْنَا أَهْلَنَا، فَسَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا مِنْ أَهْلِنَا، فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: ((ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَأَقِيمُوا فِيهِمْ، وَعَلِّمُوهُم وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا صَلاَةَ كَذَا فِي حِيْنِ كَذَا، وَصَلُّوا كَذَا فِي حِيْنِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ)) متفقٌ عَلَيْهِ. زاد البخاري في رواية لَهُ: ((وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي)). وَقَوْلُه: ((رحِيماً رَفِيقاً)) رُوِيَ بِفاء وقافٍ، وَرُوِيَ بقافين.

ترجمہ: "حضرت ابو سلیمان مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم ایک جیسے عمر کے نوجوان تھے۔ ہم نے بیس راتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قیام کیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے مہربان اور نرم دل تھے۔ چنانچہ آپ کو خیال آیا کہ ہم اپنے گھر واپس جانے کا شوق کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے دریافت فرمایا کہ ہم نے اپنے گھروں میں کن کو پیچھے چھوڑا ہے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ اپنے گھر واپس چلے جاؤ وہاں رہو اور ان کو بھی دین سکھاؤ اور بھلائی کا حکم کرو اور فلاں فلاں وقتوں میں نماز ادا کرنا۔ پس نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آذان کہے اور تم میں سے جو بڑا ہو وہ تمہیں نماز پڑھائے (بخاری و مسلم)

بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے اور تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے''۔

حدیث کی تشریح: فَاَقَمْنَاعِنْدَهٗ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیس راتیں ٹھہرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم دین کے لیے سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سفر کرنے سے گریز نہ کیا جائے۔

عَلِّمُوْهُمْ: ان کو بھی دین سکھاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جو دین سیکھ لے اس کو چاہیے کہ وہ دوسرے کو سکھائے۔ یہی وصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوانوں کو فرمائی۔ (دلیل الطالبین ۱/۶۰۴)

فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُوَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ: جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان کہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز ہر حال میں فرض ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو۔ سفر میں عموماً نماز میں سستی ہوتی ہے اس لیے اس حدیث میں ان سب کے لیے ترغیب ہے۔ نیز یہ کہ ہر جگہ اور ہر وقت اذان دے کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرنے کی بھی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۵۷)

سفر میں جانے والوں کو دعا کی درخواست کرنا

وعن عمرَ بن الخطاب - رضي الله عنه - ، قَالَ : اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ - صلى الله عليه وسلم - في العُمْرَةِ ، فَأذِنَ ، وقال : ((لاَ تَنْسَانَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ)) فقالَ كَلِمَةً ما يَسُرُّنِي أنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَا .وفي رواية قَالَ : ((أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ في دُعَائِكَ)) رواه أَبُو داود والترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرماتے ہوئے فرمایا۔ اے بھائی! اپنی دعاؤں میں ہمیں فراموش نہ کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کلمہ ارشاد فرمایا کہ اس کے بدلے میں مجھے ساری دنیا مل جائے تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی اور ایک روایت میں ہے اے میرے پیارے بھائی اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک رکھنا۔

حدیث کی تشریح: یہ حدیث پہلے ''باب زیادۃ اھل الخیر'' میں گزر چکی ہے۔ یہاں دوبارہ اس لیے لائی گئی ہے کہ دوسروں سے دعا کی درخواست کی جائے چاہے خود درخواست کرنے والا علم و شرف اور مرتبہ میں زیادہ اونچا مقام رکھتا ہو۔ نیز حدیث بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا بھی اظہار ہے کہ اپنے اعلیٰ مقام ہونے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کی درخواست فرما رہے ہیں اور اس میں ترغیب ہے کہ دوسرے سے دعا کی درخواست کر سکتے ہیں۔ (دلیل الفالحین)

رخصت کرتے وقت کی دعاء

وعن سالم بن عبدِ الله بن عمر : أنَّ عبدَ اللهِ بن عُمَرَ رضي الله عنهما، كَانَ يَقُولُ للرَّجُلِ إِذَا أَرَادَ سَفَراً: ادْنُ مِنِّي حَتَّى أُوَدِّعَكَ كَمَا كَانَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - يُوَدِّعُنَا ، فَيَقُولُ : ((أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكَ ، وَأَمَانَتَكَ ، وَخَواتِيمَ عَمَلِكَ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر ایسے آدمی سے ارشاد فرماتے جو سفر کا ارادہ کرتا: میرے قریب ہو جاؤ تاکہ میں تجھے الوداع کہوں جیسا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمیں الوداع کہا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یوں فرماتے "استودع اللہ الخ" میں تیرے دین کو، تیری امانت کو اور تیرے آخری اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں (ترمذی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث کی تشریح :اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ: علماء فرماتے ہیں اس جملہ کی وجہ یہ ہے کہ سفر میں آدمی کی عبادات میں کمی آجاتی ہے جس کی وجہ سے ایمان میں بھی کمی آنے لگتی ہے تو یہ دعاء دی جارہی ہے. تاکہ عبادات اور ایمان میں کمی نہ آنے پائے۔(روضۃ المتقین)

وَاَمَانَتَكَ: کہ اللہ جل شانہ تمہارے گھر والوں کی بھی حفاظت فرمائے اور جس کے ذمہ تمہاری امانت ہو وہ سب امانت کو پورا کرے کوئی خیانت نہ کرے۔ "خَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ" آخری عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر کرنے والے پر سنت ہے کہ وہ سفر کرنے سے پہلے توبہ کرلے اور جس پر ظلم کیا ہے اس سے معافی مانگ لے اگر قطع رحمی کی ہو تو صلہ رحمی کرکے جائے اور وصیت کرکے اور جو اس کے ذمہ حقوق ہوں اس کو پورا کرکے جائے۔(ریاض الصالحین ص ۲۵۹)

لشکر روانہ کرتے وقت کی دعاء

وعن عبدِ الله بن يزيدَ الخَطْمِيِّ الصحابيِّ - رضي الله عنه - ، قَالَ : كَانَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - إِذَا أَرَادَ أنْ يُوَدِّعَ الجَيشَ ، قَالَ : ((أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِينَكُم ، وَأَمَانَتَكُم، وَخَواتِيمَ أعْمَالِكُمْ)) حديث صحيح ، رواه أَبُو داود وغيره بإسناد صحيح .

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن یزید خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب کسی لشکر کے الوداع کہنے کا ارادہ فرماتے تو کہتے کہ میں تمہارے دین کو تمہاری امانت کو اور تمہارے اختتامی اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ (یہ حدیث صحیح اور اسے ابوداؤد وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو رخصت فرماتے تو ان اصحاب لشکر کو

مخاطب کر کے فرماتے کہ میں تمہارے دین کو تمہاری امانتوں کو اور تمہارے آخری اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یعنی تمہارا دین محفوظ رہے تمہاری امانتیں یعنی مال و متاع اور اہل و عیال باحفاظت رہیں اور اللہ کرے کہ تمہارے اعمال ہمیشہ اچھے اعمال رہیں جن میں غرض و غایت صرف اللہ کی رضا ہو' یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے اور تم اعمال صالح پر قائم رہو۔(روضۃ المتقین: ۲/۲۶۰)(ریاض الصالحین ص ۲۵۸)

سفر کا زاد راہ تقویٰ ہے

وعن أنسٍ – رضي الله عنه – ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النبي – صلى الله عليه وسلم – ، فَقَالَ : يَا رسولَ الله ، إنّي أُرِيدُ سَفَراً ، فَزَوِّدْنِي ، فَقَالَ : ((زَوَّدَكَ الله التَّقْوَى)) قَالَ : زِدْنِي قَالَ : ((وَغَفَرَ ذَنْبَكَ)) قَالَ : زِدْنِي ، قَالَ : ((وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُمَا كُنْتَ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن)) .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! سفر کا ارادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مجھے توشہ سفر عنایت فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اللہ تقویٰ کو تمہارے لئے زاد راہ بنائے۔ اس نے کہا کہ کچھ اور فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے اس نے پھر کہا کہ یارسول اللہ اس میں زیادتی کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تم جہاں بھی ہو تمہارے لئے بھلائی کو آسان فرمادے۔(ترمذی)

حدیث کی تشریح: مسافر جب سفر پر روانہ ہوتا ہے تو وہ کھانا پینا اور ایسی چیزیں اپنے ساتھ لے لیتا ہے جن کی سفر میں ضرورت پیش آئے اور منزل پر پہنچ کر ان کی حاجت پیش آئے' اللہ کے یہاں جانا بھی ایک سفر ہے اور اس سفر کا زادِ راہ تقویٰ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰىؗ

ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سفر کا ارادہ ہے آپ مجھے زادِ راہ عنایت فرمادیجئے۔ (یعنی نصیحت کردیجئے) اور دعاء فرمادیجئے جو میرے لیے سفر میں خیر و برکت کا باعث ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تمہارے لیے زادِ راہ بنائے۔ اس نے کہا کچھ اور بھی فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمہاری مغفرت کرے اور اس نے پھر کہا کہ کچھ اور فرمایئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جہاں کہیں پہنچو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے خیر کے کاموں کو آسان فرمادے اور دنیا اور آخرت کی خیر حاصل ہو۔(تحفۃ الاحوذی: ۳/۶۷۷' روضۃ المتقین: ۲/۲۶۰)(ریاض الصالحین ص ۲۵۸)

۹۷- باب الاستِخارة والمشاورة
استخارہ کرنے اور باہمی مشورہ کرنے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالَى : ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ ﴾ [آل عمران : ۱۵۹]

ترجمہ:"اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے:اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کرتے رہئے۔"

تفسیر: آیت بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کام کرنے سے پہلے جس میں وحی نازل نہیں ہوتی صحابہ سے مشورہ کرلیا کریں۔ مشورہ صرف انہی چیزوں میں مسنون ہے جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی واضح قطعی حکم موجود نہ ہو ورنہ جہاں کوئی قطعی واضح حکم شرعی موجود ہو اس میں کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس وقت میں مشورہ کرنا جائز بھی نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس بات کا مشورہ کرے کہ میں نماز پڑھوں یا نہیں؟ زکوۃ دوں یا نہیں؟ (ریاض الصالحین ص ۲۵۹)

مشورہ کس سے لیا جائے؟ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحۃً قرآن میں موجود نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لیے اپنے لوگوں میں سے عبادت گزار فقہاء کو جمع کرنا اور ان کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کرنا کسی کی تنہاء رائے سے فیصلہ نہ کرنا۔ (معارف القرآن ۲/۲۲۰)(ریاض الصالحین ص ۲۵۹)

، وقال الله تَعَالَى : ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ ﴾ [الشورى : ۳۸] أيْ : يَتَشَاوَرُونَ بَيْنَهُمْ فِيهِ

ترجمہ:"اللہ جل شانہ کا ارشاد گرامی ہے:"اپنے کام آپس کے مشورے کے ساتھ کرتے ہیں۔" یعنی اس میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں۔"

تفسیر: آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قابل غور معاملہ جس کی اہمیت ہو اس میں سچے مسلمانوں کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ باہم مشورہ سے کام کیا کرتے ہیں۔ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مشورہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ ہم اس پر مامور ہیں کہ ایسے مشورہ طلب اہم کاموں میں جلد بازی اور خود درائی سے کام نہ کریں۔ (احکام القرآن)

مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ قَطُّ اِلاَّ هُدُوْا الخ: (ادب المفرد) جب کوئی قوم مشورے سے کام کرتی ہے تو ضرور ان کو صحیح راستہ کی ہدایت کردی جاتی ہے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ کر کے عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح امور کی طرف ہدایت فرمادے گا یعنی جس کا انجام کار خیر اور بہتر ہو گا۔ مشورہ فقہاء وعابدین سے کرنے کا حکم ہے ورنہ بے علم بے دین لوگوں سے مشورہ کیا جائے تو اس مشورہ میں فساد غالب رہے گا۔(روح المعانی)(ریاض الصالحین ص ۲۵۹)

استخارہ کی اہمیت

وعن جابر - رضي الله عنه - ، قَالَ : كَانَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - يُعَلِّمُنَا الاسْتِخَارَةَ فِي الأُمُور كُلِّهَا كَالسُّورَةِ مِنَ القُرْآنِ ، يَقُولُ : ((إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالأَمْرِ ، فَلْيَركعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الفَرِيضَةِ ، ثُمَّ ليقل : اللَّهُمَّ إنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ ، وأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ العَظِيْم ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ أَقْدِرُ ، وَتَعْلَمُ وَلاَ أَعْلَمُ ، وَأَنْتَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ. اللَّهُمَّ إنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي)) أَوْ قَالَ : ((عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ ، فاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ. وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي)) أَوْ قَالَ : ((عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ ؛ فَاصْرِفْهُ عَنِّي ، وَاصْرِفْنِي عَنْهُ ، وَاقْدُرْ لِيَ الخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ)) قَالَ : ((وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهُ)) رواه البخاري.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ہر معاملے میں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن کریم کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہو تو وہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت پڑھے پھر کہے کہ اے اللہ میں تیرے علم کے ساتھ تجھ سے بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری طاقت کے ذریعے سے تجھ سے طاقت مانگتا ہوں اور تجھ سے تیرے بڑے فضل کا سوال کرتا ہوں اس لئے کہ تو قدرت رکھنے والا ہے اور میرے اندر کوئی طاقت نہیں تو علم والا ہے اور میں بے علم ہوں اور تو تمام غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین معاش انجام کار کے اعتبار سے میرے لئے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر فرما۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر یہ کام دنیا اور آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے تو تو اسے میرے لئے مقدر فرمادے اور اس کے کرنے کو میرے لئے آسان فرمادے پھر میرے لئے اس میں برکت ڈال دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین معاش انجام کار کے لحاظ سے میرے لئے برا یا دنیا اور آخرت کے لحاظ سے برا ہے تو اس کو مجھ سے دور فرمادے اور مجھ کو اس سے دور کردے اور مجھے بھلائی مقدر فرما جہاں بھی وہ ہے پھر میرے لئے اس پر راضی کردے۔ اس کے بعد اپنی ضرورت کا ذکر کرے۔

حدیث کی تشریح: فرائض و واجبات اور جو امور شریعت نے مقرر فرما دیئے ہیں ان میں استخارہ نہیں ہے بلکہ احکام شریعت کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اس میں بھی استخارہ نہیں ہے بلکہ اس کو نہ کرنا لازم ہے۔ صرف مباح امور میں استخارہ کیا جاتا ہے مثلاً کسی کو کہیں سفر کرنا ہے تو وہ یہ استخارہ کرے کہ سفر کرے یا نہ کرے۔ فوراً اس سفر پر جائے یا بعد میں کسی وقت جائے یا مثلاً بچی کے نکاح کے دو جگہ سے پیغام ہیں اس پیغام کو قبول کرے یا دوسرے پیغام کو قبول کرے یہ اور اس طرح کے دیگر مباح امور میں استخارہ کرنا چاہیے۔

استخارہ کے لیے فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعاء پڑھنی چاہیے۔ اگر تحیۃ المسجد کے ساتھ استخارہ کی نیت کرلی جائے تب بھی درست ہے۔ استخارہ کے بعد جس امر پر یا جس پہلو پر قلب مطمئن ہو کر لینا چاہیے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استخارہ کے لیے رات کا ہونا یا خواب دیکھنا یا کوئی غیبی اشارہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ ضروری چیز دو رکعت نماز پڑھنا اور استخارہ کی دعاء کرنا ہے۔

(فتح الباری: ۱/۲۶۷ ، روضۃ المتقین: ۲/۲۶۲) (ریاض الصالحین ص ۲۵۹)

۹۸- باب استحباب الذهاب إِلَى العيد وعيادة المريض والحج والغزو والجنازة ونحوها من طريق ، والرجوع من طريق آخر لتكثير مواضع العبادة

نماز عید، مریض کی عیادت، حج، جہاد اور جنازہ وغیرہ کیلئے ایک راستے سے جانے اور دوسرے راستے سے واپس آنے (تاکہ مواضع عبادت بکثرت ہو جائیں) کا استحباب

عید کے دن آتے جاتے راستہ تبدیل کرنا

عن جابر - رضي الله عنه - ، قَالَ: كَانَ النبي - صلى الله عليه وسلم - إِذَا كَانَ يومُ عيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ . رواه البخاري . قَوْله : ((خَالَفَ الطَّرِيقَ)) يعني : ذَهَبَ في طريق ، وَرَجَعَ في طريق آخَرَ .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کے روز راستہ بدلا کرتے تھے۔ (بخاری) یعنی ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے آیا کرتے تھے۔

حدیث کی تشریح: عید کے دن نماز عید کے لیے جانے اور آنے میں مستحب یہ ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مقتضاء یہی ہے۔ امام نووی رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راستہ بدلنے میں حکمت یہ ہے کہ عبادت کے مقامات کی کثرت ہو جائے۔ یعنی جاتے ہوئے جو مقامات آئے ان میں یہ جانے والا عبادت کرنے والا تھا اور واپسی پر جب دوسرے مقامات سے آیا تو ان مقامات پر بطور عابد گزر ہوا اور اس طرح اس کے مقامات عبادت میں اضافہ ہو گیا کیونکہ قیامت کے روز دونوں طرف کے راستے گواہی دیں گے کہ اللہ کا بندہ اللہ کی عبادت کے لیے یہاں سے گزرا تھا اور عیدین کے روز تکبیرات مسنون ہیں تو دونوں طرف کے راستے اللہ کے ذکر سے معمور ہو جائیں گے۔

(فتح الباری: ۱/ ۶۶۲، روضۃ المتقین: ۲/ ۲۲۴، دلیل الفالحین: ۳/ ۱۸۳) (ریاض الصالحین ص ۲۵۹)

عید کے دن آتے جاتے راستہ تبدیل کرنا

وعن ابن عُمَرَ رضي الله عنهما : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كَانَ يَخْرُجُ مِنْ طَرِيق الشَّجَرَةِ ، وَيَدْخُلُ مِنْ طَرِيقِ الْمُعَرَّسِ((۲)) ، وَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ ، دَخَلَ مِنَ الثَّنِيَّةِ((۳)) الْعُلْيَا ، وَيَخْرُجُ مِنَ الثَّنِيَّةِ السُّفْلَى . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شجرہ کے راستے سے باہر نکلتے اور معرس کے راستے سے داخل ہوتے اور جب مکے میں داخل ہوتے تو ثنیہ علیا (اوپر کی طرف والی گھائی) کے راستے سے داخل ہوتے اور ثنیہ سفلی (نچلی طرف والی دگھائی) کے راستے سے واپس آتے"۔

حدیث کی تشریح: طَرِيْقِ الشَّجَرَةِ: مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستہ سے "شجرۃ" ایک مشہور جگہ کا نام ہے اور معرس مسجد ذوالحلیفہ کو کہتے ہیں جو مدینے سے چھ میل کے فاصلے پر ہے اور ثنیہ دو پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو کہتے ہیں۔ اب مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ جاتے وقت بلند گھاٹی سے آتے اور مکہ سے مدینہ جاتے وقت نچلی گھاٹی والے راستے کو اختیار فرماتے تھے اور مدینہ سے مکہ کی طرف آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شجرۃ مقام سے گزر کر ذوالحلیفہ میں رات گزارتے اور جب مکہ سے لوٹتے تو معرس (یعنی مسجد ذوالحلیفہ) کے راستے سے مدینہ میں داخل ہوتے۔ مصنف نے یہ حدیث اس بات کے لیے پیش کی ہے کہ حج کے سفر میں بھی آتے اور جاتے وقت راستے کو تبدیل کرنا مستحب ہے۔ (نزہۃ المتقین)

۹۹- باب استحباب تقديم اليمين في كل مَا هو من باب التكريم
نیک کاموں میں دائیں ہاتھ کو مقدم رکھنے کا استحباب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: فَأَمَّا مَنْ أُوتِیَ كِتٰبَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتٰبِيَهْ۝ الآيَاية

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "جس شخص کو اس کے دائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا وہ کہے گا کہ میرا نامہ اعمال پڑھو۔" (الحاقۃ: ۱۹)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ○ وَأَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ○

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''پس دائیں ہاتھ والے دائیں ہاتھ والے ہیں اور بائیں ہاتھ والے بائیں ہاتھ والے ہیں۔'' (الواقعہ:۸)

تفسیر: پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے وہ بندے جو روز قیامت سرفراز اور کامیاب ہوں گے ان کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ خوشی اور مسرت سے کہیں گے لو دیکھ لو اور اسے پڑھ لو۔ اس میں تمام کے تمام اعمال صالحہ اور ان کا بے حساب اجر و ثواب موجود ہے اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ کے کامیاب اور کامران بندے عرش الٰہی کے دائیں جانب ہوں گے۔ یہ اہل جنت ہوں گے اور ان کے نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں ہوگا جبکہ اہل جہنم بائیں جانب ہوں گے اور ان کے نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے۔

(معارف القرآن)(ریاض الصالحین ص ۲۶۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اچھے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : كَانَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي شَأنِهِ كُلِّهِ : فِي طُهُورِهِ ، وَتَرَجُّلِهِ ، وَتَنَعُّلِهِ . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام کاموں (مثلاً) وضو، کنگھی کرنے اور جوتے پہننے میں دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِيْ شَانِهٖ كُلِّهٖ: بخاری میں یہ روایت ان الفاظ سے نقل کی گئی ہے ''كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَااسْتَطَاعَ فِيْ شَانِهٖ كُلِّهٖ'' حدیث بالا سے معلوم ہو رہا ہے کہ اچھے کاموں کے لیے اس کی مثال وضو، کنگھی کرنا اور جوتے پہننے کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے شروع کرتے تھے۔ یہی بات علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں ثابت کر رہے ہیں کہ اچھے کاموں میں دائیں اعضاء کو مقدم کرنا مستحب ہے اور ناپسندیدہ کاموں میں بائیں ہاتھ، پیروں کا استعمال کرنا مستحب ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء جیسے کاموں کو بائیں ہاتھ سے کرتے

وعنها ، قالت : كَانَتْ يَدُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - الْيُمْنَى لِطُهُورِهِ وَطَعَامِهِ ، وَكَانَتِ الْيُسْرَى لِخَلائِهِ وَمَا كَانَ مِنْ أذىً . حديث صحيح ، رواه أبُو داود وغيره بإسنادٍ صحيحٍ .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دایاں ہاتھ تو

وضو اور کھانے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بایاں ہاتھ استنجاء اور دوسرے گندے کاموں کیلئے استعمال ہوتا تھا ابوداؤد وغیرہ نے یہ حدیث صحیح سند کیساتھ روایت کی ہے"۔

حدیث کی تشریح: وَكَانَتِ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهِ: اس کا ترجمہ استنجاء کرنا' ڈھیلے کو پکڑنا' گندگی صاف کرنے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہاں سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ "اذی" ایسے کام جس میں گندگی اور کراہیت ہو' جیسے ناک صاف کرنا' تھوک وغیرہ۔ (نزہۃ المتقین) اس حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بتایا جارہا ہے کہ شرافت والے کام کو دائیں طرف سے اور جن کاموں میں شرافت نہ ہو تو اس کو بائیں طرف سے شروع کرنا چاہیے۔

میت کے غسل میں بھی داہنے ہاتھ کو مقدم رکھے

وعن أم عطية رضي الله عنها : أنَّ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ لهن فِي غَسْلِ ابْنَتِهِ زَيْنَبَ رضي الله عنها : ((ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا ، وَمَوَاضِعِ الوُضُوءِ مِنْهَا)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روای ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عورتوں کو اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے غسل وفات کے بارے میں فرمایا کہ اس کے داہنے اعضاء اور وضو کے اعضاء سے ابتدا کرو"۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: اس حدیث کی راویہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ ان عورتوں میں سے تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میت کو غسل دیا کرتی تھیں تو حضرت زینب جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جن کا انتقال ۸ھ کو اکتیس سال کی عمر میں ہوا تھا۔ ان کو غسل بھی حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی یہ نصیحت فرمائی کہ دائیں طرف سے غسل دینا شروع کرو کہ جس طرح آدمی زندگی میں دائیں طرف سے شروع کرتا ہے تو وفات کے بعد بھی میت کو غسل دینے میں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ (نزہۃ المتقین)

جوتا دائیں پاؤں میں پہلے پہنیں

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((إِذَا انْتَعَلَ أحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنَى ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ . لِتَكُنْ اليُمْنَى أوَّلَهُمَا تُنْعَلُ ، وَآخِرُهُمَا تُنْزَعُ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جوتا پہنا تو دائیں پیر سے ابتداء کرے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے کہ جوتا پہنتے وقت دائیں پیر سے پہل کرے اور جوتا اتارتے وقت دائیں پیر سے آخر میں اتارے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمام اعمال صالحہ میں ابتداء بالیمین افضل ہے کیونکہ حسی طور پر دائیں جانب کو قوت اور تفوق حاصل ہے اور شرعاً اس کی تقدیم افضل اور مستحب ہے۔ خطابی نے فرمایا کہ جوتا انسان کے لیے باعث شرف و فضیلت ہے کہ انسان جوتا پہن کر اپنے پاؤں کو گندگی' آلودگی اور تکلیف دہ چیز سے بچالیتا ہے اس لیے پہننے میں جوتا پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور اتارتے وقت بائیں پیر سے جوتا اُتارے تاکہ دائیں پیر میں جوتا زیادہ وقت رہے جبکہ بیت الخلاء میں جاتے وقت بایاں پاؤں اندر رکھے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں باہر نکالے تاکہ دائیں پاؤں کا بیت الخلاء کے اندر رہنے کا وقت کم ہو جائے اور اس طرح اس کی تکریم ہو جائے۔ (روضۃ المتقین: ۲/۷۰۲' دلیل الفالحین: ۳/۱۸۷) (ریاض الصالحین ص ۲۶۱)

کھانا پینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہیے

وعن حفصة رضي الله عنها: أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كَانَ يجعل يَمِينَهُ لِطَعَامِهِ وَشَرَابِهِ وَثِيَابِهِ، وَيَجْعَلُ يَسَارَهُ لِمَا سِوَى ذَلِكَ. رواه أبُو داود والترمذي وغيره.

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا داہنا ہاتھ کھانے پینے اور کپڑے پہننے کیلئے استعمال کرتے تھے اور بایاں ہاتھ ان کاموں کے علاوہ تھا۔ (اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے اختیار کیا ہے)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کی اشیاء دائیں ہاتھ سے لیتے اور دائیں ہاتھ سے تناول فرماتے ہیں اور اسی طرح لباس کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے اور اسے پہننے میں دایاں ہاتھ استعمال فرماتے تھے۔ یعنی قمیص میں دایاں ہاتھ پہلے داخل فرماتے اور شلوار میں دایاں پیر پہلے داخل کرتے۔ یعنی ہر اس کام میں داہنا ہاتھ استعمال فرماتے جس میں کوئی شرف و فضیلت ہو اور ہر اس کام میں بایاں ہاتھ استعمال کرتے جس میں اذی کا اور اہانت کا پہلو ہو۔ (روضۃ المتقین: ۲/۷۰۲' دلیل الفالحین: ۳/۱۸۸) (ریاض الصالحین ص ۲۶۱)

لباس کو پہنتے وقت دائیں طرف سے ابتداء کرے

وعن أبي هُريرة - رضي الله عنه -: أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، قَالَ: ((إِذَا لَبِسْتُمْ، وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ، فَابْدَأُوا بِأَيَامِنِكُمْ)) حديث صحيح، رواه أبُو داود والترمذي بإسناد صحيح.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کپڑا پہنو یا وضو کرو تو دائیں اعضاء سے شروع کرو۔ (یہ حدیث صحیح ہے اسے ابوداؤد اور ترمذی نے بسند صحیح روایت کیا ہے)

حدیث کی تشریح: حدیث کا مقصود یہ ہے کہ دائیں اعضاء کو بائیں اعضاء پر ایک درجہ میں فضیلت حاصل

ہے اس لیے دائیں اعضاء سے ابتداء افضل ہے۔ غرض ہر وہ کام جو کسی شرف اور فضیلت کا حامل ہو اسے دائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے اور اس میں تیامن کا لحاظ رکھنا چاہیے اور جو کام شرف و فضیلت کا حامل نہ ہو اسے بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ (روضۃ المتقین: ۲/۱۷۴، دلیل الفالحین: ۳/۱۸۹) (ریاض الصالحین ص ۲۶۱)

سر کے بال کٹواتے وقت دائیں طرف سے شروع کرے

وعن أنس - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أتى مِنىً ، فَأتَى الْجَمْرَةَ فرَمَاهَا ، ثُمَّ أتى مَنْزِلَهُ بِمِنىً ونحر ، ثُمَّ قَالَ لِلحَلاَّقِ : ((خُذْ)) وأشَارَ إِلَى جَانِبِهِ الأَيْمَنِ ، ثُمَّ الأَيْسَرِ ، ثُمَّ جَعَلَ يُعْطِيهِ النَّاسَ . متفقٌ عَلَيْهِ

وفي رواية : لما رمَى الجَمْرَةَ ، ونَحرَ نُسُكَهُ وَحَلَقَ ، نَاوَلَ الحَلاَّقَ شِقَّهُ الأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ ، ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الأَنْصَارِيَّ - رضي الله عنه - ، فَأعْطَاهُ إيَّاهُ ، ثُمَّ نَاوَلَهُ الشِّقَّ الأَيْسَرَ ، فَقَالَ : ((احْلِقْ)) ، فَحَلَقَهُ فَأعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ ، فَقَالَ : ((اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ)) .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم منیٰ تشریف لائے اور جمرہ پر اسے کنکر مارے پھر منیٰ میں اپنے جائے قیام پر تشریف لائے اور قربانی فرمائی۔ پھر حلاق سے کہا کہ لو اور اپنے سر کے دائیں جانب اشارہ فرمایا اور پھر بائیں جانب اور پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ بال لوگوں میں عطا فرما دیئے۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جمرہ کو کنکریاں ماریں اپنی قربانی کا جانور ذبح کر لیا اور حلق کروانے لگے تو سر کی دائیں جانب حلاق کی طرف کی اس نے دائیں جانب حلق کر دیا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ بال ان کو عطا فرما دیئے پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سر کا بایاں حصہ حلاق کے آگے کیا اور فرمایا حلق کر دو اس نے حلق کر دیا آپ نے وہ بھی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیدیئے اور فرمایا انہیں لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ تشریف لائے اور جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں اپنی جائے قیام پر تشریف لائے اور اس جانور کی قربانی کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے لیے ساتھ لائے تھے۔ (ہدی) ابن التین نے بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قریب جمرہ اولیٰ کے پاس قربانی فرمائی اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر سات اونٹ ذبح فرمائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے داہنے حصے کی طرف اشارہ فرمایا کہ اسے مونڈو اور پھر سر کا بایاں حصہ

منڈوایااور بال ابو طلحہ کو عطا فرمائے۔ جمہور علماء کے نزدیک سر کے دائیں حصے کا پہلے حلق کرانا مستحب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عسقلانی نے بالوں کے دیئے جانے کے بارے میں متعدد روایات کے ذکر کرنے کے بعد ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے دائیں حصے کے بال حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے کہ انہیں لوگوں کے درمیان تقسیم کردیں اور بائیں حصے کے بال بھی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے اور فرمایا کہ انہیں اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابو طلحہ کی اہلیہ) کو دیدیں۔

(فتح الباری:۱/ ۳۳۴' تحفۃ الاحوذی: ۳/ ۷۸۲' روضۃ المتقین: ۲/ ۱۷۲) (ریاض الصالحین ص ۲۶۱)

۱۰۰- باب التسمية في أوله والحمد في آخره

شروع میں بسم اللہ پڑھے اور آخر میں الحمد للہ پڑھے

اللہ کا نام لے کر کھاؤ

وعن عُمَرَ بنِ أبي سَلَمة رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ لي رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((سَمِّ اللهَ ، وَكُلْ بيَمِينكَ ، وكُلْ مِمَّا يَليكَ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: ''حضرت عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' (بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح: حدیث بالا میں کھانے کے تین بنیادی اور اہم آداب کو بیان کیا گیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:

(۱) بسم اللہ پڑھ کر کھانا: کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا کہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب آدمی کھانا شروع کرتا ہے تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔ جب وہ بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ (مشکوۃ) بعض علماء کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۲) (عمدۃ القاری)

(۲) سیدھے ہاتھ سے کھانا: كُلْ بِيَمِيْنِكَ: دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ ایک روایت میں آتا ہے شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں بائیں ہاتھ سے کھانے والے بھی شیطان کے تابع دار ہوتے ہیں کہ شیطان ان کو بائیں ہاتھ سے کھانے پینے پر اُبھارتا ہے۔ (مرقاۃ)

(۳) اپنے سامنے سے کھانا: كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ: کھانے میں اپنے سامنے سے کھائے جب کہ ایک قسم کا کھانا ہو اور اگر مختلف قسم کی چیزیں ہوں مثلاً میوے وغیرہ تو اب اختیار ہے کہ جو پسند ہو اس کو کھائے۔ (مرقاۃ)

بعد میں بسم اللہ پڑھنے سے سنت ادا ہو گی یا نہیں؟

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((إِذَا

أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللهِ تَعَالَى، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللهِ تَعَالَى فِي أَوَّلِهِ، فَلْيَقُلْ: بسم اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ)) رواه أَبُو داود والترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اللہ کا نام لے 'اگر کھانے کے شروع میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اس طرح کہے لے بسم اللہ اولہ و آخرہ کہ شروع اور آخر دونوں ہی حالتوں میں اللہ کا نام ہے۔ (ابوداؤد ترمذی) صاحب ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث کی تشریح: فَاِنْ نَسِیَ اَنْ یَذْکُرَاسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی:۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات کھانے کے متعلق ہے کہ شروع میں بھول جائے تو بعد میں بسم اللہ پڑھنے سے سنت ادا ہو جائے گی مگر وضو کے شروع میں بھی بسم اللہ سنت ہے شروع میں بھول جائے تو بعد میں پڑھنے سے سنت ادا نہیں ہو گی۔ (طحطاوی:۵۲)

محیط میں ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کرتے وقت بسم اللہ کے بجائے "لاالٰہ الاّ اللّٰہ یاالحمدللّٰہ یا اشھدان لاالٰہ الاّ اللّٰہ" کہے تو تب بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ اسی طرح کھانے کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے ان الفاظ کے پڑھنے سے بھی اللہ کے نام سے شروع کرنے والا سمجھا جائے گا اور اس سے سنت ادا ہو جائے گی۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۲)

بسم اللہ پڑھنے سے شیطان گھر میں داخل نہیں ہو سکتا

وعن جابر - رضي الله عنه - ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقولُ : ((إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ ، فَذَكَرَ اللهَ تَعَالَى عِنْدَ دُخُولِهِ ، وَعِنْدَ طَعَامِهِ ، قَالَ الشَّيْطَانُ لأَصْحَابِهِ : لاَ مَبِيتَ لَكُمْ وَلاَ عَشَاءَ ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ تَعَالَى عِنْدَ دُخُولِهِ ، قَالَ الشَّيْطَانُ : أَدْرَكْتُمُ المَبِيتَ ؛ وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللهَ تَعَالَى عِنْدَ طَعَامِهِ ، قَالَ : أَدْرَكْتُم المَبِيتَ وَالعَشَاءَ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے تمہارے لئے (اس گھر میں) نہ رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ ہی کھانا ملے گا اور جب داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے تمہیں یہاں رات گزارنے کا ٹھکانہ مل گیا اور جب کھانے کے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے تمہیں رات گزارنے کا ٹھکانہ بھی مل گیا ہے اور شام کا کھانا بھی۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا کی طرح ترغیب میں دوسری روایت بھی آتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے یہ پسند ہو کہ شیطان اس کے ساتھ کھانے میں 'سونے میں' رات گزارنے میں شریک نہ ہو اسے چاہیے کہ جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرے اور کھانے پر بسم اللہ پڑھے۔ (ترغیب وترہیب ۳/۱۲۳)

علماء فرماتے ہیں حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اور اس کے چیلے چانٹوں سے بچنے کا علاج اللہ کا نام لینا ہے اور وقت کی دعاؤں کا پڑھنا ہے۔ نیز حدیث بالا میں اللہ کے نام سے مراد مسنون دعا ہے جو ایسے موقعوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوئی ہے۔ بعض کتابوں میں گھر میں داخل ہونے کی یہ دعا بھی آتی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَالْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا، بِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا. (ابوداؤد)(ریاض الصالحین ص ۲۶۲)

جو کھانا بسم اللہ کے بغیر کھایا جائے اس میں شیطان شریک ہوتا ہے

وعن حُذَيْفَةَ - رضي الله عنه - ، قَالَ : كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - طَعَاماً ، لَمْ نَضَعْ أيدِينَا حَتَّى يَبْدَأَ رَسُولُ الله - صلى الله عليه وسلم - فَيَضَعَ يَدَهُ ، وَإِنَّا حَضَرْنَا مَعَهُ مَرَّةً طَعَاماً ، فَجَاءتْ جَارِيَةٌ كَأَنَّهَا تُدْفَعُ ، فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا في الطَّعَامِ ، فَأَخَذَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - بِيَدِهَا ، ثُمَّ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ كأَنَّمَا يُدْفَعُ ، فَأَخَذَ بِيَدِهِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - : ((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لا يُذْكَرَ اسمُ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِ ، وَإِنَّهُ جَاءَ بِهذِهِ الجارية لِيَسْتَحِلَّ بِهَا ، فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا ، فَجَاءَ بهذا الأعرَابيِّ لِيَسْتَحِلَّ بهِ ، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ ، والَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، إنَّ يَدَهُ في يَدِي مَعَ يَدَيْهِمَا)) ثُمَّ ذَكَرَ اسْمَ اللهِ تَعَالَى وَأَكَلَ. رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھانے کے لئے موجود ہو تو ہم اس وقت تک ہاتھ نہ بڑھاتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدا نہ فرماتے اور ہاتھ نہ بڑھاتے۔ ایک مرتبہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانے میں شریک تھے کہ ایک لڑکی آئی جیسے اسے دھکیلا جارہا ہو اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک اعرابی آیا جیسے اسے دھکیلا جارہا ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اس کھانے کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ شیطان اس لڑکی کو اسی لئے لایا تھا کہ اس کے ذریعہ سے کھانے کو اپنے لئے حلال کرلے اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر اس اعرابی کو لایا کہ اس کے ذریعہ کھانے کو اپنے لئے حلال کرے تو میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے پھر آپ نے اللہ کا نام لیا اور کھانا تناول فرمایا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام اور تکریم کی بناء پر کھانے میں اس وقت تک پہل نہ کرتے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہل نہ فرماتے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کردے تو اس کھانے پر شیطان کو قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس میں سے کھا سکتا ہے اور حاضرین میں سے کوئی ایک بھی بسم اللہ پڑھ لے تو اس کھانے پر شیطان کو قدرت حاصل نہیں ہوتی تورپشتی فرماتے ہیں کہ اللہ کے نام لے لینے سے کھانا شیطان کے لیے حلال ہو جاتا ہے اور وہ کھانے کی برکت کو ختم کر دیتا ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/۱۵۶، روضۃ المتقین: ۲/۲۷۴)(ریاض الصالحین ص ۲۶۲)

کھانے کے درمیان میں بسم اللہ پڑھنے سے شیطان کا کھایا ہوا الٹی کر دیتا ہے

وعن أُمَيَّةَ بن مَخْشِيٍّ الصحابيِّ - رضي الله عنه - ، قَالَ : كَانَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - جَالِساً، وَرَجُلٌ يَأكُلُ، فَلَمْ يُسَمِّ اللهَ حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهِ إلاَّ لُقْمَةٌ ، فَلَمَّا رَفَعَهَا إلَى فِيهِ ، قَالَ : بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ ، فَضَحِكَ النَّبيّ - صلى الله عليه وسلم - ، ثُمَّ قَالَ : ((مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأكُلُ مَعَهُ ، فَلَمَّا ذَكَرَ اسمَ اللهِ اسْتَقَاءَ مَا فِي بَطْنِهِ)) رواه أبُو داود والنسائي .

ترجمہ: حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ اور ایک شخص کھانا کھا رہا تھا اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی جب کھانا ختم ہو گیا اور اس نے آخری لقمہ اٹھایا تو اس نے کہا کہ **بسم الله اوله و آخره**۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے اور فرمایا کہ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو اس نے قے کر کے جو پیٹ میں گیا تھا نکال دیا اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

حدیث کی تشریح: ممکن ہے کہ جو صاحب کھانا کھا رہے تھے وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گئے ہوں اور جب کھانے کے آخر میں انہیں یاد آیا تو انہوں نے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق **بسم الله اوله و آخره** کہا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور خوشی سے تبسم فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ! آپ کی مخلوقات میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کا آپ نے رزق نہ مقرر کیا ہو میرا رزق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کھانا جس پر میرا نام نہ لیا گیا ہو۔ (روضۃ المتقین: ۲/۲۷۶، حلیۃ الاولیاء: ۸/۱۲۶)(ریاض الصالحین ص ۲۶۳)

بسم اللہ پڑھنے کے بغیر کھانا کھانے میں برکت نہیں ہوتی

وعن عائشة رضي الله عنها ، قالت : كَانَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - يَأكُلُ طَعَاماً

فِي سِتَّةٍ مِنْ أصْحَابِهِ ، فَجَاءَ أعْرَابِيٌّ ، فَأكَلَهُ بلُقْمَتَيْنِ . فَقَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((أما إنَّهُ لَوْ سَمَّى لَكَفَاكُمْ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک روز اپنے چھ اصحاب کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے دو لقموں میں سارا کھانا کھالیا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا سن لو اگر یہ شخص بسم اللہ پڑھ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا۔

(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنے سے برکت ہوتی ہے اور بصورت دیگر برکت اُٹھ جاتی ہے۔ بسم اللہ زور سے پڑھنا مستحب ہے اور اگر کوئی شخص بسم اللہ نہ پڑھے یا بھول جائے تو تنبیہ ہوتے ہی بسم الله اوله و آخره کہہ لے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ کھانا مکمل ہے جس میں چار باتیں جمع ہوں' کھانا حلال ہو' لوگ مل کر کھائیں۔ اولاً بسم اللہ پڑھی جائے اور آخر میں الحمد للہ کہا جائے۔ (تحفۃ الاحوذی: ٥/٢٠٨' روضۃ المتقین: ٢/٢٧٦' دلیل الفالحین: ٣/١٩٤) (ریاض الصالحین ص ٢٦٣)

دستر خوان کو اٹھاتے وقت کی دُعا

وعن أَبي أُمَامَةَ - رضي الله عنه -: أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - كَانَ إِذَا رَفَعَ مَائِدَتَهُ، قَالَ: ((الْحَمْدُ للهِ حَمداً كَثِيراً طَيِّباً مُبارَكاً فِيهِ، غَيْرَ مَكْفِيٍّ ، وَلاَ مُوَدَّعٍ ، وَلاَ مُسْتَغْنَىً عَنْهُ رَبَّنَا)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے "الحمد للہ الخ" کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں' ایسی تعریف جو بہت پاکیزہ ہو اور اس میں برکت دی گئی ہو' نہ اس سے کفایت کی گئی ہو اور نہ اس کھانے سے بے نیازی ہو سکتی ہے' اے ہمارے رب! (بخاری)

حدیث کی تشریح: غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلاَ مُوَدَّعٍ وَلاَ مُسْتَغْنًى عَنْهُ: "عنہ" کی ضمیر "طعام" (کھانے) کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسی کے مطابق اوپر ترجمہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہم نے ابھی کھانا تو کھایا ہے لیکن اتنا کافی نہیں ہے کہ اس کے بعد کھانے کی ہم کو مزید ضرورت نہ رہے بلکہ ہمیں تیرے رزق کی ہر وقت ضرورت ہے۔ اس میں ہر لمحہ تسلسل و دوام کے ساتھ نعمت کی درخواست ہے۔ (ریاض الصالحین ص ٢٦٣)

وَلاَ مُوَدَّعٍ: یہ "وداع" ہے یعنی یہ ہمارا آخری کھانا نہیں ہے اور نہ ہم اس سے کبھی بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ بعض نے "عنہ" کی ضمیر کا مرجع اللہ کو اور بعض محدثین نے "حمد" کو بھی بتایا ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ سے کھانے کی صفت بیان کی جارہی ہے کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی خواہش و طلب کو ترک نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس سے بے نیازی برتی جاسکتی ہے یا ان الفاظ سے حق تعالیٰ شانہ کے اوصاف جلیلہ کا اظہار ہے کہ کوئی ذات یا کوئی کلمہ نہیں جو اس کی ذات کبریائی کو کافی ہو بلکہ وہ ذات سارے جہاں اور ساری ضرورتوں کے لیے کافی ہے اس کی قربت کی طلب و خواہش کو ترک نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کے فضل و کرم سے مستغنی اور بے نیاز ہو سکتے ہیں۔(ریاض الصالحین ص ۲۶۳)

کھانے کے بعد اس دعا کو پڑھنے کی فضیلت

وعن معاذِ بن أنس - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - : ((مَنْ أكَلَ طَعَامَاً، فَقال : الحَمْدُ للهِ الَّذِي أطْعَمَنِي هَذَا، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلاَ قُوَّةٍ ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) رواه أبُو داود والترمذي ، وقال : ((حديث حسنٌ)) .

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کھانا کھایا پھر یہ دعا پڑھی "الحمدلله الذی اطعمنی الخ" کہ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھ کو بغیر میری قوت اور طاقت کے رزق دیا تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں (ابوداؤد ترمذی' صاحب ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کے بعد متعدد دعائیں پڑھنا منقول ہیں۔ان منقولہ دعاؤں میں سے کسی ایک کا پڑھ لینا ادائے سنت کے لیے کافی ہے۔حدیث بالا میں بھی ایک بڑی جامع دعا کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تاثیر خود حدیث بالا میں بتائی جارہی ہے کہ اس دعا کے پڑھنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر محدثین کے نزدیک یہاں گناہوں سے صغائر مراد ہیں کبائر گناہوں کی معافی کے لیے توبہ و استغفار شرط قرار دیتے ہیں کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ واستغفار کے معاف نہیں ہوتے۔(ریاض الصالحین ص ۲۶۳)

۱۰۱- باب لا يَعيبُ الطّعام واستحباب مَدحه

کھانے میں عیب نہ نکالنا اور اس کی تعریف کرنا مستحب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے

وعن أبي هُريرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : مَا عَابَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - طَعَامَاً قَطُّ ، إن اشْتَهَاهُ أكَلَهُ ، وَإنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ . متفقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ خواہش ہوتی تو کھالیتے نہ ہوتی تو چھوڑ دیتے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کا نقص یا عیب نہیں ذکر کیا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے کھانا کچا ہے یا نمک کم ہے یا نمک زیادہ ہے وغیرہ بلکہ جو کھانا آپ کے سامنے رکھا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رغبت ہوتی تو آپ کھالیتے اور اگر رغبت نہ ہوتی تو نہ کھاتے۔

(فتح الباری: ۲/۲۷۳، روضۃ المتقین: ۲/۲۷۸)(ریاض الصالحین ص ۲۶۳)

بہترین سالن سرکہ ہے

وعن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھلہ، الادم فقالو: ما عندنا الاخل، فدعابہ فجعل یا کل ویقول نعم الادم الخل، نعم الادم الخل، رواہ مسلم.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مرتبہ اہل خانہ سے سالن طلب فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس صرف سرکہ ہے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منگوالیا اور تناول فرمایا اور فرمایا کہ سرکہ اچھا سالن ہے، سرکہ اچھا سالن ہے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح۔ خطابی اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث مبارک سے اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سادگی اور تواضع کو محبوب رکھتے تھے اور اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سرکہ کی تعریف فرمائی کہ یہ گھروں میں آسانی سے میسر ہوتا ہے اور اس میں تکلف اور مشقت نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ آپ کے گھر چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا گیا تو وہ روٹی کے ٹکڑے اور سرکہ تھا۔ آپ نے فرمایا کھاؤ سرکہ اچھا سالن ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت سے میں سرکہ پسند کرنے لگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس وقت سے کدو پسند کرنے لگا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۴/۶، روضۃ المتقین: ۲/۲۷۹)

۱۰۲- باب مَا یقوله من حضر الطعام وهو صائم إذَا لَمْ یفطر

روزہ دار کے سامنے جب کھانا آئے اور وہ روزہ توڑنا نہ چاہے تو وہ کیا کہے؟

دعوت قبول کرنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے

وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإنْ كَانَ صَائِماً فَلْيُصَلِّ، وَإنْ كَانَ مُفْطِراً فَلْيَطْعَمْ)) رواه مسلم. قَالَ العلماءُ : معنى ((فَلْيُصَلِّ)) : فَلْيَدْعُ ، ومعنى ((فَلْيطْعَمْ)) : فَلْيَأْكُلْ .

ترجمہ :۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرلے۔ اگر وہ روزہ دار ہو تو (دعوت کرنے والے کے حق میں) دعا کردے اور اگر روزہ سے نہ ہو تو دعوت کھالے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح :اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجِبْ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے بلکہ دعوت قبول نہ کرنے پر وعید بھی ارشاد فرمائی کہ اس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (بخاری شریف ۷۷۸/۲)

واضح رہے کہ دعوت علی طریق السنۃ ہو جو محض خلوص و محبت کی بنیاد پر ہو اور جو خلاف سنت ہو تو اس دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہیے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۴)

۱۰۳- باب مَا يقوله من دُعي إلي طعام فتبعه غيره

جس شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور کوئی اور اس کیساتھ لگ جائے تو وہ میزبان کو کیا کہے اگر دعوت میں کوئی بغیر بلائے ساتھ ہو جائے

عن أبي مسعود البَدْريِّ - رضي الله عنه - ، قَالَ : دعا رَجُلٌ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - لِطَعَامٍ صَنَعَهُ لَهُ خَامِسَ خَمْسَةٍ ، فَتبعَهُمْ رَجُلٌ ، فَلَمَّا بَلَغَ البَابَ ، قَالَ النَّبيُّ - صلى الله عليه وسلم - : ((إنَّ هَذَا تَبعَنَا ، فَإنْ شِئْتَ أنْ تَأْذَنَ لَهُ ، وَإنْ شِئْتَ رَجَعَ)) قَالَ : بل آذَنُ لَهُ يَا رَسُولَ الله . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کی دعوت کی جو کھانا اس نے تیار کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچویں آدمی تھے۔ (یعنی اس دعوت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ چار آدمی اور بھی تھے) پس ان کے ساتھ ایک آدمی اور پیچھے ہو گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس (میزبان) سے کہا: یہ شخص بھی ہمارے ساتھ آ گیا ہے' اگر تم چاہو تو اجازت دے دو اور اگر چاہو تو یہ واپس چلا جائے گا۔ اس (میزبان) نے کہا یا رسول اللہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح :دَعَارَجلٌ:ایک دوسری روایت میں ''رجل'' کی وضاحت آتی ہے جس میں

ہے:''كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ شُعَيْبٍ وَكَانَ لَهٗ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَرَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَعَرَفَ فِيْ وَجْهِهِ الْجُوْعَ الخ۔(رواہ مسلم)

اِنَّ هٰذَا تَبِعَنَا:(۱) صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مہمان کے لیے بھی جائز نہیں کسی بن بلائے شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جائے۔ ہاں اگر میزبان نے صریح طور پر اجازت دی ہو تو اب جائز ہے۔

وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَأْذَنَ لَهٗ:(۲) دوسرا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بن بلائے شخص بھی دعوت میں ساتھ ہو جائے تو صاحب خانہ سے اس کی اجازت لے لینا چاہیے۔

اٰذَنُ لَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ:(۳) تیسرا یہ کہ میزبان کو بھی چاہیے کہ جب بن بلائے مہمان آجائے تو اس کو بھی اجازت دے۔ الا یہ کہ مہمانوں کو اس سے کوئی نقصان یا تکلیف کا خوف ہو۔ شرح السنۃ میں ہے کہ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کسی غیر مدعو کو دعوت کے کھانے میں شریک نہیں کرنا چاہیے۔(مرقاۃ و مظاہر حق ۳/ ۳۶۰)(ریاض الصالحین ص ۲۶۴)

١٠٤- باب الأكل مِمَّا يليه ووعظه وتأديبه من يسيء أكله

اپنے سامنے کھانا اور اس شخص کو وعظ و تادیب جو آداب طعام کی رعایت ملحوظ نہ رکھے

کھانے اپنے سامنے سے کھانا سنت ہے

عن عمر بن أبي سَلَمَة رضي الله عنهما ، قَالَ : كُنْتُ غُلاماً في حِجْرِ رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ في الصَّحْفَةِ ، فَقَالَ لي رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((يَا غُلامُ ، سَمِّ اللهَ تَعَالَى ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ)) متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی بچہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر تربیت تھا کہ کھاتے وقت میرا ہاتھ پلیٹ میں ادھر ادھر پڑتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا لڑکے بسم اللہ پڑھو' داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔(متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: اپنے بچوں کو اور زیر تربیت بچوں کو کھانے پینے کے آداب سکھانا اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی اتباع کرنی چاہیے۔ عمر بن ابی سلمہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب (زیر پرورش) تھے۔

اس حدیث کی شرح پہلے باب (حدیث ۳۸) میں گزر چکی ہے۔(روضۃ المتقین: ۲/ ۲۸۲)(ریاض الصالحین ص ۲۶۴)

بائیں ہاتھ سے کھانے والے کی بددعا

وعن سلمةَ بن الأَكْوَع - رضي الله عنه - : أنَّ رَجُلاً أَكَلَ عِنْدَ رَسُول الله - صلى الله عليه وسلم - بشِمَالِهِ ، فَقَالَ : ((كُلْ بيَمِينِكَ)) قَالَ : لا أَسْتَطِيعُ . قَالَ : ((لاَ اسْتَطَعْتَ)) ! مَا مَنَعَهُ إلاَّ الكِبْرُ ! فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کو فرمایا: دائیں ہاتھ سے کھاؤ' تو اس نے کہا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تجھ کو پھر طاقت ہی نہ ہو (اس کو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم ماننے سے) تکبر نے روکا تھا چنانچہ پھر وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ تک نہ اٹھا سکا۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: علماء فرماتے ہیں ہیں اس شخص کا ہاتھ درست تھا۔ اس نے بہانہ بناتے ہوئے کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا یعنی معذور ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نہیں کھا سکتے تو اب کبھی نہیں کھا سکو گے۔ اس پر اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت تھی جس کا نام سبیعۃ اسلمیۃ تھا اس کو بھی بائیں ہاتھ سے کھانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاعون میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوئی۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۴)

دائیں ہاتھ سے کھانا واجب نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیوں بددعا دی؟

علماء فرماتے ہیں دائیں ہاتھ سے کھانا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ ان روایتوں میں مخالفت سنت کی وجہ سے ان دونوں کو سزا ملی یا ان روایتوں کو زجراً تنبیہ اور مصالح شریعت پر محمول کریں گے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ کھانے کے دوران پانی پیتے ہوئے بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑتے ہیں اور دائیں ہاتھ کو ذرا سے لگا دیتے ہیں یہ بھی خلاف سنت ہے بلکہ دائیں ہاتھ سے پکڑ کر پینا چاہیے 'انگلیاں آلودہ ہوں تو پہلے اس کو چاٹ لے پھر گلاس کو پکڑ لے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۴)

۱۰۵- باب النّهي عن القِرَان بين تمرتين ونحوهما إذَا أكل جماعة إلاَّ بإذن رفقته

رفقائے طعام کی اجازت کے بغیر دو کھجوریں یا اسی طرح کی دو چیزیں ملا کر کھانے کی ممانعت

ایک ساتھ دو کھجوریں کھانے کی ممانعت

عن جَبَلَة بن سُحَيْم ، قَالَ : أصَابَنَا عَامُ سَنَةٍ مَعَ ابن الزُّبَيْرِ ؛ فَرُزِقْنَا تَمراً ، وَكَانَ عبدُ الله

بن عمر رضي الله عنهما يَمُرُّ بنا ونحن نَاكُلُ، فيقولُ : لاَ تُقَارِنُوا ، فإنَّ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - نَهَى عنِ القِرَانِ ، ثُمَّ يَقُولُ : إلاَّ أنْ يَسْتَأذِنَ الرَّجُلُ أخاهُ . متفقٌ عَلَيْهِ .

ترجمہ: جبلۃ بن سحیم سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قحط سالی کا شکار ہوئے۔ ہمیں چند کھجوریں ملیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرے اور ہم کھجوریں کھا رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ دو کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کھانے سے منع فرمایا ہے سوائے اس کے کہ آدمی اپنے بھائی سے اجازت لے لے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ اگر متعدد افراد مل کر کھجور یا کھجور سے ملتی جلتی چیز کھا رہے ہوں اور وہ چیز مقدار میں کم ہو تو یہ بات مستحسن نہیں ہے کہ کوئی آدمی دو دو کھجوریں ملا کر کھائے' الا یہ کہ وہ ساتھیوں سے اجازت لے لے کیونکہ اس طرح دو کھجوریں کھانا آداب مجلس کے برخلاف اور غیر مستحسن ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکورہ میں ایک ساتھ دو کھجوریں کھانے کی ممانعت مطلق نہیں ہے بلکہ یہ قحط اور افلاس کے زمانے سے متعلق ہے یعنی اگر وسعت و فراخی ہو تو ممانعت نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ میں نے تمہیں دو دو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع کیا تھا اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت عطا فرمادی ہے اس لیے اب تم جمع کر کے کھا سکتے ہو۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث مبارک کا تعلق اس صورت سے ہے جب کئی افراد کھا رہے ہوں اور کھانا مشترک ہو اور سب ایک ایک کھجور کھا رہے ہوں تو ایک شخص کا دو دو کھجوریں ملا کر کھانا خلاف ادب بھی ہوگا اور خلاف مروت بھی البتہ اگر ساتھی صراحتہً ایسا کرنے کی اجازت دے دیں پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتح الباری: ۲/ ۱۱۶۴' روضۃ المتقین: ۲/ ۲۸۲' روضۃ الصالحین: ۳/ ۲۶۵' شرح مسلم: ۱۳/ ۱۹۱) (ریاض الصالحین ص ۲۶۵)

١٠٦- باب مَا يقوله ويفعله من يأكل وَلاَ يشبع

جو شخص کھانا کھائے اور سیر نہ ہو تو وہ کیا کہے اور کیا کرے؟

ایک ساتھ کھانا کھانے سے آدمی سیر ہو جاتا ہے

عن وَحْشِيٍّ بن حرب - رضي الله عنه - : أنَّ أصحابَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قالوا :يَا رسولَ اللهِ ، إنَّا نَأكُلُ وَلاَ نَشْبَعُ ؟ قَالَ : ((فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ)) قالوا : نَعَمْ . قَالَ: ((فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ ، يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ)) رواه أبُو داود.

ترجمہ: حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں، مگر سیر نہیں ہوتے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شاید کہ تم الگ الگ کھاتے ہو انہوں نے عرض کیا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پس تم کھانا اجتماعی طریقے سے کھاؤ اور بسم اللہ پڑھو تمہارے لئے کھانے میں برکت ڈال دی جائے گی۔ (ابوداؤد)

حدیث کی تشریح: ایک دوسری روایت میں بھی آتا ہے کہ مل کر کھاؤ اور الگ الگ نہ کھاؤ کیونکہ جماعت کے ساتھ کھانے میں برکت ہے۔ (ابن ماجہ وترغیب وترہیب ۳/۱۳۳)

اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مل کر کھاؤ، الگ الگ نہ کھاؤ۔ (طبرانی وترغیب ۳/۱۳۴)

نیز ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین، پسندیدہ وہ کھانا ہے جس پر بہت سے لوگوں کے ہاتھ شامل ہوں۔ (ترغیب ۳/۱۳۴)

حدیث بالا سے معلوم ہوا اکٹھے بیٹھ کر کھانا اور کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا یہ دونوں برکت کا باعث ہیں کیونکہ جماعت پر اللہ جل شانہ کی مدد و نصرت ہوتی ہے، کم کھانا بھی کافی ہو جاتا ہے اور ایک ساتھ کھانا یہ باہمی الفت و محبت کا سبب بھی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۵)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جماعت کے ساتھ کھانا مستحب ہے، تنہا نہ کھائے جس قدر لوگ ہوں گے اتنی ہی برکت زائد ہوگی۔ بسا اوقات آدمی تنہا حرص کی وجہ سے کھاتا ہے اس کی اصلاح بھی ساتھ کھانے میں ہے۔

(عمدۃ القاری ۲۱/۴۰) (ریاض الصالحین ص ۲۶۵)

سوال: قرآن میں بھی تو ہے "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا" تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم الگ الگ کھانا کھاؤ یا اکٹھے ہو کر۔ اس آیت سے بھی تنہا کھانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے؟

جواب: آیت کا محمل ان لوگوں کے لیے ہے جو اکیلے ہی رہتے ہیں۔ ان کو رخصت دی جا رہی ہے کہ وہ مشقت میں نہ پڑیں بلکہ اکیلے ہی کھا سکتے ہیں اور احادیث ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایک ساتھ رہنے کے باوجود ایک ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۵)

۱۰۷- باب الأمر بالأكل من جانب القصعة والنهي عن الأكل من وسطها

برتن کے کنارے سے کھانے کا حکم اور اس کے درمیان سے کھانے کی ممانعت

برکت کھانے کے درمیان نازل ہوتی ہے

وعن ابن عباس رضي الله عنهما ، عن النبيِّ - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((البَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطعَامِ ؛ فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ ، وَلاَ تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهِ)) رواه أَبُو داود والترمذي، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ برکت کھانے کے درمیان میں اترتی ہے۔ تم برتن کے دونوں کناروں سے کھاؤ اور درمیان سے نہ کھاؤ۔ (اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر و برکت اور زیادتی اور اضافہ برتن کے درمیان میں نازل ہوتی ہے اور کھانے کی برکت یہ ہے کہ آدمی اس سے سیر ہوجاتا ہے وہ کھانا اس کے جسم کے لیے مفید ہوتا ہے اور کھانے والا کھانے کی مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے کے چاروں طرف سے کھاؤ اور اس کا درمیانی حصہ رہنے دو کہ اس میں برکت ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے الام میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے سامنے کے بجائے اِدھر اُدھر سے کھایا یا کھانے کے درمیان سے کھایا وہ گنہگار ہوگا۔ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ برتن کے درمیان سے کھانا مکروہ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ روٹی بھی کناروں سے کھانی چاہیے۔ (تحفۃ الاحوذی:۵/۵۳۲، روضۃ المتقین:۲/۲۸۵) (ریاض الصالحین ص ۲۶۵)

۱۰۸- باب كراهية الأكل متكئاً

ٹیک لگا کر کھانے کی کراہت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا

عن أَبي جُحَيْفَةَ وَهْبِ بن عبد الله رضي الله عنه قَالَ : قَالَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم : ((لاَ آكُلُ مُتَّكِئاً)) رواه البخاري .

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو انتہائی تواضع اور شان عبدیت کے ساتھ تناول فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہلو پر ٹیک نہ لگاتے اور نہ آپ گدے وغیرہ پر جم کر تشریف نہ رکھتے بلکہ کھانے کے لیے اس طرح بیٹھتے جیسے وہ شخص بیٹھتا ہے جسے جلد اُٹھنا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی سی خوراک کھا کر دست کش ہو جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا (گوشت) ہدیہ بھیجا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر تناول فرمایا۔ ایک اعرابی نے کہا کہ یہ کیسی نشست ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عبد کریم بنایا ہے اور مجھے جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ خدمت میں حاضر ہوا یہ فرشتہ اس سے پہلے نہیں آیا تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا ہے کہ آپ عبد نبی بن جائیں یا ملک نبی؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کی جانب دیکھا' حضرت جبریل علیہ السلام نے تواضع کی جانب اشارہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عبد نبی ہوں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تکیہ لگا کر نہیں کھایا۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تکیہ لگانے سے مراد ایک پہلو پر ٹیک لگانا ہے لیکن خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حدیث میں تکیہ لگانے سے ایک پہلو پر ٹیک لگا کر بیٹھنا نہیں ہے بلکہ جم کر بیٹھنا ہے اور مفہوم حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے لیے اس طرح جم کر نہ بیٹھتے تھے جسے بسیار خور جم کر بیٹھتے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بیٹھتے جس طرح وہ آدمی بیٹھتا ہے جسے جلدی ہو اور وہ فوراً اُٹھنا چاہتا ہو اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا کھانا تناول فرماتے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۵/۵۷۰' روضۃ المتقین: ۲/۲۸۷) (ریاض الصالحین ص ۲۶۶)

دو زانو بیٹھ کر کھانا

وعن أنس رضي الله عنه ، قَالَ : رَأَيْتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم جَالِساً مُقْعِياً يَأكُلُ تَمْراً . رواه مسلم .((المُقْعِي)) : هُوَ الَّذِي يُلْصِقُ أَلْيَتَيْهِ بالأرض ، وَيَنْصِبُ سَاقَيْهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں زانو کھڑے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور تناول فرما رہے تھے "المقعی" بمعنی وہ شخص جو اپنے سرین کو زمین کے ساتھ رکھے اور اپنی پنڈلیوں کو کھڑا رکھتا ہو۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: جَالِسًا مُقْعِيًا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانو کھڑے تھے۔

کھانا کھاتے وقت کس طرح بیٹھنا چاہیے

کھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی طرح بیٹھنا ثابت ہے۔ مثلاً:

☆......دونوں قدموں کے بل بیٹھے (یعنی اکڑوں)

☆......دائیں پیر کو اُٹھالیں اور بائیں پیر کو بٹھالیں۔

☆......بقول ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرین کے بل بیٹھتے تھے اور بائیں پیر کے تلوے کو دائیں پیر کے اوپر رکھتے یہ سب سے انفع حالت ہے۔ (شرح مناوی ۱۹۱)

☆......صاحب سفر السعادۃ لکھتے ہیں کہ کھانے کے وقت اس ہیئت پر بیٹھنا مستحب ہے کہ دونوں رانوں کو کھڑا کرلے اور دونوں قدموں کی پشت پر بیٹھے۔ بہر حال جو کیفیت حدیث بالا میں فرمائی گئی ہے یہ غیر اطمینان بخش ہے یہ عموماً اس وقت کی کیفیت ہوتی ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلدی میں ہوتے کہ چند کھجوروں کے ذریعے سے بھوک ہٹا کر کسی اہم کام میں مشغول ہونا پڑتا تھا۔ (سفر السعادۃ) (ریاض الصالحین ص ۲۶۶)

١٠٩- باب استحباب الأكل بثلاث أصابع واستحباب لعق الأصابع ، وكراهة مسحها قبل لعقها واستحباب لعق القصعة وأخذ اللقمة الَّتي تسقط منه وأكلها ومسحها بعد اللعق بالساعد والقدم وغيرها

تین انگلیوں سے کھانے کا استحباب، انگلیاں چاٹنے کا استحباب اور انہیں بغیر چاٹے صاف کرنے کی کراہت، پیالہ کو چاٹنے کا استحباب، گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھالینے کا استحباب اور انگلیوں کو چاٹنے کے بعد انہیں کلائی اور تلووں وغیرہ سے صاف کرنے کا استحباب

کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا سنت ہے

عن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((إِذَا أكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَاماً ، فَلاَ يَمْسَحْ أصَابعَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَها)) متفقٌ عَلَيهِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو اپنی انگلیاں صاف نہ کرے یہاں تک کہ انہیں چاٹ لے یا چٹوا لے۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رزق تھوڑا ہو زیادہ اللہ کی نعمت ہے اور اللہ کی نعمت کے شکر کا تقاضا ہے کہ کھانے کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو۔ نیز کھانے میں اللہ کی طرف سے برکت ہوتی ہے لیکن وہ کون سا حصہ ہے جس میں برکت ہے وہ کھانے والے کو معلوم نہیں ہے اس لیے کھانے والے کو چاہیے کہ وہ انگلیاں بھی چاٹ لے اور وہ برتن بھی چاٹ لے جس میں کھانا کھایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے یعنی انگشت شہادت اس کے برابر کی بڑی انگلی اور انگوٹھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگلیاں چاٹتے تو سب سے پہلے درمیانی انگلی کو چاٹتے پھر انگشت شہادت اور پھر انگوٹھا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی جب کھانا کھا چکے تو مستحب یہ ہے کہ پہلے اپنی انگلیاں چاٹ لے یا کسی کو چٹوا دے اور کسی ایسے شخص کو چٹوائے جو کراہت محسوس نہ کرے جیسے اپنی بیوی یا بچہ۔

(فتح الباری: ۲/۲۶۶، عمدۃ القاری: ۲۱/۱۱۲، روضۃ المتقین: ۲/۲۸۸) (ریاض الصالحین ص ۲۶۷)

تین انگلیوں سے کھانا

وعن كعب بن مالك - رضي الله عنه - ، قَالَ : رأيتُ رسولَ الله - صلى الله عليه وسلم - يَأكُلُ بثلاَثِ أصابعَ ، فإذا فَرَغَ لَعِقَهَا . رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور جب فارغ ہوتے تو انہیں چاٹ لیتے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے وقت تین انگلیوں سے کھاتے لیکن کبھی چوتھی اور پانچویں بھی ملا لیتے۔ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار یا پانچ انگلیوں کا کھانے میں استعمال ضرورت کے مطابق ہوتا تھا۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین انگلیوں سے کھانے کی مصلحت یہ ہے کہ لقمہ چھوٹا ہو اور ہاتھ پر زیادہ کھانا نہ لگے۔

(روضۃ المتقین: ۲/۲۸۹، دلیل الفالحین: ۳/؟؟؟، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/۱۸۲) (ریاض الصالحین ص ۲۶۷)

انگلیوں کو چاٹنے کے فائدے

وعن جابر - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أمر بلعق الأصابع والصحفة ، وقال : ((إنَّكُمْ لاَ تَدْرُونَ في أيِّ طَعَامِكُمُ البَرَكَةُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیاں اور

کھانے کا برتن چاٹنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ کون سے حصے میں برکت ہے؟(مسلم)

حدیث کی تشریح: کھانا کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹنا اور وہ برتن چاٹنا جس میں کھانا کھایا ہے مستحب ہے کہ انگلیاں چاٹنے سے طبیعت میں موجود تکبر دور ہو جاتا ہے اور اس سے اللہ کی نعمت کی قدر اور اس کی تعظیم کا اظہار ہوتا ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے سامنے جو کھانا آتا ہے اس میں برکت ہوتی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ کس حصہ میں برکت ہے۔اس حصہ میں جو آدمی کھا چکا ہے یا اس حصہ میں جو انگلیوں یا برتن میں لگا رہ گیا ہے یا اس لقمہ میں جو نیچے گرا ہے۔اس لیے مستحسن بات یہ ہے کہ انگلیاں اور برتن چاٹ لے اور گرا ہوا لقمہ اُٹھا کر کھالے۔(صحیح مسلم للنووی:۱۳/ ۱۸۳، روضۃ المتقین:۲/ ۲۹۰)(ریاض الصالحین ص ۲۶۷)

لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھالینا سنت ہے

وعنه : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((إذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أحَدِكُمْ ، فَلْيأخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بهَا مِنْ أذىً ، وَلْيَأكُلْهَا ، وَلاَ يَدَعْهَا لِلشَّيْطَان ، وَلاَ يَمْسَحْ يَدَهُ بالْمِنْدِيل حَتَّى يَلْعَقَ أصَابعَهُ ، فَإنَّهُ لاَ يَدْري في أيِّ طَعَامِهِ البَركَةُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو وہ اس کو اٹھا کر اگر اس پر کچھ لگ گیا ہو صاف کر لے اور کھالے اور اسے شیطان کیلئے نہ چھوڑے اور اپنا ہاتھ رومال سے اس وقت تک نہ پونچھے جب تک انگلیاں نہ چاٹ لے کیونکہ اسے معلوم نہیں ہے کہ اس کے کھانے کے کون سے حصہ میں برکت ہے۔(مسلم)

شرح حدیث: کھانا کھاتے وقت اگر لقمہ ہاتھ سے دستر خوان پر یا زمین پر گر جائے تو اسے صاف کر کے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور جب تک انگلیاں نہ چاٹ لے اپنا ہاتھ رومال سے نہ پونچھے۔البتہ انگلیاں چاٹ لینے کے بعد رومال سے ہاتھ صاف کرنا درست ہے۔(شرح صحیح مسلم للنووی:۱۳/ ۱۷۳)(ریاض الصالحین ص ۲۶۷)

کھانے کے بعد برتن کو انگلیوں سے چاٹ لے

وعن أنس - رضي الله عنه - ، قَالَ : كَانَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - إذَا أكَلَ طَعَاماً ، لَعِقَ أصَابعَهُ الثَّلاثَ ، وقال : ((إذَا سقطَتْ لُقْمَةُ أحَدِكُمْ فَلْيَأخُذْهَا ، ولْيُمِطْ عنها الأذى ، وَلْيَأكُلْهَا ، وَلاَ يَدَعْها لِلْشَّيْطَان)) وأمَرَنا أن نَسْلُتَ القَصْعَةَ ، وقال : ((إنَّكُم لا تَدْرُونَ في أيِّ طَعَامِكُمُ البَرَكَةُ)) رواه مسلم

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کھانا کھاتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے اور فرماتے کہ جب تم میں سے کسی کا

لقمہ گر جائے تو وہ اسے اُٹھالے اور صاف کر کے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے کہ پیالہ چاٹ کر صاف کرلیں اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کون سے حصہ میں برکت ہے۔(مسلم)

لغات حدیث: نسلت: ہم پونچھ لیں اور صاف کرلیں۔ سلت سلتًا: (باب نصر وضرب) پونچھنا' چاٹنا' برتن کو انگلی سے چاٹنا۔

حدیث کی تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور پھر انہیں چاٹ لیتے۔ نیز فرماتے کہ کسی کا لقمہ گر جائے تو اُسے اُٹھا کر اور صاف کر کے کھالے اور شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور برتن کو بھی چاٹ کر صاف کرلیا جائے کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کون سے حصہ میں برکت ہے۔ اس مضمون کی احادیث مع شرح پہلے بھی گزر چکی ہیں۔(شرح مسلم للنووی: ۱۳/ ۱۷۳' دلیل الفالحین: ۳/ ۲۱۴)(ریاض الصالحین ص ۲۶۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کا نام غراء تھا

(۳)- وعن عبد الله بن بُسْر - رضي الله عنه - ، قَالَ : كَانَ للنَّبيِّ - صلى الله عليه وسلم - قَصْعَةٌ يُقَالُ لَهَا : الْغَرَّاءُ يَحْمِلُهَا أَرْبَعَةُ رجال ؛ فَلَمَّا أضْحَوْا وَسَجَدُوا الضُّحَى أُتِيَ بِتِلْكَ الْقَصْعَةِ ؛ يعني وَقَدْ ثُرِدَ فِيهَا ، فَالتَفُّوا عَلَيْهَا ، فَلَمَّا كَثُرُوا جَثَا رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - . فَقَالَ أعرابيٌّ : مَا هذِهِ الجِلْسَةُ ؟ فَقَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((إنَّ اللهَ جَعَلَنِي عَبْداً كَرِيماً ، وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّاراً عَنِيداً)) ، ثُمَّ قَالَ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - : ((كُلُوا مِنْ حَوَالَيْهَا ، وَدَعُوا ذِرْوَتَها يُبَارَكْ فِيهَا)) رواه أَبُو داود بإسنادٍ جيد .((ذِرْوَتها)) : أعْلاَهَا بكسر الذال وضمها .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کا نام غراء تھا اس کو چار آدمی اٹھاتے تھے۔ جب چاشت کا وقت ہوتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاشت کی نماز پڑھ لیتے تو وہ پیالہ لایا جاتا اس میں ثرید ہوتی لوگ اس کے اردگرد جمع ہو جاتے اور جب لوگ زیادہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے۔ چنانچہ ایک دیہاتی نے یہ کہا یہ کس طرح کا بیٹھنا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ جل شانہ نے مجھ کو مہربان بندہ بنا کر بھیجا ہے' متکبر اور سرکش نہیں بنایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اس کے کناروں سے کھاؤ اور اس کا اوپر (درمیانی) والا حصہ چھوڑ دو اس میں برکت نازل ہوتی ہے(ابوداؤد اس حدیث کی سند عمدہ ہے)

تشریح: قَصْعَةٌ يُقَالُ لَهَا الْغَرَّاءُ: پیالہ تھا جس کا نام غراء تھا۔ "قَصْعَةٌ" اس برتن کو کہتے ہیں جس میں دس آدمی کھانا کھا سکیں اس برتن کو "غراء" کہتے تھے۔ غراء کے معنی ہوتے ہیں چمکدار' بڑے برتن کیونکہ وہ بھی بڑا ہونے کی وجہ سے کھلا اور کشادہ تھا۔ "وَقَدْ ثُرِدَ" اس میں ثرید تیار کیا گیا تھا۔ ثرید اس کھانے کو کہتے ہیں جو روٹی کو شوربے میں ملا کر تیار کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا كَثُرُوْا جَثَا: جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع اور عاجزی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کوئی خاص ہیئت نہیں رکھتے تھے' عام لوگوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھتے بیٹھتے تھے۔

كلوا من حواليها: اس کے کنارے سے کھاؤ۔ حَوَالَيْهَا: "ھا" ضمیر مفرد کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہر ایک کو خطاب ہے کہ یہ شخص اپنے کنارے سے کھائے' درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے اس سبب سے اس کو چھوڑ دو تاکہ آخر تک برکت نازل ہوتی رہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۶)

گرا ہوا لقمہ شیطان کے لیے نہ چھوڑے

(۲)- وعنه : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، قَالَ : ((إنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ أحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأنِهِ ، حَتَّى يَحْضُرَهُ عِنْدَ طَعَامِهِ ، فإذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أحَدِكُمْ فَلْيَأخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أذىً ، ثُمَّ لِيَأكُلْهَا وَلاَ يَدَعْهَا للشَّيْطَانِ ، فإذا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ أصابِعَهُ ، فإنَّهُ لا يَدْري في أيِّ طعامِهِ البَرَكَةُ)) رواه مسلم .

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ شیطان تمہارے ایک کے ساتھ اس کے ہر کام کے وقت موجود رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے کھانے کے وقت بھی اس کے پاس موجود رہتا ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے اُٹھا لے اور اس میں جو گندگی (مٹی وغیرہ) لگ گئی ہو اس کو صاف کر لے پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ پھر جب کھا کر فارغ ہو جائے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کون سے کھانے میں برکت ہے۔" (رواہ مسلم)

حدیث کی تشریح إِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ أَحَدَكُمْ: شیطان آدمی کے ساتھ ساتھ ہر وقت رہتا ہے اور ہر وقت ہی وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ انسان کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرے۔ اگر کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لی جائے تو اس سے آدمی شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچ جاتا ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۸)

فَإِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرا ہوا لقمہ صاف کر کے نہ کھانا شیطان کو خوش کرتا ہے اور جب وہ گرے ہوئے لقمہ کو صاف کر کے کھالیتا ہے تو اس سے شیطان ناراض ہو جاتا ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۸)

آگ میں پکی ہوئی چیز سے کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے

(۱)- وعن سعيد بن الحارث: أنه سأل جابراً - رضي الله عنه - عن الوُضُوء مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ، فَقَالَ: لا، قَدْ كُنَّا زَمَنَ النبيِّ - صلى الله عليه وسلم - لا نجدُ مِثْلَ ذَلِكَ الطَّعام إلاَّ قليلاً، فإذا نَحْنُ وجَدْنَاهُ، لَمْ يَكُنْ لنا مَنَادِيلُ إلاَّ أكُفَّنا، وسَواعِدَنَا، وأَقْدامَنَا، ثُمَّ نُصَلِّي ولاَ نَتَوَضَّأُ. رواه البخاري.

ترجمہ: حضرت سعید بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو (ٹوٹنے) کا مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس قسم کے کھانے (آگ میں پکے ہوئے) بہت کم میسر آتے تھے۔ پس جب ہم اس قسم کا کھانا کھاتے 'رومال تو ہمارے پاس ہوتے نہیں تھے' پس یہ ہتھیلیاں 'کلائیاں اور تلوے ہی تھے (یعنی یہ اس سے ہاتھ پونچھ لیتے) پھر بلا وضو نماز پڑھ لیتے اور نیا وضو نہیں کرتے تھے۔ (بخاری)

حدیث کی تشریح: عَنِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ: بعض روایتوں میں "مَامَسَّتِ النَّارُ" کے کھانے سے وضوء کے ٹوٹنے کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ ناقض وضوء نہیں ہے۔ یہ اختلاف شروع میں تھا مگر بعد میں سب کا اتفاق ہو گیا کہ اب یہ ناقض وضوء نہیں ہے۔ اسی پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے یہی بات حدیث بالا سے بھی معلوم ہو رہی ہے۔ جن روایات میں اس کو ناقض وضوء بتایا گیا ہے اس کی متعدد تاویلات کی جاتی ہیں۔ مثلاً

☆...... وہ روایات منسوخ ہیں۔ ☆...... وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے یعنی ہاتھ اور منہ دھونا

☆...... اگر وضوء شرعی بھی مراد لیا جائے تو مراد استحباب کے لیے ہوگا کہ اگر آگ میں پکی ہوئی کوئی چیز کھائی ہے تو اب بہتر ہے کہ دوبارہ وضوء کر لیں تاکہ تزکیہ نفس اور تشبہ بالملائکہ ہو جائے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۸)

کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ ملنا چاہیے یا دھونا؟

لَمْ يَكُنْ لَنا مَنَادِيْلُ اِلاَّ اَكُفَّنَا وَسَوَاعِدَنَا وَاَقْدَامَنَا: علامہ عینی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کھانے کے بعد صحابہؓ عموماً ہاتھ بہت کم دھوتے تھے 'کھانے کے بعد ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر یا بازو یا پیر یا پنڈلی میں مل لیا کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ ہاتھ پونچھنے کے لیے رومال کا استعمال درست ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ چاٹنے کے بعد ہاتھ صاف کر لے۔ (شرح مسلم) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ کو پاؤں پر مل لیا کرتے تھے۔ (فتح الباری)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کا ملنا اور پونچھنا دونوں ہی مستحب ہے۔ (فتح الباری)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ہاتھ میں چپکا بہت ہو تو دھو لیا جائے اور اگر چپکا بہت نہ ہو تو پھر مل لیا جائے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۸)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ دھونے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ صابن وغیرہ کو اولاً بائیں ہاتھ میں لے اور پہلے داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں دھوئے اور ان پر صابن لگا کر ہونٹ دھوئے۔ اس پر انگلیاں ملے 'پھر منہ دھوئے' دانتوں کو اوپر نیچے سے اور تالو کو انگلی سے ملے 'پھر آخر میں ان انگلیوں کو صابن سے دھو ڈالے۔ (احیاء العلوم)

۱۱۰- باب تكثير الأيدي عَلَى الطعام

کھانے پر ہاتھوں کی کثرت کا بیان... کھانے میں برکت

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - ، قَالَ : قَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((طَعَامُ الاثنينِ كافِي الثلاثةِ ، وطَعَامُ الثَّلاَثَةِ كافِي الأربعة)) متفق عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو آدمیوں کا کھانا تین کو اور تین کا کھانا چار آدمیوں کیلئے کافی ہے۔

حدیث کی تشریح: طَعَامُ الْاِثْنَیْنِ کَافِی الثَّلاَثَةِ۔ اس حدیث کا مطلب محدثین یہ بیان فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کا کھانا جس سے وہ سیر ہو جاتے ہیں اس کو تین آدمیوں کو کھلایا جائے تو ان کو بطور قناعت کافی ہو جاتا ہے کہ تینوں کی بھوک اس سے ختم ہو سکتی ہے اور ان کو عبادت وطاعت کی قوت حاصل ہو جائے گی۔ بعض حضرات علماء فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں ترغیب ہے کہ آدمی کے پاس کھانا ہو تو صرف اپنے پیٹ کے بھرنے میں نہ لگ جائے بلکہ قناعت کے بقدر کھائے اور باقی دوسرے بھوکے اور محتاج آدمی کو بھی کھلائے۔ اس سے باہم الفت ومحبت میں اضافہ ہوگا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۸)

وعن جابرٍ - رضي الله عنه - ، قَالَ : سَمِعْتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، يقول : ((طَعَامُ الوَاحِدِ يَكْفِي الاثْنَيْن ، وَطَعَامُ الاثْنَيْنِ يَكْفِي الأَرْبَعَةَ ، وَطَعَامُ الأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ آدمیوں کیلئے کافی ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں دراصل ایثار' ہمدردی اور قناعت کی تعلیم ہے کہ انسان خود اکیلا بیٹھ کر نہ کھائے بلکہ دوسرے آدمیوں کو بھی شریک کرے۔ بالخصوص اہل حاجت اور مساکین کو کھانے میں شریک کرنا بہت اجر وثواب کا کام ہے اور اس میں کھانے کے کم پڑ جانے کا اندیشہ نہ کرے بلکہ دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہو جائیگا کہ اس طرح کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مل کر کھاؤ' علیحدہ علیحدہ نہ کھاؤ کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو کافی ہو تا ہے۔ یعنی اجتماع کی اور اکٹھے کھانے کی برکت سے کھانا کافی ہو جاتا ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۲۰/۱۴' تحفۃ الاحوذی: ۵۵۶/۵)

۱۱۱- باب أدب الشربِ واستحباب التنفس ثلاثاً خارج الإناء وكراهة التَّنفس في الإناء واستحباب إدارة الإناء عَلَى الأيمن فالأيمن بعد المبتدئ

پانی پینے کے آداب' برتن سے باہر تین مرتبہ سانس لینے کا استحباب پہلے آدمی کے لینے کے بعد برتن کو دائیں طرف سے حاضرین کو دینا پانی تین سانس میں پینا چاہیے

عن أنس - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كَانَ يَتَنفَّسُ في

الشَّرابِ ثَلاثاً . متفق عَلَيْهِ . يعني : يتنفس خارجَ الإناء .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی شئے پیتے ہوئے تین مرتبہ سانس لیتے تھے (متفق علیہ) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برتن کے باہر سانس لیتے تھے۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی یا دودھ وغیرہ پیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ سانس لے کر پیتے اور سانس برتن سے باہر لیتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ پینے کے دوران تین مرتبہ سانس لیتے اور آپ فرماتے کہ اس طرح تین مرتبہ سانس لینے سے پانی زیادہ سیراب کرنے والا بیماری سے شفا دینے والا اور زیادہ آسانی سے پیٹ میں اُتر جانے والا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سانس میں پانی پی لینے سے منع فرمایا اور یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہے۔ اسی طرح پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا۔ یہ ممانعت ایسی ہے جیسے کھانے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (فتح الباری: ۳/۴۰، شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/۱۶۸) (ریاض الصالحین ص ۲۶۸)

ایک سانس میں پینے کی ممانعت

وعن ابن عباس رضي الله عنهما ، قَالَ : قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((لاَ تَشْرَبُوا وَاحِداً كَشُرْبِ البَعِيرِ ، وَلَكِنِ اشْرَبُوا مَثْنَى وَثُلاَثَ ، وَسَمُّوا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ ، وَاحْمَدُوا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن)) .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ہی سانس میں اونٹ کی طرح نہ پیو بلکہ دو مرتبہ یا تین مرتبہ سانس لے کر پیو۔ اور جب پیو تو بسم اللہ پڑھو اور جب فارغ ہو تو الحمد للہ کہو۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث کی تشریح: حدیث مبارک میں ارشاد ہوا ہے کہ اونٹ کی طرح ایک ہی مرتبہ میں پانی مت پیو۔ دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر کے پیو اور جب پی کر فارغ ہو جاؤ تو الحمد للہ کہو۔ یعنی جب بھی منہ سے برتن ہٹاؤ تو الحمد للہ کہو یا آخر میں الحمد للہ کہو۔ بہتر ہے کہ ہر مرتبہ الحمد للہ کہے۔ جیسا کہ طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے۔ جب برتن کو منہ کے قریب لے جاتے تو بسم اللہ پڑھتے اور جب برتن منہ سے ہٹاتے تو الحمد للہ کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا تین مرتبہ فرماتے۔ (ریاض الصالحین ۲۶۸)

پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینا منع ہے

وعن أَبي قَتَادَة - رضي الله عنه - : أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - نَهَى أنْ يُتَنَفَّسَ فِي الإناء . متفق عَلَيْهِ . يعني : يتنفس في نفس الإناء .

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ برتن میں سانس لیا جائے"۔ (متفق علیہ)

یعنی برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا

حدیث کی تشریح: ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کی چیزوں میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ (مجمع الزوائد)

پیتے وقت برتن میں سانس لینے کو منع فرمایا گیا ہے تاکہ پانی میں تھوک وغیرہ نہ گر جائے اور دوسرے شخص کو اس میں کراہیت محسوس ہو گی۔ بسا اوقات منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے تو اب سانس لینے سے پانی میں بھی بدبو پہنچ جائے گی۔ نیز یہ کہ پانی میں سانس لینا یہ جانوروں کا طریقہ بھی ہے۔

بعض اطباء نے لکھا ہے کہ برتن میں سانس لینے سے کبھی کبھار سانس کی نالی میں پانی چلا جاتا ہے تو سانس کی گھٹن کا یہ باعث بن جاتا ہے۔ نیز اس کے اندر جراثیم بھی داخل ہو جاتے ہیں' یہ بھی پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔

نیز پانی میں سانس لینے سے یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ پانی ناک کی نالیوں میں چلا جائے۔ پھر دماغ اور ناک کے پردوں میں ورم کا باعث بن جاتا ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۹)

تقسیم کرتے وقت دائیں جانب والے کو مقدم رکھنا چاہیے

وعن أنس - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بماء ، وَعَنْ يَمِينِهِ أعْرَابيٌّ ، وَعَنْ يَسَارِهِ أبُو بَكْر - رضي الله عنه - ، فَشَرِبَ ، ثُمَّ أعْطَى الأَعْرابيَّ ، وقال : ((الأيْمَنَ فالأيْمَنَ)) متفق عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانی میں ملا کر دودھ لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں جانب ایک دیہاتی تھا اور بائیں جانب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نوش فرمایا پھر دیہاتی کو دے دیا اور ارشاد فرمایا کہ دائیں جانب والا ہی (مقدم) ہے پھر دائیں والا۔

حدیث کی تشریح: أُتِیَ بِلَبَنٍ قَدْشِیْبَ بِمَاءٍ: علماء فرماتے ہیں پانی ملا کر دودھ پینا گرم علاقے میں بہت مفید ہے اس سے مزاج معتدل ہو جاتا ہے۔ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ دودھ میں ٹھنڈا پانی ملا کر پینا سنت ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پینے کے لیے دودھ میں پانی ملانا تو سنت ہے مگر فروخت کے لیے دودھ میں پانی ملانا درست نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ۲۱/۱۹۰)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بخاری شریف میں "باب شرب اللبن بالماء" کا باب قائم کیا ہے کہ پینے کے لیے دودھ میں پانی ملانا سنت ہے۔

"اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ": دائیں والا پھر دائیں والا۔ جو چیز تقسیم کرنی ہو تو دائیں طرف سے تقسیم شروع کی جائے گی۔ علماء فرماتے ہیں کہ "اَیْمَنُ" کے نون پر پیش پڑھنے سے ترجمہ یہ ہوگا کہ دایاں مقدم ہے اور پھر دایاں۔ یعنی سب سے پہلے داہنی طرف والے کو پھر اس کے برابر والے کو یہاں تک کہ سب کے آخر میں اس

شخص کا نمبر آئے گا جو بائیں طرف بیٹھتا ہوگا اور بعض علماء ''اَیْمَنَ'' نون پر زبر پڑھتے ہیں تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ میں پہلے دائیں طرف والے کو دوں گا پھر دائیں طرف والے کو۔''

حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کے تقسیم کرنے میں داہنی طرف والے کو مقدم رکھنا مستحب ہے۔ اگرچہ داہنی طرف والا شخص درجہ کے لحاظ سے بائیں والے سے کم تر ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی کو مقدم کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔

بعض علماء فرماتے ہیں یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل وانصاف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف حق شناسی پر بھی شہادت دیتی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۹)

ضرورت کے موقع پر بائیں جانب والے سے اجازت لے لے

وعن سهلِ بن سعدٍ - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أُتِيَ بشرابٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلامٌ، وَعَنْ يَسارِهِ أشْيَاخٌ، فَقَالَ للغُلام: ((أتَأْذَنُ لِي أنْ أُعْطِيَ هؤُلاءِ؟)) فَقَالَ الغُلَامُ: لا واللهِ، لا أُوثِرُ بنصيبي مِنْكَ أَحَداً. فَتَلَّهُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في يَدِهِ. متفقٌ عَلَيْهِ. قَوْله: ((تَلَّهُ)) أي وَضَعَهُ. وهذا الغلامُ هُوَ ابْنُ عباس رضي الله عنهما.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پینے کی کوئی چیز پیش کی گئی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس میں سے کچھ پیا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دائیں جانب ایک نوجوان تھا اور بائیں جانب بزرگ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اس نوجوان سے کہا کہ کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں یہ ان لوگوں کو دیدوں۔ نوجوان نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پانے والے حصہ پر اپنے آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ (متفق علیہ) تلہ کے معنی ہیں رکھ دیا۔ یہ نوجوان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشروب پیش کیا گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو ابھی کم سن تھے لیکن بیت نبوت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے اس لیے نوعمری میں بھی فضل وکمال کے آثار ہویدا تھے۔ بائیں جانب کچھ بزرگ تھے۔ روایات میں ہے کہ وہ حضرت خالد بن ولید تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پی کر بچا ہوا دینا چاہا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب تھے اور سنت بھی یہی ہے کہ دائیں جانب والے کو دیا جائے۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب اعرابی کے ہونے کا ذکر ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں پوچھا لیکن اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت محبت فرماتے اور جو مجلس میں موجود بزرگ تھے وہ بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ دار تھے اور حضرت عبداللہ احکام شریعت

سے واقف تھے اس لیے آپ نے ان سے پوچھا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی طرف سے مجھے جو حصہ ملے گا میں اس میں اپنے آپ پر کسی کو ترجیح دینے والا نہیں ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ باری تمہاری ہے لیکن اگر تم چاہو تو خالد کو دیدوں اور ایک اور روایت میں ہے کہ تمہارے چچا کو دیدوں۔ حضرت خالد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عمر میں بڑے تھے اس لیے انہیں چچا فرمایا ہو سکتا ہے کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر میں حضرت عباس کے قریب ہوں لیکن اس کے علاوہ حیثیتوں سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبہ میں بڑھے ہوئے تھے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد میں اسلام لائے۔ (دلیل الفالحین: ۲۲۰/۳) یہ حدیث اور اس کی شرح پہلے (حدیث ۵۶۸) میں گزر چکی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۹)

۱۱۲- باب كراهة الشرب من فم القربة ونحوها وبيان أنه كراهة تنزيه لا تحريم

مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پینے کی کراہت یہ کراہت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے

عن أبي سعيدٍ الْخُدْرِيِّ - رضي الله عنه -، قَالَ: نَهَى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن اخْتِنَاثِ الأَسْقِيَةِ. يعني: أن تُكْسَرَ أفْوَاهُها، وَيُشْرَبَ مِنْهَا. متفق عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی الہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزہ کا منہ موڑ کر اس سے پانی پینے سے منع فرمایا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ مشکیزے میں سے زیادہ پانی آجائے اور حلق میں اٹک جائے یا پانی میں کوئی ایسی شے ہو جس سے تکلیف کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ مسند ابی بکر بن شیبہ میں ہے کہ کسی شخص نے مشک سے منہ لگا کر پانی پیا' مشک میں سانپ کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو اس کے پیٹ میں چلے گئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا۔

حدیث مبارک کے الفاظ اس قدر ہیں "نهى عن اختناث الاسقية" اس کے بعد اختناث کے معنی ہیں جو زہری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیے ہیں کہ مشکیزہ کا منہ موڑ کر اسے نیچے جھکا لیا جائے۔ زہری کے بیان کردہ یہ معنی مدرج ہیں۔ اگر کسی محدث کی طرف سے حدیث میں کچھ الفاظ بطور توضیح آگئے ہوں تو ایسی حدیث کو مدرج کہتے ہیں اور اس داخل کرنے کے عمل کو ادراج کہا جاتا ہے۔ اگر راوی کے بیانیہ الفاظ شروع میں ہوں تو ایسی حدیث کو مدرج الاول' اگر درمیان میں ہوں تو مدرج الوسط اور آخر میں ہوں تو مدرج الآخر کہا جاتا ہے۔ یہ حدیث مدرج الاخیر ہے کہ اس میں زہری کے توضیحی الفاظ آخر میں آئے ہیں۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۹)

وعن أَبي هريرة - رضي الله عنه -، قَالَ: نَهَى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أن

يُشْرَبَ مِنْ فِيِّ السِّقَاء أَوْ القِرْبَةِ . متفق عَلَيْهِ .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ مشک سے یا مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پیا جائے" (بخاری و مسلم)

حدیث کی تشریح: اس حدیث میں بھی مشک سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع کیا جا رہا ہے اور یہ نہی کراہیت تنزیہی پر محمول ہو گی' تحریمی پر نہیں۔ جیسا کہ آگے روایت میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشکیزے سے پینا ثابت ہے۔ اس حدیث کی پوری وضاحت آگے والی حدیث میں آ رہی ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۶۹)

ضرورت کے موقع پر منہ لگا کر پینے کی اجازت

وعن أم ثابتٍ كَبْشَةَ بنتِ ثابتٍ أُختِ حَسَّانَ بن ثابتٍ رضي الله عنهما ، قالت : دخل عَلَيَّ رسولُ الله - صلى الله عليه وسلم - فَشَرِبَ مِنْ فِيِّ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِماً ، فَقُمْتُ إلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ . رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .وإنّما قَطَعَتْهَا : لِتَحْفَظَ مَوْضِعَ فَمِ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ، وَتَتَبَرَّكَ بِهِ ، وتَصُونَهُ عَنِ الابْتِذَال . وهذا الحديث محمولٌ عَلَى بيان الجواز ، والحديثان السابقان لبيان الأفضل والأكمل ، والله أعلم .

ترجمہ: حضرت ام ثابت کبشہ بنت ثابت جو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے کھڑے کھڑے ایک لٹکی ہوئی مشک کے منہ سے پانی پیا میں نے بعد میں مشکیزہ کا منہ کاٹ کر (بطور تبرک) اپنے پاس رکھ لیا۔ (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے) حضرت ام ثابت نے مشکیزے کا منہ اس لئے کاٹ لیا تھا کہ وہ اس چیز کو محفوظ رکھنا چاہتی تھیں جس پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا منہ لگا تھا تا کہ اس سے برکت حاصل کریں اور اسے عام استعمال سے بچائیں اور یہ حدیث اس کے جواز پر محمول ہے جبکہ پہلے دو حدیثیں افضل و اکمل طریقے کو بیان کر رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے اور جو احادیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکیزے سے پانی پینے کے بارے میں ہیں ان سب میں یہی ہے کہ مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورتاً مشکیزے سے پانی پیا ہو یا وہ بہت ہی چھوٹا مشکیزہ ہو۔ (اداوۃ) اور ممانعت کی حدیثیں اس صورت سے متعلق ہیں جب مشکیزہ بڑا ہو کہ اس میں زیادہ احتمال ہے کہ کوئی مضرت رساں چیز پانی میں آ گئی ہو۔ (ریاض الصالحین ص ۲۷۰)

۱۱۳- باب كراهة النفخ في الشراب

پیتے وقت پانی میں پھونک مارنے کی ممانعت

عن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - : أنَّ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - نَهَى عَنِ النَّفْخ في الشَّرَاب ، فَقَالَ رَجُلٌ : القَذَاةُ((٥)) أراها في الإناءِ ؟ فَقَالَ :

((أهرقها)) . قَالَ : إنِّي لا أرْوَى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ ؟ قَالَ : ((فَأَبِنِ القَدَحَ إِذاً عَنْ فِيكَ)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پینے والی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا تو ایک آدمی نے عرض کیا بعض مرتبہ برتن میں تنکے وغیرہ کو دیکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو گرا دو اس نے پھر عرض کیا ایک سانس میں میں سیراب نہیں ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پس برتن کو منہ سے دور کر کے سانس لو (ترمذی حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: نَهَى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔ برتن میں اگر تنکا یا اسی قسم کی کوئی چیز گر جائے تو اب پھونک سے اس کو الگ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ تھوڑا پانی گرا دیا جائے، اگر کوئی نقصان دہ چیز گر گئی ہے تو اب سارا پانی گرا دیا جائے۔ اگر مشروب قیمتی ہے تو اب اس تنکے وغیرہ کو چمچے وغیرہ سے نکال دیا جائے۔ باقی مشروب کو پی لیا جائے۔

لاَ اَرْوِى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ: میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا۔ اگر آدمی تین سانس میں پانی پیتا ہے تو اس سے سیرابی بھی ہو جاتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ پانی کو غٹ غٹ کر کے نہ پیو (جمع الوسائل) بلکہ پانی کو تین سانس میں چوس چوس کر پینا چاہیے۔ اس سے سیرابی بھی ہوگی خوشگوار مزیدار اور بہتر بھی محسوس ہوگا۔ (مجمع الزوائد)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما : أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - نهى أن يُتَنَفَّسَ في الإناءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيهِ . رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: نَهَى اَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ: برتن میں سانس لینے سے تھوک وغیرہ گر جاتا ہے جو کراہیت کا باعث ہوتا ہے یا برتن میں سانس لینے سے جراثیم بھی پانی میں چلے جاتے ہیں، اگر وہ پینے والے کے پیٹ میں داخل ہو جائیں گے تو یہ نقصان کا باعث ہوں گے۔

اَوْ يُنْفَخَ فِيهِ: پھونک مارنے سے بھی منع فرمایا۔ علماء فرماتے ہیں کہ چیز گرم ہو تو اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پھونک مارنا بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیا جائے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۷۰)

١١٤- باب بيان جواز الشرب قائماً وبيان أنَّ الأكمل والأفضل الشرب قاعدا

کھڑے ہو کر پانی پینے کا جواز لیکن افضل یہی کہ بیٹھ کر پانی پیا جائے

ماءِ زم زم کھڑے ہو کر پینے کی اجازت

وعن ابن عباس رضي الله عنهما، قَالَ: سَقَيْتُ النَّبيَّ - صلى الله عليه وسلم - مِنْ زَمْزَمَ، فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ. متفق عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھڑے ہو کر پیا۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پانی پیا کیونکہ اژدحام تھا اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے بیٹھنا متعذر تھا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے کھڑے ہو کر پانی پیا یا اس لیے کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی یا بیٹھنے کی جگہ گیلی تھی۔

روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ سمجھتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۷۰)

ضرورت کے موقع پر کھڑے ہو کر پینا جائز ہے

وعن النَّزَّال بن سَبْرَةَ - رضي الله عنه -، قَالَ: أَتى عَلِيٌّ - رضي الله عنه - بَابَ الرَّحْبَةِ، فَشَرِبَ قائِماً، وقال: إنِّي رَأَيْتُ رسولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - فَعَلَ كما رَأَيْتُمُونِي فَعَلْتُ. رواه البخاري.

ترجمہ: حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باب الرحبہ آئے اور کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا جس طرح تم مجھے کرتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ (البخاری)

حدیث کی تشریح: عام حالات میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ کر پانی پیا جائے لیکن اگر کوئی ایسا موقعہ ہو کہ بیٹھنے کی جگہ نہ ہو یا لوگوں کا اژدہام ہو یا کوئی اور مجبوری ہو تو کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء میں سے کسی نے بھی کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کو حرمت پر محمول نہیں کیا ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت طبی اعتبار سے ہے اور کسی طرح کے نقصان سے بچنے کے لیے ہے کیونکہ بیٹھ کر پانی پینا زیادہ سہل اور آسان ہے اور اس میں پھندا لگنے کا امکان بھی کم ہے۔ (روضۃ المتقین: ۲/ ۳۰۲)

ہلکی پھلکی چیز کھڑے ہو کر کھانے کی اجازت ہے

وعن ابن عمر رضي الله عنهما، قَالَ: كُنَّا عَلَى عهدِ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - نَأكُلُ وَنَحْنُ نَمْشِي، وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيامٌ. رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چلتے چلتے کھالیتے اور کھڑے کھڑے پانی پی لیتے۔(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو احادیث مبارکہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کے بارے میں ہیں وہ کراہت تنزیہی کا بیان ہے یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے اور جو احادیث کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں ہیں وہ بیان جواز کے لیے ہیں اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً وضوء میں طریقہ مسنون یہ ہے کہ تین تین مرتبہ اعضاء دھوئے جائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ بھی اعضاء وضوء کو دھویا جو جواز کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھے ہوئے طواف فرمایا حالانکہ پیدل طواف زیادہ بہتر ہے اور زیادہ کامل ہے اس میں اصول یہ ہے کہ افضل اور مستحب پر مواظبت فرمایا کرتے تھے اور جواز بیان کرنے کے لیے ایک یا دو مرتبہ فرماتے اور اس پر مستقل عمل نہ ہوتا۔ چنانچہ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پینا بیٹھ کر تھا اکثر آپ کا وضوء اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونا تھا اور اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف پیدل تھا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/ ۱۹۴) (ریاض الصالحین ص ۱۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹھ کر پینا

وعن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جدِّهِ - رضي الله عنه -، قَالَ: رأيتُ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يَشْرَبُ قَائِماً وقَاعِداً. رواه الترمذي، وقال: ((حديث حسن صحيح)).

حضرت عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود رضی اللہ عنہم روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہو کر اور بیٹھے ہوئے دونوں حالتوں میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: طبرانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے دونوں حالتوں میں پانی پیتے دیکھا۔ یہ حدیث ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کی ہے اور طبرانی نے اوسط میں ذکر کی ہے۔ خطابی، ابن بطال اور امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک ممانعت کی احادیث کراہت تنزیہی پر محمول ہیں اور کھڑے ہو کر پانی پینے کی احادیث بیان جواز کیلئے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ۵، ۶۵۰)

کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت

وعن أنس - رضي الله عنه -، عن النبيِّ - صلى الله عليه وسلم -: أنه نَهى أن يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِماً. قَالَ قتادة: فَقُلْنَا لأَنسٍ: فالأَكْلُ؟ قَالَ: ذَلِكَ أَشَرُّ - أَوْ أَخْبَثُ - رواه مسلم. وفي رواية لَهُ: أنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قائِماً

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا قتادہ کہتے ہیں کہ ہم نے انس سے کہا کہ اور کھڑے ہو کر کھانے

کے بارے میں کیا ہے تو انہوں نے فرمایا یہ اس سے بھی زیادہ برا ہے (مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے پر سرزنش فرمائی۔

حدیث کی تشریح: امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کے کئی مفاسد ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس طرح پینے والے کو سیرابی حاصل نہیں ہوتی اور جگر کو یہ موقعہ نہیں ملتا کہ وہ پانی کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پانی تیزی سے براہ راست معدہ میں چلا جاتا ہے اور معدہ کو ٹھنڈا کر کے نظام ہضم کو متاثر کرتا ہے۔ بہرحال اسوۂ حسنہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پانی نوش فرماتے تھے اور یہی عادت شریفہ تھی۔ (شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۳/ ۱۶۴، روضۃ المتقین: ۲/ ۳۰۵) (ریاض الصالحین ص ۲۷۱)

کھڑے ہو کر پینے کی مذمت

وعن أبي هريرة – رضي الله عنه – ، قَالَ : قَالَ رسول الله – صلى الله عليه وسلم – : ((لاَ يَشْرَبَنَّ أحَدُ مِنكُمْ قَائِماً ، فَمَنْ نَسِيَ فَلْيَسْتَقِيء)) رواه مسلم .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر نہ پیئے اور جو بھول کر پی لے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کو قے کر دے۔ (مسلم)

حدیث کی تشریح: لَایَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِنْکُمْ قَائِمًا: اسی حدیث بالا کی طرف ایک دوسری روایت میں جس کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی آیا جو کھڑے ہو کر پانی پی رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قے کر دو۔ اس نے پوچھا کس وجہ سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھ بلی پانی پیئے تو کیا تم پسند کرو گے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے زیادہ برا یہ ہے کہ شیطان نے تمہارے ساتھ پانی پیا ہے۔ (سیرت خیر العباد: ۷/ ۳۶۹)

علماء فرماتے ہیں کہ یہ قے کرنے کا حکم بطور استحباب کے فرمایا، بطور وجوب کے نہیں کہ بہتر یہ ہے کہ وہ کھڑے ہو کر پانی اور کھانے کی چیز کو قے کر دے تاکہ آئندہ یہ غلطی نہ کرے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۷۱)

۱۱۵- باب استحباب كون ساقي القوم آخرهم شرباً

پلانے والے کیلئے سب سے آخر میں پینے کا استحباب

عن أبي قتادة – رضي الله عنه – ، عن النبيِّ – صلى الله عليه وسلم – ، قَالَ : ((ساقي القوم آخِرُهُمْ شُرْباً)) رواه الترمذي ، وقال : ((حديث حسن صحيح)) .

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں پیئے۔ (ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حدیث کی تشریح: اخلاق حسنہ اور اسلامی آداب کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی دوسروں کو پانی یا دودھ

پلائے یا ان کی مہمان داری کرے تو خود سب سے آخر میں پیئے یا کھائے اور اپنے آپ کو اس پلانے یا کھلانے کے دوران سب کا خادم تصور کرے۔ اہل صفہ کے دودھ پلانے کا واقعہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ کا پیالہ دیا اور فرمایا کہ سب کو پلاؤ۔ آپ نے سب کو پلایا اور سب سے آخر میں خود پیا اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچا ہوا پی لیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے ذمہ مسلمانوں کی کوئی خدمت ہو یا مسلمانوں کی کوئی مصلحت ہو جس میں وہ خود بھی شریک ہو تو پہلے سب مسلمانوں کی مصلحت کی تکمیل کرے اور آخر میں اپنی مصلحت کی جانب نظر کرے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۶۶۶/۵، روضۃ المتقین: ۳۰۶/۲) (ریاض الصالحین ص ۲۷۱)

۱۱۶- باب جواز الشرب من جميع الأواني الطاهرة غير الذهب والفضة وجواز الكرع - وَهُوَ الشرب بالفم من النهر وغيره بغير إناء ولا يد - وتحريم استعمال إناء الذهب والفضة في الشرب والأكل والطهارة وسائر وجوه الاستعمال

تمام پاک برتنوں سے سوائے سونے اور چاندی کے برتنوں کے پینا جائز ہے، نہر وغیرہ سے بغیر برتن اور بغیر ہاتھ کے منہ لگا کر پینا جائز ہے، چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال

کھانے پینے میں طہارت میں اور ہر کام میں حرام ہے

وعن أنس - رضي الله عنه - ، قَالَ : حَضَرَتِ الصَّلاَةُ فقامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّار إلَى أهْلِهِ ، وبَقِيَ قَوْمٌ ، فَأُتِيَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بمَخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ ، فَصَغُرَ المخْضَبُ أنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ ، فَتَوَضَّأَ القَوْمُ كُلُّهُمْ . قالُوا : كَمْ كُنْتُمْ ؟ قَالَ : ثَمَانِينَ وزيادة . متفق عَلَيْهِ ، هذه رواية البخاري .

وفی رواية له ولمسلم ان النبی صلی الله علیه وسلم دعا باناء من ماء فاتی بقدح رخراح فيه شیء من ماء فوضع اصابعه' فيه: قال انس فجعلت انظر الی الماء ينبع من بين اصابعه' فحزرت من توضا مابين السبعين الی الثمانين.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا تو جن کے گھر قریب تھے وہ گھر چلے گئے اور کچھ لوگ باقی رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پتھر کا ایک برتن لایا گیا وہ برتن اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں ہتھیلی بھی نہیں پھیل سکتی تھی۔ اس سے سب نے وضو کر لیا لوگوں نے پوچھا کہ تم کتنے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ اسی سے زائد۔ (متفق علیہ یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

ایک اور روایت جو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا برتن منگوایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن لایا گیا جس کا منہ کھلا ہوا تھا اور اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔

آپ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈبو دیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے دیکھا کہ پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے ابل رہا ہے اور میں نے وضو کرنے والوں کا اندازہ لگایا تو وہ ستر سے اسی کے درمیان تھے۔

حدیث کی تشریح: نماز کا وقت قریب آیا جن کے گھر قریب تھے وہ گھروں میں چلے گئے اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ نماز عصر کا وقت آگیا اور وضوء کے لیے پانی نہیں تھا اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں تشریف لے گئے۔ چلتے رہے کہ نماز کا وقت آگیا اور وضوء کے لیے پانی نہیں ملا اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ زورا تشریف لے گئے' مسجد وہاں سے تھوڑے سے فاصلے پر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ایک برتن لایا گیا جو اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں ہتھیلی بھی پھیلا کر نہیں رکھی جاسکتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں اپنی انگلیاں ڈال دیں اور انگشت ہائے مبارک سے پانی نکلنے لگا اور ستر اسی آدمیوں نے وضوء کرلیا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا اور پھر اپنی چار انگلیاں پانی میں ڈال دیں اور لوگوں سے فرمایا کہ سب وضوء کرلیں اور سب نے وضوء کرلیا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشت ہائے مبارک سے پانی اُبلنے کا واقعہ متعدد مرتبہ پیش آیا اور بارہا یہ معجزہ ظاہر ہوا اور یہ ایسا منفرد معجزہ ہے جو انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی کو نہیں ملا۔ (ریاض الصالحین ص ۲۷۲)

پیتل کے برتن کا استعمال

وعن عبد الله بن زيد - رضي الله عنه - ، قَالَ : أَتَانَا النبيُّ - صلى الله عليه وسلم - فَأَخرَجْنَا لَهُ مَاءً في تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّأَ . رواه البخاري . ((الصُّفْر)) : بضم الصاد ، ويجوز كسرها ، وَهُوَ النُّحاس ، و((التَّوْر)) : كالقدح ، وَهُوَ بالتاء المثناة من فوق .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے توہم نے ایک برتن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانی پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وضو فرمایا "الصفر" صاد پر پیش اور اس پر زیر پڑھنا صحیح ہے اس کے معنی پیتل کے ہیں "تور" بمعنی پیالے کی طرح ایک برتن 'تاء' کے ساتھ ہے۔

حدیث کی تشریح: حدیث بالا سے پیتل کے برتن کے استعمال کرنے کا بھی جواز معلوم ہوتا ہے۔ فَتَوَضَّأَ: بخاری کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے:

فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاَثًا وَيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَقْبَلَ بِهِ وَأَدْبَرَ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ (رواہ بخاری)

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ منہ کو دھویا اور دو مرتبہ ہاتھوں کو دھویا' سر کے آگے اور پیچھے کا مسح فرمایا اور پاؤں دھوئے۔ (ریاض الصالحین ۲۷۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی پسند تھا

وعن جابر - رضي الله عنه - : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - دَخَلَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ ، وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ ، فَقَالَ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : ((إنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ هذِهِ اللَّيْلَةَ فِي شَنَّةٍ وَإلاَّ كَرَعْنَا((٤)))) رواه البخاري .((الشنّ)) : القِربة .

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری آدمی کے پاس تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے ایک صحابی بھی تھے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انصاری سے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس مشکیزے میں رات کا باسی پانی موجود ہے (تو ہمیں پینے کیلئے دو) ورنہ ہم نہر وغیرہ سے خود منہ لگا کر پی لیں گے۔ (بخاری) "شن" بمعنی مشکیزہ۔

حدیث کی تشریح: بَاتَ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ فِيْ شَنَّةٍ: تمہارے پاس مشکیزے میں رات کا باسی پانی موجود ہے؟ گرمی کے موسم میں رات کا رکھا ہوا پانی کچھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس لیے یہ پینے میں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ پانی باسی نہیں ہوتا جس طرح کھانے پینے کی چیز باسی ہوتی ہے۔

اِلاَّ كَرَعْنَا: ورنہ ہم نہر سے خود منہ لگا کر پانی پی لیں گے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "کرع" یعنی منہ ڈال کر پانی پینا جائز ہے۔ سوال: ابن ماجہ کی ایک روایت میں اس طرح پینے کو منع کیا گیا ہے؟ جواب: اس ممانعت کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا جائے گا اور حدیث بالا کو بیان جواز پر محمول کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں اس طرح منہ لگا کر پینا تو مکروہ ہے لیکن مجبوری میں اس طرح پینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (ریاض الصالحین ص ۲۷۲)

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت

وعن حذيفة - رضي الله عنه - ، قَالَ: إنَّ النبيَّ - صلى الله عليه وسلم - نَهَانَا عَنِ الحَرِيرِ، وَالدِّيبَاجِ، وَالشُّربِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، وقَالَ: ((هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وهِيَ لَكُمْ فِي الآخِرَةِ)) متفقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حریر و دیباج کے پہننے سے اور سونے چاندی کے برتن میں پانی پینے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ چیزیں کافروں کو دنیا میں دی گئی ہیں اور تمہیں آخرت میں ملیں گی۔ (متفق علیہ)

حدیث کی تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو ریشم اور دیباج کے لباس سے منع فرمایا۔ یعنی یہ حکم مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو پہننا جائز ہے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ اشیاء اس دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ایسی نعمتیں عطا فرمائیں گے جن کو کسی کی آنکھ نے نہ دیکھا ہو اور جن کے ذکر سے کوئی کان آشنا ہو اور نہ وہ کبھی کسی کے تصور و خیال میں آئی ہوں۔ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پئے یا ایسے برتن میں پئے جس میں کچھ چاندی یا سونا لگا ہو تو یہ پانی نار جہنم بن کر اس کے پیٹ میں اترتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس

برتن میں پانی نہیں پیتے تھے جس میں چاندی کا حلقہ لگا ہوا ہو یا اس کا کنارہ چاندی کا ہو اور طبرانی کی اوسط میں ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیالہ میں بھی پانی پینے سے منع فرمایا جس پر کسی جگہ چاندی لگی ہو۔ البتہ عورتوں کو اس کی اجازت دی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی مجوسی نے سونے یا چاندی کے برتن میں پانی دیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ برتن اُٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میں اس کو پہلے بھی منع کر چکا ہوں ورنہ میں برتن نہ پھینکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا ہے۔

جس برتن میں تھوڑی سی چاندی لگی ہو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس برتن میں پانی پینا جائز ہے بشرطیکہ چاندی والے حصے کو نہ ہاتھ لگے اور نہ منہ لگے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح کے برتن میں بھی پانی پینا کراہت سے خالی نہیں ہے اور جو برتن پورا چاندی کا ہو اس کا استعمال تو کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے کہ اگر ذرا سی بھی چاندی ہو تو مذکورہ شرائط کے ساتھ ایسے برتن سے پانی پینا مکروہ ہے۔ (فتح الباری: ۳/۱۱۵۸، عمدۃ القاری: ۲۱/۸۶، روضۃ المتقین: ۲/۳۱۰)

چاندی کے برتن میں پینے پر وعید

وعن أُمِّ سلمة رضي الله عنها : أنَّ رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قَالَ : ((الَّذِي يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ الفِضَّةِ ، إنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ)) متفقٌ عَلَيْهِ . وفي رواية لمسلم : ((إنَّ الَّذِي يَأكُلُ أَوْ يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ الفِضَّةِ وَالذَّهَبِ)) . وفي رواية لَهُ : ((مَنْ شَرِبَ فِي إنَاء مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ ، فَإنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَاراً مِنْ جَهَنَّمَ)) .

ترجمہ۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیئے گا تو یہ پانی اس کے پیٹ میں نار جہنم بن کر گرتا رہے گا۔ (متفق علیہ)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص چاندی اور سونے کے برتن میں پانی کھاتا ہے اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے سونے اور چاندی کے برتن میں پانی پیا اس نے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر لی۔

حدیث کی تشریح: اس امر پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا اور پینا مرد و عورت دونوں کیلئے حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور علماء میں سے کسی کا اس امر میں اختلاف نہیں ہے۔ علامہ طیبی اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہما سے نقل کیا ہے کہ اگر برتن میں سونے چاندی کی چھوٹی چھوٹی کیلیں لگی ہوں اور کم مقدار میں ہوں تو ایسے برتن کا استعمال جائز ہے لیکن حنفی فقہاء کے نزدیک ایسے برتن سے بھی پانی پینا اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ سونے کی جگہ پر نہ ہاتھ لگے اور نہ منہ لگے۔ (فتح الباری: ۳/۴۱، عمدۃ القاری: ۲۱/۲۰۰) (ریاض الصالحین ص ۲۷۳)